مذکور بار بار لکہا گیا ہے جس سے دہوکا ہوتا ہے کہ شاید شاعر نے بہار کا فیض صرف چمن ہی مین دیکہا ہے
آخر مین چند طیور کے جوش و انبساط کو بہی دکہلایا ہے لیکن مقصد ایسے طریقہ سے کہ کوئی خاص بات
پیدا نہین ہوئی اثنائے بیان مین مذہب و سائنس کا مناظرہ بہی مناسب نہین، خاتمہ کے چند شعرون نے
سارے نظم کی خوبی کو گہٹا دیا،

"برسات" والی نظم خوب ہے برسات کے آثار و علامات کی جمع و تلاش مختلف جانورون کے
جوش انبساط کی مصوری، اور انسانی جذبات کی ترجمانی مین مصنف نے غیر معمولی دقت نظر سے کام لیا ہے
برسات کے آتے ہی دنیا کی کیفیت آسمان کی حالت، دشت و چمن کی تازگی، ان سب چیزون کو مصنف نے
نہایت کامیاب طریقہ پر بیان کیا ہے "بہار" اور "برسات" کی نظم مین اگرچہ بہت کچھ فارسی شاعری کے
سرمایۂ ادب سے کام لیا گیا ہے، تاہم یہ امر بجائے خود قابل ستائش ہے، کہ مصنف نے اس
اخذ و نقل مین دلآویزی، لطف سخن، حسن ادا، اور برجستگی و صفائی کا سررشتہ ہاتھ سے نہین دیا،
تشبیہات اکثر نہایت عمدہ اور بلیغ ہین، البتہ یہ کہنا بے موقع نہوگا کہ اگر ترتیب مین مزید دقت و
محنت سے کام لیا جاتا تو نظم کا حسن تسلسل اور زیادہ نمایان ہوتا، بادل کا اٹہنا اور برق و باران کی
آمد کئی کئی مرتبہ بیان کیگئی ہے، جانورون کے جوش و انبساط کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیان کرنے سے
نظم و تسلسل کی خوبی کم ہوگئی، عورت کے جذبات کا صرف ایک رخ دکہایا گیا اور وہ بہی زیادہ پہیلاکر،
"طبعیات اور مذہب" کی نظم مین یہ دکہلایا گیا ہے کہ یہ علوم مذہب کے مخالف نہین بلکہ موافق
ہین - سائنس جن حقائق کو ثابت کرتا ہے وہ مذہب کے اعتقادیات کو استحکام و تقویت
پہنچاتے ہین، یہ نظم بہت لمبی ہے، طبعیات کی اکثر شاخون کا تفصیلی تذکرہ ہے، گو یہ مضمون بالکل
خشک ہے، لیکن جناب شوق کے نتائج قلم نے شاداب و تر و تازہ کردیا ہے، شاعرانہ خصوصیات
و کمال کا جہانتک تعلق ہے اسمین کوئی کمی نہین، تسلسل، صفائی، روانی، حسن ادا سب کچھ جمع ہین

[illegible]

ابتداء مین منشی جوالا پرشاد برق (آنجہانی) کا لکہا ہوا مقدمہ ہے، جسمین حسن کے متعلق بعض فلسفہ قدیم وجدید کے خیالات جمع کئے ہین، "مثنوی حسن" کے مطالعہ سے پہلے اُسکا دیکہ لینا مفید ہے۔

استانی، یعنی عورتون اور بچون کا ماہوار رسالہ جو دہلی سے خواجہ حسن نظامی کی نگرانی اور اہلیہ خواجہ حسن نظامی کی ایڈیٹری مین شایع ہوتا ہے اسکے کئی پرچے آچکے ہین، مضامین مفید نیز عورتون اور بچون کے لئے سہل الفہم ہوتے ہین، مضمون نگار مرد اور عورت دونون ہین نظمین بھی ہوتی ہین، ترتیب اچھی ہے، معنوی خوبیون کے علاوہ ظاہری حالت بھی دلپذیر ہے، البتہ اتنی ترمیم ضروری ہے کہ صفحۂ اول پر بسم اللہ کے پہلو بہ پہلو مشہور حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" "ومسلمۃ" کی زیادتی کے ساتھ لکھی گئی ہے صحیح روایت "مسلم" ہی تک ہے "ومسلمۃ" کی زیادت کہین ثابت نہین، اس غلط العام کی تصحیح ہونی چاہیئے عورتون کی ضروری تعلیم کے لئے دوسری سندین مل سکتی ہین، کیون ایک غیر صحیح حدیث سے استناد کیا جائے۔

کاغذ سفید عمدہ، لکہائی چہپائی صاف اور اچہی، صفحے ۶۲، قیمت سالانہ تین روپیہ آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ منیجر خطیب واستانی۔ دہلی۔

دلنواز - دائرۃ الصوفیہ کہرور ضلع ملتان سے یہ رسالہ شایع ہوا ہے، تصوف اسکا موضوع ہے، اس نمبر مین خواجہ حسن نظامی، خان بہادر مرزا سلطان احمد اور مولوی احسان اللہ صاحب عباسی کے مضامین ہین، دو نظمین بھی ہین، کاغذ سفید اور لکہائی چہپائی متوسط، صفحے ۳۲، اسمین یہ اعلان کیا گیا ہے کہ دائرۂ مذکور سے سال مین چار رسالے شایع ہوا کرینگے، جنکی مجموعی قیمت ۱۲ رہوگی، اور غربا و طلبا سے ۸ آنہ، اس دائرہ کا مقصد تصوف اور متصوفین کی خدمت ہے لوگ اُسکی اعانت کرین۔

فہرست مضامین رسالہ معارف جلد چہارم

از جولائی ۱۹۱۹ء تا دسمبر ۱۹۱۹ء

(۱) شذرات

(۲) مقالات

(۳) مقتبسات

(۴) مترجمات

(۵) تلخیص و تبصرہ

(۶) اخبار علمیہ

(۷) آثار علمیہ وادبیہ

(۸) ادبیات

(۹) باب التقریظ والانتقاد

(۱۰) مطبوعاتِ جدیدہ

مجلد چہارم	ماہ شوال سنہ ۱۳۳۷ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۱۹ء	عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پریذیڈنٹ ولسن جو اسوقت یورپ و امریکہ کے سیاسی اکھاڑہ مین مصالحت و آشتی کے تنہا علمبردار ہین، شاید کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ بہت بڑے عالم و مصنف بھی ہین سیاسیات و ادب پر انکی متعدد بلندپایہ تصانیف شائع ہوچکی ہین، صدر حکومت امریکہ کی صدر نشینی سے پیشتر انکی حیثیت تمامتر علمی تھی، فن قانون مین وہ ڈاکٹر ہین، امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی مین مدتون وہ فن سیاسیات (پالیٹکس) کے پروفیسر رہے ہین، قانون بین الاقوامی کے اختلافی مسائل مین انکی رائے بحیثیت ماہر فن ہونے کے ہمیشہ مستند و مسلم رہی ہے، غرض انکی ایک عمر علم و فن کی خدمتگذاری مین صرف ہوچکی ہے، دیکھنا ہی کہ عملی سیاسیات مین پڑکر اسکی نجاستون سے وہ اپنے دامن کو آخر تک محفوظ رکھنے مین کس حد تک کامیاب ہوتے ہین، افلاطون نے کہا تھا، کہ دنیا مین امن و نظم اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب حکومت کی باگ اہل علم و حکمت کے ہاتھ مین آجائے، کیا سنہ ۱۹ء مین اس خواب کی تعبیر پوری ہوسکے گی؟

پیرس کی ایک معتدد جماعت کے سامنے پریسیڈنٹ ولسن نے اپنی تقریر مین فخریہ کہا تھا کہ مین سیاسی زندگی مین "[illegible] اسپرٹ (تعلیمی روح) داخل کررہا ہون" پھر اس "تعلیمی روح" کی خود ہی تشریح کی کہ اس سے مراد یہ ہے "کہ جو جذبات زندگی مین خلوص اور احقاق حق سے مانع ہوتی ہین، ان پر غالب آیا جائے"۔

کاش پریسیڈنٹ موصوف کو اپنی اس تعلیم پر عمل کی بھی توفیق ہو!

مہاراشٹر مین ایک ممتاز علمی انجمن انڈین ہسٹاریکل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے نام سے پونہ مین قائم ہے جسکا سالانہ جلسہ حال مین منعقد ہوا تھا، انجمن کا مقصد ہندوستان اور بالخصوص اپنے صوبہ سے متعلق اعلیٰ تاریخی تحقیقات کا مذاق پیدا کرنا ہے، اُسکی عمر ابھی کل آٹھ سال کی ہے، لیکن اتنے ہی عرصہ مین اسکی مختلف مجلسون مین تقریباً ایک سو علمی عنوانات پر مذاکرہ ہو چکے ہین، جنمین سے اکثر مرہٹون کی تاریخ سے متعلق خاص اہمیت رکھتے ہین اور جنکے ذریعہ سے متعدد انگریز مورخون کی غلطیون کی پردہ دری ہو چکی ہے، مطبوعات انجمن کی تعداد بیس تک پہنچ چکی ہے، جنکی مجموعی ضخامت چھ ہزار صفحون سے کم نہین، اسوقت انجمن کے ذخیرہ مین تیس ہزار قلمی مسودات، اور ایک کثیر تعداد مین قلمی تصاویر، مرقع، کتبہ، سکہ، وغیرہ موجود ہین، انجمن کے موجودہ ارکان کی تعداد پانچ سو ہے، جنمین ہندوستان کے بعض اکابر فضلا، مثلاً ڈاکٹر بھنڈارکر، پروفیسر جادوناتھ سرکار شامل ہین، اسکے سرپرست مہاراجہ گیکوار ہین، اور ریاست بڑودہ اکثر مطبوعات خرید کرتی رہتی ہے، اب انجمن کو اپنے نایاب ذخیرۂ تاریخی، اور دفتر وغیرہ کے لئے ایک وسیع عمارت کی ضرورت ہے، جسکا تخمینۂ مصارف دو لاکھ ہے، لیکن یہ ایسی رقم ہے، جسے مرہٹون کی باہمت قوم چند ماہ مین فراہم کرسکتی ہے، وہ مسلمانون کی قوم نہین جس نے اپنی یونیورسٹی بنانا چاہی، مگر چند روز مین طبیعت اُچاٹ ہوگئی، نہ بدنصیب اُردو بولنے والون کی جماعت ہین جسنے آج انسائکلوپیڈیا کا منصوبہ باندھا، اور کل دوسرے کھلونون سے دل بہلانے لگے،

مرہٹی ایک صوبہ کی مخصوص زبان ہے، پھر انسٹیٹوٹ مذکور کا دائرہ بھی تاریخ تک محدود ہے، اس پر بھی اسکے ارکان کا شمار پانچ سو تک ہے، اردو اسکے مقابلہ مین تمام ملک کی زبان ہے، نیز انجمن ترقی اردو کا، دائرہ کسی خاص علم و فن تک محدود نہین، اس تناسب سے انجمن اُردو کے ارکان کی تعداد کم از کم پانچ ہزار ہونا چاہیے تھی، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ وہ پانچ سو بھی نہین! بلکہ ۱۸ء مین یہ ہزار دشواری کہین جاکر تین سو ہوئی ہے، ورنہ دو سال پیشتر تو انکی تعداد ڈہائی سو سے زاید نہ تھی!! "ہمارے" "انکے" رفتار عمل کا فرق اسی سے ظاہر ہے!

مغرب کے اہل ثروت اگر روپیہ کمانا جانتے ہین، تو ساتھ ہی اسے مفید مصارف مین لگانا بھی جانتے ہین،
امریکہ کے مشہور ملک التجار اینڈریو کارنیگی "شاہ آہن" اور اسکی بے شمار دولت کے افسانہ اکثرون نے سنے ہونگے
جسکی دولت قارون کا پایا، لیکن دل حاتم رکھتا ہے، امریکہ و یورپ کے ہزارہا کتبخانہ اسی کی فیاضیون کے بل
بوتے پر چل رہے ہین، حال مین اندازہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ صرف اسی ایک (کتبخانی) مد مین اسکے عطایا کی میزان
۲ سو کرور تک پہنچی ہے!
بمبئی و کلکتہ، سورت و رنگون، دہلی و کانپور کے باہمت وغیرت مند مسلمان تاجرون نے کبھی یہ خبر سنی ہے

یورپ کی یونیورسٹیون مین آکسفرڈ و کیمبرج کو اپنی قدامت پسندی پر ناز تھا، امریکہ و جرمنی کی یونیورسٹیان
زمانہ کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہی تھین، لیکن انگلستان کے یہ دونون مرکزی دارالعلوم اپنی جگہ پر بالکل ثابت و
غیر متزلزل رہے تھے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، لیکن اب زمانہ کی قوت سے مغلوب ہو کر انہین بھی اپنے
نظام تعلیم مین بعض اہم اصلاحات کرنا پڑی ہین، اب تک یہ قاعدہ تھا کہ ان یونیورسٹیون مین داخلہ کے وقت طلبہ کو
یونانی زبان کے صرف ونحو مین امتحان پاس کرنا ہوتا تھا، حالانکہ محض ابتدائی صرف ونحو کے امتحان سے یونانی
زبان تو نہین آتی نہ تھی، البتہ یہ ضرور ہوتا تھا کہ ایک نامانوس وخشک مضمون پر غیر دلچسپ محنت کرنے سے
طلبہ کی قوت دماغی کو نقصان پہنچ جاتا تھا، لیکن وہی قدامت پرستی وعصبیت جو ہندوستان کے عربی مدارس مین
معاصر نصاب کے نام سے لرز اٹھتی ہے، انگلستان مین بھی مدتون اصلاح کی راہ مین حایل رہی، اب
حال مین یہ قاعدہ دونون یونیورسٹیون نے توڑا ہے، آئندہ ان مین داخلہ کے لئے یونانی صرف ونحو مین امتحان،
دینے کی قید اٹھا دی گئی ہے،

لیکن آکسفرڈ کی ڈگریون کا دروازہ اب تک صنف نازک کے لئے بند تھا، اب کیمبرج یونیورسٹی نے

ایک کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے، کہ عورتون کے لئے اس راہ مین سہولتین پیدا کی جائین، توقع ہے کہ عنقریب دونوں یونیورسٹیون سے مردون کے پہلو بہ پہلو لیڈیان بھی ہر قسم کی ڈگریان لیکر نکلنے لگین گی، یورپ کے تمدن کی جو نوعیت ہے، اسکے لحاظ سے حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اب تک ایسا کیون نہ تھا،

ہر ملک کی یونیورسٹیان وہان کے سب سے بڑے علمی مرکز ہوتے ہین، جنکا کام محض امتحان لینا اور اسناد تقسیم کرنا نہین ہوتا، بلکہ جنکے مقاصد مین طلبہ کے معلومات و واقفیت مین اضافہ کرنا انکی دماغی سطح کو بلند کرنا انمین مذاق علم پیدا کرنا، انکے لئے علمی تحقیقات کے وسایل و سامان بہم پہنچانا، سب کچھ داخل ہوتا ہے، ان اغراض کی تکمیل کیلئے یہ لازمی ہی، کہ ہر یونیورسٹی ایک جامع و عظیم الشان کتبخانہ رکھتی ہو، چنانچہ یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیان اس معیار پر پورا اترنے کی پوری کوشش کرتی ہین، لیکن ہندوستان کی یونیورسٹیان اس لحاظ سے ان سے کیا تناسب رکھتی ہین؟ اسکا جواب ذیل کے خاموش اعداد دینگے،

یونیورسٹی	تعداد کتب[1]
آکسفرڈ، (انگلستان)	۸ لاکھ
کیمبرج، (")	۷ لاکھ
لندن، (")	۱ لاکھ ۹۵ ہزار
ابرڈین، (اسکاٹ لینڈ)	۲ لاکھ
ہارورڈ، (امریکہ)	۱۱ لاکھ ۲۱ ہزار
شکاگو، (")	۴ لاکھ ۵۹ ہزار

[1] یہ ملحوظ رہے کہ یہ اعداد جو پروفیسر جیونس کے ایک مضمون سے ماخوذ ہین، مغربی کتبخانون کے آج کے نہین، بلکہ دس سال پیشتر کے ہین، جسکے معنی یہ ہین کہ ان مین اور زیادہ اضافہ ہوچکا ہوگا، برخلاف اسکے ہندوستانی یونیورسٹیون کے کتابون کی موجودہ تعداد درج ہے،

بوسٹن (امریکہ)	۳ لاکھ ہزار
ٹوکیو (جاپان)	۱ لاکھ ۹۰ ہزار
کلکتہ	۳۰ ہزار
لاہور	۳۰ ہزار
الہ آباد	۱۲ ہزار ۸۰۰

یونیورسٹیان ہندوستان مین بھی ہین، اور یورپ و امریکہ مین بھی لیکن دونون کے ثمرات مین جو نمایان فرق ہے اسکا حل یہین سے ہوجاتا ہے، یونیورسٹی بغیر ایک اعلیٰ کتبخانہ کے محض ایک قالب بے روح ہے،
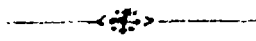
اردو کی ترقی و احیاء کے سلسلہ مین سب سے پہلے عملی دستگیری سرکار دکن نے کی، کہ اسکی ایک مخصوص یونیورسٹی قائم کردی، غنیمت ہے کہ حکومت ہند کی یونیورسٹیان بھی اب اردو کا درجہ کسی قدر پہچاننے لگی ہین کلکتہ یونیورسٹی کا قدم ترقی و روشن خیالی کے میدان مین ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون سے آگے ہے، اسنے حال مین اپنے نصاب تعلیم مین ورناکیولرز (ملکی زبانون) کو بھی داخل کیا ہے، اور ان مین ایک ملکی زبان اردو کو بھی قرار دیا ہے، دیکھنا ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی جو اردو کے مرکز اصلی مین قائم ہے اس اصلاح سے کب اور کس حد تک متاثر ہوتی ہے،

الہ آباد یونیورسٹی کے ماتحت ابتدائی مدارس مین اردو کا جو نصاب داخل ہے، انمین بعض کتابون کی زبان اس درجہ ناقص ہے کہ مشکل سے کوئی صفحہ فاحش اغلاط سے خالی ملے گا، اور بدقسمتی سے جو بچے اردو زبان لیتے ہین، وہ انہین کتابون کے پڑھنے پر مجبور ہوتے ہین، انگریز افسران سررشتہ تعلیم سے اسکی چندان شکایت نہین، اصلی شکوہ مسلمان ارکان سینٹ سے ہے، جو اگر براہ راست نہین تو بالواسطہ یقیناً اس صریحی ظلم کے روکنے مین معین ہوسکتے تھے، انکی خدمت مین یہ ادب واجب عرض ہے کہ یونیورسٹی کی فیلوشپ محض رسوخ و حکام رسی کا ذریعہ نہین بلکہ اپنے ساتھ کچھ فرائض بھی رکھتی ہے، اگر انہین اپنے فرائض کا احساس نہین، تو بہتر ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنی جگہون سے ہٹ جائین کہ میدان

اغیار کے لئے بالکل خالی ہوجائے، اور جو حشر اُردو کا کل ہوتا ہے، وہ آج ہی ہوجائے،

کچھ تو ہو چارہ غم بات تو یکسو ہو جائے　　تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کرلوں　(شبلی)

تاریخ میں کم از کم یہ تو نہ لکھا جائے، کہ اُردو کو جس وقت جام زہر پلایا جارہا تھا اُس وقت ساقی گری کی خدمت بعض وہ اصحاب بھی انجام دے رہے تھے، جو اپنے تئیں اسکا پرستار کہتے تھے،

عملی سیاسیات میں طلبہ کی مداخلت سے جو مضر و افسوسناک نتائج ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں یہی صورت یورپ امریکہ کے ہر متمدن ملک میں پیش آئی ہے، حال میں امریکہ کے مشہور تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے ایک فاضل مضمون نگار نے اسکا یہ علاج تجویز کیا ہے، کہ سیاسیات کی تعلیم داخل نصاب کردی جائے یعنی طلبہ کو ابتدا ہی سے یہ برابر معلوم ہوتا رہے، کہ ملکی نظم و نسق میں کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ان پر غالب آنے کے کیا طریقے ہیں، غیر اقوام سے کیسا تعلقات رکھنے چاہیئے، اپنے ملک کے مختلف گروہوں کے اختلافات کو کیونکر دور کرنا چاہئے نیز یہ اصولی مباحث کہ مختلف ممالک میں کیا کیا نظامات حکومت قایم رہے ہیں، ملکی رفتار ترقی پر انکا کیا اثر پڑا ہے، دقس علی ہذا طلبہ ان مسائل پر اگر ابتدا ہی سے غور و فکر کے خوگر ہوجائینگے، تو بقول مضمون نگار کے ان میں ذمہ داری کا پورا احساس پیدا ہوجائیگا اور آگے چلکر بجائے شورش و فساد کی ہنگامہ آرائیوں کے ان میں واقفیت و معلومات، متانت و سنجیدگی کے ساتھ معاملات ملکی پر نظر کرنے کا سلیقہ پیدا ہوجائے گا،

اگر اس کی حکومت میں یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا تو ممکن ہے کہ دوسری حکومتوں میں بھی اسکی تقلید کا شوق پیدا ہو،

میسور و حیدر آباد کے بعد تیسری ریاست بڑودہ ہے، جو اپنی علیحدہ یونیورسٹی قایم کرنے والی ہے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ یونیورسٹی کی ساری اسکیم ایک ہندوستانی فاضل مسٹر سیشادری سابق پرنسپل ہندو کالج بنارس نے مرتب کی ہے جو شائع ہوگئی ہے،

دارالمصنفین و معارف سے اپنی بساط کے مطابق بُری یا بھلی جو کچھ خدمت بھی علم و زبان کی بن پڑتی ہے اسکا ذکر انگریزی صحافت میں ایک سے زاید بار آچکا ہے، ۱۶ - جون کے لیڈر (الہ آباد) کے علاوہ کرانیکل (بمبئی) و نیو انڈیا مدراس) وغیرہ میں بھی حوصلہ افزا نوٹ نکل چکے ہیں، ان معاصرین کے حسن ظن کا شکریہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو معیار پیش نظر ہے اسکے لحاظ سے ابھی کچھ نہ ہوسکا،

مقالات

توجہ
کی
ماہیت نفسی

از مولوی عبدالماجد بی۔ اے، ایم آر، اے ایس

ایک شخص سر شام کمرہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے، فرش پر کوئی سیاہ شئے متحرک نظر آتی ہے، مگر تاریکی میں شناخت نہیں ہوتی، وہ اسے قریب آکر بغور دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک کیڑا ہے، یہ غور سے دیکھنا ایک عمل توجہ تھا،

ہم کمرہ میں بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے کہ ہوا میں زور سے سرسراہٹ کی آواز آنے لگی مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شئے کی آواز ہے، ہم کان لگا کر آواز کو سننے لگے تو معلوم ہوا کہ چھت پر سے ہوائی جہاز گذر رہا ہے، یہ اسکی سرسراہٹ ہے، یہ کان لگا کر سننا توجہ کے ساتھ سننا تھا۔

استاد درجہ میں سبق پڑھا رہا ہے، ایک گوشہ میں دو لڑکے آپس میں باتیں کر رہے ہیں، استاد سبق کو روک کے بغور اس آواز کو سننے لگتا ہے، تو پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں فلاں طالبعلم باتیں کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ ان طلبہ کی آواز اب بھی اُسیقدر رہی جتنی پہلے تھی، لیکن فرق یہ ہوگیا کہ استاد نے اب ادہر توجہ کی،

تم ایک مشہور شخص کا لکچر سن رہے ہو جو کچھ وہ کہہ رہا ہے حرف بحرف تمہارے ذہن نشین ہوتا جاتا ہے

اتنے مین تمہین اپنے گھر کا ایک بہت ضروری کام یاد آگیا، اور تم نے اُٹھنا چاہا لیکن اُٹھے نہین، البتہ اس اثنا مین لکچرر نے جو کچھ کہا وہ بالکل تمہارے ذہن مین نہ اُترا، ظاہر ہے کہ تمہاری اور لکچرر کی حالت مین اور کوئی فرق نہین ہوا، بجز اسکے کہ اتنی دیر تم اسکی جانب سے بے توجہ رہے،
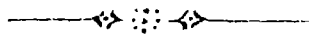
ان مثالون کی مدد سے یہ معلوم ہوا کہ توجہ نام ہے شعور مین مرکزیت پیدا کرنے کا، یا شعور کو کسی ایک خاص مرکز پر مجتمع کرنے کا، شعور جب تک ایک منتشر و پراگندہ حالت مین ہی، انسان خالی الذہن رہتا ہے، لیکن جب اسکی قوت ایک خاص نقطہ پر آکر جمع ہو جاتی ہے تو انسان کسی شے کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے، نور کی شعاعین جب تک پراگندہ و متفرق رہتی ہین، روشنی دھیمی رہتی ہے لیکن جب کسی ایک نقطہ کو مرکز بنا لیتی ہین تو روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے، یہی حال شعور کا ہے، توجہ، شعور کا کوئی مخصوص و مستقل شعبہ نہین، بلکہ صرف اسکی مرکزیت کا نام ہے، بغیر توجہ کے شعور کا کوئی عمل اپنی مکمل صورت کو نہین پہنچتا، ہمارے ارادے اسی وقت پختہ ہوتے ہین، جب ہم اُن پر توجہ کرین، جذبات اسی وقت قوت حاصل کرتے ہین، جب ہم انکی جانب متوجہ رہین، استدلال و استنباط، مشاہدہ و تجربہ، استخراج و استقرار ان مین سے ہر شے کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے لازمی ہے کہ انسان توجہ سے کام لیتا رہے،

توجہ کی تعریف یون بھی کیجا سکتی ہے کہ جس عمل سے شعور کے تموجات کسی ایک خاص رُخ پر لائے جائین وہ توجہ ہے، اور یہی توجہ کے لفظی معنی بھی ہین، لغت مین ہے "توجہ اے رو بچیزے آوردن" شعور و توجہ کے باہمی تعلق کی تصویر شکل ذیل سے پیدا ہوتی ہے :-

شعور
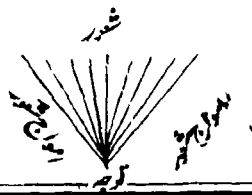
توجہ

تجربہ مین توجہ کی دو مختلف صورتین برابر آتی رہتی ہین، ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم بغیر اپنے قصد وارادہ" کے محض کسی ہیج خارجی کے اثر سے خود بخود کسی شے کی جانب متوجہ ہوجاتے ہین، بادل دفعۃً زور سے گرجتا ہے، اور ہر شخص خود بخود چونک پڑتا ہے، سامنے یک بیک زور سے بجلی چمکتی ہے، اور ہماری آنکھین آپ سے آپ بند ہوجاتی ہین، ان صورتون کو اصطلاح مین توجہ اضطراری کہتے ہین، دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی کوشش سے یا بالقصد اپنے تئین کسی شے کی جانب متوجہ کرتے ہین، ریاضی کا سوال ہمین استاد دیتا ہے، اور ہم اپنے تئین بالقصد اسکے حل کرنے پر آمادہ کرتے ہین، کالج کا گھنٹہ بجتا ہے، اور ہم دوسرے مشاغل کو چھوڑکر بالقصد درجہ مین جاتے ہین، یہ مثالین توجہ ارادی کی ہوئین، گویا توجہ اضطراری مین نفس کی حیثیت انفعالی ہوتی ہے، اور وہ معمول ومتاثر رہتا ہے، اور توجہ ارادی مین نفس کی حیثیت فاعلی ہوتی ہے اور وہ عامل ومؤثر رہتا ہے،

بہت سے اعمال زندگی ایسے ہوتے ہین جنمین توجہ اضطراری وتوجہ ارادی دونون مشترک داخل ہوتی ہین، استاد درجہ مین کاپیون کی اصلاح مین مصروف ہوتا ہے کہ ایک طرف سے بہت سی کتابون کے گرنے کی آواز آتی ہے، اسکی گردن بیساختہ اٹھتی ہے اور وہ چارون طرف نگاہ دوڑاتا ہے کہ یہ کس طالبعلم کی حرکت ہے، اس عمل کا جزو اول یعنی استاد کی گردن کا بیساختہ اٹھ جانا توجہ اضطراری کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ اسمین اسکے قصد وارادہ کو دخل نہ تھا، اور جزو دوم یعنی شور کرنے والے طالبعلم کا پتہ لگانا توجہ ارادی کا معلول تھا کہ یہ فعل اُس نے اپنی خواہش وارادہ کے ماتحت کیا

توجہ اضطراری، ایک عام وقدرتی شے ہے، جاہل، وحشی، بچہ، سب اسکے حصہ دار ہوتے ہین، یہانتک کہ حیوانات بھی اس سے محروم نہین ہوتے، البتہ توجہ ارادی مشق وتربیت کی محتاج ہوتی ہے، جس سے چھوٹے بچے اور وحشی افراد ایک بڑی حد تک محروم ہوتے ہین، اس بنا پر جائز ہے کہ

توجہ اضطراری کو توجہ وہبی، اور توجہ ارادی کو توجہ اکتسابی سے بھی موسوم کرین،

توجہ اضطراری کن کن اسباب وحالات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے ؟

(۱) **تازگیٔ دماغ** - چھوٹے بچون کو دیکھو، صبح سویرے کیسے چست وچاق خوش وخرم نظر آتے ہین، اور شام کو خستہ و مضمحل معلوم ہوتے ہین، صبح ہر چیز مین دلچسپی لیتے ہین، شام کو سونے کے لئے ضد کرتے ہین، قیام توجہ کے لئے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ دماغ و نظام عصبی مین ایک کافی ذخیرۂ قوت موجود ہو، اسی سرمایۂ قوت کو عرف عام مین "تازگیٔ دماغ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس شخص مین نطرۃً یہ ذخیرۂ قوت زیادہ ہوتا ہے، اسیقدر وہ توجہ کو بھی عرصہ تک قائم رکھہ سکتا ہے، خود ایک ہی شخص مین جسوقت یہ ذخیرہ جسقدر زاید ہوتا ہے، اُسی نسبت سے وہ زیادہ عرصہ تک اپنی توجہ کو قائم رکھہ سکتا ہے، اور جون جون خستگی کے سبب سے یہ ذخیرہ گھٹتا جاتا ہے، قوت توجہ مین بھی کمی آتی جاتی ہے

(۲) **قوت ہیّج** بادل کی تیز گرج، ریل کی سخت گھڑگھڑاہٹ سے ہر شخص چونک پڑتا ہی، لمپ کی تیز روشنی، بجلی کی تڑپ سے سب کی آنکھ جھپک جاتی ہے، بہت سخت بو یا خوشبو سے ممکن نہین کہ شامہ متاثر نہو، معلوم یہ ہوا کہ ہیّج جسقدر قوی ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس مین جلب توجہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے،

(۳) **تنوع ہیّج** - ایک بچہ کسی تاریک کمرہ مین لیٹا ہوتا ہے، اور روتا ہے، دایہ کمرہ مین لمپ لاتی ہے، اور وہ معاً چپ ہوجاتا ہے، اس جدید ہیّج نے بچہ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی، اور وہ بہل گیا، ایک ہیج کے دیر تک قائم رہنے سے طبیعت اسکی طرف سے اچاٹ ہوجاتی ہے، قیام توجہ کے لئے ضروری ہے کہ ہیج بدلتا رہے، "کل جدید لذیذ" کے مقولہ کی صحت کی بنیاد اسی اصول پر ہے، تھیٹر مین غم وشادمانی کے پردے بدل بدل کر اسی لئے آتے رہتے ہین کہ طبیعت ایک ہی قسم کی باتون سے اُکتا نہ جائے -

(۴) **نوعیت مہیج** - بچہ کو جو التفات اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے، کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا، انسان کو جو کشش اپنے وطن کے ساتھ ہوتی ہے اور کسی مقام سے نہیں ہوتی، ہر فرد بشر کے لئے **بعض مخصوص مہیج بمقابلہ دوسرے مہیجات کے بجائے خود زیادہ دلاویزی و دلکشی رکھتے ہیں** اور ہر ذہن میں قیام توجہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسی مخصوص نوعیت کے مہیجات اسکے سامنے آئیں جو اسکے لئے دلکش ہوں،

لیکن خود دلکشی کا کیا مفہوم ہے ؟

لکھنؤ میں ہر سال صدہا بیرونی اشخاص و سیاح آیا کرتے ہیں، لیکن یہاں سے واپسی پر ہر شخص کی معلومات و واقفیت کی یادداشت دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہے، ایک شخص صرف یہاں کی مشہور عمارات کو دیکھتا ہے، دوسرا صرف یہاں کے مشاہیر طبیبوں اور ڈاکٹروں سے ملتا ہے، تیسرا یہاں کے بڑے بڑے کتبخانوں کی سیر کرتا ہے، چوتھا یہاں کی صرف بڑی بڑی دکانوں کا پتا دن اور بازاروں کو دیکھتا ہے، غرض گو لکھنؤ شہر سب دیکھتے ہیں لیکن ہر شخص کے مشاہدات و تجربات دوسرے سے الگ ہوتے ہیں، ایک روزانہ اخبار ایک ہی وقت میں ہزاروں ہاتھوں میں پہنچتا ہے، لیکن ہر شخص کے لئے اسکی حیثیت جداگانہ ہوتی ہے، کوئی خرید و فروخت اشیا کے اشتہارات دیکھتا ہے، کوئی صرف ملازمت کے اشتہارات پر نظر کرتا ہے، کوئی محض جنگ کے تار پڑھتا ہے، کوئی صرف مقامی حالات کی تلاش کرتا ہے، کوئی صرف ایڈیٹوریل مضامین پڑھتا ہے، اور کوئی اول سے آخر تک ایک ایک حرف پڑھتا ہے، غرض جس تعداد میں ناظرین ہوتے ہیں، اتنی ہی حیثیات سے اخبار بھی دیکھا جاتا ہے، یہی حال دنیا کی ہر شے کا ہے، ہمارے گرد و پیش ہر وقت مدرکات کا ایک انبوہ بے پایان رہتا ہے، لیکن ہمارے علم و ادراک میں صرف ایک محدود حصہ آتا ہے، روزانہ صدہا آوازیں ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں لیکن

ہمارے لئے غیرمسموع رہتی ہے، صدہا مناظر آنکھون کے سامنے ہوتے ہین، لیکن ہمارے لئے غیرمرئی رہتے ہین، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کائنات کی جن چیزون سے نفس کو کوئی تعلق یا ذوق ہوتا ہے صرف وہی علم وشعور مین آتی ہین، باقی حدود شعور سے خارج رہجاتی ہین، ہرشخص اپنے ماحول سے جن چیزون سے ذوق وتعلق رکھتا ہے، صرف اُنہین چُن لیتا ہے، باقی جتنی چیزین غیردلچسپ ہوتی ہین، اُنہین وہ چھوڑ دیتا ہے، گویا وہ اسکے لئے وجود ہی نہین رکھتین، بلکہ معدوم ہوتی ہین، یہی سبب ہے کہ ہرشخص کا دائرہ معلومات دوسرے سے مختلف ہوتا ہے،

غرض "دلکشی" سے مراد یہ ہے کہ کسی شے سے دل کو لگاؤ ہو یا دل اسکی جانب ازخود کھنچے، اسکے عناصر ترکیبی حسب ذیل ہوتے ہین۔

(۱) ندرت - ایک کھانا روز کھاتے رہنے سے طبیعت اُکتا جاتی ہے، بہتر سے بہتر افسانے بھی بکثرت سُن چکنے کے بعد طبیعت پر بار ہوجاتے ہین، دلکشی کا سب سے بڑا عنصر جدت و ندرت ہے، کسی شے کے پامال وفرسودہ ہونے کے معنی ہی یہ ہین کہ اب اسمین دلاویزی باقی نہین رہی،

(۲) **مانوسیت** - کسی جاہل دہقانی کے سامنے غالب کا شعر پڑھا جاے تو اُسے مطلق لطف نہ آئیگا چار برس کے بچہ سے اگر محبت ازدواجی پر گفتگو کیجاے تو اسکے لئے بالکل بے مزہ رہیگی، دلکشی کا بڑا راز اسی مانوسیت مین پوشیدہ ہے، ندرت، اجنبیت اور انوکھے پن کے مرادف نہین، ہمچیز مین جدت وندرت ضرور ہونا چاہیئے، لیکن ساتھ ہی اسے مانوس ہونا بھی ضرور ہے، بالکل نامانوس شے سے ذہن کو وحشت ہوتی ہے، جو لوگ شعروشاعری سے مانوس نہین اُنہین مباحث شعری "خشک" معلوم ہوتی ہیں،

(۳) جذبہ انگیزی - بچون کو دیکھا ہوگا کہ وہ سامنے اپنے کھیل مین ہمہ تن مشغول معلوم ہوتے ہین، لیکن دوران گفتگو مین جہان کہین انکا نام آجاتا ہے، سر اُٹھا کر دیکھنے لگتے ہین، ایک مصنف اخبار پڑھتا ہوتا ہے، دوسرے صفحہ پر اُسے اپنی کسی تصنیف کے نام کی جھلک نظر آتی ہے، اور معاً نظر

حیثیت کردیتی ہے، وہ چیز یقیناً دلکش ہوتا ہے، جس سے ہمارے کسی جذبہ کو تحریک ہوتی ہو
خواہ یہ جذبہ ہماری ذات سے تعلق ہو یا ہمارے اغراض و مقاصد سے، خواہ پرلطف ہو یا دردانگیز ہو
لیکن بہرحال کسی نہ کسی جذبہ کو اس سے تحریک ضرور ہونا چاہیے، اپنے مخصوص عزہ و احباب کی
کامیابیوں کے ذکر میں ہمین خاص دلکشی ہوتی ہے، اسلئے کہ یہ تذکرے ہمارے لئے پرلطف ہوتے ہین
نکی سنظلومیت یمصیبت کے بیان کرنے میں بھی ہمین دلچسپی ہوتی ہے، اسلئے کہ اس مین بھی ایک
خاص طرح کا درد محسوس ہوتا ہے،

(۴) **تضاد و تقابل** - سفید براق کپڑے پر سیاہ دھبہ، نستعلیق کتابت مین خط نسخ کا کوئی لفظ،
سنجیدہ تقریر مین ظریفانہ فقرہ، پردیس مین کسی شناسا کی جھلک، احباب کے مجمع مین کسی اجنبی کی شکل، یہ
تمام چیزین ایسی ہین جن پر یقیناً نظر جم جاتی ہے۔

(۵) **انجوبگی** - معمولی قابلیت کا استاد پہلے اصل مسئلہ بیان کرتا ہے، پھر مختلف مثالون سے اسکی
توضیح کرتا ہے، اس سے زیادہ ہوشیار استاد یہ کرتا ہے کہ پہلے مختلف مثالین دیتا ہے، اور انکی مدد سے
طلبہ کو ایک جدید نتیجہ تک پہنچاتا ہے، اسلئے کہ جو شے بالکل کھلی ہوئی سامنے موجود ہوتی ہے، اسکی
بابت ذہن مین کوئی جستجو و تفتیش نہین پیدا ہوتی، بخلاف اسکے جو شے اپنے اندر کوئی راز و پیچیدگی رکھتی ہے
اسکے دریافت کرنے کا خود بخود اشتیاق پیدا ہوتا ہے، ناول و ڈراما کے پلاٹ کی ایک بڑی خوبی
یہ ہے کہ پُراسرار ہو تاکہ شوق آخری صفحہ تک قائم رہے،

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شے مین دلکشی کے یہ تمام یا ان مین کے متعدد عناصر ایک
ساتھ پائے جاتے ہین، اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس چیز کی دلکشی کئی گنی بڑھ جاتی ہے، شیکسپیر کا
کوئی تماشہ جبوقت کوئی اعلیٰ کمپنی کرتی ہوتی ہے تو اکثر تماشائی بالکل محو ہوجاتے ہین، اسلئے کہ اسوقت
دلکشی کے یہ تقریباً کل عناصر ایک ساتھ اپنا عمل کرتے ہوتے ہین۔

توجہ کی طرح "دلکشی" کی بھی دو صورتین ہوتی ہین، ایک صورت تو یہ ہوئی کہ جیسے بچون کو مٹھائی سے خاص رغبت ہوتی ہے، دوسری صورت یہ کہ جیسے ڈاکٹر کا دل، چیر پھاڑ اور اعمال جراحی مین لگتا ہے، پہلی قسم کو فطری یا طبعی کہتے ہین، اور دوسری کو اکتسابی، طبعی دلکشی صرف انہین چیزون سے ہوتی ہے جو بلا واسطہ و بجائے خود مرغوب و محبوب ہوتی ہین، اکتسابی دلکشی ان چیزون سے ہوتی ہے جو براہ راست و بجائے خود دلکش نہین ہوتین، بلکہ دوسری دلکش چیزون کے واسطہ سے رفتہ رفتہ خود بھی دلکش بنجاتی ہین، تصویرین، باجہ، اور مٹھائیان بچون کے لئے ایک ذاتی کشش رکھتی ہین، ڈاکٹر کو عمل جراحی بجائے خود مرغوب نہین ہوتا، لیکن اس سے جو فواید مترتب ہوتے ہین وہ اس عمل کو بھی مرغوب بنا دیتا ہے، اکثر صورتون مین کسی امر کی محض عادت و مزاولت ہی اسکے ساتھ اکتسابی دلکشی پیدا کر دیتی ہے -

ان تصریحات سے اب نظر آگیا ہوگا کہ توجہ اضطراری اور دلکشی کے درمیان چند قدم سے زاید فاصلہ نہین، بعض حکمار نے توجہ اضطراری و ارادی کے درمیان یہ فرق قرار دیا ہے کہ اول الذکر دلکشی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے، اور آخر الذکر سعی و کوشش کی بنا پر، گویا اسکے معنی یہ ہین کہ توجہ اضطراری کا ماخذ جذبات ہین، اور توجہ ارادی کا ماخذ ارادہ، لیکن مزید غور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو توجہ ارادی کی علت قریبہ ارادہ ہوتا ہے، لیکن حقیقی و اصلی ماخذ اسکا بھی وہی جذبات ہی ہوتے ہین اسلئے کہ گویا بالفعل ارادہ ہی توجہ ارادی کو قائم رکھے ہوئے ہوتا ہے لیکن بالآخر خود اس ارادہ کی زندگی جذبات ہی کے سہارے پر ہوتی ہے،

بچہ جب پڑھنے بٹھایا جاتا ہے تو عموماً شروع شروع اسکا دل بالکل نہین لگتا، اور وہ تعلیم سے بھاگنا چاہتا ہے، لیکن سبق سے متعلق تصویرین، کھلونے وغیرہ جو ہوتے ہین اُنسے اسے دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ قدرتاً اُنکے متعلق سوالات کرتا ہے، استاد اگر دانشمند ہے تو سبق کو

ان متعلقات سبق سے بالکل وابستہ کردیتا ہے، اوران دلچسپیون کو مختلف طریقون سے برابر ترقی دیتا رہتا ہے، اس سے رفتہ رفتہ بچہ کی طبیعت پڑھنے لکھنے سے مانوس ہوجاتی ہے، یہانتک کہ کچھ عرصہ کے بعد عادت قائم ہوجاتی ہے، اوراب وہ بربنا رعادت تعلیم پر توجہ کرنے لگتا ہے، گویا جو شے پہلے بالکل بے لطف و بدمزہ تھی، وہ مختلف جذبات کی وساطت سے بالآخر پرلطف و دلکش بنجاتی ہے، البتہ استاد اگر نادانشمند ہے تو وہ توجہ کی بنیاد دلکشی کے جذبات پر قائم نہین کرتا، اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبعلم کو کبھی توجہ ارادی کی عادت نہین پڑتی، اور وہ ساری عمر علم و تعلیم سے جی چراتا رہتا ہے، اس مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے، کہ توجہ ارادی بھی جذبات ہی کو ایک خاص سیغہ کے ساتھ منتظم و مرتب کرنے کا نام ہے، اور توجہ کی دونون قسمین بلحاظ اپنے اصلی اور آخری اجزا ترکیبی کے متحدالاصل ہین،

ایک زریخ محقق پریز اپنے ملک کے ایک شش سالہ بچہ کا حال بیان کرتا ہی کہ وہ بہت ہی بدشوق، و تعلیم سے گریز کرنے والا تھا، ایک روز اُس نے خود بخود پیانو بجانا شروع کیا، اور اُسکی ایک خاص گت کو جو اسکی والدہ کو بیحد پسند تھی، کوئی ایک گھنٹہ تک برابر بجاتا رہا، مان اس سے بہت ہی خوش ہوئی، کچھ روز کے بعد ایک دن اُسکی دایہ دیکھتی کیا ہے، کہ بچہ اپنے والد کی میز کے سامنے بیٹھا کچھ لکھنے مین مشغول ہے، دایہ نے حیرت سے پوچھا کہ آج یہ کیا ہورہا ہی تو بچہ نے جواب دیا کہ

"ایک کاغذ پر جرمن لکھ رہا ہون، اسمین جی تو نہین لگتا لیکن امان جان اسے دیکھکر کیسا خوش ہونگی"

عبارت زیر خط سے یہ دکہانا مقصود ہے کہ توجہ ارادی کا ماخذ اصلی بھی جذبات ہی ہوتے ہین، بچہ اپنے اس عمل مین صاف توجہ ارادی سے کام لے رہا تھا، اپنی کوشش و ارادہ سے ایسا کام کررہا تھا، جس پر اُسکی طبیعت آمادہ نہ تھی، محض اسلئے کہ مان کو خوش کرکے بالآخر خود بھی خوشی حاصل کرے۔

پروفیسر سیرے پونے توجہ ارادی کے ارتقا کی تین منزلین قرار دی ہین، دور اول مین استاد

جذبات مفردہ کی مدد سے توجہ اضطراری کی مدت قیام کو تدریجاً بڑھاتا ہے، انعام کی طمع، اپنی خوشنودی کی چاٹ، سزا کا خوف وغیرہ، مختلف محرکات و مرغبات کی وساطت سے وہ توجہ اضطراری کو برابر تحریک وتقویت پہنچاتا رہتا ہے، دوسرے دور مین وہ ذرا بلند تر محرکات کو اپنا مخاطب بناتا ہے، مثلاً جذبات خودداری، اعزاز نفس، مسابقت، بلند نظری، فرض شناسی وغیرہ یہ وہ دور ہوتا ہے جب توجہ ارادی پیدا ہو چکی ہوتی ہے، اور ضرورت صرف اسکی رہ جاتی ہے کہ اسمین قیام وثبات پیدا کیا جائے، یہ مقصد تیسرے دور مین عادت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، دنیا مین بہ استثنا رشاذ کوئی اپنی جگہ اور اپنی حالت پر خوش ومطمئن نہین، ہر شخص دوسرون کی حالت پر رشک کرتا ہے، وکیل، تاجر، ملازم، زمیندار، ایڈیٹر، مصنف، ہر صیغہ کا شخص دوسرون کو اپنے سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتا ہے، لیکن باوجود اس بے قناعتی وبے اطمینانی کے دنیا مین کوئی عام شورش وبغاوت نہین پیدا ہو جاتی، بلکہ ہر شخص اپنے اپنے پیشہ وشغل مین متوجہ ومصروف رہتا ہے، اسکی بنیاد تمامتر عادت پر ہے۔

غرض آخر مین عادت ہی توجہ ارادی کے قیام وتحفظ کی ضامن رہجاتی ہے، اور ابتدا مین اسکی تکوین وپیدائش جذبات کے ہاتھون عمل مین آتی ہے، وکیل کی انتہائی آمدنی اگر ابتدا ہی سے ہونے لگے، تو کون شخص مقدمات کی تیاری کی زحمتون کو برداشت کرے؟ تاجر کو اگر آغاز کار ہی مین پورا نفع حاصل ہو جائے تو کون کاروبار کی دقتون کو گوارا کرے؟ ملازم کو اگر شروع ہی سے اعلیٰ ترین منصب پر سرافراز کر دیا جائے تو کون شخص محکومیت واطاعت کی ذلتون اور سختیون کی تاب لائے؟ طلبہ اگر مکتب مین قدم رکھتے ہی ہر طرح کی کامیابی حاصل کر لین، تو کون طالب علم ایک دن بھی پڑھنے پر توجہ کرے؟ خلاصہ یہ کہ دنیا مین جو کوئی بھی کسی شے پر اپنی توجہ ارادی صرف کرتا ہے، وہ کسی نہ کسی توقع ہی کی بنا پر کرتا ہے، جس سے بالآخر کسی جذبہ کی تسکین مقصود ہوتی ہے۔

توجہ اضطراری مین شغل موجودہ مقصود بالذات ہوتا ہے، اور توجہ ارادی مین کسی مقصد کے حصول کا آلہ یا ذریعہ ہوتا ہے، ایک بچہ کو ریاضی کا ایک سوال حل کرنے کو دیا جاتا ہے، جو بجای خود اسکے لیے ذرا بھی دلکشی نہین رکہتا، لیکن اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ چھٹی ملنا اُسکے حل کرنے پر موقوف ہے، اب اس شئے یعنی چھٹی پانے کو وہ منتہاے مقصود قرار دیکر سوال حل کرنے مین مشغول ہوجاتا ہے، اور اسپر اپنی پوری توجہ صرف کرنے لگتا ہے، سوال کو حل کرنا مقصود بالذات نہین، محض اُسکے اوپر وہ کبھی توجہ قائم نہین رکھ سکتا ہے، لیکن ایک پیش نظر مقصود کے حصول مین بطور آلہ یا واسطہ کے یہ پورا کام دیسکتا ہے۔

توجہ ارادی بظاہر ایک مدت تک قائم رہتی ہے، لیکن کیا واقعہ بھی یہی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ہر چند لحون کے بعد انسان کی طبیعت ہٹنے لگتی ہے، لیکن معاً اصل مقصد کا تخیل پھر پیش نظر ہوجاتا ہے، اور اس سے ہر مرتبہ تازہ دم ہوکر انسان پھر از سر نو صرف توجہ کرنے لگتا ہے، امتحان مین جب طلبہ پرچہ لیکر بیٹھتے ہین، اُسوقت انہین اس کیفیت کا خاص طور پر تجربہ ہوتا ہے، ذرا ذرا دیر کے بعد طبیعت اُکتاتی ہے، لیکن فوراً ہی خیال آجاتا ہے کہ یہ امتحان کا نازک وقت ہے، جسکے نتیجہ پر کامیابی و ناکامیابی کا انحصار ہے، اور یہ خیال آتے ہی پھر وہ جوابات مین مشغول ہوجاتے ہین، اس لحاظ سے توجہ ارادی، توجہ اضطراری ہی کے ایک تسلسل کا نام ہے، توجہ ارادی گویا ایک زنجیر ہے جسکا ہر حلقہ الگ الگ کرکے دیکہا جاے تو توجہ اضطراری ہی کا نظر آئیگا۔

لیکن جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ توجہ ارادی کے عناصر ترکیبی، توجہ اضطراری ہی کے اعمال ہوتے ہین، اُسی طرح یہ کہنا بھی غلط نہین کہ اکثر توجہ ارادی رفتہ رفتہ توجہ اضطراری کی شکل مین تبدیل ہوجاتی ہے، اس معنی مین کہ پہلے جن اعمال پر کوشش و قصد سے صرف توجہ کیجاتی تھی، وہ ایک عرصہ کی مشق و مزاولت کے بعد اضطراراً سرزد ہونے لگتے ہین، اور از خود جانب توجہ کرنے لگتے ہین، مبتدی

مقرر کو شروع شروع بہ قصد و کوشش اپنی توجہ تقریر کے موضوع و الفاظ پر قائم رکھنا ہوتی ہے اسکے لئے اسے پہلے سے محنت کرنا ہوتی ہے، تخلیہ مین مشق کرنا ہوتی ہے، اور تقریر کے وقت وہ تحریری اشارات (نوٹ) سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن یہی شخص جب مشاق خطیب ہو جاتا ہے تو کسی قسم کی تیاری کی ضرورت باقی نہین رہتی، اب وہ برجستہ ہر موضوع پر تقریر کر سکتا ہے اُسے سوچنے اور خیالات کے ترتیب دینے کے لئے وقت کی حاجت نہین ہوتی، اور الفاظ و مضامین اسکے بغیر سعی و کوشش از خود اسکے دائرہ توجہ مین آتے جاتے ہین، گویا مہارت و مشاقی ایک پل ہے جس پر ہو کر توجہ ارادی، توجہ اضطراری سے ہم آغوش ہو جاتی ہے،

توجہ ارادی کے سلسلہ مین اسکے خصائل ذیل قابل لحاظ ہین۔

(۱) ارادہ نفس کو کسی شے پر آمادہ و متوجہ کر سکتا ہے، لیکن جب تک وہ شے دلکش نہو توجہ کو قائم نہین رکھہ سکتا، ہر مشہور عالم و مصنف کے پاس اسکے مداح و معتقدین بکثرت آتے رہتے ہین، جنمین بعض بہت ہی کم علم ہوتے ہین۔ کبھی کبھی وہ عالم انکے سامنے کسی دقیق علمی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتا ہے، یہ لوگ عقیدت و عظمت کے خیال سے چاہتے ہین کہ اسکی تقریر کے تمام مطالب ذہن نشین کرتے جائین، اور اپنے تئین اسیر برابر آمادہ کئے جاتے ہین، لیکن چونکہ وہ موضوع انکے ذوق و دلکشی کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے اسلئے کچھ ہی دیر مین انکی طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے، بہت سے طلبہ اپنا سبق تیار کرنے کے ارادہ سے بیٹھتے ہین، لیکن ذرا دیر مین انکا خیال بٹ جاتا ہی اور کتاب کے الفاظ انکی آنکھون کے سامنے رہتے ہین، لیکن اُن سے کوئی مفہومی کیفیت انکے دماغ مین نہین پیدا ہوتی، الغرض توجہ ارادی کے قیام و ثبات کے لئے ذوق و دلکشی لازمی ہے۔ محض ارادہ کافی نہین

(۲) ارادہ بعض اوقات نوعیت ذوق کی تعین کرتا ہے۔ باغ مین ایک وقت ہم محض تفریح کی غرض سے جاتے ہین، دوسرے وقت باغبان کو بعض ہدایات دینے جاتے ہین، تیسرے وقت علم

نباتات سے متعلق بعض مشاہدات و معلومات حاصل کرنے جاتے ہین، وقس علی ہذا۔ باغ ایک ہی ہے لیکن ہر وقت اس سے ہماری دلچسپی ایک جدید حیثیت رکھتی ہے، اور اسکی نہین ارادہ کرتا ہی اسی طرح دنیا کی ہر شئے اپنے اندر بیشمار دلچسپیان رکھتی ہے، اسکی تعین کہ ہمین فلان وقت اور فلان موقع پر اسکے ساتھ کس خاص حیثیت سے دلچسپی ہوگی، اکثر ارادہ کے ہاتھ مین ہوتی ہے

(۳) ارادہ، توجہ اضطراری کی قوت پر غالب نہین آسکتا، بچہ بچہ ہی رہین گے خواہ ان مین ضبط و [illegible] پیدا کرنیکی کتنی ہی کوشش کیجائے، ایک پانچ برس کا بچہ اگر استاد کے پاس بیٹھا ہے اور [illegible] بارات نکل رہی ہے تو ممکن نہین کہ وہ ادہر نہ دیکھنے لگے، اور استاد گر دانشمند ہے تو [illegible] موقع پر سرزنش بھی نہ کریگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس عمر کے بچون مین باجہ و تماشہ کی جانب التفات انکی توجہ اضطراری کا لازمی نتیجہ ہے، جسکے سامنے انکا ارادہ بے بس ہے، البتہ اگر نوجوانون مین [illegible] ضبط نہو تو وہ بے شبہہ قابل ملامت ہین، فیثاغورث و سقراط، نیوٹن و ہیگل سے زیادہ غور و فکر مین انہماک رکھنے والا دنیا مین شاید ہی کوئی شخص ہوا ہو، لیکن ان سے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ [illegible] کے پیچھے کوئی دفعۃً پٹاخہ چھوڑ دیتا، اور وہ بیساختہ اُچھل نہ پڑتے، یہ اُچھل پڑنا توجہ اضطراری کا ایک عمل ہوتا، جسکے سامنے انکے ارادہ کا مغلوب رہنا یقینی تھا۔

[illegible] و شائستگی کو جون جون ترقی ہوتی جاتی ہے، توجہ اضطراری کے ساتھ ساتھ توجہ ارادی کا بھی ارتقا ہوتا رہتا ہے، وحشی افراد مین توجہ ارادی کا حصہ برائے نام اور بیشتر حصہ توجہ اضطراری ہی کا ہوتا ہے۔ لیکن متمدن جماعت کے افراد مین کوئی بھی ایسا نہ نکلیگا جو توجہ ارادی کا کافی حصہ دار ہو، توجہ ارادی کا پورا انہماک و یکسوئی آسان نہین، اسکے لئے ایک مدت کی تربیت اور مشق و ریاضت کی ضرورت ہے۔

توجہ ارادی و اضطراری کے خصائص امتیازی جدول ذیل کی مدد سے بیک نظر

ذہن نشین ہو سکتے ہین -

	توجہ اضطراری	توجہ ارادی
بہ لحاظ علت ترہیبہ	جذبات	ارادہ
بہ لحاظ حالت شعور	انفعالی	فاعلی
بہ لحاظ ہیج	خارجی	داخلی
بہ لحاظ مدت	مختصر و آنی	طویل و ممتد
بہ لحاظ ماخذ	ذوق و دلکشی	سعی و کوشش

(باقی)

(نوٹ) اردو مین اسوقت تک کوئی ایسی کتاب موجود نہین، جو نفسیات (سائیکالوجی) کے طلبہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو، مضمون بالا جو آیندہ نمبر مین ختم ہوگا، جس طرز پر لکھا گیا ہے، اسی طرز پر صاحب مضمون کے زیر تحریر نفسیات کے جملہ مسائل ہین، توقع ہے کہ ان مضامین کا مجموعہ عام شائقین کی دلچسپی کے علاوہ، اس فن کے طلبہ کے لئے بھی نفسیات کی ایک جامع درسی کتاب (ٹکسٹ بک) کا کام دیسکے -

حکیم مہدی

(از پروفیسر اس ۔ بی ۔ اسمتھ کیننگ کالج لکھنؤ)

(۱)

مشہور و معروف شاہ مینا کی درگاہ کے قریب، اور شہر کی قدیم ترین آبادی کے موقع پر بلند و مرتفع زمین پر لکھنؤ میں نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخان بہادر کا مقبرہ ہے، اسکے پہلو میں جو امام باڑہ ہے، اس میں اُنکے بھائی ہادی علی خان مدفون ہیں، وہ اب ایک کھنڈر رہ گیا ہے جسپر گھاس اُگ آئی ہے، خود مقبرہ بھی گو شفق کی روشنی میں خوش منظر معلوم ہوتا ہے لیکن اگر قریب سے دیکھا جائے تو بالکل اُجاڑ نظر آئے گا، حکیم مہدی کی اس سے زیادہ پائدار یادگارین ملک کے مختلف اطراف و جوانب میں پائی جاتی ہیں، سیتاپور سے خیرآباد تک سڑک پر دو رویہ درختوں کی جو قطار ہے، یہ انہین کی لگائی ہوئی ہے، شاہجہان پور کا خوشنما پل انہین کا تعمیر کرایا ہے، فرخ آباد کے متصل کالی ندی کا پل بھی انہین کی یادگار ہے، فتحگڈہ میں انکا جو مکان سکونت تھا، وہ اب اسپتال کا کام دیتا ہے، اور گنگا کا ایک گھاٹ بھی انہین کے نام کے ساتھ منسوب ہے، اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے وطن آبائی اور اپنے مولد کو بھی فراموش نہین کیا تھا، تاریخ کا بیان ہے کہ ایران میں کسی مقام پر ایک پل انھوں نے تیار کرایا تھا، اور کشمیر میں ایک امام باڑہ، لکھنؤ میں انھوں نے خیرات کا ایک پورا انتظام "ردِ مظالم" کے نام سے قائم کیا تھا، چنانچہ اُنکے خاندان میں اب تک ایک جائداد جسکا محض سود ۵ لاکھ ۲۵ ہزار سالانہ آتا ہے، اس مقصد کے لئے وقف چلی آتی ہے۔

انکی ابتدائی زندگی تقریباً نامعلوم ہے، انکے والد مرزا خواجہ سخی، تبریز (ایران) کے باشندے تھے، کشمیر میں متوطن ہوگئے تھے، اور یہین حکیم مہدی کی ولادت ہوئی، اسی لئے لکھنؤ میں وہ کشمیری مشہور ہوئے، انکے بڑے بھائی کا نام مرزا ہادی علی خان تھا، جن کے فرزند منور الدولہ وزیر ہوئے، اور جنکی نسل میں نوابان شیش محل اب تک لکھنؤ میں موجود ہین، انکا شجرۂ نسب یہ ہے:-

مرزا خواجہ سمی

- مرزا ہادی علی
  - مرزا احمد علیخان منور الدولہ،
    - نواب امجد علیخان اشرف الدولہ،
      - نواب باقر علیخان
      - نواب جعفر علیخان
- حکیم مہدی (متوفی ۲۵- دسمبر ۱۸۳۵ء)

حکیم مہدی کا سنہ ولادت نامعلوم ہے، ۱۸۳۱ء مین وہ اپنے متعلق تحریر کرتے ہین، کہ "مین بوڑھا ہو چکا اور مرنے کے قریب آلگا" اسی سال مسز فینی پارکس ان سے ملی تھین، وہ لکھتی ہین، کہ "وہ نہایت ضعیف و معمر شخص ہی" حکیم مہدی کا ذکر معتبر تحریرون مین سب سے پہلے سلیمن صاحب کے اس فقرہ مین ملتا ہے کہ "حکیم مہدی ضلع اعظم گڈہ مین بو علیخان کے ملازم تھے، اور اس زمانہ مین تھے، جبکہ ۱۸۰۱ء مین وہ ضلع سرکار انگریزی کے قبضہ مین آرہا تھا" اسکے الحاق کے بعد وہ ۱۸۰۲ء مین پھر لکھنؤ واپس آئے، اور محمدی کے ناظم مقرر ہوئے،

اسوقت اودہ کا بڑا حصّہ سولہ چکلہ دارون مین تقسیم تھا، اور اجارہ یا ٹھیکہ کا طریقہ جاری تھا، اجارہ دار کے لئے ناظم، عامل، چکلہ دار، و مستاجر وغیرہ کے مختلف القاب تھے، اسکے سپرد صرف "وصول تحصیل" ہی نہین ہوتی تھی، بلکہ عدالتی و انتظامی ہر طرح کے اختیارات اسکو حاصل رہتے تھے، اور فوج بھی اسکے ماتحت ہوتی تھی،

ضلع محمدی کا ٹھیکہ حکیم مہدی نے ۳ لاکھ ۱۱ ہزار روپیہ پر لیا، اپنا قیام لکھنؤ ہی مین رکھا، اور علاقہ پر اپنے بھائی ہادی علیخان کو بھیجا، انکی خوش انتظامی سے چندہی سال مین علاقہ کی سالانہ آمدنی ۷ لاکھ تک پہنچ گئی، ۱۸۰۸ء مین اسکے متصل خیرآباد کا ٹھیکہ بھی حکیم مہدی نے ۵ لاکھ پر حاصل کیا، لارڈ ہسٹنگز ۱۸۱۸ء مین بہ غرض شکار حکیم مہدی کے علاقون سے ہو کر گذرے، اور انھون نے ان علاقون کو نہایت مرفہ الحال پایا، رعایا خوش و خرم تھی، کاشتکاری خوب زورون پر ہوتی تھی، کوئی زمین اُفتادہ نہ تھی، لارڈ موصوف نے دریافت کیا، کہ آخر رعایا کیونکر صحرائی علاقہ کو مزروعہ کرنے پر آمادہ ہو گئی، اسکے جواب مین حکیم مہدی نے کہا کہ "پہلے سال مین لگان بالکل

معاف کر دیتا ہون، دوسرے سال لے لیتا ہون، اور دو تین سال تک یہی شرح رکھتا ہون، تاکہ کاشتکارون کو خاطر نشین ہو جائے کہ اس مین تماستر انہین کا نفع ہے، اسکے بعد مین انکی آمدنی کا ۱/۲ لیتا ہون، اور وہ بھی نقد نہین بلکہ جنس کی صورت مین، اور اسکے علاوہ اور کسی طرح کا مطالبہ ان سے نہین کیا جاتا، قدیم مزروعہ علاقون مین شرح لگان ۲/۵ ہے۔ اسکے ۴ سال بعد جب علاقہ محمدی کے محاصل ۴ لاکھ سے گھٹ کر ۳ لاکھ تک آگئے، اور رعایا بجائے آسودہ ہونے کے بد حال ہونے کے پریشان و مفلس رہنے لگی، مسٹر سلیمن کا بیان ہے کہ اسوقت بھی حکیم مہدی کا نام بہت احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا،

نواب سعادت علیخان تک جنھون نے خزانۂ عامرہ کو ۱۴ کرور کی دولت سے اور قید خانون کو عالمون سے بھر دیا تھا، حکیم مہدی کے معاملات مین دست اندازی نہین کرتے تھے، اسلئے کہ نواب ایک قابل حکمران تھے اور بہ خلاف اپنے نالائق اخلاف کے، دوسرون کی دیانت و اہلیت کی قدر کرتے تھے، حکیم مہدی پر انکو خاص اعتماد تھا، "امور متعلقہ دیوانی و مالگذاری انہین کے ہاتھ مین چھوڑ دئے تھے، اور اپنی وفات کے وقت تک تمام معاملات سلطنت انہین کے صلاح و مشورہ سے انجام دیتے رہے" پادری ہیبر کا بیان ہے کہ سعادت علیخان کی وفات کے وقت حکیم مہدی انکے وزیر تھے، لیکن کوئی معتبر شہادت انکے منصب وزارت پر باضابطہ فائز ہونے کی موجود نہین، برائے نام وزیر خود سعادت علیخان کے فرزند شمس الدولہ تھے، اور اغلب یہ ہے کہ حکیم مہدی انکی نیابت کا کام کرتے تھے، بعینہ اسی طرح غازی الدین کے زمانہ مین برائے نام وزیر نصیر الدین کا سارا کام انکے نائب آغامیر انجام دیتے لگے۔

سعادت علیخان کا ۱۱ جولائی ۱۸۱۴ء کو انتقال ہوا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حکیم مہدی وزارت کا کام عملاً برابر کرتے رہے، گو غازی الدین نے وزیر کا باضابطہ تقرر موسم سرما مین گورنر جنرل کی آمد لکھنو تک ملتوی رکھا، ادھر کی بدنصیبی سے حکیم مہدی اور رزیڈنٹ انگریزی میجر بیلی سے موافقت نہ رہ سکی، اور غالباً انہین کے حسب مشورہ غازی الدین نے میجر بیلی کو ہٹانا چاہا، گورنر جنرل ہسٹنگز جب سرما مین لکھنو وارد ہوئے تو غازی الدین نے،

رزیڈنٹ کی شکایات بیان کرنے لئے ان سے تخلیہ کی ملاقات چاہی، اور اسکے دوران مین یہ کہا کہ مین یہ شکایات دائرہ تحریر مین لاکر پیش کردن گا، اور انکی مزید تصریح و تشریح مہدی علیخان کرسکتے ہین ۔

غازی الدین کی شکایات یہ تھین کہ میجر بیلی ان پر جزئیات زندگی مین اپنی حکومت قاہرہ قایم کرنا چاہتے ہین، جب بھی چاہتا ہے تو اپنے احکام صادر کرنے بلا اجازت و اطلاع محل شاہی مین گھس آتے ہین، اپنے آوردون کو نواب کے خزانہ سے بڑے بڑے مشاہرہ دلاکر خود انہین پر بہ طور جاسوس مقرر کرتے ہین، اور اپنے مستمر و مستقل حاکمانہ انداز و تحکمانہ شان سے نواب کی توہین خود انکے اعزہ و رعایا کی نظرون مین کرتے ہین،

منجملہ اور شکایات کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ نواب کے ہان صبح سویرے جو نوبت بجتی تھی اُسے رزیڈنٹ نے اس بنا پر بند کردیا تھا کہ اس سے اسکی نیند مین خلل پڑتا ہے، لارڈ ہسٹنگز میجر بیلی سے خوش نہ تھے اور انکے ہٹا دینے کا انھون نے پورا ارادہ کرلیا، بلکہ انھون نے نواب کو اطمینان بھی دلایا کہ اپنے فرض منصبی نیز ذاتی خواہش دونون حیثیتون سے مین آپ کو حاکم مقتدر دیکھنا چاہتا ہون، اور آپکی ذاتی عزت کو محفوظ ۔"

لیکن غازی الدین مین اتنا استقلال نہ تھا کہ اپنے ارادہ پر عمل کرسکے، آغا میر (جو بہ قول لارڈ ہسٹنگز میجر بیلی کے بیحد طرفدار تھے) نے غازی الدین کو ڈرا دھمکا کر اس پر مجبور کردیا کہ رزیڈنٹ کے خلاف انھون نے جو شکایات کی تھین انہین واپس لے لین، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میجر بیلی اپنی جگہ پر قائم رہ گئے، اور جب لارڈ ہسٹنگز سے ایک نائب وزیر کے انتخاب کی خواہش کی گئی تو انھون نے یہ جواب دیا کہ "یہ امر بہت ہی ناموزون ہوگا اگر غازی الدین ایسے شخص کی نامزدگی کرین، جسکو رزیڈنٹ سرکار انگریزی کا سخت مخالف قرار دے رہا ہے، یعنی مہدی علیخان ۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ تقرر آغا میر کا ہوا، اور اس طرح اودھ ایک قابل و دیانت دار حاکم کے برکات سے مستفید ہوتے رہ گیا!

حکیم مہدی کا قیام اب بھی لکھنؤ مین رہا، اور غازی الدین کے الطاف ان پر قائم رہے، لیکن اس سے

آغا میر کا حسد انکے ساتھ بڑھتا گیا، خصوصاً اسلئے کہ ابتدا مین آغا میر کو اپنی وزارت مستحکم نہین نظر آتی تھی، اس بنا پر جب حکیم مہدی نے علاقہ بہرایچ کو اسکے عامل کی مالگذاری سے ایک لاکھ زاید پر اپنے اجارہ مین لینا چاہا تو آغا میر کو حکیم مہدی کے لکھنو سے رخصت ہونے کا یہ موقع بہت غنیمت معلوم ہوا، اسنے فوراً اس درخواست کو منظور کر لیا، اور حکیم مہدی اپنے علاقہ پر روانہ ہوگئے،

حکیم مہدی اور عامل بہرایچ سے جو معاملہ پیش آیا، اور جسے سلیمن نے قلمبند کیا ہے، وہ حکیم مہدی کے پاک دامن پر ایک داغ ہے، امر سنگھ نے جو اپنے والد کی جگہ پر عامل ہوا تھا، اپنی خوش انتظامی سے دولت کثیر جمع کی تھی، اس پر حکیم مہدی کے منہ مین پانی بھر آیا، جب وہ علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ مین لینے کے لئے آنے لگے، تو امر سنگھ نے کہلا بھیجا کہ جب تک میری حفاظت کا قرآن سے حلف نہ اٹھاؤ گے، مجھے بدعہدی کی طرف سے اطمینان نہین ہو سکتا، اور مین ملاقات نہین کر سکتا، کئی مہینہ تک معاملت بہ آشتی ہوتی رہی، تاآنکہ ایک شب کو حکیم مہدی حسابات کی جانچ کرتے کرتے کوئی حیلہ کرکے اٹھ کھڑے ہوئے، اور خیمہ مین امر سنگھ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، معاً حکیم کے دو خاص آدمیون نے عامل قدیم پر حملہ کیا، اور گلا گھونٹ کر ختم کر دیا، حکیم مہدی نے یہ روایت بیان کی کہ امر سنگھ نے زہر سے خودکشی کی، اور اسکی نعش اسکے اہل خاندان کے سپرد کردی، لیکن وہان امر سنگھ کے دانتون کے اندر قاتلون مین ایک کی انگلی کٹی ہوئی ملی، جو امر سنگھ نے کاٹ لی تھی، حکیم مہدی نے ۱۵ اور ۲۰ لاکھ کے درمیان دولت پر قبضہ کیا، اور انکشاف راز کے سدباب کے لئے بہ کمال دانائی اسکا ایک معقول حصہ رشوتون مین صرف کیا،

سلیمن کی یہ روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے، اور مسٹر ارون نے ایک احتمال یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ آغا میر نے اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لئے مشہور کی ہوگی، خود ارون اس احتمال کو قابل تسلیم نہین خیال کرتا، لیکن ہمارے نزدیک روایت بالا کے مقابلہ مین یہ احتمال یقیناً قوی ہے، اسلئے کہ اول تو اتنے بڑے جرم کا کوئی محرک نہین بتایا جاتا، دوسرے یہ کہ ایسی حرکت حکیم مہدی کے عام طرز عمل کے بالکل مخالف ہے، اسوقت انکے پاس بہت کافی دولت موجود تھی، اور حرص و طمع انکے مزاج مین کبھی بھی نہ تھی، اسکے علاوہ

اگر حکیم مہدی سے اس جرم کا ارتکاب ہوا ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ آغا میر اپنے حریف کو زک دینے کا اتنا اچھا، موقع ہاتھ سے جانے دیتا؟ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ خود لارڈ ہسٹنگز جو حکیم مہدی کے علاقون مین ۱۷ مارچ سے لیکر ۲۲ اپریل ۱۸۱۵ء تک برابر رہے، اور اس ساری مدت مین حکیم مہدی انکے ہمرکاب رہے، اس افواہ کا ذکر تک نہین کرتے حالانکہ یہ واقعہ آخر ۱۸۱۶ء یا آغاز ۱۸۱۷ء مین ہو چکا تھا،

حکیم مہدی کے حال پر ہسٹنگز کی عنایات دیکھکر آغا میر کو اور زیادہ حسد پیدا ہوا، چنانچہ ۱۸۱۹ء مین اسنے حکیم مہدی کے اجارہ پر پانچ لاکھ کا اور اضافہ کر دیا، یہ دیکھکر حکیم مہدی جو رفتہ رفتہ ایک عرصہ سے اپنا خزانہ شاہجہان پور جو انگریزی علاقہ مین تھا منتقل کر رہے تھے، مع اپنے خاندان کے سرحد پر آگئے، اسکے بعد پادری ہیبر کی روایت ہے کہ "آغا میر نے اسکو قیدخانہ بھجوا دیا جس سے اسکو سرکار انگریزی کی سفارش و توسط پر، رہائی نصیب ہوئی"،

حکیم مہدی ۱۱ برس جلاوطنی مین رہے، ابتداءً شاہجہان پور مین، لیکن وہان کے اہل سنت سے، موافقت نہ رہ سکی، اسلئے فتحگڈھ چلے گئے، اور وہان بہ کمال شان و شوکت رہنے لگے، یہان ۱۸۲۴ء مین انھون نے پادری ہیبر کو مدعو کیا، اور لکھا کہ "میرے ہان ایک انگریز خاتون بھی ہے، جسے اپنے ہمقومون کی خاطر و مہمانداری کا خوب سلیقہ ہے" یہ انگریز خاتون حکیم مہدی کے دیوان کی زوجہ تھی، جو ایک زمانہ مین ہرٹفرڈ مین اُردو زبان کے پروفیسر رہ چکے تھے، یہین ۱۸۲۷ء مین انھون نے لارڈ کومبرمیر کی بھی ضیافت کی، اور اسی موقع پر کپتان منڈی انکے متعلق لکھتے ہین، کہ وہ ایک وجیہ و رلمسانہ شان کے معمر شخص تھے۔

(باقی)

(ایو پی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل)

وحدتِ وجود

(ہندو فلسفہ مین)

از ڈاکٹر گنگا ناتھ جہا، ایم اے، ال ال ڈی

ہندوستان ابتدا سے وحدت و جامعیت کا گہوارہ رہا ہے، اختلافات کو رنگ برنگ کے اتحاد پیدا کرنا، بکھرے ہوؤن کو ملانا، تنوع مین یکرنگی پیدا کرنا، یہ ازل سے اسکا شعار رہا ہے، خود رگ وید مین جس سے قدیم تر کتاب پردۂ ارض پر موجود نہین، یہ ارشاد موجود ہے کہ مختلف اہل علم ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرین کرتے ہین، اسکے بعد اپنشدون مین اسی اصول کی بنا پر تصریح آئی، اور مختلف استعارہ و مجاز کے پردہ مین کثرت سے اسکی تکرار کیگئی، حکماے ہند مدتون اس حقیقت پر ایمان رکہتے تھے، اور باوجودیکہ آگے چلکر ہر شعبۂ زندگی مین نہایت کثرت سے اختلافات پیدا ہوتے گئے لیکن اس اصول سے کسی نے بھی انکار نہ کیا، یہانتک کہ شنکراچاریہ کا زمانہ آیا اور اس سرزمین کی حیات عقلی مین دور انحطاط شروع ہوا، اس نے اس اصول کے حدود سے قدم بڑہاکر یہ دعوی کیا کہ یہ تمام مظاہر و حوادث کائنات جو ہمارے علم مین آتے ہین یہی نہین کہ ایک حقیقت کے مختلف پرتو ہین بلکہ سرے سے غیر حقیقی و باطل ہین، اسکا مسلک یہ تہا کہ تمام محسوسات و مدرکات قطعاً کوئی حقیقی و خارجی وجود نہین رکہتے بلکہ تمامتر ہمارے واہمہ و متخیلہ کی پیداوار ہین، اس متشککانہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤن مین متشککین و متیقنین وغیرہ کی پرجوش معرکہ آرائیان شروع ہوگئین،

مضمون ہذا مین اس تشکیک سے بحث نہین بلکہ یہان صرف وحدت وجود کے اس قدیم عقیدہ پر ایک نظر کرنا مقصود ہے، جسکا عملی نتیجہ یہ تہا کہ سارے ملک مین ایک عقلی و سیاسی اتحاد قائم تہا، اور اہل ہند کی طرز معاشرت مین کسی طرح کی عسکریت و جدال آرائی نہ تہی بلکہ اسکے بجاے

ایک عام اخوت انسانی کا عقیدہ جاری وساری تھا،

موجودات مین یہ وحدت کس قسم کی ہے ؟ عام ویدانتی تو اس مسئلہ پر کبھی غور ہی نہین کرتے بلکہ محض نفس وحدت کو اعتقادا ًمانتے چلے جاتے ہین، البتہ یورپ کے ویدانتی اور تھیاسوفسٹ گروہون نے اسپر غور کیا، لیکن اُنکے جوابات پوری طرح تسلی بخش نہین، ان مین سے بعض یہ کہتے ہین کہ یہ وحدت اس دار فانی سے متعلق نہین، بلکہ عالم عقلی سے متعلق ہے، اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ اس وحدت سے روحانی وحدت مراد ہے، نہ کہ مادی، میرے نزدیک یہ دونون تشریحات ناکافی ہین، بلکہ جس وحدت کی تعلیم دیگئی ہے وہ محض روحانی نہین بلکہ کائنات مادی پر بھی پوری طرح حاوی ہے،

اہل فلسفہ کو ہم بلحاظ عقاید دو بڑے گروہون مین رکھ سکتے ہین، ایک گروہ وہ ہے جو خدا پرست ہے، وجود باری کا قائل ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات اسکی مخلوق ہے، دوسرے طبقہ مین منکرین ومشککین شامل ہین، یعنی وہ لوگ جو اس خیال کے منکر یا کم از کم اس باب مین مشکک یا ساکت ہین، جو گروہ خدا کا قائل ہے وہ تو وحدت وجود سے انکار کر ہی نہین سکتا اسلئے کہ اسقدر تو اُسے بہرحال مسلم ہوگا کہ تمام مخلوقات کی آخری بنیاد ذات خالق ہے، اور اسلئے مخلوقیت تمام اجزاء کائنات مین مشترک ہے، تمام موجودات عارضی وبے ثبات ہین، وجود حقیقی صرف ذات باری کا ہے، جو قائم بالذات ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اس سے بحث نہین کہ اس ذات حقیقی کی ماہیت اور اسکے صفات کیا ہین، اسمین جو کچھ بھی اختلافات ہون اتنا بہرصورت ہر خدا پرست فلسفی کو تسلیم کرنا ہوگا کہ کائنات کی علت العلل وہی ذات ہے اور عقیدۂ وحدت وجود کے لئے اسقدر کافی ہے،

لیکن منکرین ومشککین کی تشفی اس آسانی سے نہین ہو سکتی، انکی تسکین کے لئے ذرا عمیق نظر سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ موجودات عالم مین باین ہمہ تنوع واختلاف رشتۂ اتحاد کیا ہے ؟

اتنی بات پر ہر زمانہ کے فلاسفہ کو اتفاق رہا ہے کہ کوئی شے ایسی ضرور ہے جو کائنات کے اجزا مین بطور قدر مشترک کے ہے، اور ان سب کو ایک رشتہ مین منسلک کئے ہوئے ہے، بل جرمنی نے اسکا نام (Being) وجود رکھا کہ تمام موجودات اپنی صفت وجود مین متحد مین، سنسکرت مین اسکو "ست" سے موسوم کرتے ہین، یعنی ہستی گویا بلحاظ ہستی کل کائنات ایک ہے، جو کچھ موجود ہے اس لحاظ سے کہ "ہست" ہے، ایک ہے، یہی "ہستی" تمام موجودات کے درمیان رشتۂ اتحاد ہے، جو شے موجود ہے حقیقت رکھتی ہے، اور جو موجود نہین ہے کوئی حقیقت نہین رکھتی گویا حقیقت اشیاء کا انحصار ہستی اشیاء پر ہے، اور یہ ہستی ہی ایسی شے ہے جو تمام موجودات مین وحدت پیدا کئے ہوئے ہے،

لیکن فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ذہن اپنے سامنے وحدت وجود کا جو تخیل قائم کرتا ہے، اسکی تسکین محض مجردات سے نہین ہو سکتی، اسکے اطمینان کے لئے "ہستی" و "وجود" وغیرہ الفاظ مجردہ بالکل ناکافی ہین، اسکے لئے ضروری ہے کہ کسی شخصیت، کسی ذات فعال کا وجود پیش نظر ہو، اس بنا پر حکماے ہند نے مجرد ہستی یا وجود پر اکتفا نہین کیا بلکہ اسکے ساتھ ایک صفت شعور کی بھی اضافہ کر دی، یعنی تمام موجودات مین محض ہستی ہی مشترک نہین، بلکہ شعور بھی مشترک ہے انسان، حیوان، جمادات و نباتات، شجر و حجر یہ سب ہستی ہی کے مظاہر نہین بلکہ ان سب مین شعور کی جلوہ آرائیان بھی ہین،

یہ عقیدہ اگرچہ حکماء ہند کی تعلیم مین شروع ہی سے موجود ہے، تاہم حکماے یورپ بھی اس سے بالکل بیگانہ نہین، انکے ہان تصوریت (Idealism) کے جو مختلف مذاہب پیدا ہوتے رہتے ہین، ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقت اشیاء تمامتر مشتمل ہے تصور پر، لیکن یہ کہنا صاف اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ شعور سے خارج حقیقت کے کوئی معنی نہین، اور شعور چونکہ ایک مجرد شے ہے

اسمین تعدد کو دخل نہین، اسلئے اسکی وحدت بھی ظاہر ہے، پھر چونکہ تعلق باہمی کی بنیاد بھی شعور پر ہے، اسلئے شعور کو موجودات مین مشترک ماننے کے معنی یہ ہین، کہ تمام موجودات بین یکجہتی، یکرنگی و یکسانیت پیدا ہوجاتی ہے، من و تو کے امتیازات اُٹھ جاتے ہین، اور کائنات کا ذرہ ذرہ وحدت کے رنگ مین ڈوبا ہوا نظر آنے لگتا ہے، جسکا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال مین نہایت محتاط ہوجاتا ہے، کیونکہ اب وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسکا اثر اسکی ذات، اسکی شخصیت تک محدود نہین بلکہ تمام کائنات اس سے متاثر ہو رہی ہے،

آجکل ٹیلی پاتھی (Telepathy) کا جو طریقہ نکلا ہے، وہ اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ شعور کی جو کیفیت ہم مین موجود ہے، وہی سارے جہان پر محیط ہے، ٹیلی پاتھی کو عرصہ تک شک و بدگمانی کی نظرون سے دیکھا گیا، لیکن اب اسکی واقعیت مستند حلقون مین بھی مسلم ہوگئی ہے، اس اشتراکیت کی جسکی بنا پر ہم مین "غیب دانی" آجاتی ہے، یعنی یہان ہم بیٹھے ہوے دور دراز کی خبرین بتا دیتے ہین، مختلف توجیہات کی جاتی ہین، لیکن عقیدۂ وحدت وجود کی روشنی مین یہ مسئلہ بالکل صاف و واضح نظر آتا ہے، جب یہ مسلم ہے کہ جو شعور ہم مین ہے، اسی کی جلوہ آرائیان کائنات کے ذرہ ذرہ مین ہین تو اسمین کیا استبعاد ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارا شعور زمان و مکان کی پابندیون سے آزاد ہو کر اور جسم و مادہ کی قیود کو توڑ کر اپنی ہستی کو شعور کل مین منضم کردے، قطرہ اپنے کو دریا مین ملا دے اور اس طرح جزو کل پر مطلع و خبردار ہوجائے؟

یہانتک مسئلہ پر صرف نظری و فلسفی حیثیت سے گفتگو تھی، لیکن کیا سائنس کے مادی شواہد اسکے کچھ بھی منافی ہین؟

کیمیائیات کے تازہ ترین انکشافات کا ماحصل یہ ہے کہ نظریہ سالمی Atomic Theory کا جسکے سہارے مادیت کی عمارت قائم تھی، بطلان ہوچکا ہے، اس نظریہ کا منشا یہ تھا کہ مادہ کائنات

چند مختلف عناصر میں منقسم ہے، اور ہر عنصر انتہائی تحلیل کے بعد ایک خاص سالمہ پر جاکر ٹھہرتا ہے، جسکی مزید تحلیل نہین ہوسکتی، گویا جسقدر عناصر تھے، اسی تعداد مین ناقابل تحلیل و تجزی سالمات بھی تھے، لیکن اب کیمیا کی تحقیقات یہ ہے کہ یہ عناصر و سالمات کوئی مستقل وجود نہین رکھتے بلکہ یہ سب مرکب ہین ذرات کہربائی (الیکٹرن) سے۔ مگر خود کہربا کیا شے ہے؟ کیمیا کا جواب ہے کہ وہ ایک قسم کی قوت ہے۔ ابھی کیمیا دی تحقیقات یہین تک پہنچی ہے۔ لیکن کیا عجب ہے کہ چند ہی روز مین اس ایک قسم کی قوت کے ڈانڈے "شعور" سے آکر ملجائین؟ کیمیا کا محقق اسقدر اب بھی تسلیم کرنے لگا ہے کہ کائنات مادی تمامتر ایک خاص طرح کی قوت کا کرشمہ گاہ ہے، اسکے بعد سے صرف اسقدر اور کہنا باقی رہجاتا ہے کہ یہ خاص طرح کی قوت وہی ہے جسے الٰہیات کی اصطلاح مین شعور کہتے ہین،

طبیعیات کے علما، روز بروز اس طرف کھینچے آتے ہین، طبعیات کا ایک نہایت ممتاز محقق جوانڈن کے مشہور مرکز سائنس رائل انسٹیٹیوشن کا رکن ہے، لکھتا ہے کہ

"حیوانات، نباتات و معدنیات سب کی حرکتون مین ایک نقطہ ایسا آتا ہے جہان سب کی حرکتین بالکل متحد ہوجاتی ہین" (ص ۱۸۴)

پھر کہتا ہے:-

"جسم انسانی کے ایک ایسے نازک عضو کی جیسے کہ شبکہ ہے، بعض حرکتین جسم غیر عضوی کی بعض حرکتون کے بالکل مماثل ہین" (ص ۱۸۹)

چند سطرین آگے بڑھکر کہتا ہے:-

"جسم ذی حیات کی حرکتین باین ہمہ تنوع درصل انہین حرکتون کا اعادہ ہین، جو جسم غیر عضوی مین پائی جاتی ہین۔" (ص ۔۔)

ایک جگہ اور :-

"تحقیقات بالا ممکن ہے کہ ہمکو اس نتیجہ تک پہنچادین کہ یہ تمام صورت حال ان غیر متغیر قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے جو کائنات معنوی و غیر عضوی دونوں پر یکسان و مساوی عامل رہتے ہین "

گو وہ دن قریب آتا جاتا ہے، جب مغرب کا طبیعی بھی قدیم ہندو فلسفی کی طرح اپنے آپ کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور پائیگا کہ کائنات مین جو کچھ بھی ہے، سب شعور ہی کے مختلف مظاہر و شئون' سب اُسی کی جلوہ آرائیان و نیرنگیان ہین،

آخر مین صرف ایک سوال باقی رہجاتا ہے کہ جب یہ موجودات عالم، ایک ہی نور کا پرتو ہے تو اسقدر تنوع و چگونگی، تخالف و تضاد کیون ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بغیر اسکے شعور مطلق کا ظہور و شہود ممکن ہی نہین، شعور مطلق بجائے خود ہمہ وحدت ہے، لیکن جب اُسے اپنے تئین عرصۂ شہود مین لانا منظور ہوا، تو یہ شہود بغیر اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ کثرت پیدا ہوا، اور جب کثرت ہوئی تو امتیاز کے لئے لازم آیا کہ تخالف و تنوع بھی ہو، اس بنا پر یہ ناگزیر تھا کہ شعور مطلق اپنے مختلف مظاہر و شئون مین اپنے تئین مختلف لباسون مین نمودار کرے، جمادات کے قالب مین وہ اپنے خصوصیات جمادات کی رکھتی ہے، نباتات کے عالم مین وہ صفات نباتی سے متصف ہوتی ہے، حیوانات کے مرتبہ تک پہنچکر وہ لباس حیوانی مین جلوہ آرا ہوتی ہے، اگر وہ یہ مختلف اوضاع نہ تبدیل کرے تو کائنات کا وجود، یعنی اس روح مطلق کا شہود ممکن کیونکر ہو؟ تحدید و تعین پیدا ہونے کے معنی یہ ہین کہ کثرت و تعدد بھی پیدا ہو،

رہا یہ امر کہ اس نے کیون تحدید و تعین پسند کیا، اور ابتداءً اس پر کیونکر عمل کیا؟ یہ وہ اسرار لاہوتی ہین جنکے چہرہ سے دنیا کا کوئی فلسفہ نقاب نہین اُٹھا سکتا، ہندو فلسفہ اسکے متعلق یہ کہتا ہے کہ اسکے اس عمل ظہور و شہود کی ابتدا زمان مین ہوئی ہی نہین، بلکہ یہ اس ہستی مطلق کی

حضرت میں داخل ہے، وہ ازل سے برابر اسی طریق پر ہے، یعنی ایسا کبھی کوئی زمانہ نہ تھا جب وہ اس صفت سے معرّی ہو، اور اسکے بعد اسے اختیار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ سے اسی وضع پر ہے جب تمام مظاہر بسشئون کا ایک دور ختم ہوجاتا ہے تو پھر از سر نو وہی پچھلی باتیں شروع ہوجاتی ہیں اور اس طرح یہ سلسلۂ دور و تسلسل اپنے آغاز و انجام دونوں سے بیگانہ ہے، جس طرح کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ کب اور کیونکر اول بار درخت سے تخم یا تخم سے درخت پیدا ہوا اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہستی مطلق نے کب اور کیونکر اپنے تئیں محدود و مشخص بنانا اور تعینات کے جلوے دکھانا پسند کیا،

ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہم پھر اسی عقیدہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ دنیا ہمہ وحدت ہے تعدد و کثرت کا نام تک نہیں، یہی نہیں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی اور ایک ہیں، بلکہ انسان و حیوان، چرند و پرند، جمادات، و نباتات، شجر و حجر سب ایک ہیں

(ہندوستان ریویو)

موجودہ مشرقی کتبخانے

(۱)

از

مولانا عبد السلام ندوی

اسلام کے عہد زرین مین اگرچہ عراق، اندلس، مصر اور شام مین بکثرت کتبخانے قائم کیے گئے جو کئی کئی لاکھ مجلدات پر مشتمل تھے، لیکن ان مین سب سے بڑا کتبخانہ بغداد مین خلفاے عباسیہ نے اندلس مین خلفاے امویہ نے، مصر مین فاطمیین نے قائم کیا تھا۔ آج ہمارے ہاتھون مین عربی زبان کی جو قابل قدر کتابین ہین وہ انہین خزان دیدہ پھولون کی بکھری پتیان ہین۔

سب سے پہلے خلفا نے ان جواہرات علمیہ سے اپنے ایوان سجائے، پھر وزرا، ارباب مناصب اور اہل علم نے اسکی تقلید کی، اسکے بعد جب سلاطین فارس، ترک، عرب، اور بربر کا دور حکومت آیا تو انھون نے بھی اس شاہانہ خصوصیت کو قائم رکھا، علما، اور امرا نے جو پرائیوٹ کتبخانے قائم کیے وہ اس سلسلہ سے الگ تھے، رفتہ رفتہ یہ تمدن کی ایک ایسی خصوصیت ہوگئی کہ امرا مین جو لوگ صاحب علم نہ تھے انھون نے بھی بطور لازمۂ امارت کے کتبخانے قائم کئے، نہایت خوشخط نسخے فراہم کیے، خوشنما جلدین بنوائین، اور اوراق کتب کو مسابقت و مفاخرت کا سب سے بڑا میدان قرار دیا۔

ان کتبخانون مین بعض پرائیوٹ اور اکثر پبلک تھے، پبلک کتبخانون کو زیادہ تر خلفاء و سلاطین نے قائم کیا تھا، بغداد کے بیت الحکمۃ، قاہرہ کے دار الحکمۃ، اور اندلس اور مغرب کے کتبخانون نے انھی خلفا کی بدولت دنیا کو علم و فن سے مالامال کردیا تھا،

لہ ماخوذ از آداب اللغۃ العربیہ لجرجی زیدان،

لیکن باد بہار کے ساتھ باد خزان کے جھونکے بھی چلتے رہتے تھے، فرق اسلامیہ مین جو مذہبی نزاعین قائم ہوگئی تھین، اہل فلسفہ پر کفر و زندقہ کا جو الزام قائم کیا گیا تھا، اُسکا خمیازہ اُنکے ساتھ اُنکے علمی ذخیرون کو بھی اٹھانا پڑا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے کتبخانے نذر آتش ہو گئے، غیر قومون کے فاتحانہ اقتدار و تسلط نے بھی بہت کچھ ان علمی خزانون کو صدمہ پہنچایا، پرستاران صلیب نے تمام سپین اور اندلس مین مسلمانون کے جو علمی ذخیرے برباد کئے، دنیا کی علمی تاریخ ہمیشہ اُن پر اشکبار رہیگی،

قدرتی اسباب مثلاً آتش زنی اور بوسیدگی وغیرہ کے ذریعہ سے جو کتابین ضائع ہوئین وہ اس سے الگ تھین،

کتابون کی بربادی کے یہ اسباب خلفاے عباسیہ کے ابتداے دور حکومت ہی سے پیدا ہوگئے تھے، لیکن خلفاء سلاطین اور اہل علم جو جدید کتبخانے قائم کرتے رہتے تھے وہ تلافی مافات کردیتے تھے، لیکن جب سلطنت مین ضعف آگیا اور قوم کی زندہ قوتین مردہ ہوگئین تو بدل ماتحلل مین قدرتی طور پر کمی آگئی، اور جو کتبخانے لاکھون کتابون پر مشتمل تھے، اُن مین صرف چند ہزار کتابین رہ گئین، آج قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق اور حلب مین جو کتابین موجود ہین وہ انہی کتبخانون کی بچی کھچی یادگار ہین،

قرون وسطی مین مسلمانون کے چمن زار علم پر یہ خزان آئی اور آج اگرچہ ہم اس عہد ظلمت سے نکل چکے ہین ہم ہمارا مستقبل کچھ بہت زیادہ روشن نہین ہے، اسلئے اگر مستشرقین یورپ نے عربی زبان کی دستگیری نہ کی ہوتی تو ہم اس بچے کھچے سرمایہ کو بھی کھو بیٹھتے، لیکن دول یورپ نے مختلف زبانون کے جو عظیم الشان کتبخانے قائم کئے، ان مین شرقی زبانون کو بھی خاص طور پر اہمیت دی اور انکی تہذیب و پرداخت کا کام مستشرقین کے سپرد کیا، ان لوگون نے نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی کتابون کی فہرستین تیار کین، انکی نشر و اشاعت مین سعی بلیغ کی، کتابون کے ترجمے کئے، اور انکے نہایت عمدہ نسخے شائع کئے، یہان بحث کتبخانون سے ہے، اور یورپ مین جو عظیم الشان کتب خانے

مشرقی زبانون کی کتابون پر مشتمل ہین، انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) برلن کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۱۴۵۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۳۰۰۰۰ قلمی ہین، اوران قلمی کتابون مین بہت سی کتابین عربی زبان کی ہین،

(۲) بن یونیورسٹی کا کتبخانہ، اسمین ۳۲۲۱۱۶۲ مطبوعہ اور ۱۵۱۰ قلمی کتابین ہین،

(۳) کیمبرج یونیورسٹی کا کتبخانہ، یہ کتبخانہ متعدد کتبخانون کا مجموعہ ہے، ایک کتب خانہ قدیس یوحنا کی طرف منسوب ہے جسمین ۴۰۰۰۰۰ کتابین مطبوع اور ۱۰۵۰۰ قلمی ہین، ایک کتبخانہ ترنٹی کا ہے جسمین ۸۰۰۰۰ کتابین ہین اوران مین ۲۰۰۰۰ قلمی ہین،

(۴) کتب خانہ اسکوریال یہ کتبخانہ اسپین مین ہے، اوراسمین ۳۵۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۴۶۲۷ قلمی کتابین ہین، عربی زبان کی ۱۸۰۰، یونانی کی ۵۰۲ اور لیٹن کی ۲۰۸۴ نسخے ہین،

(۵) گوتھا کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ ۱۶۴۷ء مین قائم ہوا، اسمین ۱۹۲۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۳۵۰۰ قلمی کتابین مشرقی علوم کی ہین،

(۶) گوٹنجن کا کتب خانہ اسمین ۵۸۲۲۰۰ کتابین ہین قلمی نسخے ۷۳۲۷ ہین جنمین زیادہ تر عربی کی نوادر کتب ہین،

(۷) لیڈن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۲۰۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۴۶۰۰ کتابین مشرقی زبانون کی ہین، اوران مین زیادہ تر عربی کتابین ہین،

(۸) لندن کا کتب خانہ یعنی برٹش میوزیم، اسمین ۸۰۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین بہت سی عربی کی قلمی کتابین ہین،

(۹) منشن یونیورسٹی کا کتب خانہ اسمین ۵۶۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین ۲۶۰۰۰ قلمی ہین، اوران مین بہت سی عربی کتابین ہین۔

(۱) آکسفورڈ یونیورسٹی کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ ۱۵۹۸ء مین قائم ہوا، اسمین ۷۰۰۰۰۰ مطبوعہ کتابین
۳۰۰۰۰ قلمی ہین اور اکثر عربی ہین،

(۲) پیرس کا کتب خانہ، اسمین مختلف زبانون کی ۳۵۰۰۰۰۰ مطبوعہ اور ۱۰۰۰۰۰ قلمی کتابین ہین
جنمین ۱۳۱۳۲ کتابین عبرانی کی اور اسکی دوگنا عربی کی ہین،

(۳) پیٹرسبرگ کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۱۵۶۲۰۰۰ کتابین ہین اور ۲۲۰۰۰ قلمی نسخے ہین، جنمین اکثر
مشرقی بالخصوص عربی زبان کی ہین،

(۴) ویٹیکن کا کتب خانہ، یہ کتبخانہ روما مین قائم ہے اور اسمین ۴۰۰۰۰۰ مطبوع اور ۴۵۰۰۰
قلمی کتابین ہین، اسمین مشرقی زبانون کی کتابون کا بہت بڑا حصہ ہے جو مشرق سے لایا گیا ہے۔

(۵) قومی کتبخانہ، یہ کتبخانہ بھی روما مین قائم ہے، اسمین ۴۵۰۰۰۰ مطبوعہ اور ۴۲۰۰ قلمی کتابین
ہین، روما مین اور بھی بہت سے کتبخانے ہین جو چندان قابل ذکر نہین۔

(۶) ویانا کا شاہی کتبخانہ، اسمین ۱۰۰۰۰۰۰ مطبوع اور ۲۷۰۰۰ قلمی کتابین ہین، ۱۱۰۰۰ ان مین عربی کی
مثلاً نادر کتابین ہین، نقشے وغیرہ ان سے الگ ہین، انکے علاوہ یورپ کے دوسرے شہرون مین
اور بھی متعدد کتبخانے ہین جنمین بہت سے مشرقی جواہرات مل سکتے ہین۔

لیکن جس زمانہ مین یورپ ان جواہرات سے اپنی علمی دوکانین سجا رہا تھا، مشرق خواب غفلت مین
سرشار تھا، بالآخر انیسوین صدی کے وسط مین اس نے آنکھین کھولین، اور حکومتون اور انجمنون نے
کتبخانون کی طرف توجہ کی، اور قوم کے مختلف افراد نے اسمین حصہ لیا، اس طرح قسطنطنیہ، مصر، شام،
ہندوستان، عراق، اور مغرب مین عربی اور یورپین زبانون کی قدیم وجدید کتابون کا جو سرمایہ کتب خانون کی
صورت مین جمع ہوا انکی تفصیل یہ ہے،

قسطنطنیہ کے کتبخانے، قسطنطنیہ کے قدیم کتبخانے جو مختلف اوقات مین قائم کئے گئے ان مین بعض مخصوص

اشخاص کی طرف منسوب ہین جنھون نے انکو پبلک کردیا ہے، اور بعض کو سلاطین اور انکے خاندان کے ممبرون نے وقف عام کیا ہے، ذیل کشف الظنون سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قسطنطنیہ مین ۲۲ کتبخانے تھے جنکی کتابون کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی لیکن اب وہان ۵۰ کتبخانے ہین، جنمین مختلف تعداد مین کتابین موجود ہین، ہم اس موقع پر صرف اُن کتبخانون کی فہرست درج کرتے ہین، جنمین پانچسو سے زیادہ کتابین موجود ہین،

نام کتب خانہ	نام بانی	سنہ قیام	تعداد کتب
کتبخانہ سلیم آغا	الحاج سلیم ابن المطبخ العامر	۹۵۵	۱۳۸۲
" رستم پاشا	شیخ پاشا الصدر الاسبق	۹۵۸	۵۶۰
" امیرخواجہ	نور بانو سلطان	۹۹۱	۸۲۶
" کوپرلی	محمد پاشا کوپرلی الصدر الاسبق	۱۰۶۲	۲۱۱۸
" عاطف آفندی	مصطفی عاطف الذهردار	۱۱۰۴	۲۸۵۷
کتبخانہ فیضیہ	السید فیض اللہ شیخ الاسلام	۱۱۱۲	۲۱۹۰
کتبخانہ شاہزادہ	ابن السلطان محمد	۱۱۲۷	۱۰۷۷
" اندرون ہمایون	السلطان احمد الثالث	۱۱۳۱	۳۵۱۵
" ابراہیم پاشا	داماد ابرہیم پاشا	۱۱۳۲	۱۱۷۵
" ینگی جامع	السلطان احمد الثالث	۱۱۳۷	۱۵۴۴
" حکیم اوغلی	حکیم اوغلو علی پاشا الصدر	۱۱۴۵	۹۴۶
" جار اللہ	ولی الدین آفندی	۱۱۴۷	۲۱۳۴
" ایاصوفیہ	السلطان محمود الاول	۱۲۵۲	۵۳۰۰

״ عاطف آفندی	مصطفیٰ عاطف آفندی رئیس الکتاب	۱۱۵۴	۲۲۶۴
״ الفاتح	السلطان محمد الاول	۱۱۵۵	۶۶۱۳
״ بشیر آغا	الحاج بشیر آغا	۱۱۵۹	۶۰۹۰
کتبخانۂ سلیمانیہ	مصطفیٰ پاشا الصدر	۱۱۶۵	۱۱۶۰
کتبخانۂ کوچک زادہ	حسین پاشا صدر اسبق	۱۱۶۸	۵۳۰
نور عثمانیہ	السلطان عثمان الثالث	۱۱۶۹	۵۰۵۳
״ راغب پاشا	محمد راغب پاشا الصدر الاسبق	۱۱۷۶	۱۶۴۲
״ ولی الدین	شیخ الاسلام ولی الدین آفندی	۱۱۸۳	۳۴۸۴
״ مراد ملا	داماد زادہ محمد مراد	۱۱۸۹	۲۲۰۶
کتبخانۂ حمیدیہ	السلطان عبدالحمید الاول	۱۱۹۴	۲۲۵۲
کتبخانۂ علی پاشا	الشہید علی پاشا الصدر الاسبق	۰۰۰۰	۲۸۲۰
״ مہر شاہ	مہر شاہ والدۃ السلطان	۱۲۱۵	۷۲۷
״ لالہ لی	السلطان سلیم الثالث	۱۲۱۷	۳۱۶۴
״ قلیج علی پاشا	باغ زادہ الحاج ابراہیم	۱۲۱۹	۱۶۰۷
״ سلیمیہ	برتو پاشا	۱۲۲۱	۶۵۵
״ حالت آفندی	محمد سعید حالت آفندی	۱۲۴۳	۱۰۹۰
״ دار المثنوی	الشیخ محمد مراد	۱۲۶۰	۵۹۵
״ اسعد آفندی	اسعد آفندی نقیب الاشراف	۱۲۶۲	۳۹۴۳
״ یکی قپو	عبدالرحمن نافذ پاشا ناظر المالیہ	۱۲۶۷	۸۸۹۴

،، فوزیہ	محمد راشد آفندی	۱۲۶۸	۹۶۹
،، خسرو پاشا	خسرو پاشا الصدر	۱۲۷۰	۹۳۴
،، مدرستہ السلطان احمد	بعض المحسنین	۱۲۸۵	۵۹۰
،، اقرائی	برتونیال والدۃ السلطان	۱۲۸۸	۸۲۹
الکتبۃ العمومیہ	حکومت عثمانیہ	۱۲۹۹	۳۲۵۰۰
کتبہ یلدز	سلطان عبدالحمید الثانی	۱۲۹۹	۲۶۷۶۶
،، دوکوئی بابا	کمال پاشا بن وجہی پاشا	۱۳۰۳	۶۱۹
،، المتحف	حکومت عثمانیہ	۱۳۰۶	۱۵۲۶۰
،، حسن پاشا	حسن حسنی پاشا ناظر البحریہ	۱۳۱۲	۱۱۶۹
،، تربہ یحیٰ آفندی	حاج محمود آفندی	۱۳۱۹	۶۹۹
دارالفنون	حکومت عثمانیہ	۱۳۲۵	۳۶۰۰

کتبخانہ طوبقپوسرائے جو قسطنطنیہ کا بہترین کتب خانہ ہے، اور وہ کتبخانے جنکی کتابون کی تعداد پانچسو سے کم ہے انکے علاوہ ہین، ان کتبخانون مین عربی، فارسی اور ترکی مین تاریخ، ادب، اور لغت اور علوم شرعیہ کی جو کتابین ہین انکی مجموعی تعداد ۲۰۰۰۰۰ ہے، عربی زبان کی کتابون کو فارسی اور ترکی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کی جدول سے معلوم ہوسکتی ہے۔

(۱) مصاحف کُل کے کل عربی مین ہین،

(۲) علوم شرعیہ کی کتابین فیصدی ۱۰ فارسی اور ترکی مین اور کُل کی کل عربی مین ہین،

(۳) تاریخ اور تصوف کی کتابین تینون زبانون مین برابر برابر ہین

(۴) جغرافیہ طبعیہ کی کتابین اکثر ترکی مین اور بعض عربی اور فارسی مین ہین،

(۵) ادب کی کتابین اکثر عربی مین، اور تھوڑی بہت فارسی اور ترکی مین ہین،

(۶) علوم لغویہ عربیہ کی کل کتابین باستثنا بعض عربی مین ہین،

(۷) قاموس تینون زبانون مین ہین،

ان کتبخانون مین عموماً اور کتب خانہ طولقبو، کوپرلی، ایا صوفیہ اور نور عثمانیہ مین خصوصاً اکثر قلمی نادر کتابین ہین،

مصر کے کتب خانے | مصر اور اطراف مصر مین جو کتبخانے ہین انکی مختلف حیثیتین ہین، بعض پبلک ہین، بعض سرکاری ہین، بعض خاص خاص جماعتون کی طرف سے قائم ہین، بعض پرائیوٹ ہین اور بعض لوگون نے اپنے پرائیوٹ کتبخانون کو وقف عام کر دیا ہے، ہم اسی ترتیب کے ساتھ پہلے قاہرہ پھر اسکندریہ، اور پھر تمام اطراف مصر کے پبلک کتبخانون کا حال لکھتے ہین، پھر پرائیوٹ کتبخانون سے بحث کرینگے،

کتبخانہ خدیویہ | مشرق قریب کا یہ سب سے بڑا کتبخانہ ہے، جسکو حکومت خدیویہ نے قائم کیا ہے، اسکی تاریخ محمد علی پاشا کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۱۸۷۰ء مین اپنے دور کمال تک پہنچ جاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب محمد علی پاشا نے عربی علوم و فنون کے احیار کا کام شروع کیا اور بکثرت کتابین شایع کرائین تو ان کتابون کے فروخت کرنے کے لئے ایک اسٹاک قائم کیا، یہ اسٹاک اسمعیل پاشا کے زمانہ تک قائم رہا، اور اسمین عربی، ترکی اور فارسی کی ۲۰۰ قلمی کتابون کا اضافہ ہوا، جنکو حکومت نے حسن پاشا مناسٹرلی کے کتبخانے سے خریدا تھا،

مصر کی مساجد مین بہت سے کتبخانے تھے جنمین نہایت عمدہ قلمی نسخے، مصاحف، فقہ، حدیث، تاریخ، اور ادب کی قدیم کتابین تھین، یہ کتبخانے اسمعیل پاشا کے زمانہ تک اسی پراگندہ حالت مین تھے لیکن جب سلطان عبدالعزیز نے ۱۲۸۲ھ مین مصر کی سیاحت کی تو اسمعیل پاشا کو مشورہ دیا کہ وہ ان

متفرق کتبخانون کو یکجا کرکے ایک عظیم الشان پبلک کتبخانہ قائم کرین، اسمٰعیل باشا نے اس مشورہ کو پسند کیا، اور ۱۸۶۹ء مین علی باشا مبارک وزیر تعلیم کو کتبخانۂ خدیویہ کے قائم کرنے کا حکم دیا، اور اسکے قیام کے لئے ایک موزون موقع کا انتخاب کیا، مطبوعہ کتابون کے اسٹاک کتبخانہ حسن باشا ناسٹرلی اور مساجد وغیرہ کے تمام کتبخانون کی کتابین، نقشے، اور آلات ہندسی ایک جگہ جمع کیے گئے، اور سرکاری طور پر ۱۸۷۰ء مین اس کتبخانے کے قائم کرنیکا فرمان صادر ہوا، علی پاشا نے اسکی تنظیم و ترتیب کے لئے دستور العمل بنایا اور ان بکھرے ہوے موتیون کے ہار کا نام کتبخانہ خدیویہ رکھا گیا، کتبخانہ کے قائم ہونے کے چند سال بعد اسمٰعیل باشا کے بھائی پرنس مصطفےٰ فاضل باشا کا انتقال ہوگیا، اور انھون نے اپنے ذاتی شوق سے جو کتابین اپنے کتبخانہ مین جمع کی تھین، ان مین عربی، ترکی، اور فارسی کی بہترین کتابون کو جنکی تعداد ۳۴۵۸ تھی، اسمٰعیل باشا نے ۱۳۰۰۰ گنی پر خرید کر کتب خانہ خدیویہ کی نذر کر دیا، انکے علاوہ کتبخانہ مین اور مختلف طریقون سے کتابون کا اضافہ ہوتا رہا، سب سے اہم اضافہ شیخ شنقیطی کی کتابون کا ہوا جنکی تعداد ۱۴۷ تھی، اور ان مین ۲۰۶ بہترین قلمی کتابین تھین، اسوقت کتبخانہ خدیویہ مین ۷۰۰۰۰ کتابین ہین جنمین نصف عربی زبان کی ہین، اور بقیہ کتابون کا زیادہ تر حصہ یورپین زبانون مین ہے، ترکی کی ۵۰۰۰ اور فارسی کی ۲۵۰۰ کتابین ہین، عربی کتابون مین ۳۲۰۰ کتابین تاریخ کی، ۲۰۰۰ ادب کی، ۱۲۰۰۰ علوم شرعیہ کی ہین، اور یورپین زبانون مین تقریباً ۳۲۰۰ کتاب تاریخ کی اور ۲۴۵۰ لغت اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کی ہین،

کتبخانہ مین کتابون کے علاوہ بہت سی قدیم یادگارین، عربی سکے، اور عربی خط کے مختلف نمونے بھی موجود ہین،

کتبخانہ کا دروازہ پبلک کے لئے عام طور پر کھول دیا گیا ہے، ہر شخص آسانی کے ساتھ کتابون کا مطالعہ کرسکتا ہے، اور آسانی کے ساتھ انکی نقلین لے سکتا ہے، کتبخانے کا جو دستور العمل ہے

اسکے ابتداہی مین یہ لکھدیا گیا ہے کہ اسکا مقصد کتب عربیہ کی حفاظت کرنا اوران سے فائدہ اٹھانے کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے،

کتب خانہ ازہر | جیساکہ مصر کی تمام مساجد مین کتبخانے تھے، ازہر مین بھی ایک کتبخانہ تھا، جسمین ابتدا ۱۰۹۹ کتابین تھین، پھر بعد کو رفتہ رفتہ اسمین اضافہ ہوا، یہ کتابین مختلف رواقون مین منتشر تھین، اسلئے خدیو نے حکم دیا کہ جو کتابین طلبار کی ضرورت سے زائد ہون وہ ایک جگہ جمع کیجائین، اور طلبار اور علما کی ضروریات کے لئے اور کتابین خریدی جائین، اس حکم کی بنا پر ان تمام کتابون کو رواق اتبغاویہ مین جمع کیا گیا، فنون کے اعتبار سے الگ الگ انکی ترتیب دیگئی، اول اول صرف ۷۰۰۰ کتابین تھین، پھر رفتہ رفتہ ان مین اضافہ ہوتا گیا، یہانتک کہ انکی تعداد ۲۲۴۷۴ تک پہنچگئی، جنمین ۱۰۹۳۲ قلمی کتابین تھین، پہلے ۳۰ فنون مین کتابون کی ترتیب دیگئی تھی، اور اب انکی تعداد ۴۳ تک پہنچگئی، اب اس کتبخانہ مین ۶۰۰۰ کتابین علوم اسلامیہ مین، ۲۰۰۰ ادب، مدیح، اور فضائل مین، ۴۰۰۰ علوم لغویہ مین، ۸۰۰ تاریخ وسیر مین، ۳۰۰ جغرافیہ مین اور باقی دوسرے علوم و فنون مین ہین، دس ملازمین ہین، اور مہتمم کتبخانہ شیخ محمد سلیم ہین،

اس کتبخانہ کے علاوہ ازہر کے ہر رواق مین طلبار کے مطالعہ کے لئے اور بھی چھوٹے چھوٹے کتبخانے ہین، جنکو مکاتیب اروقہ کہتے ہین، ان کتبخانون مین جو کتابین ہین، انکی مجموعی تعداد ۳۰۰۰۰ ہے وہ اگرچہ ازہر کے اصلی کتبخانے کی شاخ ہین، تاہم انکی حالت ابتک غیر منتظم اور غیر مرتب ہی، شیخ الازہر ان کتبخانون کو ازہر کے اصلی کتبخانے مین مدغم کرنا چاہتے ہین، لیکن طلبار اور اساتذہ اسپر راضی نہین ہوتے۔

دارالآثار اور مساجد کے کتبخانے | کتبخانہ خدیویہ نے اگرچہ مساجد کے تمام کتبخانون کو سمیٹ لیا ہے، تاہم ابتک مساجد مین زیر نگرانی محکمہ اوقاف تقریباً ۴۰ ہزار کتابین مختلف علوم و فنون کی موجود ہین،

محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ایک میوزیم ہے، جسمین ایک کتبخانہ بھی ہے، جسمین ۱۳۴۲
کتابین، اور ۱۲۰۵ البم اور مشہور مصورین کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویرین ہین، اس کتب خانہ مین
زیادہ تر کتابین تاریخ اور علم آثار قدیمہ کی ہین، جنکو فرانس، جرمنی، انگلستان، امریکہ اور برازیل کی
علمی انجمنون نے ہدیۃً روانہ کیا ہے،

کتب خانہ بکریہ | اس کتبخانے کو سادات بکریہ نے قائم کیا ہے، جسکے شیخ طریقت اس وقت
سید عبد الحمید بکری ہین، یہ کتبخانہ مصر کی سراے حرنفش مین ہے، اور مختلف علوم وفنون کی ۱۴۷۴
کتابون پر مشتمل ہے،

اس سراے مین سید عبد الحمید کا ایک پرائیوٹ کتبخانہ بھی ہے، جسمین علوم عربیہ اور علوم عصریہ
کی ایک ہزار جلدین ہین، علوم جدیدہ کی کتابین فرنچ زبان مین ہین، اور اسمین ایک خاص کتاب
جسکا نام "ڈسکپرشن ایجپٹ"، یعنی "وصف مصر" ہے، کئی جلدون مین ہے جسکو فرانس کی ایک علمی
جماعت نے مرتب کیا ہی اور مختلف تصاویر اور نقشون کے ساتھ شائع کیا ہے،

کتبخانہ سادات وفائیہ | یہ کتبخانہ سجادہ وفائیہ کی سرپرستی مین قائم ہے، ۱۲۶۸ھ مین اسکی جو فہرست مرتب
کیگئی تھی اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین ہزار جلدین ہین جنمین اکثر قلمی اور نادر کتابین ہین،

کتبخانہ دردیریہ | یہ کتبخانہ شیخ دردیر العدوی مالکی متوفی ۱۲۰۱ھ کی طرف منسوب ہے، بہت سی کتابین خود
انکی ذاتی تہین، اور انکے وفات کے بعد بہت سی کتابین انکے دوستون نے ہدیۃً بھیجین، ان تمام
کتابون کو جمع کرکے ایک کتبخانہ قائم کیا گیا جو مسجد صاحب لفریح مین ہے، ازہر کے تلامذہ اس سے
فائدہ اٹھاتے ہین، اور ضمانت پر کتابین مستعار لیتے ہین، کتابون کی تعداد ۱۰۷۸ ہے،

کتبخانہ مدرسہ حقوق | یہ کتبخانہ اس مدرسہ کے طلبار کے مطالعہ کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین مطالعہ کا
ایک خاص کمرہ ہے، کتابین روز بروز بڑہتی چلی جاتی ہین، سردست ۱۹۹۵۰ کتابین ہین جنکی تقسیم یہ ہے

۲۰۱۳ عربی، ۵،۷۸۹ انگریزی وغیرہ، ۲۶۲۷ تلامذہ کے لکھے ہوئے رسالے،

ان کتابون مین زیادہ تر قانون، تجارت، علم الاقتصاد اور ان علوم کی کتابین ہین جو قانون سے تعلق رکھتی ہین،

کتبخانہ مدرسہ طبیہ | یہ کتبخانہ خاص طور پر طلباے طب کے لئے قائم کیا گیا ہے، اسمین فرنچ انگریزی اور عربی کی دس ہزار کتابین ہین، اور زیادہ تر طب اور طبعیات کے متعلق ہین،

کتبخانہ جامعہ مصریہ | یہ بالکل جدید کتب خانہ ہے جو چند سال سے قائم کیا گیا ہے، کتابین زیادہ تر مصر اور یورپ کے مصنفین اور اہل علم نے ہدیۃً دی ہین، انہین ہدایاے علمیہ مین شفیق بک منصور اور یحیٰ پاشا منصور کے دو کتب خانے بھی ہین، کتابون کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار ہے، اور انکو یونیورسٹی کے جنرل سکریٹری عبدالعزیز فہمی نے یورپ کے کتبخانون کی ترتیب کے مطابق جدید طریقہ سے مرتب کیا ہے،

کتابون کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۸۶۶۰ یہ کتابین یورپین زبانون مین ہین اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین،

۱۲۶۰ یہ کتابین عربی زبان کی ہین، اور ہدیۃً موصول ہوئی ہین،

۱۵۰۰ یہ شفیق بک منصور کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو یورپین زبان مین ہین،

۲۵۰ یہ انہی کے کتبخانے کی وہ کتابین ہین جو عربی زبان مین ہین،

۲۵۰ یہ کتبخانہ یحیٰ پاشا منصور کی کتابین ہین۔

(باقی)

مقتبسات

اس عنوان کے تحت مین عربی و انگریزی کے بلند ترین علمی رسائل کے اعلیٰ مضامین کے مختصر خلاصے درج ہونگے

امریکہ کے جدید کتبخانے

علمی زندگی کے لئے کتبخانون کا وجود ہمیشہ لازمی سمجھا گیا ہے، اسلئے کتبخانے جس کثرت سے مغرب مین ہین، مشرق مین بھی ہین، البتہ مغرب خصوصاً امریکہ نے انکے نظام و ترتیب وغیرہ مین جو جدتین پیدا کی ہین، اُنکے لحاظ سے وہ ایک عجیب و غریب چیز بن گئے ہین "نئی دنیا" کی ہر چیز نئی ہوتی ہے ضرورت ہے کہ "پرانی دنیا" والے اس قسم کی اصلاحات اپنے ہان بھی رائج کرین،

کتبخانہ کا قدیم تخیل صرف اسقدر تھا کہ کتابون کا ذخیرہ ایک مقام پر فراہم کردیا جاے، اور لوگ وہان آکر اپنے حسب مذاق کتابون کا مطالعہ کرسکین، چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے بیشتر کتبخانے اسی اصول کے مطابق قائم ہین، لیکن امریکہ نے سرے سے یہ تخیل ہی بدلدیا، اور کتبخانہ کو ایک زندہ و متحرک دلفریب بستی بنادیا، جو پبلک کو خود اپنے اوپر مائل و گرویدہ کرے؛

امریکی کتبخانہ کی پہلی خصوصیت اسکی ظاہری دلفریبی ہوتی ہے، بجائے تنگ و غلیظ گلیون مین ایک تیرہ و تار حجرہ کے اسکی عمارت نہایت پرفضا و خوش منظر ہوتی ہے کہ انسان کو خود بخود تفریح حاصل ہوسکے، کمرے نہایت وسیع، روشن اور ہوادار ہوتے ہین، جو پھول پتیون، شاداب گملون اور خوشنما و آرام دہ فرنیچر سے آراستہ ہوتے ہین، جہان گھنٹون بیٹھکر بھی طبیعت نہین گھبرا سکتی چھت طلائی مینا کاریون سے منقش ہوتی ہے، چارون طرف برقی لمپ جگمگاتے ہوتے ہین اور زمین پر نرم و دبیز قالینون کا فرش ہوتا ہے جس سے چلنے والون کی آواز مطلق نہین سنائی دیتی اور کمرہ مین باوجود آمد و رفت کے بالکل سکون قائم رہتا ہے۔

عام کتبخانون مین کتابین بہ احتیاط تمام الماریون کے اندر مقفل رہتی ہین، اور شائقین کی دسترس ان تک عملہ کتبخانہ کی وساطت سے کافی زحمت انتظار کے بعد ہی ہو سکتی ہے، لیکن امریکہ مین جمہوریت کا یہ اثر ہے کہ کتابین الماریون پر بالکل کھلی ہوئی حالت مین رہتی ہین جسے جو کتاب پسند ہو بے تکلف فوراً اٹھا سکتا ہے، اسمین نہ کسی اہلکار کتبخانہ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے نہ اجازت کی،

عمارت کتبخانہ کے وسط مین ایک بڑا کمرہ عام دار المطالعہ (جنرل ریڈنگ روم) کے نام سے موسوم ہوتا ہے، جسمین ہر قسم کا متفرق لٹریچر موجود رہتا ہے، لغت، قاموس، تاریخ، جغرافیہ، افسانہ، شاعری، فلسفہ، سائنس جملہ علوم و فنون سے متعلق عام فہم کتابون کا ذخیرہ یہان ملسکتا ہے، اسکے اطراف مین متعدد کمرے مختلف شعبون کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین، مثلاً ایک دار الاخبارات ہوتا ہے، جسمین تمام روزانہ و ہفتہ وار اخبارات فراہم رہتے ہین، دوسرا دار الرسائل ہوتا ہے جسمین ماہوار و سہ ماہی رسالے یکجا ملتے ہین، ایک کمرہ مین صرف موسیقی کے متعلق لٹریچر اور آلات ہوتے ہین، ایک کمرہ نوادر اشیاء کے لئے مخصوص ہوتا ہے، وقس علی ہذا، سب سے کنارہ پر بعض کمرہ محض محققین فن کے لئے مختص ہوتے ہین جو کسی علم سے متعلق تراش سوا کرکے اس پر تصنیف و تالیف کرنا چاہتے ہین،

ان کتبخانون کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان مین ایک حصہ بچون کیلئے مخصوص ہوتا ہے جسکی نگرانی عموماً عورتون کے ہاتھ مین ہوتی ہے یہ کمرے رنگین نقشون مرقعون اور تصویرون سے مزین ہوتے ہین، ایک طرف تعلیمی کھلونے رکھے ہوتے ہین اور دلچسپ کہانیون کی کتابین خاص بچون کے مذاق کی موجود ہوتی ہین، اس صیغہ کے اہلکارون کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ بچون کو کہانیان سنایا کرین، اور ایسی کہانیان جن سے انکی عقلی و اخلاقی تربیت ہوتی رہے۔

کتبخانون کے کھلے رہنے کا وقت بھی ۱۴ گھنٹون سے کم نہین ہوتا، عموماً کتبخانہ ۸ بجے صبح سے ۱۰ بجے شب تک کھلے رہتے ہین، اور تعطیلات مین بھی بند نہین ہوتے، تاکہ ہر پیشہ اور طبقہ کے افراد پورا فائدہ اٹھا سکین، ان کتبخانون کے عہدہ دار خاص طور پر خوش اخلاق و خندہ رو ہوتے ہین، ناظرین کو مدد دینا اُنکے فرائض مین داخل ہے، کوئی اہلکار اگر ذرا بھی مواد مین ہاتھ بٹائیگا، اور کوئی تلاش کتب مین اعانت کرنے لگیگا،

ہر کتبخانہ مین ایک کمرہ معلومات عامہ کے لئے بھی مخصوص ہوتا ہے، اسمین ٹیلیفون لگا رہتا ہے اور جو لوگ خود کتبخانہ تک نہین آسکتے، وہ گھر بیٹھے اسکی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہین، یہ کمرہ جس اہلکار کی نگرانی مین رہتا ہے اسکا فرض ہے کہ جو شخص ٹیلیفون کے ذریعہ سے جس قسم کی معلومات بھی حاصل کرنا چاہے وہ اسکے لئے مہیا کرے، فری پبلک لائبریری نیو یارک نے حساب لگایا ہے کہ اسے سالانہ پانچ ہزار سوالات کے جواب بذریعہ ٹیلیفون دینا ہوتے ہین، اور یہ سوالات بھی عجیب عجیب قسم کے ہوتے ہین، ایک صاحب دریافت کرتے ہین کہ کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی کتنی ہے؟ دوسرے صاحب مستفسر ہوتے ہین کہ فلان لفظ کا املا کیا ہے؟ ایک اور صاحب پوچھتے ہین کہ ہندوستان کا سب سے بڑا دریا کون ہے؟ ایک صاحبہ یہ جاننا چاہتی ہین کہ عورتون کے متعلق انگریزی زبان مین کتنے رسالے اور کہان کہان سے شایع ہوتے ہین، وقس علی ہذا، کوئی دوسرا ہو تو گھبرا اُٹھے لیکن ذمہ دار اہلکار کا فرض ہوتا ہے کہ حتی الامکان سب سوالات کا بکمال خندہ روئی جواب دے۔

ایک علحدہ کمرہ مین قلم، دوات، کاغذ، لفافہ وغیرہ خط وکتابت کا پورا سامان موجود رہتا ہے، جس سے ناظرین بلا قیمت مستفید ہوسکتے ہین، البتہ اگر وہ اعلیٰ قسم کے لفافہ و کاغذ چاہین تو اُنکے لئے اُنہین مناسب قیمت دینا ہوگی، اسکے علاوہ مناسب معاوضہ دینے پر ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سے کام لیا جاسکتا ہے، نیز کاغذات کا ترجمہ مختلف زبانون مین کیا جاسکتا ہے، گویا ہر لائبریری اپنے

ساتھ دفتر کا روائی امور متفرقہ بھی بطور ضمیمہ رہتی ہے،

مغربی تمدن کی زندگی اشتہارات پر قائم ہے، اس آلہ سے مقاصد کتبخانہ کی نشر و اشاعت مین بھی پوری مدد ملجاتی ہے، وقتاً فوقتاً شہر مین اس قسم کے اشتہارات برابر چھپان ہوتے رہتے ہین، جن سے پبلک مین کتب بینی کا مذاق پیدا ہو اور کتبخانہ کی سیر کی تشویق و ترغیب ہو،

جو لوگ اپنے گھرون مین کتابین دیکھنا چاہتے ہین، وہ ایک وقت مین ایک متعین تعداد مین کتابین لیجا سکتے ہین، اور اگر زیادہ عرصہ تک رکھنا چاہین تو دو پیسہ یا ایک آنہ روزانہ کے حساب سے انہین فیس دینا ہوتی ہے، یہ فیس بظاہر ہلکی ہوتی ہے لیکن اس سے کتبخانون کی اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی ہے، چنانچہ نیویارک پبلک لائبریری کی سالانہ آمدنی صرف اس مد سے تقریباً ۵۰ ہزار روپیہ ہوتی ہے،

ان سب کے علاوہ امریکہ نے ایک طریقہ "گشتی کتبخانون" کا نکالا ہے یعنی شہر کے بڑے بڑے کتبخانے اپنے ہان کی چند سو یا چند ہزار کتابین انتخاب کر کے قصبات و دیہات مین بھیجتے رہتے ہین تاکہ دیہاتی آبادی بھی شہری آبادی سے پیچھے نہ رہے،

برٹش انڈیا (ہندوستان کے انگریزی علاقہ) مین ابھی وہ دن دور معلوم ہوتا ہے جب ان اصلاحات پر عمل ہوسکیگا، لیکن مقام مسرت ہے کہ ایک روشن خیال ہندوستانی والی ملک نے اپنے قلمرو مین ان پر عمل شروع کر دیا ہے، ہز ہائنس مہاراجہ بڑودہ نے اپنے ہان جو کتبخانہ قائم کیا ہے، اسمین اسوقت، ۷۰ ہزار سے زاید کتابین موجود ہین جنمین ۴۰ ہزار انگریزی زبان مین ہین اور باقی ۳۰ ہزار ہندوستان کی مختلف زبانون مین، اس کتبخانہ کا نظام ایک بڑی حد تک امریکی نظام کے مطابق ہے، بچون کا صیغہ، نوادر کتب کا صیغہ، یہ سب شعبے الگ الگ موجود ہین، اور سنسکرت کا شعبہ سنا ہے کہ اپنی نوعیت مین بے نظیر ہے،

روح، مادہ، اور ایتھر

پروفیسر سر آلیور لاج اسوقت انگلستان مین طبعیات کے شاید فاضل ترین استاد مین، یورپ کے علماے سائنس مین انکی عظمت و فضیلت مسلّم ہے، اور عام حکیمانہ ناموری کے لحاظ سے آج مشاہیر فضلاے یورپ مین انکے ہمپایہ چند ہی افراد نکل سکتے ہین، پروفیسر موصوف ایک عرصہ دراز سے عالم روحانیات کے قائل ہین، اور اسکے متعلق انکی متعدد تصانیف شایع ہوچکی ہین،

عنوان بالاسے پروفیسر موصوف نے مشہور علمی سہ ماہی رسالہ ہبرٹ جرنل کے جنوری نمبر مین ایک مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے، جسمین خاص مادہ اور ایثیر (ایتھر) کے باہمی تعلقات پر بامعان نظر بحث کیگئی ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ "عالم ارواح" کے وجود کے تسلیم کرنے مین جو دشواریان نظر آتی ہین وہ ایثیر کے وجود کے بعد از خود رفع ہوجاتی ہین، مضمون کے آخری ٹکڑے کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

"مجھے یقین کامل ہے کہ ایثیر جس طرح اسوقت تک فن طبعیات مین ایک حد تک شامل ہوگیا ہے، اسی طرح آیندہ نسلون کا یہ کام ہوگا کہ اسے (ماوراے مادیات) نفسیات کا بھی جز بنائین، اسوقت "روح" کا مفہوم صاف و متعین ہوجائیگا، اسوقت اجسام غیر مادی کا تخیل مبہم، ناصاف و بے معنی نہ رہیگا، اسوقت روح کے نام سے جھجک مٹ جائیگی، اور اُسوقت رُوح کا وجود بھی ایسا ہی حقیقی و غیر مشتبہ، واضح و محسوس ہوجائیگا، جیسا اسوقت ذرات برقی کا ہے، کرۂ ارض کے اجسام مادی اور اجسام ایثیری (غیر مادی) یا ارواح کے درمیان باہمی فعل و انفعال کے جو طریقے ممکن ہین وہ اسوقت سمجھ مین آنے لگین گے، اس جدید علم کے ساتھ (بشرطیکہ اسے مناسب نشو و نما کا موقع ملا) ایک جدید قوت ظہور مین آئیگی، اور یہ جدید قوت

کام مین آئیگی، حیات بشری کا مقصد، اور جو اسرار و مسائل اسکے ساتھ وابستہ ہین از خود حل ہوتے جائینگے، اسوقت یہ عجیب و غریب اعمال و افعال جنکی تحقیقات اسوقت تک صرف مختصر ردعا ئنین کے حلقون تک محدود و مختص ہے، اور جسکے نتائج آج اعتقاد مستبعد سمجھے جاتے ہین کہ اکثرون کے نزدیک مضحکہ خیز ہین، سائنس کے مسلّم حقائق بن جائینگے" "رویاے صادقہ"، "کشف" "اشراق" کے دعوی مستدل نظر آنے لگین گے، اسوقت ان محققین کا نام یقیناً ممنونیت کے ساتھ لیا جائیگا جنھون نے گذشتہ صدیون مین اس صداقت کی شہادت دی تھی، اور اس اعلان حق کی راہ مین نہین نادا جیب تحقیر و مضحکہ کا مقابلہ کرنا پڑا تھا، بالآخر ایک روز حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھیگا، تعصبات و توہمات کے بادل چھٹ جائینگے، اور زندون اور مردون مین باہمی نامہ و پیام کا سلسلہ نوع انسانی کے حق مین آیۂ رحمت ثابت ہوکر رہیگا"

مضمون بالا کے ضمیمہ مین فاضل موصوف مادّہ و ایتھر کے باہمی تعلقات پر حسب ذیل رقم طراز ہین: -

" مادّہ اور ایتھر کے فروق اور باہمی تعلقات اکثر نا قابل فہم سمجھے جاتے ہین، مادّہ وہ ہے جو حرکت کرتا ہے، حرکت اسکا خاصہ ہے، جس شے کو عضلات انسانی یا انکے مماثل کوئی شے حرکت دیسکے، اسی کا نام مادّہ ہے، مادّہ کا علم حس عضلی سے ہوتا ہے جو شے لمس سے محسوس نہین ہوتی ہے، مثلاً آئینہ مین اپنا عکس، وہ غیر مادی ہے، لیکن بیشمار اشیاء، ہمارے حس عضلی یا کسی حس کے بھی احاطہ مین نہین آتین، با این ہمہ قطعی وجود حقیقی رکھتی ہین، ہمارے آلات حواس حیوانات سے ارثاً ہم مین منتقل ہوئے ہین، اسلئے کہ وہ تنازع للبقا مین کار آمد ثابت ہوئے ہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ وہ معیار حقیقت ہین،

(یعنی انہین کی بنا پر کسی شے کے وجود وعدم کا فیصلہ کیا جا سکے) ایثر کا ہمین براہ راست کوئی

حس نہین ہوتا، اسلئے اگر کوئی روحانی ہستی بجاے مادہ کے ایثر مین متشکل ہو کر آئے تو

لا محالہ ہمارے حس براہ راست سے خارج رہیگی،

ایثر کا وجود کائنات روحانی مین نہین بلکہ مادی ہی مین ہے، تاہم وہ اغلباً مادہ کی

طرح روحانی واسطہ کا کام دیتا ہے،،

ان خیالات کے نقل کرنے سے ان سے تمامتر اتفاق مقصود نہین، البتہ اتنا عرض کرنا شاید

بیجا نہو کہ جس شخص کے قلم سے یہ خیالات ادا ہوئے ہین وہ اس قابل نہین کہ اسکے افادات کو

بے توجہی کے ساتھ سرسری نظر سے دیکھکر ختم کر دیا جاے، سنجیدہ غور و فکر انکا فطری حق ہے،

بالشویزم کا اثر علمی دنیا پر

بالشویزم نے سیاسی دنیا مین جو تہلکہ برپا کر رکھا ہے اسکا حال ہر شخص جانتا ہے لیکن

یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ اس تحریک کا طرز عمل علمی دنیا سے متعلق کیا ہے۔ پروفیسر روسٹوزیف

پروفیسر پیٹروگراڈ یونیورسٹی و ممبر رشین اکاڈیمی آف سائنس نے اس بحث پر ایک مضمون لکھا ہے

جسکے جستہ جستہ مقامات ہم امریکہ کے تعلیمی رسالہ ایجوکیشنل ریویو کے صفحات سے نقل کرتے ہین،

پروفیسر موصوف لکھتے ہین:-

"ایک سال سے زاید ہوگیا کہ روس کی عنان حکومت بالشویک گروہ کے ہاتھ مین ہے

مین تقریباً اس سارے عرصہ مین روس ہی مین مقیم رہا ہون، اور غور و توجہ کے ساتھ انکے

اعمال کا مطالعہ کر کے دیانت کے ساتھ اس تلاش مین لگا رہا ہون کہ انھون نے ذہنی اور

مادی دونون حیثیتون سے تخریب جو اپنا نصب العین رکھا ہے، اسکے پہلو مین شاید کچھ

اجزا ترقیہ بھی دریافت ہو سکین، لیکن مین اس تلاش مین ناکام رہا، انکے اعمال مین تعمیری حیثیت کا شائبہ تک مین نہ پا سکا، جدھر نظر اٹھا کر دیکھیے ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر دکھائی دینگے، اصدیون کے تمدن کی یادگارین ایک ایک کرکے مٹتی جاتی ہین، اور روس کی حالت بالکل میدان جنگ کی ہو رہی ہے، جہان ہر طرف نہب و غارت ہی کے مناظر نظر آتے ہین، بالشویک گروہ کے کارنامون مین کسی جدید تمدن کی داغ بیل پڑتی ہوئی ایک جگہ بھی مجھے نظر نہ آئی ......

اسکے بعد مضمون نگار نے اپنے ملک مین صنعت و حرفت وغیرہ کی بربادی پر اشک فشانی کی ہے، آگے چلکر لکھتے ہین:-

"پیٹر اعظم کے زمانہ سے روس مین سائنٹفک حیثیت سے ممتاز ترین انجمن، رشین اکاڈمی آف سائنس رہی ہے، روس مین سائنس کی تخم ریزی اسی نے کی، اور یونیورسٹیون کی مدد سے اسمین برگ و بار بھی اسی نے پیدا کئے، شروع شروع بالشویک بھی اس مرکز کمال پر ہاتھ ڈالتے ہوے جھجکتے رہے، لیکن یہ جھجک صرف چند روزہ رہی، مین جب روس چھوڑ رہا ہون اسوقت اکاڈیمی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا، طے یہ پایا تھا کہ اکاڈمی "نام" کر دیجائے، جسکے یہ معنی تھے کہ برباد کر دیجائے، اور اسکے بجاے ایک جدید اکاڈیمی قائم ہو، جسکی خصوصیت امتیازی یہ ہوگی کہ اسکی رکنیت صرف علماء سائنس تک محدود نہ رہیگی، بلکہ اسکے دروازے جمہور کے تمام نائبین کے لئے کھلے رہینگے، خواہ وہ کتنے ہی جاہل ہون، اسکے نصاب سے "اصول قانون" اور السنہ قدیمہ کے مضامین خارج ہونگے، کہ انکی تحصیل بیہودہ ہے، اور بجاے انکے اس جمہوری بیت العلم مین کچھ جدید معاشری علوم داخل کئے جائینگے، جنکی تدوین کا شرف ان علماء جمہور کو حاصل ہوگا۔

یونیورسٹیون کا مستقبل بھی اس سے چندان مختلف نہین، قانون، اور فنون کے شعبہ

بالشویک نظام عمل سے خارج ہین، یونیورسٹیون کا نظام تمامتر جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہوگا جسمین طلبہ کو ایک طرف اساتذہ تک کیلئے بھی کسی علمی سند کی ضرورت نہین، اس لحاظ سے یہ بالکل ممکن ہے کہ جمہور کی "علمی مجلس" کے جملہ ارکان علم و فن سے ناآشنائے محض ہون، پروفیسری کا عہدہ علمی قابلیت و استعداد کے بجائے محض کثرت آرا کی بنا پر ملیگا، یعنی اگر ایک جاہل مطلق کو ووٹ کافی تعداد مین ملجائین تو اسے اس فاضل اجل پر ترجیح ہوگی جسکے ووٹ کم ہون،

تمام علمی و تعلیمی مسائل کا فیصلہ نائبین ارکان کی مجلس کے ہاتھ مین ہوگا، ہین ارکان کی طرف سے ایک نائب منتخب ہوگا، نصف جماعت ان لوگون کی ہوگی اور باقی نصف تعداد اہل حرفہ و کاشتکارون کی انجمنون کے نائبون پر شامل ہوگی"

ان حالات کا نتیجہ بقول صاحب مضمون کے یہ ہوا ہے کہ ابتدائی تعلیم کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے دیہاتی مدارس بند ہوتے جاتے ہین، شہر کے مدارس انحطاط پر ہین، اور یہ سب اسلئے کہ جمہوریت جدید کے ارباب حل و عقد تعلیمی مصارف کی منظوری دینے مین انکار کرتے ہین، اور یہی حال اعلےٰ تعلیم، کالجون اور یونیورسٹیون کا بھی ہے،

ملک کے مشہور مصنفون، ادیبون اور انشا پردازون کو فوج مین بھرتی ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور انکار پر سخت سے سخت سزا مین دیجاتی ہین، متعدد آزاد خیال جرائد و رسائل بند ہو گئے ہین، اور کاپی رائٹ کے قانون کی منسوخی سے ارباب قلم کا ذریعۂ رزق جاتا رہا ہے،

اگر یہ حالات صحیح ہین تو ہندوستان کو بالشویزم کی اصلیت پہچاننے مین دہوکا نہ کہانا چاہئیے۔

جذباتِ رذیلہ

عنوان بالا سے کیمبرج میگزین میں ایک انگریز نے حال میں ایک مضمون لکھا تھا، جس میں یہ بتایا تھا کہ انکی اصلاح کے تین طریقہ ہیں،

(۱) جزا و سزا یعنی جذباتِ عالیہ پر تحسین و آفرین اور خبیثہ پر تعزیر و نفرین۔

(۲) انکی مضرتوں کو گھٹا کر انکا رُخ مفید مقاصد کی طرف پھیر دینا اور انمیں لطافت حسن کی آمیزش کر دینا،

(۳) طبی ذریعہ سے خواہشات نفسانی کا علاج کرنا،

ہندوستان کے نامور فلسفی، بابو بھگوان داس ایم، اے نے رسالہ تھیاسوفسٹ (جون نمبر) میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ طریقے بھی اگرچہ بجائے خود محمود و مستحسن ہیں، تاہم حکماے مشرق کا تخیل اس سے بلند ہے، انکے نزدیک بغیر روحانیت کے امتزاج کے پوری اصلاح اخلاق ممکن نہیں،

وہ لکھتے ہیں کہ بدی سے بچنے اور نیکی کی طرف راغب ہونے کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان کو نیکی بدی کا صحیح علم ہو، جب علم صحیح و قطعی ہوگا تو لامحالہ ضبط نفس بھی پیدا ہوگا، لیکن انعام و سزا کا طریقہ صرف عوام کے لئے مفید ہو سکتا ہے، جو لوگ بلند سطح پر ہیں انکے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ انکے قوی و جذبات کا رُخ مفید مقاصد کی جانب پھیر دیا جائے، مذہب نے خیر و خیرات، اور اپنے بانی کے ساتھ عشق و محبت کے جو طریقے بتائے ہیں، وہ اسی اصول ثانی الذکر کی مثالیں ہیں، رہا تیسرا طریقہ، صوفیوں کے ہاں جو اعمال و ریاضات ہیں، وہ سب اسی پر مبنی ہیں، مثلاً حبس دم، یا ہندوؤں کا یوگ وغیرہ،

لیکن انکے نزدیک ان تمام طریقوں سے بڑھ چڑھ کر اصلی علاج یہ ہے کہ بجائے افراد کی اصلاح کے

خود ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح کیجائے، جب سوسائٹی کا اخلاقی قوام درست ہوگا لامحالہ افراد کا اخلاق بھی درست ہوگا، اسلئے کہ

"فرد خواہ اسکا طرز زندگی کچھ بھی ہو، اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی سے کسی حالت مین بھی غیر متاثر نہین رہ سکتا، مادی حیثیت سے فرد کی صحت و عدم صحت ہمیشہ جماعت کی صحت و عدم صحت کے تابع و متناسب ہوتی ہے، بعینہ یہی حال اسکی اخلاقی صحت کا بھی ہے، اور تو اور ایک سنیاسی (زاہد خلوت گزین) تک بھی گو دنیا سے ایک بڑی حد تک بے تعلق ہوجاتا ہے تاہم بالکل بے تعلق نہین ہوسکتا، تاوقتیکہ نفس کی آمد و شد اسکے جسم مین باقی ہے۔"

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ تمام مذاہب خصوصاً قدیم ہندو مذہب نے اسی اصول کو پیش نظر رکھکر بجاے افراد کے جماعات کی اصلاح کو اپنا مقصود رکھا ہے، تاکہ ایک ایسا مکمل و بے عیب نظام معاشرت قائم ہوجاے جسکے اجزار کو غلط روی کا موقع ہی نہ ملے، ایک مشین اگر ہر طرح کامل و مکمل ہے تو ممکن نہین کہ اسکا کوئی پرزہ بے راہ روی اختیار کرسکے۔

غالباً

ناظرین معارف اور شائقین سیرۃ نبوی یہ سنکر خوش ہونگے کہ سالہا سال کی جد و جہد کے بعد آخر ہم اس لائق ہوے کہ معارف پریس مین ایک لیتھو مشین کا اضافہ کرین، زمانہ کانپور کا مشین معارف پریس نے خرید لیا، ایک مہینہ ہوا کہ مشین آکر مرتب ہوگیا اور کام دینے لگا، چنانچہ معارف کا یہ نمبر اسی مشین پر چھپا ہے، سیرۃ النبی جلد دوم کا کام جاری ہے، ہر قسم کے کاغذ جنکی مجموعی قیمت کم و بیش سات آٹھ ہزار ہے لکھنؤ، کلکتہ اور بمبئی سے آگئے، کاپیان تیار ہین، اس مہینہ سے اسکی چھپائی کا کام شروع ہوگیا، امید ہے کہ اس جلد کی ضخامت ۷۰۰ صفحہ کی ہوگی اور آخر سال تک چھپکر مطبع سے نکلیگی، جلد اول کا دوسرا ایڈیشن جسکی تقطیع چھوٹی کردیگئی ہے زیر کتابت ہے

باب التقریظ والانتقاد

رسائل چراغ علی

کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن مین جہان بہت سی نوادر اور نایاب چیزین ہین، وہان ایک سب سے عجیب و نادر چیز مولوی عبدالصمد خان صاحب ہین، یہ ایک مدت سے یہان فروکش ہین اور ہمیشہ اشغال علمی مین مصروف رہتے ہین، اور انکے علاوہ "دین و دنیا" کی کسی چیز سے انکو تعلق نہین، جسطرح قدرت کبھی کبھی "جسمانی عجائب المخلوقات" کا تماشا دنیا کو دکھاتی ہے، اسی طرح "دماغی عجائب المخلوقات" کا تماشا بھی وہ گاہے گاہے دکھا دیتی ہے، ہمارے مولوی عبدالصمد خان صاحب ہمین دماغی عجائب المخلوقات مین سے ہین، تعلیمی حیثیت سے وہ نہ کسی علم و فن سے واقف اور نہ کسی مشرقی یا مغربی زبان سے آگاہ، نہ اپنے ہاتھ سے لکھنے پر قادر، لیکن از روے حقیقت وہ اکثر علم و فن سے آشنا، اور فارسی و عربی وغیرہ زبانون سے خبردار، اور تواریخ و رجال اور نوادر کتب و مطبوعات سے کامل مطلع،

"نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد"

یہ ایک جملہ بیانیہ تھا، اصل مین لکھنا یہ ہے کہ ان مولوی عبدالصمد صاحب کو چند سال سے ادہر توجہ ہوئی ہے کہ نادر کتابون کو چھاپکر شایع کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے وہ **گلشن ہند** مرزا لطف، **ماثر الکرام و سرو آزاد** علامۂ آزاد بلگرامی، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، و تحقیق الجہاد مصنفہ مولوی چراغ علی مرحوم، و ترجمہ ابن خلکان اردو چھاپکر شایع کر چکے ہین، سب سے آخری کتاب جو اب ان نے چھاپی ہے وہ **رسائل چراغ علی** ہے،

مولوی چراغ علی مرحوم کو خلافیات ما بین الاسلام والنصرانیہ مین جسقدر عبور کامل تھا وہ مخفی نہین،

عہد کے قریب وپیش زمانہ مین ہندوستان اسلام و نصرانیت کا رزمگاہ بنا ہوا تھا، مشنری سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی اسلامی حکومت کی طرح ہندوستان کے اسلامی مذہب کو بھی فتح کر لینا نہایت آسان ہے، لیکن تھوڑے ہی دنون کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ لارڈ کلایو اور پادری فنڈر کے میدانون مین بہت بڑا فرق ہے،

غرض اس ضرورت سے علماے اسلام کو ردّ نصاری کی طرف توجہ ہوئی، اور مولوی رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی، مولوی سید آل حسن صاحب موہانی اور آخر مین مولوی سید محمد علی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلما رنے اس میدان مین کارہاے نمایان انجام دیے ہین،

مولوی چراغ علی مرحوم اور سر سید احمد خان نے اس فن مین دوسرا راستہ اختیار کیا، پہلے بزرگون کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ الزامی جواب دیتے تھے، یعنی مسیحی جو اعتراض اسلام پر کرتے تھے وہ اسی طرح کی بلکہ وہی باتین تورات و انجیل سے نکال کر دکھا دیتے تھے، مولوی چراغ علی صاحب اور سر سید نے جو راستہ اختیار کیا اسکا نام انکے دوستون نے تحقیقی رکھا ہے، یعنی اسلام کے جس مسئلہ پر مخالفین نے اعتراض کیا انھون نے اُسکے متعلق ہر طریقہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ یہ مسئلہ اسلام مین نہین بلکہ مولویون کی کتابون مین ہے، اسلئے یہ اعتراض درحقیقت مولویون کی کتابون پر ہے، نفس اسلام پر نہین،

مثالاً یون سمجھیے کہ عیسائیون نے غلامی اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل پر اعتراض کیا، اس عہد کے عام مناظر علما نے یہ کیا کہ تورات و انجیل کے حوالون سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ باتین تمھارے مذہب مین بھی ہین، اور ان مین کوئی برائی نہین، گذشتہ انبیا کی شریعتون مین یہ چیزین جائز تھین، مولوی چراغ علی اور انکے اتباع نے یہ ثابت کیا کہ نفس غلامی اور تعدد ازدواج اسلام مین جائز ہی نہین، یہ مسائل مولویون کے ذاتی اجتہادات اور رائین ہین، اس طریقۂ مناظرہ سے جو نقصانات پیدا ہوے وہ نہایت اہم ہین، ایک یہ کہ لوگون کو اسلام کے مسائل پر اعتماد نرہا کہ

آیا جو کچھ ہم نے پڑھا اور سنا ہے وہ صحیح ہے یا نہین، چنانچہ اُسکے آثار ابتک صوبہ پنجاب مین باقی ہین، جہان مذہب اور فرقہ اس طرح اُگتا ہے جیسے برسات مین حشرت الارض،

دوسری بات یہ ہوئی کہ چونکہ عموماً یہ باتین کھینچ تان کر عبارتون کے مطالب کو اُلٹ پلٹ کر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر کی جاتی تھین اسلئے لوگون پر انکی کمزوری ظاہر ہو جاتی تھی، اور وہ غلطی سے ان کمزوریون کو بجاے ان مصنفین کے اصل اسلام کی طرف منسوب کرنے لگے،

اور میری راے مین جوابدہی کا جو طریقہ ہمارے ان مناظرون نے اختیار کیا تھا اگو مولانا حالی حیات جاوید مین اسکو کسیقدر سراہین اور اسکا نام "تحقیق" سے بھی بلند تر کوئی حقیقت رکھین لیکن درحقیقت وہ ایک قسم کا اعتراف شکست تھا،

تیسری بات یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ یورپین تمدن سے مرعوب ہو گئے تھے اور دل ہی دل مین اسکی خوبی کو محسوس کرتے تھے اسلئے نیک نیتی سے وہ چاہتے تھے کہ یہ باتین ہمارے مذہب مین بھی رائج ہو جائین، اور سرسید کا یہ فقرہ انکی دلی عقیدت پر مبنی تھا کہ "ہم اپنی قوم کی ترقی کا وہ دن سمجھین گے جس دن وہ مذہب کے سوا ہر چیز مین انگریز ہو جائین گے" لیکن اب ہمارے نوجوان یہ سلہ کرسکتے ہین کہ قوم کی قومیت کے عناصر کیا ہین؟ اور عناصر قومیت کے کون وفساد کے بعد اصل قومیت کا وجود کہانتک باقی رہ سکتا ہے؟

مولوی چراغ علی مرحوم کا جو طریقۂ تحقیق ہے اور جس طرح وہ اپنے مطلب کی بات گمنام گوشون سے اور دور از قیاس مقامات سے نکال لیتے ہین، وہ حقیقت مین قابل داد ہے اور اسکی تعریف نکرنا "ستم بر جان سخن" ہے، اور اپنے مطلب کے لئے سنی شیعہ کی تمام کتابون کو کھنگال ڈالتے ہین، اور جہان سے اور جس فقرہ سے اور جس تاویل سے بھی ممکن ہو اپنا مقصود ثابت کرلے جاتے ہین، ایک عام اصول انکی طرز تحقیق کا یہ ہے کہ جو حدیث یا روایت اپنے مقصود کے خلاف ہو

گو وہ بخاری ہی کی کیون نہو اسکو مجروح و ضعیف ثابت کرنے مین ہر قسم کی کوشش کر ڈالتے ہین، اور ضعیف سے ضعیف حدیث یا روایت جو اُنکے مقصود کے موافق ہو بغیر ادنی جرح کے وہ اُسپر سے گذرجاتے ہین اور اسمین کسی قسم کا کلام نہین کرتے اور بجاے اصل سلسلۂ روایت پر گفتگو کرنیکے وہ حدیث جس کتاب کے اندر ہے اس کتاب کے مصنف کی ثقاہت و شہرت کا ذکر کرکے لوگون کو مغالطہ مین ڈالتے ہین، حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ شیخین کے علاوہ بڑے بڑے محدثین ہر قسم کی حدیثین اپنی کتابون مین لاتے ہین، بعض لوگ ان حدیثون کی حالت و حیثیت بھی بیان کردیتے ہین، اور بعض نقد و بحث سے گریز کرتے ہین، اور اسکو طلبہ اور علما کیلیے چھوڑ دیتے ہین،

رسائل چراغ علی جو عنوان سخن ہے، چار رسالون کا مجموعہ ہے،

رسالۂ اوّل تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام

رسالۂ دوم مجموعۂ روایات استرقاق و تسری،

رسالۂ سوم تدبیر الاسلام فی تحریر الامتہ والغلام

رسالۂ چہارم تحقیق مسئلۂ تعدد ازدواجات،

یہ رسائل اس سے پہلے نہین چھپے تھے، مولوی عبد اللہ خان صاحب کو خوش قسمتی سے اُنکے مسودات مرحوم کے خاندان سے ہاتھ لگ گئے تھے، ان مسودون مین کل چھوٹے بڑے ۵۰ ہم رسالے برآمد ہوے، جنمین سے یہ چار رسالے ہین، یہ چارون رسالے مرحوم نے حیدرآباد جانے سے پہلے اسوقت لکھے تھے جب وہ اودھ مین گورنمنٹ کے ملازم تھے، کچھ رسالے سیتاپور کے زمانۂ قیام مین لکھے تھے،

یہ چارون رسالے جو اسوقت چھپی ہوئی صورت مین ہین، جامع رسائل یعنی مولوی عبد اللہ نے اسی تودۂ کلان سے اٹھا کر ملک کے سامنے رکھے ہین، انکا بیان ہے کہ یہ رسالے کسیقدر غیر مرتب

حالت مین تھے، کتابون کے نام لکھے تھے لیکن صفحات کے حوالے نہین تھے، جامع نے محنت اٹھا کر انکے حوالے نکالے، جا بجا کچھ حواشی چڑہائے، رسالون کی ترتیب درست کی اور چھپا کر انکو شایع کیا،

پہلا رسالہ مولوی سید محمد عسکری صاحب مرحوم کی کتاب "حقیقتہ الاسلام" اور مولوی محمد علی صاحب چھریونی مرحوم کی کتاب "رد الشقاق فی جواز الاسترقاق" کے جواب مین ہے جنکو ان دو بزرگون نے سرسید کے رسالہ "تبریتہ الاسلام عن شین الامتہ والغلام" کی تردید مین لکھا ہے، یہ رسالہ مرحوم نے سیتاپور مین ۱۸۶۶ء مین لکھا تھا،

دوسرا رسالہ بھی مرحوم نے سیتاپور ہی مین جبکہ وہ سنہ ۱۸۷۱ء مین لکھا تھا، اس رسالہ مین مصنف نے استرقاق (تسری یعنی لونڈی غلام بنانے) کے متعلق جسقدر روایتین اسلام مین ہین اور مصنف کو ملی ہین، ان سبکو یکجا کر کے ان پر گفتگو کی ہے اور جو ان مین خلاف مقصود ہین، انکی تضعیف کی ہے، اور جنکو وہ اپنے موافق سمجھتے ہین انکی توثیق کی ہے،

تیسرا رسالہ بھی اسی غلامی کے مسئلہ پر مولوی محمد علی صاحب چھریاونی کے ایک مضمون مندرجہ رسالہ [illegible] کا پنور (جو سرسید کی مخالفت مین نکلتا تھا) کی تردید مین ہے، یہ رسالہ مرحوم نے لکھنؤ مین ۱۸۹۰ء مین لکھا تھا، آخری رسالہ تعدد ازدواج کے جواز و عدم جواز پر ہے، اور اسمین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعتہ السنہ کے ایک مضمون متعلق نکاح وطلاق کی تنقید کی ہے۔

ان چار رسالون کے علاوہ تہذیب الکلام سے ملحق ایک رسالہ ضمیمۂ تہذیب الکلام ہے جسکو مولوی عبداللہ خانصاحب نے خود تالیف کیا ہے، اس رسالہ مین ذمیون کے ساتھ جزیہ واداے جزیہ وطریقہ اداے جزیہ مین اسلام نے جو سہولتین رکھی ہین انکو بیان کیا ہے اور فقہاء کی

تصریحات سے اصل مطلب کو ثابت کیا ہے، اور ذمیون کی تحقیر کی نسبت بعض فقہا نے آیت
وھم صاغرون کے غلط معنی سمجھکر اداے جزیہ کا جو طریقہ لکھا ہے، اسکو نہایت عمدہ دلائل سے
رد کیا ہے،

اگرچہ مولانا شبلی مرحوم نے حقوق الذمیین مین جو کچھ لکھدیا ہے اسکے بعد بظاہر اس موضوع پر
کسی کو قلم اٹھانیکی ضرورت نہ تھی، لیکن مولوی عبد اللہ خان نے بحیثیت جامع کے یہ لائق تعریف
کام کیا کہ ان مضامین کی جو عبارتین فقہار کے کلام مین ملین انکو سلیقہ سے مع ترجمہ کے یکجا کردیا ہے
گو اصل موضوع پر کوئی نیا اضافہ اس سے نہین ہوتا،

مولوی چراغ علی مرحوم کے اصل رسائل مین جنمین سے تین مسئلہ غلامی کے متعلق ہین انکا
اصول بحث وہی ہے جسکی تفصیل اوپر ہو چکی ہے، یعنی صحیح و قوی روایات کی تضعیف اور ضعیف
روایات کی توثیق و تقویت، آیات کی تفسیر مین محاورات عرب کی عدم مراعات، منع استرقاق کے
ثبوت مین غزوات و سیرت کے ان واقعات سے استدلال کیا ہے جنمین یہ مذکور ہے کہ
آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے غلامون کو آزاد فرمایا ہے، حالانکہ اس مسئلہ مین کہ
غلامون کی آزادی جائز بلکہ مناسب بلکہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، کسی کو اختلاف نہین
ثبوت تو اس کا بہم پہنچانا چاہیئے، کہ غلام بنانا اسلام نے جائز کیا ہے، یا آنحضرت
(صلے اللہ علیہ وسلم) کے کسی فعل سے اسکا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے دعویٰ
اور دلیل مین کوئی مطابقت نہین،

بالفعل ہم اس بحث سے قطع نظر کرتے ہین کہ جن روایات سے انھون نے استدلال کیا ہے
وہ محدثانہ حیثیت سے کہانتک ثابت ہین، محدثانہ حیثیت کے واضح کرنیکی ضرورت اسلئے ہوئی کہ
انہین رسائل مین موئدین جواز استرقاق کی صحیح پیش کردہ روایات کو اس بنا پر مصنف نے رد کردیا ہے کہ

وہ صحیح ہین تاہم روایات احاد ہین، جو مفید یقین نہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگون کو
صول حدیث کی مراعات مین کسقدر احتیاط ہے، اس بنا پر ضعیف احادیث مین روایات احاد
قطعات ومراسیل وغیرہ سے کمال درجہ احتراز واجتناب ہوگا لیکن افسوس کہ
یسا نہین ہے ۔

منع جواز کے ثبوت مین جن احادیث سے کام لیا ہے وہ دو قسم کی حدیثین ہین، ایک تو وہ
مین یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے غلامون اور لونڈیون کو آزاد فرمایا اور انکے ساتھ نیکی کا حکم فرمایا
میسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا، ان واقعات سے عدم جواز پر استدلال نہین ہوسکتا، بلکہ اس بات پر ہوسکتا ہے
انکو آزاد کرنا جائز ہے، اور انکے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے، اگر فعل استرقاق قطعی ممنوع ہوتا تو جس
پیغمبر نے علی الاعلان اپنے قول وعمل سے تمام خبائث وسیئات کو بحکم خدا حرام کردیا وہ اس فعل شنیع کی
نسبت کیون مصرح حکم عدم جواز نہ دے سکا، اگر یہ کہا جائے جیسا کہ اکثر کہا گیا ہے کہ چونکہ اہل عرب
اس فعل شنیع سے بہت مالوف تھے اور انکے رشتے ناتے تھے، اسلیے یک دفعہ اسکی حرمت کا
اعلان نہین کیا جاسکتا تھا، اسکے جواب مین کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے اپنی زندگی مین ان تمام
افعال شنیعہ کی جن سے اہل عرب مالوف تھے کیا بتدریج انکی حرمت کا صریح اعلان نہین کردیا،
شراب وقمار سے زیادہ الفت انکو مسئلۂ غلامی سے نہ تھی تاہم وہ بھی بتدریج
حرام ہی ہوگئی ۔

جن ناجائز وغیر صحیح رشتے ناتے کا عرب مین رواج تھا کیا اسلام نے علی الاعلان انکی حرمت
آشکارا نہین کردی، اور اسکا انتظار نہین کیا کہ تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص ہندوستان مین
پیدا ہو اور اسکی زبان سے انکی حرمت کا اعلان کرایا جائے،

دوسری حدیثین وہ ہین جنمین بعض صحیح، بعض غیر صحیح ہین، لیکن اس سے قطع نظر مصنف نے

انکا مطلب غلط سمجھا ہے یا غلط سمجھانیکی کوشش کی ہے، منجملہ انکے ایک حدیث ہے جسکو دارقطنی سے مصنف نے نقل کیا ہے، کہ حضرت زید بن ارقم صحابی کی ام ولد (وہ لونڈی جسکو بچہ ہوجانے کے سبب سے بیوی کے کچھ حقوق دیئے گئے ہون) حضرت عائشہ کی خدمت مین آئی اور عرض کی کہ مین نے زید بن ارقم کے ہاتھ ۸۰۰ مین ایک غلام اُدہار بیچا پھر ۶۰۰ مین نقد دیکر خرید لیا، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم نے بُری خرید و فروخت کی، اور زید سے میرا یہ پیام کہدینا کہ اگر وہ توبہ نہ کرلین تو اُن کو آنحضرت صلعم کے ساتھ جہاد کا جو ثواب ملا تھا وہ جاتا رہا" مصنف نے اس حدیث کی صحت کے ثبوت مین بجاے اسکے کہ سلسلۂ اسناد سے اسکی صحت ثابت کرتا، اس نے اسطرح ثابت کیا ہے کہ "دارقطنی کی حدیث ہے، اور دارقطنی ایسے امام تھے اور ایسے محدث تھے اور ایسے ثقہ تھے" کیا یہی محدثانہ اصول تنقید ہے؟ اگر یہی اصول ہے تو امام بخاری کی حدیث جسکو روایات احاد کہکر ٹالدیا جاتا ہے، اس اصول کی بنا پر صحیح ترین حدیث ہوگی، کیونکہ بہر حال امام بخاری کا مرتبہ دارقطنی سے زیادہ ہے، مصنف کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ حدیث امام ابن حنبل نے مسند مین بھی نقل کی ہے، تو شاید اس اصول موضوعہ کے مطابق اپنے استدلال کو اور زیادہ پرزور کرسکتے تھے۔

افسوس کہ حدیث کا وہ مطلب نہین جو مصنف نے سمجھا ہے کہ حضرت عائشہ نے اسلئے حضرت زید بن ارقم کو تہدید کی کہ انھون نے لونڈی کی خرید و فروخت کا معاملہ کیا، بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ چونکہ کسی شے کی بیع اول کی قیمت جب تک نقد نہ وصول ہوجائے اسکی بیع ثانی درست نہین کہ یہ شبہۂ ربا ہے، اسلئے حضرت عائشہ نے اسقدر تہدید فرمائی، اگر مصنف مرحوم نے ذرا غور کیا ہوتا تو انکی اس پیش کردہ روایت کا پہلا ہی لفظ وہ خود جسکو صحیح سمجھتے ہین انکے دعوی کی تردید کے لئے کافی تھا، روایت کا آغاز یہ ہے کہ "زید بن ارقم کی اُمِ ولد نے کہا" اگر جاریہ سے استمتاع ممنوع

ناتو ام ولد کی نئی مخلوق کیونکر عالم وجود مین آتی، یہ کتنا ممکن ہے کہ یہ آیت فدا کے پہلے سے ہوگی
بلہ اسکا بار ثبوت مدعی پر ہے،

اسی طرح صفحہ ۱۰۹ کی حدیث ششم و ہفتم کا مطلب بھی صحیح نہین سمجھا گیا، اگر مصنف کی تاویلات کو
ان بھی لین تو اسکا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ یہ ثابت ہوجائیگا کہ جو جواری ابھی بحالت قید ہون اور
الک کا منشا، انکے فروخت کرنیکا ہو انسے مقاربت جائز نہین،

ناظرین یہ نہ سمجھین کہ ہم اسلام کی طرف سے غلامی کی اس قبیح رسم کی حمایت کر رہے ہین جسکے
مسیحی بردہ فروش یورپ اور امریکا مین مرتکب ہو رہے تھے، ہمارے نزدیک تو از روی احادیث
صحاح اگر مالک غلام کو گالی دے یا اسکے تھپڑ مارے تو آقا پر فرض ہو جائیگا کہ فوراً اسکو خدا کی راہ مین
آزاد کر دے، اور نہ ہم اس حرمسرا کی ہزارون قیدیون کی بھرمٹ کو جائز سمجھتے ہین، جنکا کتاب و
سنت سے کہین جواز نہین ثابت ہوتا اور جو علانیہ مسافحت ہے جسکی قرآن پاک نے
ممانعت کی ہے -

برطانیہ نے نیک نیتی سے یا اسلئے کہ **اسپین** کے مقابلہ مین وہ امریکہ کے میدان مین
کامیاب نہین ہوسکتا تھا جب تک وہ غلامی کا قطعاً انسداد نہ کر دے ایک اچھا کام انجام دیا لیکن
اسکے یہ معنی نہین ہین کہ وہ شریعت الٰہی کے مطابق ہے، اور اگر نہین ہے تو کھینچ تان کر شریعت الٰہی کو
اسکے مطابق کیا جائے -

وہ غلامی جو یہودیون مین مروج تھی، وہ غلامی جو عیسائیون مین تھی، وہ غلامی جو یونانیون اور
رومیون مین تھی، وہ غلامی جو یورپ کے ملکون مین تھی یقیناً حرام و ناجائز ہے، لیکن قیدیان جنگ کا
وہ طریقہ آزادی جسکی محدود بندش کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے اور اس زمانۂ بندش یا تحدید
اختیارات مین آقا کے کام کو انجام دینا انصاف کے خلاف نہین ہے، اسلام مین لفظ "غلامی"

لفظ غلام (عبد) اور لفظ لونڈی (امتہ) کا استعمال بھی ناجائز ہے، اور اُنکے حقوق و مراعات کی اگر تفصیل کیجاے جو اسلام نے اُنکو بخشی ہے تو ایک رسالہ ہوجاے،

اصل یہ ہے کہ معاشرت و تمدن اور رسوم و رواج کے متعلق جسقدر انسانی فیصلے ہین وہ اسلئے لغو و لاطائل ہین کہ وہ تمامتر قوم غالب کے رسوم و رواج و تمدن کے ماتحت ہین، جب مسلمان دنیا مین قوم غالب تھے اُنکے رسوم و رواج اور معاشرت و تمدن کے طریق تمام غیر قومون کے نزدیک قابل تقلید سمجھے جاتے تھے، اور غیر قومین اُنکے مصالح و حکم پر گفتگو کرتی تھین، اسپین، اٹلی اور ہندوستان مین نقاب پوشی فخریہ اختیار کیجاتی تھی، داڑہی بڑہانا داب معاشرت تھا، اور اسپر علمی دلائل پیش کئے جاتے تھے، نکاح و طلاق و غلامی کے مسائل مین ان سے سند لیجاتی تھی، اور چھپکے چھپکے اُن پر عمل کیا جاتا تھا، آج جب دوسری قوم غالب میدان مین ہے تو اُسکے صحیح و غلط اور اچھے و بُرے ہر قسم کے اصول و رسوم و طرق معاشرت و تمدن مایۂ صد فخر اور سزاوار صد حکمت ہین، عورتون کی آزادی، داڑہی کی صفائی بلکہ اب مونچھون کی بھی، تعریف و مدح کی بات ہے، حالانکہ اسکا شدید سے شدید حامی بھی کوئی تسکین بخش دلیل اسکی پیش نہین کرسکتا، اصل بات یہ ہے کہ قوم غالب کے اثرات نفس پر اسقدر محیط اور مستولی ہوجاتے ہین کہ قومون کے نفسانی خصوصیات وجذبات و ذوق سب بدل جاتے ہین، اب وہ انہین کی آنکھون سے ہر چیز کو دیکھتے ہین اور انہین کے کانون سے ہر بات کو سُنتے ہین، پھر اس قوم غالب کے بجاے جب دوسری قوت فاتح آتی ہے تو پہلی قوم کا نشہ اُترجاتا ہے، اور دوسری قوم کا تمدن اُنمین سرایت کرنے لگتا ہے، اور اب وہی دل پسند ہونے لگتا ہے، حالانکہ ان دونون کے اصول تمدن و طرق معاشرت مین وہی فرق ہوتا ہے جو نور و ظلمت اور آسمان و زمین مین ہے،

لیکن اسلام ایک ایسی بوقلمون قومیت اور نیرنگ معاشرت اور شعبدۂ رسوم و رواج نہین ہے

وہ خالق توی ہستی کی غیر متغیر قوت کا مظہر و جلوہ ہی، فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا، لاتبدیل لخلق اللہ

مانعین غلامی نے جنمین سے ایک مصنف مرحوم بھی ہین، اپنے مقصد کے اظہار کا بالکل غلط طریقہ اختیار کیا اور یہ وہی طریقہ ہے جسکی سرسید نے رسالۂ ابطال غلامی مین پیروی کی ہے انکو بظاہر اسلام غیر اسلام مین لفظ "غلامی" کے مشترک استعمال سے دہوکا نہ کہانا چاہیئے تہا، انکو اسلام کی اور غیر اسلام کی غلامی مین فرق دکہانا چاہیئے تہا اور بتانا چاہیئے تہا کہ جسکو تم غلامی کہتے ہو حقیقت مین اسلام اُسکو ناجائز کہتا ہے، اور جسکو اسلام جائز کہتا ہے (ضروری نہین) وہ غلامی نہین وہ انسانی غمخواری و ہمدردی ہے

اسلام سے پہلے غلام اپنے اقاون کی جائداد تہے، جنکی زندگی بر حیثیت سے اسلئے تہی کہ وہ بیلون کی طرح اُنکے کہیت مین ہل چلائین، جانورون کی طرح اُنکے مکان کے لئے اینٹ اور مٹی ڈہوئین، قیدیون کی طرح وہ تنگ کوٹھریون مین بند رہین،

یورپ غلامی کی شریعت کا ناسخ ہے، لیکن آج محکمون مین، کچہریون، فوجی کیمپون مین، کارخانون مین، ملون مین، دوکانون مین بدقسمت کام کرنیوالون کی جو کثیر التعداد بھیڑ نظر آتی ہے اور جو چند پیسون یا روپیون کے لئے وہ جس طرح شب و روز کام مین اپنی جان و صحت اپنے آقاون کی خوشنودی کے لئے قربان کر رہے ہین کیا یہ غلامی کے مفہوم سے کوئی الگ حقیقت ہے؟ کیا گذشتہ زمانون مین غلامون کا کام یہی نہ تہا اگر یہ حقیقی غلامی نہوتی تو یورپین تمدن مین نائلزم، سوشلزم، انارکزم اور اسٹرائک کا گھن نہ لگ جاتا،

اس جنگ عظیم مین جو دنیا کی متمدن قومون کا معرکہ گاہ تہی باہم مخالف قومون نے قیدیون کے ساتھ وہ کونسا غلامی کا سلوک تہا جسکو اُنکے ساتھ نہین برتا، کیا اُن سے ہل نہین چلوائے گئے، کانین نہین کہدوائی گئین، خندقین نہین بنوائی گئین، کہانے کم نہین دیئے گئے، خدمتگذاری کی سختیان

انکے ساتھ ہنین کی گیئن، اور ان سب کا معاوضہ ایک قلیل المقدار بدہضم غذا اور ایک فرسودہ اور
اکثر ستر پوش کپڑا تھا، کیا یہ غلامی نہین ہے؟ دوران جنگ مین وہ کونسی بدکاری تھی جو عمل مین نہین
آئی عورتون کے ساتھ اور خود عورتون نے مجبوراً کیا کیا افعال نہین کئے، اخبارات مین شاید
تم نے فوجی شوہرون اور بیویون کی حیاکش داستانین بکثرت پڑہی ہونگی۔ اور متمدن ترین ممالک کے
سنجیدہ ترین اشخاص جنکا نام جج ہے، آجکل طلاق و خلع و واقعات آبروریزی و شکوک و شبہات
ازدواج و ترک تعلقات و فرار و آبادی بازار کے مقدمات اس کثرت سے ان سنجیدہ بزرگون کے
سامنے ہین کہ وہ علانیہ اپنی شدید ترین مصروفیت کا اخبارون مین اعلان کرتے ہین،

اگر اسلام نے ان مواقع کا علاج مسئلۂ **استرقاق** (قیدی کو اپنی خدمتگذاری مین لینا) اور
تسری (قیدی عورت کو اپنی زوجیت مین قبول کرنا) سے کرتا ہے تو کیا برا ہے،

سرسید مرحوم اور مولوی چراغ علی مرحوم دونون کو قرآن پاک کی اس آیت سے اشتباہ
ہوا ہے اور یہی انکے ترکش کا سب سے بے خطا تیر ہے،

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً لڑائی کے بعد قیدیون کو احسان دہر کر یعنی مفت ہنو
یا زر فدیہ لیکر،

ان بزرگون کا استدلال ہے کہ لڑائی کے بعد قیدیون کے ساتھ صرف دو برتاؤ ہو سکتے ہین
یا مفت بلامعاوضہ آزاد کر دینا، یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا، لیکن بہرحال آزاد کرنا ضروری ہے۔
عالی دماغون نے یہ غور نہین فرمایا کہ انکی آزادی باخذ معاوضہ یا بلامعاوضہ فوراً بلا تراخی کسی
مہلت کے بغیر ہونا چاہیئے، یا سال دو سال، چار سال کی مہلت بھی اسکے لئے دیجا سکتی
فرض کرو اگر تمام قیدی اس بات پر عہد کر لین کہ وہ کسی قسم کا معاوضہ نہ دینگے، اور سرسید و
چراغ علی مرحوم کا فتوی انکو ایک ہزار برس پہلے معلوم ہوتا تو شاید یہی واقعہ ہمیشہ پیش آتا کہ ا

کبھی بھی، اور زنہار ایک خرمہرہ بھی زر فدیہ ادا نکرتے اور لامحالہ مسلمانون کو ان بزرگون کے فتوی کے رو سے فوراً ان قیدیون کو آزاد کر دینا پڑتا، اور جو اُن پر صرف کیا جاتا وہ ہمیشہ مسلمانون پر جنگ کے مصارف سے زیادہ بار ہوتا، اور اس طریقہ سے عملاً گویا زر فدیہ اور معاوضہ کا ابطال قطعی ہوجاتا کیونکہ مسلمان اسپر مجبور رہتے،

اسلام سے پہلے تمام قومون مین غلامی اور فدیہ کا رواج تھا، شاہان اسلام اور قیصران قسطنطنیہ کی کشمکش صدسالہ معرکہ آرائی مین ہر سال تقریباً یہ واقعہ پیش آتا تھا، اب اگر شاہان اسلام سرسید و مولوی چراغ علی مرحوم کے فتوی پر عمل پیرا ہوتے، تو کیا یہ نتیجہ نہوتا کہ انکا تمام شاہی خزانہ اور ملک کی آمدنی مسلمان قیدیون کو اُنکے ہاتھون سے چھڑانے مین صرف ہو جاتی، قیصران روم مذہباً یا قانوناً اس بات پر مجبور نہ تھے کہ وہ دنیا کے رسم ورواج کے مطابق دُشمنون سے فدیہ نلین، اس بنا پر گویا ہر سال اُنکو مسلمانون سے آیندہ سال کی جنگ کے لئے بیشمار رقم ملجاتی، شاہان اسلام اور قیصران روم مین ہمیشہ اس اصول پر عمل ہوتا تھا کہ رومی مسلمان قیدیون کو اور مسلمان رومی قیدیون کو لیکر سرحد کے پاس یا کسی ساحل پر پہنچ جاتے تھے اور اپنے اپنے قیدیون کا مبادلہ کرلیتے تھے، اگر تعداد کم و بیش ہوتی تھی تو دفعات ... کے مطابق اسکا کوئی اور معاوضہ پیش کرتے تھے، اس متمدن دورِ حکومت مین بھی آج یہی ہو رہا ہے، اور یہی ہونا چاہیئے،

ان وجوہ سے سمجھنا چاہیے کہ اِمَّا مَنًّا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَاءً (۴) یا احسان یا فدیہ کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ قیدیون کو اگر مسلمان اخلاقاً اور ترحماً چاہین تو بغیر کچھ لئے آزاد کردین، اور اگر وہ قانون کے مطابق عمل کرنا چاہین تو انکو حق ہے کہ قیدی سے فدیہ وصول کرین، فدیہ کی تین صورتین ہین، کوئی متعین رقم لین، کوئی متعین خدمت مقرر کرین، کسی مسلمان

ن کے معاوضہ مین اسکو بدل لین، اب جب تک ان شرطون مین سے ایک پوری ہو قیدی
ضروریات کا متکفل کون ہو، چنانچہ آقا اُسکا متکفل قرار دیا گیا، اور اس مساوات کے ساتھ
وہ خود کہائے وہی قیدی کو کہلائے جو خود پہنے وہی قیدی کو پہنائے، جسوقت قیدی مین
حیت ادائے رقم کی آجائے، آقا کو مجبور کیا جائے کہ وہ آزاد کر دے جیسا کہ قرآن مجید مین ہے

لَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ	تمہارے مملوکون مین سے جو کاروبار کرکے تمہارا
بُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُمْ مِنْ	فدیہ ادا کرنا چاہین تو انکو اسکی اجازت دیدو، اگر
اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ	ان مین تم صلاحیت دیکھو اور خدا کے مال سے جو
الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ	اس نے تمکو دے رکہا ہی انکو بطور سرمایہ کے کچھ دو اور
بوٰةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ	اپنی مملوکہ لڑکیون کو تعلق پر مجبور نکرو اگر وہ شوہردار
بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝	بننا چاہین (یا پاکدامن رہنا چاہین تاکہ تم دنیاوی زندگی
ر)	عارضی فائدے حاصل کرو، اگر اسکے بعد بھی کوئی انکو
	مجبور کریگا تو خدا انکے اس مجبوری کے گناہ کو بخشنے والا ہے
	(لیکن جبر کرنے والون کو سزا دیگا)

اس تفصیل کے بعد یہ نتیجہ صاف واضح نظر آتا ہے کہ سر سید مرحوم یا مولوی چراغ علی مرحوم نے
راہ مین جو کوششین کی ہین انکی بنیاد ریگ روان یا بحر سیال پر ہے اور سچ یہ ہے کہ ہر بات
نے موقع ہی پر خوب سمجھ مین آتی ہی، جنگ کے حدود واحکام ومصالح پر ان بزرگون نے امن وسلامتی کے زمانہ مین
لیا آج ہوتے تو شاید وہ بھی دیکھ سکتے جو آج ہم دیکھ رہے ہین،

رسائل چراغ علی ہلکے گلابی کاغذ پر ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت دو (۲) روپیہ، پتہ:
اللہ خان کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ سرسید

جناب مولانا مخدوم و مکرم من مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلمار

بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپکا نوازشنامہ اور حصہ اول روداد ندوۃ العلمار پہنچا، ممنون عنایت ہوا، اسپر ریویو لکھنا اور فرائض ریویو نویسی کو پورا پورا ادا کرنا کسیقدر مشکل اور نامناسب ہے، ایک عمدہ کام شروع ہوا ہے اسکو چلنے دینا چاہیئے خدا اسکا نیک نتیجہ پیدا کرے، مین اسکی رسید اخبار مین چھاپونگا، اور نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی کانفرنس کے اجلاس مین ایک رزولیوشن پیش کرینگے کہ تمام مسلمانون کو ندوۃ العلمار کی تائید کرنی چاہیئے، غالباً سب لوگ اس سے اتفاق کرینگے، اور جو آپکا ارشاد ہے اس پیرایہ مین اسکی تعمیل ہوجائیگی، اگرچہ مجھکو کچھ توقع نہین ہے کہ باہم علمار کے اتفاق ہو، الا کوشش ضرور ہو،

السلام علیکم

خاکسار سید احمد، علی گڈھ

۲۱- دسمبر ۱۸۹۴ء

ادبیات

فریاد اکبر

کونسی بات ہی اسلام کی تجھ مین اکبر ‏ شان ہی کیا ہی جو تعظیم طلب کرتی ہے
دیر مین ہو تری تحقیر تو کیونکر یہ کہون ‏ کہ زبان بت طناز غضب کرتی ہے
تیرے اطوار دکھاتے نہین جوہر کوئی ‏ بس زبان ہی کہ وہ اظہار نسب کرتی ہے
یاد رکھ بات مری کہدے سمجھ سے اپنی ‏ حفظ ہر وقت جو تاریخ عرب کرتی ہے
صرف دعوون سے تو آتی نہین عظمت دل مین ‏ آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہے

نوائے نواب

از پروفیسر سید نواب علی ایم اے بروڈہ کالج

(۱)

ساری قیدون سے چھڑایا تیری الفت نے مجھے ‏ مجھسے پوچھے تو کوئی میری رہائی کے مزے
تیرے دیوانون کا عالم ہی نرالا دیکھا ‏ نہ اسیری کے ہین صدمے نہ رہائی کے مزے
واہ کیا وادی ایمن مین بھٹک کر پہنچے ‏ گمرہی مین ہین تری راہ نمائی کے مزے

(۲)

چپکے چپکے دل و دین تو نے تو لوٹے لیکن ‏ ہمنے لوٹے تری دزدیدہ نگاہی کے مزے
فلسفی رہنے دے قانون شہادت اپنا ‏ تو نے چکھے ہی نہین دل کی گواہی کے مزے
آب حیوان مین بھی نواب نہین ملنے کے ‏ ظلمت شب مین جو ہین یاد الٰہی کے مزے

حلاوتِ علم

از مولوی حافظ محمد اسلم جیراجپوری

امام عصر ابوبکر ابنِ انباری[۵۱]　　کہ جنکے علم کا ہے فیض آج تک جاری

جہان مین اُنکی تصانیف ہین وہ گلشن علم　　کہ جنپہ ہو نہین سکتی کبھی خزان طاری

عرب کے رکہتے تھے از بر وہ تین لاکھ اشعار　　لیے شواہدِ آیاتِ مصحف باری

عزیز مصر بلاغت، رئیس ملک ادب　　محدث و متکلم، مفسر، قاری

نہ جستجو سے فراغت نہ خواہشِ آرام　　بہ ذوقِ علم مین رہتی تھی اُنکو سرشاری

وہ بارگاہِ خلافت کو جاتے تھے اک روز　　خلیفہ[۵۲] نے کسی شغل کی کی تھی تیاری

میانِ راہ یہ نخاس مین نظر آیا　　کہ ہے ہجوم شائق پئے خریداری

فروخت ہوتی تھی کوئی کنیز شہر آشوب　　متاعِ حسن کی تھی اسکی گرم بازاری

بہار گلشنِ رعنائی اسکا صفحۂ رخ　　کہ جسمین خامۂ قدرت نے کی تھی گلکاری

خود اسکی سادگی اُسکے لئے تھی آرائش　　اگرچہ گوہر و زیور سے جسم تھا عاری

نظر فریب تماشا تھا کیون نہوتے محو!　　نگاہ کا فرض ہے خوبی کی نازبرداری

خیال آیا تو دربار کو چلے لیکن　　خبر خلیفہ کو اسکی پہنچ گئی ساری

جب آے گھر مین وہ واپس تو دیکھتے کیا ہین　　وہی کنیز ہے حاضر پئے پرستاری

بہت ہوے متعجب کہ ماجرا کیا ہے　　مین خواب دیکھ رہا ہون کہ ہے یہ بیداری

سنا جو حال تو معلوم ہو گیا آخر　　کہ یہ خلیفہ کے ہین شیوہاے دلداری

---

۵۱ امام ابوبکر محمد بن قاسم بن بشار انباری متوفی ۳۲۸ھ　　۵۲ خلیفہ راضی باللہ،

خوشی ہوئی اُنہین اس ماہوش کے آنیکی　　یہ چاہتے تھے کرین اسکی میہمانداری

دل اُنکا تھا مگر اسوقت فکر مین مشغول　　کہ آپڑی تھی کسی مسئلہ مین دشواری

لگے وہ بیٹھکے پہلے اُسی کو حل کرنے　　کہ دل سے دُور ہو اس فکر کی گرانباری

بہم ہوئی کشش علم و جذب حسن مین جنگ　　عجیب مخمصہ مین دل کو تھی گرفتاری

اِدہر کتاب کے صفحہ پہ نقطہاے سیاہ　　اُدہر تھے روی نگارین پہ خال زنگاری

سوادِ سلسلۂ خط یہان نگاہ فریب　　وہان وہ زلف مسلسل کمند عیاری

اِدہر جو چاشنیٔ علم کی حلاوت تھی　　تو اسطرف لب شیرین کی شہد گفتاری

جمال شاہد معنی تھا اِسطرف دلکش　　اُدہر تھی صورت زیبا نگاہ مین پیاری

نہ کشمکش مین ہوا حل وہ عقدہ آخر کار　　کچھ اُنکا ذہن نہ اسوقت کرسکا یاری

اس اضطراب مین آیا جو جوش غیرت علم　　تو حُسن سے ہوئی یک لخت دلکو بیزاری

حوالہ اسکو ملازم کے کردیا فوراً　　اور اسکے بیچنے کا حکم بھی ہوا جاری

جو پوچھا تو کنیزک نے یہ گذارش کی　　کہ مجھسے کونسا جرم ایسا ہوگیا بھاری

خطا جو میری ہو ارشاد کیجئے کہ مجھے　　نہ بدظنی سے نگاہون مین ہو سبکساری"

کہا کہ کچھ نہین تیرا قصور اِسکے سوا　　کہ تیری ذات سے ہے علم کی زیانکاری

زیانِ علم گوارا کرون یہ ہے دشوار　　مگر ہے تجھسے بہت سہل دست برداری

سُنا یہ اُس نے تو بولی کہ اب نہین کچھ عذر　　قصور یہ ہے جو میرا تو پھر ہے ناچاری

جمال علم ہے جنکی نگاہ مین اسلم
کچھ اُن پہ حسن کی چلتی نہین فسونکاری

پیامِ اُمید

صاحب نظم اپنا نام لکھنے پر راضی نہین کہ یہ انکے رتبہ سے فروتر ہے لیکن ناظرین سمجھ لین کہ یہ نظم ایک جامع البحرین ہستی کی تالیف ہے جنکی شاعری فارسی اور عربی مین مسلّم ہے اور اُردو مین نادراً کہتے ہین، یہ نظم ڈاکٹر اقبال کی مشہور نظم "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آلباس مجاز مین" پر مبنی ہے -

ہو مضطرب کہ حقیقت آپ تڑپ رہی ہے مجاز مین
کہ رہے گا ہوکے وہ جلوہ گر جو نہان ہے پردۂ راز مین

یہ خموشیان ہین تری عبث کہ سمجھنے والے سمجھ گئے
جو چھپانے سے نہ چھپا رہے وہ بھی راز ہے کوئی راز مین

یہ بہار کیسی ہے دلکشا ہوئے جاتے عقدے ہین سارے وا
نہین کچھ عجب کہ نکل پڑین جو تھے قید زلف دراز مین

جو ہین مست بادۂ سرکشی نہ رہیگی انکی یہ سرخوشی
کہ جو چڑھتے ہین وہی گرتے ہین کہ ہین سب نشیب فراز مین

کوئی باغبان سے کردے خبر کہ نہین فغان مری بے اثر
کہ چمن مین آگ لگائیگی جو تپش ہے سوز و گداز مین

جو مین بیخودی مین فنا ہوا تو وہ حسن جلوہ نما ہوا
مری حیرت آئینہ بنگئی تھی نگاہ خانۂ ناز مین،

مطبوعات جدیدہ

دیار حبیب ، مدینہ طیبہ کے حالات مین مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کا ایک مختصر رسالہ ہے جسکو مولوی شفیع الدین خان مرادابادی نے بہ ترمیم و اضافہ اردو مین ترجمہ کرکے شایع کیا ہے، اگر مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا محض ترجمہ کردیتے تو کہین زیادہ اچھا ہوتا، کیونکہ جو اضافے کئے گئے ہین انکا پیوند صحیح طور پر کہین نہیں لگ سکا، آخر کتاب مین دو ضمیمے ہین، پہلا مدینہ کے محلون، مقامات، مخصوص عمارات اور مکہ و مدینہ کے درمیانی منازل کے بیان مین، اور دوسرا عرب کی آبادی، طرز بود و باش اور اخلاق و معاشرت کے متعلق،

اضافون کی نسبت اتنا کہدینا ضروری ہے کہ ان مین اکثر سیرۃ النبی سے ماخوذ ہین، اخذ و نقل کوئی عیب نہین ہے، لیکن تصریحی حوالون کا ندینا، واب تصنیف کے خلاف ہے، اور اسکا نام تدلیس ہے، اصل کتاب ۴۴ صفحون کی ہے، جنین پندرہ صفحے ۱۰ سے ۲۵ تک مسلسل سیرۃ نبوی سے منقول ہین، علامۂ مرحوم کے جملون کو بہت کم بدلا ہے، اور جہان بدلا ہے اس سے مصنف کی انشا پردازانہ خامیون کا پتہ چلتا ہے، ضمیمۂ اول ۱۴ صفحون کا ہے، ان مین سے بھی ابتدائی تقریبًا پانچ صفحے سیرۃ سے ماخوذ ہین، لیکن ماخوذات سیرۃ کو اصل کتاب سے ایمین بھی الگ نہین کیا گیا جس سے دہوکا ہوتا ہے کہ چند سطرون کے علاوہ تمام عبارت خود مصنف کی ہے،

لکہائی چھپائی عمدہ، تقطیع متوسط، صفحہ ۸۰ قیمت ۱۲؍ پتہ: حاجی معین الدین بجنیر مراداباد

عربی کا معلم ، مولوی عبدالستار خان صاحب (بمبئی) نے یہ کتاب عربی مدارس کے ابتدائی جماعتون کے لئے لکھی ہے، عربی زبان کی صرف و نحو جسقدر وسیع ہے اسکے لحاظ سے اس کتاب کے مولف کی کوشش قابل تحسین ہے کہ اس نے بہت اختصار و خوش اسلوبی کے

ساتھ ضروری مسائل کو جمع کیا ہے، طرز بیان بہت صاف، سادہ اور آسان ہے، زیادہ خوبی یہ ہے کہ قدماء کی طرح صرف و نحو دونون کو یکجا کردیا ہے، یہ خوبی ایک عالم انگریزی کی لکھی ہوئی عربی گرامر کا نمونہ سامنے رکھنے سے پیدا ہوئی ہے، ہر سبق مین قواعد کے ساتھ مشق کے لئے مختلف جملے بھی دیدئے گئے ہین، جنکی وجہ سے قاعدہ کے ذہن نشین ہوجانے مین بڑی سہولت ہوتی ہے، یہ کتاب ان انگریزی دانون کے لئے بھی مفید ہوگی جو عربی زبان کی تحصیل کی خواہش رکھتے ہون، لکھائی چھپائی صاف اچھی، صفحہ ۱۲۸، تقطیع چھوٹی، پتہ: مولوی عبدالستار خان معرفت مولوی شرف الدین پرنسپل یتیم خانۂ اہل اسلام کھڑک بمبئی نمبر ۳،

بابا نانک، اس کتاب مین شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان نے جو پہلے سکھ مذہب کے پیرو تھے، سکھون کی مستند مذہبی کتابون شری گرنتھ اور جنم ساکھی کلان وغیرہ کے حوالون سے یہ ثابت کیا ہے کہ سکھون کی ابتدا اسلام سے قربت رکھتی تھی، مگر ہندوانہ رسم و رواج نے اب اسے بہت دُور کردیا ہے، خود گرو نانک کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک با خدا اسلام پرست بزرگ تھے، ہمیشہ وہ قرآن مجید کی مقدس تعلیمات کو عزیز رکھتے تھے، اور اپنی زندگی کے آخری لمحون تک انہی تعلیمات کی اشاعت و ترویج مین مشغول رہے، کتاب دلچسپ، پر معلومات اور دلائل سے لبریز ہے، لکھائی چھپائی متوسط درجہ، صفحہ ۱۶۸، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍، پتہ: دفتر اخبار نور، قادیان، ضلع گورداسپور، (پنجاب)

نقد آریت، مکتبہ جامعہ الٰہیہ کانپور نے مولانا آزاد سبحانی شیخ جامعہ الٰہیہ کے ان ایکسو ساٹھ اعتراضات کا جو انھون نے وقتاً فوقتاً آریون پر کئے ہین، ایک مجموعہ شایع کیا ہے، یہ سوالات آریہ مذہب کے مختلف عقاید سے متعلق ہین، اور ان لوگون کے لئے جو آریہ مذہب کے خیالات معلوم کرنا یا مناظرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہین مفید ہین، سوالات کا اکثر حصہ موجودہ زمانہ کے

بالکل مناظرانہ اصول پر ہے، یعنی ان سے مقصود محض مخالف کولاجواب و ساکت کرنا ہے، بعض تشقیقین شاید منطقیانہ نہون، بعض ایسے ہین جو الٹ کر بجنسہ آریون کی طرف سے خود معترض پر بھی وارد ہو سکتے ہین، بہرحال مسلمان مناظرین کے لئے یہ رسلے بہت کچھ مفید ہین، اور مکتبہ جامعہ الٰہیہ نے دینی جماعت کے لئے اور طلبائے مدارس عربیہ کے لئے ایک اچھی خدمت انجام دی ہے، مولانا آزاد سبحانی کے یہ ابتدائی کارنامے ہین اور وقعت کے قابل ہین، لکھائی چھپائی متوسط صفحہ ۱۶۰، تقطیع چھوٹی، پتہ: منیجر مکتبۂ الٰہیہ جامعہ کانپور،

سفرِ آخرت، یہ ایک مختصر سا رسالہ مولوی ابوتراب عبدالرحمٰن صاحب گیلانوی بہاری نے عامۂ اہل اسلام کے لئے لکھا ہے، اور جسکو گیلانی صوبہ بہار کی انجمن تبلیغ الاسلام نے شائع کیا ہے اس رسالہ مین بیماری کے وقت سے موت تک کے ان ضروری اعمال کی تشریح کیگئی ہے، جو مذہب اسلام کے رو سے ضروری اور قابل عمل ہین، اور جن سے افسوس ہے کہ عوام واقف نہین، وصیت صدقہ، تجہیز، تکفین وغیرہ کے ضروری مسائل بھی آگئے ہین، یہ انجمن گیا، اور بھاگلپور کے پہاڑی علاقون مین عمدہ کام کر رہی ہے، ذیل کے پتہ سے طلب کیجئے،

انجمن تبلیغ الاسلام، گیلانی، ڈاکخانہ بربگہہ، ضلع مونگیر، قیمت ۲ر

عدد دوم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ مطابق اگست ۱۹۱۹ء	جلد چہارم

مضامین

شذرات

جنگ کے مرقع نے مغربی تہذیب و شائستگی کے جو خط و خال پیش کئے ہین وہ اہل نظر سے مخفی نہین، اس سلسلہ مین مغرب کی ممتاز ترین قوم امریکہ کا ایک مخصوص کارنامہ جسکی اطلاع نیویارک ٹائمس کی وساطت سے ہندوستان پہنچی ہے، اس قابل ہے کہ اہل مشرق اس سے پوری طرح روشناس ہون،

جرمنی کا قوی ترین حربہ اُسکا سائنس تھا، علوم طبیعہ کی مدد سے اُس نے قتل و خونریزی کے ایسے ایسے حیرت انگیز آلات و وسائل ایجاد کئے کہ اتحادی مین دنگ رہ رہجاتے تھے، امریکہ کے تازہ دم پہلوان نے جب اکھاڑہ مین قدم رکھا اور دیر تک زور آزمائی کے بعد اُسے نظر آیا کہ حریف کسی طرح زیر نہین ہوتا، تو بالآخر اُس نے بھی یہی پیچ اختیار کیا، اسکے ہان ایک بزرگ پروفیسر لوئس ہین جو فن کیمیا (کیمسٹری) مین انتہائی کمال کا مرتبہ رکھتے ہین، اُنھون نے اپنے کمال فن سے ایک زہر اس قسم کا ایجاد کیا جسکے محض مس ہوجانے سے انسان و حیوان ہی نہین بلکہ نباتات کی زندگی بھی فوراً ختم ہوجاتی ہے، اس زہر کا نام موجد و مکتشف کے اسم گرامی کے انتساب سے "لوئیسایٹ" رکھا گیا، اور غیر معمولی اہتمام و رازداری کے ساتھ چندماہ مین اس زہر کا ایک غیر محدود ذخیرہ تیار کیا گیا اور طے یہ پایا کہ تین ہزار ٹن (یعنی تقریباً ۸۲ ہزار من) کی تعداد مین اس زہر کو ہوائی جہازون مین لیجاکر قیصر کی مملکت پر برسا دیا جاے، اتفاق سے عین اسی زمانہ مین التواے جنگ ہوگیا اور صلح کی گفتگو ہونے لگی، اور اسطرح دنیا موت و ہلاکت کی اس قیامت خیز بارش کی برکتون سے محروم رہ گئی،

سچ ہے ابھی مشرق کو مغرب سے بہت کچھ سیکھنا باقی ہے،

جنگ کے اثرات وعواقب نے ایک بڑی حد تک یورپ کے نظام تعلیم کو درہم برہم کردیا ہے، متعدد یونیورسٹیان مالی حیثیت سے اسقدر زیربار ہوگئی ہین کہ مصارف کا سنبھالنا دشوار ہوگیا ہے، اسکاٹ لینڈ کی سب سے مشہور یونیورسٹی ایڈنبرا یونیورسٹی ہے، اسکے محاصل مین صرف فیس کی مد مین ۷۰ ہزار پونڈ (یا دس لاکھ روپیہ) کی کمی ہوگئی ہے! اس پر دوسرے ابواب کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔

آکسفرڈ وکیمبرج اسوقت دنیا کی ممتاز ترین یونیورسٹیان ہین، جو ابتک سرکاری امداد سے بالکل آزاد زندگی بسر کرتی رہی ہین، لیکن جنگ نے انہین بھی اتنا تہی دست کردیا ہے کہ اپنی تاریخ مین بالکل پہلی بار انہین حکومت سے اعانت طلب کرنا پڑی ہے، دنیا کی کوئی حکومت کسی تعلیم گاہ کو بالکل بلامعاوضہ مدد نہین دیتی، انگریزی حکومت بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، اسکے دست کرم کو جنبش ہوئی، لیکن قدرتی طور پر اُس نے چند شرائط کی پابندی بھی لازمی قرار دیدی ہے، یہ شرائط وقیود ان یونیورسٹیون کے ارکان کے لئے سخت ناخوشگوار ہین، لیکن حالات کی نامساعدت نے یہ نوبت پہنچادی ہے کہ یونیورسٹیون کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے غالباً اپنی آزادی فروخت کرنے پر مجبور ہوجانا پڑے،

لیکن اس افلاس وعسرت کو مستقل نہ سمجھنا چاہیئے، افلاس کا اصلی سبب طلبہ کا قحط تھا، لیکن جنگ کے خاتمہ کے ساتھ طلبہ نہایت کثیر تعداد مین داخل ہونا شروع ہوگئے ہین، اعداد ذیل سے معلوم ہوگا کہ کیمبرج یونیورسٹی مین جنگ سے پیشتر طلبہ کی سالانہ تعداد کیا رہتی تھی، دوران جنگ مین کیا رہی اور اب پھر کیا ہے۔

سال	تعداد طلبہ	سال	تعداد طلبہ
۱۴-۱۹۱۳ء	۱۱۷۷	۱۶-۱۹۱۵ء	۷۳۷
۱۵-۱۹۱۴ء	۳۴۴	۱۷-۱۹۱۶ء	۲۳۰

سنہ ۱۷-۱۸ء	۲۸۵	سنہ ۱۸-۱۹ء	۱۲۰۰ (تقریباً)

پی، ایچ، ڈی (ڈاکٹر آف فلاسفی) کی ڈگری ابتک یورپ مین صرف جرمنی و آسٹریا کی یونیورسٹیون کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی، چنانچہ ممالک غیر کے جن طلبہ کو یہ ڈگری لینا ہوتی، انہین بالعموم جرمن یونیورسٹیون ہی مین داخل ہونا پڑتا تھا، لیکن حال مین انگریزی یونیورسٹیون مین جو متعدد اصلاحات ہوئی ہین، اسی سلسلہ مین لندن و کیمبرج مین بھی یہ ڈگری قائم ہوگئی ہے، آیندہ سے برطانیہ و ممالک ماتحت برطانیہ کے جو طلبہ بعض علوم مین تبحر حاصل کرنا چاہین گے، انہین سفر جرمنی کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔

مشہور مستشرق پروفیسر ای، جی، براؤن جو ایک عرصہ سے ایران و ادبیات ایران سے متعلق قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہین، حال مین ایک اور تالیف سے فارغ ہوئے ہین، جسکا نام "تاتاری عہد حکومت مین ادبیات ایران کی تاریخ" ہے، کتاب مذکور کیمبرج یونیورسٹی پریس مین زیر طبع ہے اور عنقریب شایع ہوجائیگی۔

حضرت مسیح کی شخصیت مدت سے اہل یورپ کی ذہانت وطباعی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، حال مین انگلستان کے ایک اہل قلم مسٹر گلبرٹ سیڈلر نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، کہ مسیح کی سرے سے کوئی تاریخی شخصیت ہی نہ تھی، بلکہ اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ مین لوگون نے مختلف محاسن اخلاق کی تعلیم مختلف افسانون اور تخیلی قصون کے ذریعہ دینے کے لئے اناجیل اربعہ کی ترتیب و تالیف کی، اور جیسا کہ عام دستور ہے افسانہ کا ایک ہیرو بھی فرض کیا بعد کی نسلین ان اخلاقی افسانون کو تاریخی واقعات کا درجہ دینے لگین، اور مسیح کو ایک تاریخی انسان قرار دے گویا انجیل مقدس، تمامتر آزاد مرحوم کی نیرنگ خیال کی طرح حکایات تمثیلی کا مجموعہ ہے!

انجیل کی یہ حقیقت ہو یا نہو لیکن اس جدید مصنف کی تخیل کی غیر محدود و بلند پروازی مین کلام نہین،

یورپ مین یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ضروریات زندگی کی انتہائی گرانی کے کتابون کا حسن قبول برابر ترقی پر ہے، جنگ نے اچھے اچھے اغنیا کو محتاج بنادیا ہے، تاہم کتابون کی قدر دانی مین فرق آنا کیسا، اس مین حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے، آج سے ۲۰ سال پیشتر شکسپیر کا مجموعۂ کلام اسکے زمانہ کا چھپا ہوا بالعموم دو سو پونڈ (تین ہزار روپیہ) مین فروخت ہوتا تھا، لیکن آج اسی ایڈیشن کی قیمت ۳ ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) تک پہنچگئی ہے۔

ہندوستان کے جن ارباب ذوق کو اپنی علمی قدر شناسی پر ناز ہے اور جو اپنے نزدیک نوادر کتب کی فراہمی مین غیر معمولی حوصلہ مندی کا اظہار کرتے ہین، انھون نے یہ خبر سنی ہے؟

۱۵-۲۰ سال سے لندن مین "عقلیین" کی ایک مخصوص انجمن رشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہے، اسکا مقصد اصلی یہ ہے کہ جن مطبوعات مین مسائل کائنات مین مذہبی و اعتقادی حیثیت سے قطع نظر کرکے عقلی نقطۂ خیال سے آزادانہ بحث کیجاتی ہے، انھین اپنے زیر اہتمام ازسرنو طبع کرکے ارزان سے ارزان قیمت پر درست کرے، اس انجمن کی ابتدائی مطبوعات مین اسپنسر کی مشہور کتاب "ایجوکیشن" تھی، چندماہ کے اندر کتاب مذکور کے ۴۰ ہزار نسخے نکل گئے، اور ابتک صرف ایک ایڈیشن کے ایک لاکھ سے زاید نسخے نکل چکے ہین۔

اتفاق سے عین اسی زمانہ مین ایجوکیشن کا اردو ترجمہ بھی "فلسفۂ تعلیم" کے نام سے شائع ہوا، مترجم خواجہ غلام الحسنین بی۔ اے تھے، ترجمہ کی اشاعت انجمن ترقی اردو نے کی جسکے سکریٹری اسوقت مولانا شبلی مرحوم تھے، ترجمہ پر بہتر سے بہتر ریویو مدحیہ مولانا نذیر احمد، مولانا حالی، مولوی ذکاءاللہ، ڈاکٹر اقبال کے قلم سے نکلے تھے، پھر سب سے بڑھکر یہ کہ یہان کوئی دوسرا ایڈیشن اسکے مقابلہ کو موجود نہ تھا، لیکن باین ہمہ مساعدت حالات اس ۲ کرور کی دنیا مین اور اس ۱۵ سال کی طویل و عریض مدت مین "فلسفۂ تعلیم" کے فروخت شدہ نسخون کی تعداد کیا ہے؟ کیا ایک لاکھ؟ کیا ۵۰ ہزار؟ کیا چند ہزار؟ کیا ایک ہزار؟

اسکے جواب مین تمام مدعیان حمایت اُردو کی نگاہین شرم سے جُہک جانا چاہیئے۔

ریشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) جسکا ذکر ابھی ہو چکا ہے، اسکا ایک ماہوار علمی رسالہ لٹریری گائڈ کے نام سے نکلتا ہے، انجمن کے ایک ہندوستانی رکن سٹر ان۔ ایچ پاٹہک نے جو مغربی ہند کے باشندہ ہین، رسالۂ مذکور کو ایک سو پونڈ (پندرہ سو روپیہ) کی رقم اس غرض سے مرحمت کی ہے کہ رسالہ ہندوستان، چین، اور سیلون کی تعلیم گاہون مین مفت تقسیم کیا جائے۔

ہندو یونیورسٹی کے دائرہ کا مرکزی نقطہ سنٹرل ہندو کالج (بنارس) ہے، اُسکی سالانہ رودُاد بابت سنہ ۱۸-۱۹ء ماہ گذشتہ مین شایع ہوئی ہے اعداد ذیل سے جو اسی سے ماخوذ ہین اُسکی ترقی رفتار کا اندازہ ہوسکیگا،

تعداد طلبہ	سنہ ۱۷ء	سنہ ۱۸ء
فرسٹ ایر	۱۶۲	۲۰۷
سکنڈ ایر	۱۶۱	۱۸۹
تہرڈ ایر	۷۴	۱۱۹
فورتھ ایر	۱۰۷	۱۲۳
پوسٹ گریجویٹ کلاسز ایم اے، ایم ایس سی وغیرہ	۶	۴۵
کامیاب طلبہ فیصدی		
ایف ۔ اے	۶۳	۶۵
بی ۔ اے	۳۸	۷۶
بی، ایس، سی،	۳۳	۷۸

کالج مین پڑھانے والون کی تعداد اسوقت ۴۴ ہے، جسمین آٹھ یونیورسٹی پروفیسر بھی شامل ہین، یہ وہ تعداد ہے جسکے لحاظ سے صرف الہ آباد یونیورسٹی ہی نہین، بلکہ پٹنہ، پنجاب اور بمبئی کی یونیورسٹیون کا بھی کوئی کالج ہندو کالج بنارس کا مقابلہ نہین کر سکتا، تمام ہندوستان مین شاید صرف دو کالج ہین جو اس حیثیت سے ہندو کالج پر تفوق رکھتے ہین، ایک پریسیڈنسی کالج کلکتہ جہان ۴۳ پروفیسر اور لکچرر کام کرتے ہین، دوسرے پریسیڈنسی کالج مدراس جہان انکی تعداد ۵۰ ہے۔

ہندو کالج کی ایم۔اے اور ایم۔ایس سی کی جماعتون مین اسوقت تک ریاضی، سنسکرت، ادب انگریزی، فلسفہ، تاریخ، اقتصادیات، طبعیات، کیمیائیات، حیوانیات (زوالوجی) کی تعلیم کے انتظامات مکمل ہوچکے ہین، اور طلبہ ان سب مضامین مین تحصیل و تکمیل فن کر رہے ہین، انکے علاوہ ایک خاص صیغہ شعبۂ تحقیقات عالیہ (ریسرچ) کا ہے، جسمین منسلک ہوکر طالبان علم، ماہرین فن کے زیر ہدایت تبحر و کمال فن پیدا کرتے ہین، ۱۲ طلبہ کی مختصر جماعت اس خالص علمی خدمت مین مشغول ہے، ان مین سے نو (۹) کا تعلق ریاضیات سے ہے، دو (۲) کا قدیم تاریخ و فلسفۂ ہندسے، اور ایک کا کیمسٹری سے،

کیا اعداد بالا کی خاموش زبان مسلم یونیورسٹی کے بلند بانگ علمبردارون کو عبرت و بصیرت کا درس نہین دیسکتی۔

اختلاف آراء ہر تعلیمی مجلس و انجمن مین ہوتا رہتا ہے، ہندو یونیورسٹی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین، اسکے ارکان مین باہم اختلاف ہے اور نہایت شدید اختلاف ہے، ماڈرن ریویو، لیڈر، ینو انڈیا، وغیرہ کے صفحات انکی باہمی زد و آزمائیون کے مدت سے تماشا گاہ بنے ہوئے ہین، لیکن بااین ہمہ اختلاف و تخالف انکی نظر اصل کار سے نہین ہٹتی، ریل مین اکثر مسافر جگہ کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہین لیکن اپنی منزل مقصود کو کوئی نہین بھول جاتا، یہ شرف صرف موجودہ مسلمانون کے لئے مخصوص ہے کہ وہ جس کشتی پر سوار ہوتے ہین، آپس مین لڑ جھگڑ کر خود اسی کے غرق کرنے کی فکر مین پڑجاتے ہین،

ستمبر ۱۹۱۸ء کے معارف مین ہم نے قدیم قلمی تصنیفات کی فراہمی وحفاظت کی ایک تحریک اپنی قوم کے ہمدردان علم کے سامنے پیش کی تھی، اور ندوہ اور کانفرنس کو خاص طور سے ادہر متوجہ کیا تھا، گذشتہ اجلاس سورت مین جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کو گجرات کے علمی خزانون کی تباہی کو اپنی آنکھون سے دیکھنے کا موقع ملا، جس نے اُنکے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا، چنانچہ اجلاس سے فارغ ہوکر انھون نے فوراً قلمی کتابون کی حفاظت کی اپیل قوم مین پیش کی اور تو کہین سے جواب نہین ملا، لیکن دکن کی سرزمین مین ایک سراپا درد بزرگ ہے (نواب عماد الملک) جکی نظرمین اپنے اسلاف کے پرانے اندوختون کی ابتک قدر ہے، اُس نے یہ اپیل سُن کر افسوس کے آنسو بہائے اور فوراً اس کام کے آغاز کے لئے ایک ہزار روپیہ اپنے جیب سے دیا، ارض دکن سے ابھی اور بہت کچھ توقع ہے اور وہ انشاءاللہ پوری ہوکر رہیگی،

یہ کام اسقدر اہم اور وسیع ہے کہ لاکھون روپئے اُسکے لئے ناکافی ہین، بہتر ہوتا اگر ہماری تین چار انجمنین، ندوہ، کانفرنس، دیوبند، مستشارالعلما لاہور، مدرسہ اسلامیہ پشاور وغیرہ اس کام کو مل کر کر تین اور اپنے اپنے احاطۂ عمل کو تقسیم کرلیتین، دارالمصنفین ابھی کس شمار مین ہے تاہم وہ بھی بقدر حوصلہ شرکت کو تیار ہے۔

امسال اجلاس ندوہ اور سفر حیدرآباد کی بدولت دکن کے متعدد پرانے شہرون اور یادگارون کے دیکھنے کا موقع ملا، کہین کہین نادر قلمی کتابون کی زیارت بھی نصیب ہوئی، اردو کی بعض بعض نہایت قدیم یعنی ولی دکنی سے پہلے کی کتابین تصوف وعقائد مین نظر آئین، اور دواوین اور نظم کی کتابین تو بکثرت ملین، عبداللہ قطب شاہ کا اردو دیوان جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے ہاتھ آیا ہے، اس عہد کی ایک مثنوی ایک اور شخص کے پاس دیکھی، منظوم عقائد کی ایک کتاب دارالمصنفین کے قسمت مین آئی،

ان کتابون کو دیکھکر ہم اس نظریہ پر پہنچے ہین کہ اردو زبان کی تحریری پیدایش درحقیقت تصوف اور مذہب کے بطن سے ہوئی ہے۔

مقالات

توجہ
کی
ماہیت نفسی

از مولوی عبد الماجد بی - اے ، ایم آر - اے - ایس

روزمرہ کا تجربہ ہے کہ بعض اشخاص کے مشاغل بکثرت ہوتے ہین ، وہ ایک ہی زمانہ مین متعدد و مختلف النوع مشاغل مین مصروف رہتے ہین ، اور سبکو یکسان ذوق وشوق سے انجام دیتے ہین ، بعض اشخاص اسکے برخلاف ایسے ہوتے ہین جو ایک وقت مین صرف ایک ہی چیز کو لے سکتے ہین ، انکی دلچسپیان بہت ہی محدود ہوتی ہین ، وہ ایک سے زاید چیزون پر صرف توجہ نہین کرسکتے ، البتہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ہین ، اسکے ساتھ اُنہین نہایت یکسوئی وانہماک ہوتا ہے ، اور گویا وہ اسی کے ہو رہتے ہین - عام افراد سے گذر کر یہ نوعی فرق ، دنیا کے مشاہیر مین بھی پایا جاتا ہے ، نپولین ایک وقت مین بے تکلف متعدد اہم خدمات انجام دیتا تھا ، سیزر اعظم ایک ساتھ کئی کام کرتا تھا ، سرسید احمد خان ایک ہی وقت مین مذہبی تصنیف و تالیف کرتے تھے ، کالج کی تعمیرات اپنی ذاتی نگرانی مین تیار کرتے تھے ، کالج و بورڈنگ کے اندرونی انتظامات کرتے تھے ، سیاسی مسائل پر تقریرین کرتے ، اور مضامین شایع کرتے ، اور چندہ وصول کرنے کے لئے دورہ کرنے نکلتے تھے ، مولانا شبلی شاعر بھی تھے ، ناقد بھی ، مورخ بھی ، ایڈیٹر بھی ، ندوہ کے کارکن بھی ، لکچرر بھی ، سیاسی بیداری کے مضامین لکھنے والے بھی ، اور وقف علی الاولاد کے متعلق قوم مین جوش و خروش پھیلانے والے بھی ، مسز اینی بسنٹ ایک ہی وقت مین ہفتہ وار ، ماہوار ، و روزانہ پرچون کی ایڈیٹری ، سیاسی انجمنون کی صدارت ، فلسفیانہ

تصنیف و تالیف، صوفیانہ مجالس کی رہنمائی وسیادت وغیرہ متعدد مختلف النوع فرائض انجام دیتی ہین، ایک طرف اس طرح کے عامۃ الورود دماغون کی مثالین ملتی ہین، دوسری طرف مشاہیر عالم کی جماعت مین ایسے افراد بھی ملتے ہین، جنکا دائرہ ذوق بہت ہی محدود ہوتا ہے، مگر وہ جس چیز کو لیتے ہین، ہمہ تن، اس مین منہمک و مستغرق ہوجاتے ہین، سقراط جب کھڑے کھڑے کسی مسئلہ کو سوچنے لگتا، تو ساری ساری رات ایک وضع سے کھڑے کھڑے گذار دیتا، اور اُسے کچھ خبر نہوتی، نیوٹن جب کسی مسئلہ کی ادھیڑبن مین ہوتا تو کھانے کے کئی کئی وقت گذر جاتے، اور اسے کھانے کا خیال تک نہ آتا، ہیگل جسوقت اپنی ایک اہم تصنیف کی ترتیب مین مشغول تھا، شہر پر گولہ باری ہوتی رہی، اور اُسے ذرا خبر نہوئی، زمانۂ حال کا ایک مصنف ایسا ہے جو تصنیف وتالیف کے وقت ہر قسم کے شور وغل سے بالکل غیر متاثر رہتا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ قوت توجہ کے لحاظ سے، دماغ انسانی کی ساخت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اس قسم کے دماغ ہوتے ہین جنمین شعور کے خطوط عموماً متفرق، منتشر اور پھیلے ہوئے ہوتے ہین، دوسری قسم کے دماغون مین یہ خطوط اکثر کسی ایک نقطہ پر یکجا ومجتمع رہتے ہین، پہلی قسم کے دماغ کے مشاہیر افراد، اپنی وسعتِ نظر، جامعیت، وہمہ گیری کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہین، اور دوسری قسم والے اپنی دقتِ نظر، عمق، ونکتہ رسی کے لحاظ سے۔ دماغ کی یہ نوعیت ایک بڑی حد تک ودیعت فطری ہی ہوتی ہے، اکتساب وتربیت سے بھی حاصل ہوسکتی ہین، مگر بہت قلیل حد تک۔

ان دونون قسمون کے دماغون کو قطعیت کے ساتھ ایک دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہین، اپنی اپنی جگہ پر دونون بہت قابل قدر ہین، اور ارتقاء کائنات کے حق مین دونون کا وجود ضروری ہے، البتہ یہ کہنا بیجا نہین کہ بعض مخصوص علوم وفنون کو ایک قسم کے دماغ سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے اور بعض کو دوسرے سے، الہیات ومنطق وغیرہ بعض ایسے خالص علوم ذہنی ہین، جن پر توجہ کرنے وا

یکسوئی انہماک، و مرکزیت خیال کی خاص ضرورت ہوتی ہے، لیکن جو علوم مادی ہین، یعنی جنکا تعلق کائنات خارجی کے مشاہدات و تجربات سے زیادہ رہتا ہے، انکے شائقین کو ایک ہی وقت مین مختلف پہلوؤں پر نظر رکہنا ہوتی ہے، اسلئے انکے لئے دوسری قسم کا دماغ موزون ہے،

معلم و استاد خصوصاً وہ جنکے سپرد کم عمر طلبہ کی تعلیم ہوتی ہے، انکے لئے نیوٹن و ہیگل کے طرز کا دماغ رکہنا ایک سخت نقص ہے، انکا کام صرف درس یا لکچر دینے پر ختم نہین ہوجاتا، بلکہ طلبہ اور درجہ کی انتظامی حالت پر بھی انہین پوری نگاہ رکہنا ہوتی ہے، کوئی طالبعلم اگر باتین کر رہا ہے تو اسکی تادیب استاد کا فرض ہے، کوئی طالبعلم دوسری جانب مشغول ہے تو اسکی نگرانی استاد کے فرائض مین ہے، یہ دیکھتے رہنا کہ لڑکے اپنے اپنے مقام پر قرینہ سے بیٹھے ہین، استاد کی ذمہ داریون مین سے ہے، غرض اس طرح پڑہانے کے ساتھ ساتھ درجہ کے نظم ونسق سے متعلق بیسیون جزئیات ہر وقت اسکی توجہ کے محتاج رہتے ہین، نو مشق استاد کو اسمین یقیناً دقت ہوتی ہے، لیکن وہ جب کہنہ مشق ہوجاتا ہے، تو چندان زحمت باقی نہین رہتی، وہ سبق سے چونکہ پوری طرح واقف ہوتا ہے، اسلئے اسکی ضرورت باقی نہین رہجاتی کہ وہ ساری توجہ درس پر مجتمع رکہے، وہ باسانی اپنی توجہ سے ایک جزو کا مرکز بنا سکتا ہے، اور باقی اجزا کو متفرق معاملات پر منتشر رکہہ سکتا ہے۔ البتہ طلبہ کی نوعیت توجہ کو اس سے بالکل مختلف ہونا چاہیئے انکی ساری توجہ کا مرکز درس ہی ہونا چاہیئے۔ کہ تھوڑی سی بے توجہی سے بہی مطالب انکے ذہن کی گرفت سے رہ جائین گے۔

سبق پر کس حد تک استاد کی توجہ مبذول رہنی چاہیئے، ان مدارج توجہ کی توضیح اشکال ذیل کی ساخت سے بہ آسانی ہوجائیگی۔

طلبہ کا شعور

سبق

(طلبہ کا شعور تمام تر سبق کو اپنا مرکز بنائے ہوئے ہے)

سبق
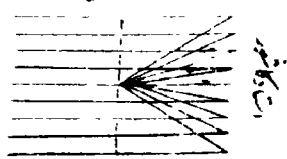
دو چار صفحہ اُدہر ہمین معلوم ہو چکا ہے کہ فلان فلان اسباب و حالات، مویدات توجہ کا کام دیتے ہین، اب ایک نظر موانع توجہ پر بھی کرنا ہے، یعنی ان اسباب و حالات پر جو ذہن کو کسی شے پر توجہ کامل صرف کرنے سے روکتے ہین، یہ موانع دو طرح کے ہو سکتے ہین، مادّی و ذہنی، پہلے موانع مادّی کو لیتے ہین،

(۱) ضعف جسمانی - خواہ وہ کسی مستقل مرض کا نتیجہ ہو، یا عارضی اضمحلال طبع سے پیدا ہو گیا ہو، دونون صورتون کا ماحصل ایک ہی ہے، کہ کمزور قوی زبردست سعی توجہ کے متحمل نہین ہو سکتے -

(۲) خستگی و تکان - یہ بھی اسی ضعف جسمانی کی ایک مخصوص شکل ہے -

(۳) شور و غل - توجہ نام ہے یکسوئی کے ساتھ ایک مرجع سے مشغولیت کا، اور جب متعدد مہیجات جلب توجہ کے لئے کشمکش کرینگے تو ظاہر ہے کہ نفس کسی ایک پر پوری توجہ نہ کرسکیگا، اسی لئے سکون و خلوت کو یکسوئی کے لئے لازمی شرط قرار دیا گیا ہے -

(۴) نامناسب ماحول - کمرہ مین تازہ ہوا کا نہ ہونا، بہت زیادہ گرمی، بہت زیادہ سردی وغیرہ ان سب صورتون مین اعصاب دماغی جد وجہد کے ناقابل ہو جاتے ہین، اور یکسوئی مین لازماً خلل پڑتا ہے،

(۵) نامناسب ہیئت جسمی - ہر شخص کو اسکی مخصوص وضع و ہیئت جسمی بھی خاص طور پر معین ہوتی ہے، اور جب کبھی اسکے خلاف ہوتا ہے تو قیام توجہ مین سخت دشواری ہوتی ہے، بعض شاعر فکر سخن کے وقت ٹہلتے رہتے ہین، اور اس حالت مین مضامین شعر پر انکی توجہ خوب قائم رہتی ہی چنانچہ اگر انہین ٹہلنے سے روک دیا جاتا ہے تو مضمون بھی گم ہو جاتا ہے - اکثر کم عمر طلبہ ہل ہل کر پڑھتے ہین انکی حرکت جسم و حرکت دماغ کے درمیان ایک خاص طرح کا تناسب معلوم ہوتا ہے اگر جسمانی کاہلی و سستی دماغی کاہلی و سستی کے مرادف ہوتی ہے، اور عموماً جس وقت نظام جسم چاق و مستعد ہوتا ہے، اسی وقت دماغ بھی مستعدی و چستی سے کام کرتا ہوتا ہے، لیکن یہ کوئی قطعی کلیہ نہین -

اب موانع ذہنی پر نظر کرنا چاہیئے، انکی اہمیت بھی موانع مادی سے کچھ کم نہین، اور تعداد مین

یہ بھی اسیقدر ہین :-

(۱) خلقی نامناسبت - بعض افراد کو بعض مضامین سے خلقی نامناسبت ہوتی ہے تاہم کسی نہ کسی مضمون سے انہین ذوق ضرور ہوتا ہے، ایسے اشخاص کو چاہیئے کہ اپنے مرغوب و دلکش مضامین کی وساطت سے غیر مرغوب و غیر دلکش مضامین سے مناسبت پیدا کرین، کیونکہ ہر مضمون کسی نہ کسی حیثیت سے دوسرے مضامین سے ضرور کچھ تعلق و وابستگی رکھتا ہے، دانشمند استاد کا فرض ہے کہ اپنے طلبہ کے فطری ذوق و رجحان کو پہچانے، اور جو مضامین انکے مذاق کے موافق ہون، انکے ذریعہ و وساطت سے انکے مخالف مذاق مضامین کو اُنکے لئے خوشگوار بنائے -

(۲) تردد و پریشانی - انتشار ذہنی بداہتہً یکسوئی کے لئے منافی ہے -

(۳) اجنبیت و غرابت - اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ دلکشی کے لئے یہ لازمی ہے کہ مہیج ایک حد تک مانوس و مالوف ہو، بالکل نامانوس مہیج سے ذہن کو طبعاً وحشت ہوتی ہے -

(۴) ذکاوت و ذہانت - "اے روشنیٔ طبع تو برمن بلاشدی" ہمارے ہان ایک عام ضرب المثل ہے اور فطری ذکاوت و ذہانت کی روشنی، واقعی اکثر حالتون مین توجہ و انہماک کے حق مین بلا ثابت ہوتی ہے، ذہین افراد اکثر اپنی خوش دماغی کے اعتماد پر غور و توجہ کو اپنے لئے بالکل غیر ضروری خیال کرتے ہین، اور اگر شروع ہی مین روک تھام نہ کیگئی تو بالآخر یہ مرض لاعلاج ہوجاتا ہے، یعنی قیام توجہ کوشش کے بعد بھی ناممکن ہوجاتا ہے، استاد کا فرض ہے کہ ذہین طلبہ سے خاص طور پر سوالات کیا کرے، جن سے ان پر یہ واضح ہوجائے کہ ترقی کے لئے محض ذہانت بیسود ہے تاوقتیکہ غور و توجہ کی بھی آمیزش نہ ہو -

(۵) مہیج مین عدم تنوع - اوپر بیان ہوچکا ہے کہ دلکشی کا ایک بڑا عنصر مہیج کا تنوع ہے، جس مہیج مین ضرورت سے زیادہ دیر تک یکسانیت قائم رہتی ہے، اس سے طبیعت اُچاٹ ہوجاتی ہے جو استاد مسلسل زبانی تقریر کرتا ہے، طلبہ اس سے اُکتا جاتے ہین، دانشمند استاد کچھ دیر مسلسل تقریر کرتا ہے -

کچھ دیر طلبہ سے سوال وجواب کرتا ہے، کچھ دیر اپنے نوٹ تحریر کرتا ہے، وقس علی ہذا۔

اکثر کتابون مین اس قسم کے واقعات پڑھے اور لوگون کی زبانی سُنے ہونگے، کہ فلان شخص جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا حکیم یا فلسفی تھا، بعض حیثیات سے بالکل ناسمجھ تھا، اور بعض بالکل موٹی باتین اسکی سمجھ مین نہین آتی تھین، یہ واقعات بظاہر بہت عجیب معلوم ہوتے ہین، لیکن درحقیقت ان مین کوئی حیرت انگیز بات نہین، شعور کا رجحان طبعی ومیل فطری، انتشار و پھیلاؤ کی جانب ہے، اور بقصد اسمین اجتماع ومرکزیت پیدا کرتے رہنا، اُسے ایک غیر طبعی حالت مین رکھنا ہے۔ اسکے یہ معنی ہین کہ عرصۂ دراز تک توجہ کو یکسو رکھنے سے دماغ پر سخت زور پڑتا ہے، دماغی خستگی محسوس ہونے لگتی ہے، اور دماغ مین دوسرے مشاغل کی جانب ملتفت ہونے کی صلاحیت بہت گھٹ جاتی ہے۔ بہ قول اسپنسر کے "فطرت بڑی سخت محاسب ہے، اگر کسی ایک مد مین زیادہ خرچ ہو جاتا ہے تو وہ دوسری مدون سے اتنا ہی کاٹ لیتی ہے" پس کسی شے پر کامل مرکزیت ویکسوئی کے ساتھ صرف توجہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دوسری چیزون کی طرف توجہ کم ہو جائے اور عام قوت توجہ ایک بڑی حد تک ماند پڑ جائے، اور ظاہر ہے کہ بڑے بڑے حکما، و فلاسفہ اپنی مخصوص پیش نظر مسائل پر خاص انہماک ویکسوئی صرف کرتے رہین۔

عمل توجہ مین یہ نہین ہوتا کہ انسان کے آلات حواس، بجز ایک سمت کے اور ہر طرف سے بالکل معطل ہو جائین، وہ محسوس سب کچھ کرتا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ دماغ پر اثر قائم صرف اسی شے کا ہوتا ہی جو اسکے زیر توجہ ہوتی ہے، گویا ماحول سے بیشمار تیر ایک ہی وقت مین شعور پر چلائے جاتے ہین، مگر ٹھیک نشانہ پر ایک ہی تیر جاکر پیوست ہو جاتا ہے، باقی سب ہی اُسپر پڑتے ہین، مگر چھٹنے ہوئے آئے اور چھوتے ہوئے نکل گئے۔ بے توجہی کی حالت مین یہ نہین ہوتا کہ انسان اپنے گرد و پیش کی چیزون کو دیکھتا یا سُنتا نہین بصارت وسماعت اپنے اپنے کام مین بدستور لگی رہتی ہین، بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ اسوقت دماغ ان سے کوئی ذرا بھی پائدار اثر نہین قبول کرتا، تحقیقات در آور بر برداشل ہوتے رہتے ہین، لیکن دماغ

کوئی قابل لحاظ نقش نہیں بناتے، بارہا دیکھا ہوگا کہ درجہ میں استاد سبق پڑھا رہا ہے، اور اکثر طلبہ آنکھ
ناف سے بے التفات آپس میں باتیں کر رہے ہیں، اتنے میں استاد نے کوئی دلچسپ قصہ بیان کرنا شروع
کیا، تمام درجہ میں خاموشی چھاگئی، اور سب کے سب اس جانب متوجہ ہوگئے، استاد کی تقریر کے الفاظ انکے
کان میں شروع سے آرہے تھے، لیکن چونکہ انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی، اسلئے ان الفاظ سے اُن کے
دماغ میں کوئی معنوی کیفیت نہیں پیدا ہوتی تھی، اور قصہ کے الفاظ چونکہ اُنکے لئے دلبستگی کا سامان رکھتے تھے
سے جو ہی انکے دماغ تک پہنچے، دماغ نے اُن سے اثر قبول کرنا شروع کیا، اور وہ بہ تن توجہ و اشتیاق بن گئے۔

نفسیات توجہ میں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ یہ ہے کہ نفس ایک وقت میں کتنی چیزوں پر توجہ قائم رکھ سکتا ہے
علمائے نفس نے اسکے جواب میں بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اسکا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ
"صرف ایک پر"۔ یہ بے شبہ ممکن ہے کہ وہ شے بجائے خود کثیر التعداد افراد یا اجزاء پر شامل ہو، لیکن نفس کے
سامنے موجود ہونے کی حیثیت سے وہ حکم واحد ہی میں داخل ہوگی، انسان ایک ہزار روپیہ پر ایک ہی
وقت میں توجہ بہ آسانی قائم رکھہ سکتا ہے، لیکن کیونکہ؟ ہزار روپیوں پر فرداً فرداً نہیں، بلکہ ایک ہزار کی
مجموعی رقم پر، اور یہ جو اس طرح کے واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں
کئی چیزوں پر متوجہ ہے، یا مثلاً اس طرح کی روایات کہ جولیس سیزر ایک ساتھ چار چار خط اپنے ساتھیوں سے
لکھوا تا تھا، اور پانچواں خود لکھتا جاتا تھا، تو اس قبیل کے واقعات میں یہ نہیں ہوتا کہ انسان بعینہ آن واحد
میں مختلف اشیاء پر توجہ کرتا رہے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ مختلف اشیاء پر باری باری اس سرعت کے ساتھ اسکی
توجہ منتقل ہوتی رہتی ہے، کہ سلسلہ بظاہر ایک معلوم ہوتا ہے، بجلی کے شرارے ایک سکنڈ میں بیشمار
تعداد میں خارج ہوتے رہتے ہیں، لیکن دیکھنے میں بجلی کی ایک ہی لہر معلوم ہوتی ہے۔

ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، جو شخص نیکی کو پہچانتا ہے، وہ بدی سے بھی واقف ہوتا ہے،
مشغولیت کے ضمن میں ناظرین بے شغلی سے بھی واقف ہوگئے ہونگے، لیکن یہ بے شغلی و بے توجہی کی ایک ایسی

عام کیفیت نفسی ہے کہ اسکے لئے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہین، ہر شخص کو روزانہ زندگی مین اسکا بکثرت تجربہ ہوتا رہتا ہے، آنکھین کھُلی ہوئی ہین، نظر کسی شے پر قائم نہین، کسی کام مین دل نہین لگتا، بیکاری مین وقت گذر رہا ہے، پلنگ یا آرام کرسی سے اُٹھنے کو جی نہین چاہتا، شعور نفس مین یہ خیال ضرور گذر رہا ہے کہ اُٹھکر فلان فلان کام کرنا چاہیئے، لیکن کاہلی اُٹھنے نہین دیتی، عدم مشغولیت دماغ پر مسلط ہے، فانوس طلسمی (میجک لینٹرن) کی تصویرون کی طرح جلد جلد ایک خیال دوسرے کی جگہ پر خود بخود آتا جاتا ہے، اور قوت فاعلی گویا بالکل معطل ہے۔ یہانتک کہ ایک عرصہ کے تعطّل و بیکاری کے بعد از خود حرکت پیدا ہوتی ہے، قوت فاعلی از سر نو عود کرتی ہے، اور اسوقت پھر کوئی مشغولیت شروع ہوجاتی ہے، جس طرح توجہ نام ہے، شعور مین انتہائی اجتماع و مرکزیت کا، اسی طرح بے توجہی اس کیفیت نفسی کا نام ہے، جسمین شعور انتہائی انتشار اور پھیلاؤ کی حالت مین ہو۔

صفحات بالا مین توجہ کی ماہیت نفسی اور اُسکے اہم خصائص معلوم ہوچکے، توجہ کیا ہے، شعور سے اسکا کیا تعلق ہے، اُسکے کتنے اقسام ہین، کن کن حالات واسباب سے پیدا ہوتی ہے، اسکی تربیت و ترقی کیونکر ہوسکتی ہے، اسکے موانع کیا کیا ہین، ان تمام امور سے ہم واقف ہوچکے، لیکن توجہ کو تعلیم و فن تعلیم سے جو خاص و براہ راست تعلق ہے، اُسکے لحاظ سے یہ مناسب ہوگا کہ خاتمہ پر اسکی تعلیمی تفریعات بھی ایک نظر کرلین، یعنی جو کچھ معلومات حاصل ہوئے ہین، اُنھین فن تعلیم پر چسپان کرکے دیکھین کہ ان سے اس فن کے متعلق کیا کیا نتائج اخذ کئے جاسکتے ہین۔

اس حقیقت سے ہم باخبر ہوچکے ہین کہ نامانوس و غریب اشیار سے ذہن کو طبعًا وحشت ہوتی ہے، اسلئے مانوس اشیار کو نامانوس اشیا کی تعلیم کا زینہ بنانا چاہیئے، یا دوسرے لفظون مین، سبق کو آسان سے دشوار، اور معلوم سے نامعلوم کی طرف جانا چاہیئے۔

جو چیزین ہروقت مشاہدہ و تجربہ مین آسکتی ہین، وہ یقینًا زیادہ صاف، آسان و قریب الفہم ہوتی

مقابلۃً ان مسائل کے جنکا تعلق عقل و فکر سے ہوتا ہے، اس بنا پر کلیہ بالا کے پہلو بہ پہلو یہ کلیہ بھی قائم کر سکتے ہین کہ اسباق کو مادیات سے مجردات اور محسوسات سے معقولات کی جانب جانا چاہئے بجائے حصول زبان و ادب کی دلچسپیون سے طلبہ کو خوگر کرنے کے شروع ہی مین انکو صرف و نحو کے خشک قواعد یاد کرانے کے طریقہ کی سخت غلطی ان ہر دو کلیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد واضح ہو جاتی ہے۔

اس نکتہ سے بھی ہم آشنا ہو چکے ہین کہ توجہ و یکسوئی سے دماغ پر کافی بار پڑتا ہے جسکے متحمل کم عمر طلبہ نہین ہو سکتے اور عرصہ تک قیام توجہ پر قدرت حاصل کرنے کے لئے کافی مشق و تربیت کی ضرورت ہے جو کم عمر بچون سے نہین ہو سکتی، اس سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اسباق کی مدت بجائے طویل ہونے کے مختصر ہونا چاہیئے۔

ہمین یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ توجہ کا اصل الاصول ذوق و دلکشی ہے، اور ذوق کا جبر و تشدد سے پیدا ہونا ناممکن ہے، اسلئے بجز چند مخصوص صورتون کے جبکہ سخت گیری لازمی ہو جاتی ہے عموماً بجائے زد و کوب کے طلبہ کو سمجھا بجھا کے تعلیم دینا چاہیئے،

ذوق و دلکشی کا سب سے بڑا ضامن ہیجانات کا تنوع ہے تعلیم مین بعینہ اس اصول کو ہم چسپان کر سکتے ہین اور اس نتیجہ تک یقین کے ساتھ پہنچ سکتے ہین کہ اسباق مین تنوع و تفنن ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیمگاہین

(۱)

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالمصنفین

صاحب مضمون نے نہایت محنت اور جانکاہی سے ایک رسالہ کی صورت مین یہ مضمون ندوۃ العلما منعقدہ بلگام مین پیش کرنے کے لئے لکھا تھا لیکن بعض اسباب سے اُن کا جانا نہوا اسلئے اب یہ معارف مین شایع کیا جاتا ہے، ناظرین پورے مضمون کو پڑھکر اندازہ کرینگے کہ وہ کس تلاش اور محنت کا نتیجہ ہے۔

مسلمانون کے علمی کارنامون کو علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل کے مختلف مضامین مین بتفصیل لکھا ہے، مصر، شام، ایران، روم، خراسان، عراق اور افریقہ مین مسلمانون نے جتنے تعلیمی مدارس ومکاتب قائم کئے، علامہ ممدوح نے ان مین سے ایک ایک کے نام گنائے اور اُنکے حالات لکھے ہین لیکن خاص سرزمین ہند کی نسبت جو ہمارا وطن ہے، ابتک کچھ نہین لکھا گیا، علامہ مرحوم تو گویا ہندوستان مین اسلامی مدارس کے قیام کے ابتدأً قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون "اسلامی مدارس" مین لکھتے ہین۔

"ہندوستان کے تذکرے مین ہمکو بے خطر کہنا چاہیئے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہین قائم ہوئی"

لیکن بعد ازان بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامہ مرحوم نے اپنی اس تحقیق سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دیکر طبع ثانی مین یہ الفاظ لکھے۔

"مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی، ہندوستان مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب اُنکا نام ونشان نہین رہا"

تاہم اس اعتراف سے اصلی عقدہ نہ کھل سکا، اور اس بحث کی نسبت کوئی تفصیلی علم حاصل نہوا، اسلئے

بڑی ضرورت تھی کہ اس ضروری مضمون کے متعلق جو کچھ معلومات ہون انکو یکجا کردیا جائے۔

اجمالی اشارات

اسمین شک نہین کہ یہ مضمون جسقدر اہم ہے، اُسیقدر مشکل اور محنت طلب بھی ہے، اولاً اس خاص عنوان کے لئے فارسی تاریخون مین جو کچھ مواد ہین وہ اسقدر منتشر اور ضمنی ہین کہ ان پر مشکل نگاہ پڑسکتی ہے، ثانیاً ان تاریخی کتابون کا طرز تحریر قدیم مذاق تاریخ نویسی کے بالکل مطابق واقع ہوا ہے، اگر ہم گذشتہ زمانہ کی تمدنی سیاسی، اور علمی حالات کو ان مین مبسوط و مفصل طور پر تلاش کرنا چاہین تو اس تلاش مین بڑی ناکامی ہوگی، کیونکہ یہ زیادہ تر در اصل بادشاہون کی سوانحعمریان ہین، جنمین خصوصیت کے ساتھ انکے فتوحات ملکی اور جنگی کارنامے جو اس زمانہ کے سب سے زیادہ قابل توجہ واقعات تھے تفصیل و بسط کے ساتھ مذکور ہوتے ہین، اس بنا پر تاریخ کے صفحات بھی میدان کارزار بنگئے ہین، یہ ظاہر ہے کہ تلوارون کی جھنکار طبل و بوق کی گونج، اور صف جنگ کے غوغائے رستخیز مین درس و تعلیم کی کمزور آوازین کیونکر سنائی دیسکتی ہین؟

تاہم اگر تاریخی صفحات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ان مین بادشاہون کے حالات زندگی کے ضمن مین دوسری قسم کے واقعات بھی ملجاتے ہین، اگر کوئی شخص محنت اور جستجو سے کام لے تو گذشتہ زمانہ کی سیاست، نظم حکومت، طریق عدل و انصاف، تہذیب، تمدن، اور دیگر ضروری حالات کا اندازہ لگانیکے لئے منتشر طور پر اسکو کافی واقعات مل سکتے ہین، مین اس رسالہ مین اپنی اسی قسم کی تلاش و جستجو کے نتائج پیش کرنا چاہتا ہون جنکا تعلق محض ہندوستان کے علمی و تعلیمی معاملات سے ہے۔

اس سے پہلے کہ اصل مضمون پر سلسلۂ سخن شروع کیا جائے، چند ایسے اجمالی امور کی بطریق توضیح کردینا مناسب ہے، جن سے یہ معلوم ہو کہ قدیم فارسی تاریخون مین ہندوستان کے گذشتہ مدارس کے متعلق کیون تصریحی ابواب نہین ملتے، نیز وہ عمارات و اماکن کون تھے جن سے تعلیم گاہون کے کام لئے جاتے تھے۔

(۱) مسلمان اپنے مذہبی مذاق کی بنا پر ہمیشہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو مذہبی و دینی شغلہ اور کار خیر خیال کرتے رہے ہین، وہ طلبا کی امداد، تعلیم کی اشاعت، کتب و اسباب درس و تعلیم کا وقف، مدارس کی بنا و تاسیس، علما کی خدمت و اعانت وغیرہ کو ایک مذہبی حکم اور برکت و فلاح دارین کا باعث سمجھتے رہے ہیں، اس بنا پر یہ چیز بھی انکے اور ضروریات زندگی کی طرح انکی زندگی کا لازمی و ضروری جزو ہو گئی تھی، اور چونکہ ایک شخص کے روزمرہ اعمال زندگی اسکی تاریخ حیات مین خاص طور پر اہمیت کے ساتھ قابل ذکر نہین سمجھے جاتے تھے بلکہ عام الفاظ مین دوسری ضروریات زندگی کے ساتھ سرسری طور پر مذکور ہوتے ہین اسلئے قدیم ایام مین مسلمانون نے تعلیمی معاملہ مین جو کچھ کارہائے نمایان کئے ہین، انکو قدیم مورخین مخصوص ابواب و فصول مین نہین بیان کرتے۔

(۲) ہر شخص نے فارسی تاریخون مین سلاطین اسلام کے اعمال زندگی مین عموماً یہ الفاظ پڑھے ہونگے۔

"درعہد حکومت خود تالابہا، چاہ ہا و پلہا بستند، و در ہر طرف دیگر عمارات و بقاع خیر نیز بنا نہادند"

ایسی عبارتون مین عموماً عمارات و بقاع خیر سے مراد مدرسے، مکتب، مسجدین اور خانقاہین ہین۔

(۳) جیسا کہ آیندہ تفصیلاً معلوم ہوگا قدیم زمانہ مین تعلیم کے لئے عموماً علٰحدہ عمارتین نہین ہوتی تھین زیادہ تر یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا، اس زمانہ کی تمام مسجدین مدارس کا کام دیتی تھین، اسلئے ہر قدیم وسیع مسجد ایک بڑی درسگاہ تھی یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے قدیم اسلامی شہرون مین قدم قدم پر تمکو چھوٹی چھوٹی مسجدین ملین گی۔ دلی، آگرہ، لاہور، جونپور، بیجاپور، احمد آباد، گجرات، وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتون مین جو عظیم الشان مسجدین تعمیر ہوئی تھین اور جو اب تک باقی ہین، انکی ہیئت کذائی صاف بتاتی ہے کہ انکا بڑا حصہ تعلیم گاہون کے کام مین آتا تھا، ان مسجدون مین اب تک تمکو صحن کے چارون طرف چھوٹے چھوٹے حجرون کا وسیع سلسلہ نظر آئیگا، یہ درحقیقت طلبہ اور مدرسین کے رہنے کے مقامات تھے اور ان مین سے بعض اب تک اسی کام مین ہین۔

(۴) قدیم خانقاہین بھی عموماً تعلیم گاہون کے فرائض ادا کرتی تھین، متصوفین اور گوشہ نشین مشائخ زمانہ

اسوقت صرف مجاہدۂ نفس و وظائف ہی کو عبادت نہین سمجھتے تھے، بلکہ علوم معقول و منقول اور ظاہر و باطن دونون کی تعلیم و تدریس اپنا حقیقی نصب العین خیال کرتے تھے، قدیم مشائخ و بزرگان دین کے حالات مین درس و تدریس کا شغل ہر جگہ نظر آتا ہے، ہر خانقاہ مین تشنہ لبان تصوف و علوم باطن کے ساتھ طالبین علوم ظاہر کی جماعت کثیر بھی پائی جاتی تھی، ان خانقاہون کے لئے حکومت کی طرف سے جو عطیے یا تنخواہ اوقاف ہوتے تھے، انکا بڑا حصہ طلبا پر صرف ہوتا تھا، اس بنا پر قدیم خانقاہون کو بھی مدارس و مکاتب کے سلسلہ مین شمار کرنا چاہیئے۔

(۵) سلاطین اور بزرگان کرام کی قبرون پر جو مقبرے اور روضے تعمیر ہوتے تھے، انکے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اسی غرض سے تعمیر ہوتے تھے کہ وہ مدرسون کے کام مین آئین، چنانچہ مقبرۂ علاء الدین خلجی اور مقبرۂ ہمایونی وغیرہ کا ذکر آگے آتا ہے، اسوقت بھی جو قدیم مقبرے دلی، آگرہ، احمد آباد، بیجاپور وغیرہ مین قائم ہین، انکی ہیئت خود انکی تاریخ کو بتا رہی ہے۔

ان اجمالی اشارات کے بعد ان مخصوص عمارات کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس سلسلہ سے الگ خاص مدارس کے نام سے تعمیر ہوئے، یہ معلومات مختلف کتابون کے منتشر و پراگندہ بیانات سے فراہم کئے گئے ہین۔

ہندوستان مین مسلمانون کی آمد

گو ہندوستان مین مسلمانون کا داخلہ پہلی صدی ہجری کے آخر مین ہوا، لیکن یہ داخلہ پورے ملک ہند پر موثر نہ تھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ظلمت کدۂ ہند کے بعض اطراف مین نور اسلام کی شعاعین اسی زمانہ مین پڑین، لیکن صحیح معنی مین اسلامی حکومت کے قدم سرزمین ہند مین سلطان محمود غزنوی کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت جمے، اور اسلئے اسی وقت سے اسلامی حکومت کا آغاز سمجھنا چاہیئے، سلطان محمود کی توجہ فتح ہند کی طرف سنہ ۳۹۰ھ سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان کا بیشتر مغربی حصہ اسلامی پرچم کے نیچے آگیا، اسلامی فتوحات کی یہ عام خصوصیت ہے کہ پہلے بے شبہہ تیغ و تبر سے کام لینے والی

فوجین بڑہتی ہین، لیکن فتح کے بعد وہ تلوار ہمیشہ اُنکے ہاتھون مین نہین رہتی، بلکہ امن و امان قائم ہوتے ہی ان کے ہاتھون مین کتاب و قلم نظر آتے ہین، جنکے رشحات فیض سے وہ سارے ملک مین علم و فضل کا دریا بہا دیتے ہین،

اولوالعزم سلطان محمود کا دارالسلطنت غزنی تہا، ہندوستان کے مفتوحہ علاقون کا طرز حکومت موجودہ زمانہ کی صوبجاتی حکومت کے اصول پر تہا، جہان اسکے امراجنکو اس زمانہ کے لفٹننٹ گورنر کہیئے نظم و نسق کرتے تھے، اس قدیم زمانہ کی نسبت اگرچہ تصریح کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ اس وقت ہندوستان کی تعلیم کے لئے اسلامی حکومت نے کیا انتظام کیا تہا تاہم اتنا معلوم ہے کہ سلطان محمود علم دوست اور عالم پرست بادشاہ تہا، اسکا دربار علما، حکما، اور شعرا، کا مرجع و ماویٰ تہا، اسکو اپنے حدود حکومت مین مدارس و مساجد کے قیام کا بیحد شوق تہا، ۴۰۹ھ کے بعد جب سلطان محمود فتح قنوج سے کامیاب غزنی واپس آیا ہے تو اس نے جامع مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکہی، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:-

"سلطان چون بفتح فیروزی ازین سفر مراجعت نمود، فرمود، تا در غزنی مسجد جامع بنیاد نہادند وصل عمارت مسجد از سنگ مرمر و رخام مربع ومسدس و مثمن و مدور برآوردند بطرزیکہ بینندگان از متانت و طراحی آن متحیر شدند و بعد از اتمام عمارت بموجب حکم بنوعے آنرا بانواع زینت فروش و قندیل مزین ساختند کہ ظرفاے وقت آن مسجد را عروس فلک می گفتند، و در جوار آن مسجد مدرسۂ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود"

(فرشتہ جلد اول حالات محمود غزنوی)

بادشاہ کا یہ مذاق دیکہکر اسکے امرا و اعیان دولت بھی اسکی پیروی کرتے تھے جسکی بدولت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسکے حدود حکومت مین تعلیم کی کتنی گرم بازاری ہوگی، چنانچہ بیان ماسبق سے متصل

چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے -

"وبمقتضاے الناس علی دین ملوکہم ہریکے از امرا واعیان دست بہ بناے مسجد ومدارس ورباطات وخوانق مبادرت نمودند۔"

پس ایسے عہد حکومت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہندوستان تعلیمی ذرایع واسباب سے خالی ہوگا، بادل جب برستا ہے تو دشت وچمن دونون کو یکسان سیراب کرتا ہے -

مین اس سے ایک اور نتیجہ تک پہنچنا چاہتا ہون وہ یہ کہ اسلامی عہد حکومت مین جیسا کہ تفصیلاً آگے معلوم ہوگا، مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس ومکاتب کے قیام کا عام مذاق پیدا ہوگیا تھا، میرے خیال مین اسکا زمانہ بھی عہد محمودی ہی تھا، یعنی سلطان محمود اور اسکے امرا کے توسط سے ابتداءً یہ طریقہ ہندوستان مین داخل ہوا اور بعد کو رفتہ رفتہ عام طور پر رواج پا گیا -

سلطان محمود کے بعد اسکا دوسرا لڑکا شہاب الدین مسعود تخت نشین حکومت ہوا، یہ علما کا مربی اور علم پرور بادشاہ تھا، اسکی علمی فیاضیان بہت بڑی ہوئی تھین، اکثر علما نے اسکے نام سے کتابین لکھین، قاضی ابومحمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب فقہ احناف مین لکھی اور اسکے نام سے منسوب کی، ابوریحان خوارزمی منجم جو ریاضیات مین بے نظیر تھا، اس نے قانون مسعودی لکھکر جو انعام پایا اسکے متعلق فرشتہ لکھتا ہے :-

"ابوریحان خوارزمی منجم کہ علامۂ وقت بود در ریاضیات نظیرے نداشت، قانون مسعودی در علم ریاضی بنام نامی او نوشت وفیلے از نقرہ صلہ یافت ۔"

اس نے اپنے حدود حکومت مین بکثرت مدارس قائم کئے، فرشتہ لکھتا ہے -

"در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چندان مدارس ومساجد بنیاد نہاد کہ زبان از تعداد آن عاجز وقاصر است ۔"

پورے پونے دوسو برس کی حکومت کے بعد خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کی شکست پر جو سن ۵۸۲ھ مین بمقام لاہور امیر شہاب الدین محمد غوری کے مقابلہ مین نصیب ہوئی، حکومت ہند خاندان غزنوی سے خاندان غوری مین منتقل ہوگئی

مدارس اجمیر

۵۸۸ھ مین شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر کو فتح کیا ہے، مصنف تاج المآثر[1] (حسن نظامی نیشاپوری) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر مین متعدد مدرسے قائم کئے ان مدارس کی تاریخ بنا صحیح طور پر متعین نہین، لیکن سنہ مذکور کے بعد قریب ہی قریب مین ہوگی، اس بنا پر یہ مدرسے ہندوستان کے قدیم ترین مدارس ہین،

مدارس دہلی

اسوقت تک ہندوستان کے شاہنشاہی تعلقات غزنی کے ساتھ تھے، شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ مین لاہور کے بجاے دہلی کو ہند کا دارالسلطنت قرار دیا، قطب الدین کا جانشین شمس الدین التمش ۶۰۷ھ مین تخت نشین ہوا، اس بادشاہ نے خاص دارالسلطنت دہلی مین متعدد مدارس قائم کئے، گو تعین ویقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا لیکن قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دہلی کا مشہور ومعروف مدرسہ معزی اسی علم پرور بادشاہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی شمس الدین التمش نے اپنے ایام امارت مین ایک مسجد اور اسکے متصل معزی نامی مدرسہ قائم کیا تھا، قرینہ یہ ہے کہ اس نے یہ مدارس اپنے آقاے ولی نعمت شہاب الدین غوری، جسکا اصلی نام معز الدین محمد غوری ہے کے نام پر قائم کئے تھے، سلطانہ رضیہ بنت شمس الدین التمش کے عہد حکومت مین جب قرامطہ نے دہلی پر یورش کی تھی تو حسب بیان مصنف طبقات ناصری وہ اس مدرسہ کے قریب تک گھس آئے تھے، یہ

[1] یہ ہندوستان کی سب سے قدیم فارسی تاریخ ہے، اسکا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانہ اصفیہ مین ہے۔

زمانہ ۷۳۵ھ تہا، مدرسہ معزی دہلی کے ایک مدرس مولانا بدرالدین اسحاق بخاری تھے جو معقول منقول دین اپنے وقت کے سرآمد روزگار رہے۔

اس عہد کے بعد دہلی مین ایک اور عظیم الشان مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، جسکا نام مدرسہ ناصریہ تہا، یہ مدرسہ ناصرالدنیا والدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا طبقات ناصری کے مصنف سراج الدین عفیف اس مدرسہ کے مہتمم اور نگران تھے، مصنف نے یہ کتاب بھی اسی شہزادہ کے نام پر لکھی تھی،

مدرسہ مقبرۂ علاؤالدین خلجی[1] یہ مدرسہ مسجد قوۃ الاسلام اور قطب صاحب کی لاٹ کے متصل واقع تہا ۷۱۵ھ مین علاؤالدین خلجی کا انتقال ہوا، اسکے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے غالباً ۷۱۶ھ مین یہ مقبرہ بنوایا، مقبرہ، مدرسہ اور مسجد سب کی مرمت فیروزشاہ نے اپنے عہد حکومت مین کی صندل کے پیپر کٹ چڑہائے، صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ یہ مدرسہ کب قائم ہوا، اگر قطب الدین مبارک شاہ نے مقبرۂ علائی کے ساتھ بنوایا تو اسکا سنہ بنا ۷۱۶ھ ہوگا، اور اگر مسجد قوۃ الاسلام کے ساتھ اسکی بنیاد پڑی تو ۵۹۲ھ تاریخ بنا ہوگی، کیونکہ اسی سال قطب الدین ایبک نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، پھر ۶۲۷ھ مین سلطان شمس الدین التمش نے بھی اس مسجد پر تین تین محرابون کا اضافہ کیا، اور اصل لاٹ پر بھی پانچ درجے زیادہ کئے، ممکن ہے کہ مدرسہ کی بنیاد اسی سلسلہ تعمیرات مین پڑی ہو، اسلئے ٹھیک تاریخ بنا نہین بتائی جا سکتی، میرے خیال مین دوم اور سوم عہد کو ترجیح ہے، عہد اول مین صرف مقبرہ کی تعمیر ہوئی۔

دہلی مین ایک مدرسہ حوض خاص[2] مشہور مدرسہ تہا، حوض دراصل سلطان خلجی کا بنوایا ہوا تہا اس نے اپنے تخت نشینی کے سال ۶۹۶ھ مین بنوایا تہا، فیروزشاہ کے زمانہ مین یہ حوض مٹی سے بھر گیا تہا بادشاہ فیروز نے اسکو صاف کرایا، جہان جہان مرمت کی ضرورت تھی مرمت کیگئی، اور تقریباً ۷۵۵ھ مین

---

[1] فتوحات فیروزشاہی [2] ایضاً۔

اسکے اوپر ایک مدرسہ قائم کیا جسمین مشہور مدرسین جمع کئے گئے، اس مدرسہ کے صدر مدرس سید یوسف
بن جمال حسینی تھے، انکا انتقال ۷۹۰ھ مین ہوا اور اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کئے گئے۔

مدرسہ فیروز شاہی، دہلی کا یہ سب سے مشہور اور اپنے عہد کا بہترین مدرسہ تھا، فیروز شاہ نے یہ
مدرسہ فیروز آباد دہلی مین ۷۵۳ھ مین قائم کیا تھا، ضیاء برنی نے اسکی تعریف مین صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالے
ہین لکھتا ہے،

"یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس
ہند مین سب سے بہتر اور عمدہ ہے، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہین"

طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کے متصل مسجد بھی تھی، مولانا جلال الدین رومی اس مدرسہ کے
مدرس دینیات تھے۔

مدرسہ بالا بند آب سیری، یہ مدرسہ دراصل ایک شاہی عمارت مین واقع تھا، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ
مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت سے دہلی کی کوئی عمارت حسن عمارت و موقع مین اگر مقابلہ کرسکتی ہے تو وہ یہی مدرسہ
بالا بند آب سیری کی عمارت ہے، اسکے بعد ضیاء برنی لکھتا ہے۔

"مولانا سید الائمہ والعلماء نجم الملۃ والدین سمرقندی کہ از افاضل اساتذہ است، درآن عمارت مبارک
مدرس گشتہ"

اسکے لئے کچھ وقف اور شاہی وظیفہ مقرر کردیا گیا تھا، نیز بہت سے طلباء کی کفالت کیجاتی تھی اور
وہ استاد مذکور سے فیض تعلیم حاصل کرتے تھے۔

ماہ صفر ۷۷۶ھ مین سلطان فیروز شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ فتح خان کی وفات پر اسکے مقبرہ کے
ساتھ ساتھ بطور کار خیر و ایصال ثواب ایک مدرسہ[1] بھی قائم کردیا جسکے اخراجات کا مدار شاہی وظائف پر تھا

[1] تاریخ فرشتہ آثار الصنادید۔

ہمایون کا عہد حکومت تقریباً ۹۳۷ھ سے شروع ہوتا ہے، اس نے علوم و فنون کی ترقی مین اگلے بادشاہون سے کچھ کم کوشش نہین کی، ہمایون علوم کا عاشق اور شیفتہ تھا، علم ہیئت و جغرافیہ سے اسکو خاص مناسبت تھی، اُس نے طبایع عناصر پر ایک خاص رسالہ لکھا تھا، کرے اور سطرلاب جو عموماً مدارس ہند مین آج نظر آتے ہین، یہان ابتداءً انکا رواج دینے والا بھی یہی ہمایون ہے، اس نے خود ایک خاص قسم کا اسطرلاب ایجاد کیا تھا جو اسطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ ہمارے دارالعلوم ندوہ کے کتبخانہ مین اسطرلاب موجود ہے جسپر صانع کی یہ عبارت کندہ ہے۔

عمل ضیاء الدین محمد بن قاسم محمد ابن ملا عیسیٰ ابن شیخ الہداد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ

ہمایون نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا جسکے ایک مدرس شیخ حسین تھے، لوگون کو یہ عام طور پر معلوم نہین کہ ہمایون کے مقبرہ کے اوپر جو چھت تھی وہ درحقیقت ایک مدرسہ تھا جسمین بڑے بڑے اساتذہ وقت تعلیم دیتے تھے، اور مقبرہ کے پہلو مین چھوٹے چھوٹے کمرے طلبار کی اقامت کے لئے بنے ہوئے تھے۔

عہد اکبری مین ماہم بیگم نے جو اکبر اعظم کی مرضعہ تھین، ۹۶۹ھ مین پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل مین ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، مدرسہ کا نام **خیر المنازل** رکھا گیا جسپر یہ کتبہ لگا ہوا تھا[1]

بدوران جلال الدین محمد　　کہ باشد اکبر شاہان عادل

چو ماہم بیگم عصمت پناہی　　بناکرد این بنا بہر افاضل

ولے شد ساعی این نفعہ خیر　　شہاب الدین احمد خان باذل

زہے خیریت این خیر منزل　　کہ شد تاریخ او خیر المنازل

جلوس اکبری کے آٹھوین سال اکبر پر حملہ کرنیکی جو کوشش کی گئی تھی وہ اسی کے قرب و جوار کا واقعہ تھا، گو اب یہ مدرسہ کھنڈر ہے لیکن آج بھی اُسکے باقیماندہ آثار اسکی گذشتہ عظمت و شوکت کو

---

[1] آثار دہلی از اسٹیفن۔

یاد دلاتے ہین،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو جہانگیر کے عہد مین تھے، اخبار الاخیار مین ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے جہان اُنھون نے تعلیم پائی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم کا وقت صبح سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا، چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہین اوقات مین مدرسہ جایا کرتے تھے۔

دلّی کی جامع مسجد عہد شاہجہانی کی صرف تعمیری یادگار نہین بلکہ اس سلسلہ مین اوراق تاریخ پر چند اور رفاہ عام کی عمارتین بھی ہمیشہ یادگار زمانہ رہین گی، جیسا کہ اسٹیفن نے لکھا ہے، مسجد کے شمالی رخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا جہان غربا اور مسکینون کے لئے علاج کے تمام اسباب وسامان مہیا کئے گئے تھے، مفت علاج کیا جاتا تھا، اور دوائین بھی بلاقیمت تقسیم کیجاتی تھین، مسجد کے جنوبی رُخ پر شاہی مدرسہ تھا اس مدرسہ کا سال بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہجہانی ہے، یہ مدرسہ گردش روزگار کے ہاتھون ۱۸۵۷ء کے غدر کے بہت پہلے سے ویران پڑا ہوا ہے، اس عظیم الشان مدرسہ کا نام دارالبقا تھا،

بہادر شاہ کے عہد حکومت مین ایک نیا مدرسہ دلّی مین قائم ہوا، جسکے بانی امیر غازی الدین خان فیروز جنگ تھے، مرحوم اپنے مدرسہ ہی مین مدفون ہوئے، سال وفات ۱۱۲۰ھ ہے، امیر غازی الدین نواب آصفجاہ بانی خاندان حیدرآباد دکن کے والد بزرگوار تھے، یہ وہ علم پرور خاندان ہے جسکے فیض کرم سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ سیراب ہو رہا ہے، امیر غازی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے ان محبوب ومعتمد امرا مین تھے جو دربار بہادر شاہی کے بھی معتمد رکن رہے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت مین ابھی تک ایک خوبصورت دروازہ باقی ہے جو ایسے مقام پر بیجاتا ہے جسکی ظاہری حالت یہ بتاتی ہے کہ وہ مدرسہ کا مطبخ تھا،

نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان لکھنؤ نے اس مدرسہ کے خرچ کے واسطے ایک لاکھ ستر ہزار روپئے

انگریزی کمپنی کر دیئے تھے، چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر انکے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا جسکی عبارت یہ ہے:

کتبۂ مقبرہ غازی الدین خان

ز بر لوح نقشے بماند و نیک   جزای عمل ماند و نام نیک

"بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علیخان بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و وطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء"

محمد شاہ کے عہد حکومت مین نواب شرف الدولہ ارادت خان نے ایک مدرسہ اور اسکے ساتھ ایک مسجد بنوائی، اس مدرسہ کا سال بنا ۱۱۳۵ھ ہے، مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

در زمان شہ خورشید سریر   ظل حق ماہ زمین شاہ زمان
ناصر الدین محمد شاہ است   تیغ او کفر شکن در دوران
شرف الدولہ بنا فرمودہ است   مسجد و مدرسۂ عالی شان
این دو بیت الشرف علم و عمل   ہمچو سعدین فلک کردہ قران
سال تاریخ بنا گفت خرد   قبلۂ حج ارادت کیشان

دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر النافع مدرسہ شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی کا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پدر بزرگوار، اور فتاوی عالمگیری کے جامعین مین تھے، یہی مدرسہ تھا جسکے آغوش مین شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی، شاہ اسمعیل، شاہ اسحاق، شاہ عبد القادر وغیرہ علمائے کرام پل کر جوان ہوئے، اور آخر باری باری سے اسکے مسند درس پر متمکن ہوئے، یہی وہ سرچشمۂ فیض ہے جہان سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہ ہائے ہند مین پہیلے، اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار اب تک دلی مین باقی ہے۔ (باقی)

موجودہ مشرقی کتبخانے

(۲)

از مولانا عبد السلام ندوی

علمی انجمنون کے کتبخانے | مصر مین بہت سے کتبخانے علمی انجمنون سے تعلق رکھتے ہین جنمین اہم کتبخانے حسب ذیل ہین،

کتبخانہ مجمع علمیہ مصریہ | اس کتبخانے مین ۳۰۰۰۲ کتابین ہین، جنمین زیادہ تر فرنچ، انگریزی اور اٹالین زبانون مین ہین، اور عربی زبان کی کتابین کم ہین، اکثر کتابین تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات علم الآثار اور زراعت وضاعت کی ہین،

کتبخانہ جمعیتہ جغرافیہ خدیویہ | اس مین زیادہ تر فرنچ زبان مین جغرافیہ بالخصوص افریقہ کے جغرافیہ کی ۵۰۰۰ جلدین ہین، اس جمعیت جغرافیہ نے مشرق ومغرب مین جو جغرافیانہ تحقیقات کی ہے، اسکی مفصل رپورٹ بھی موجود ہے، اور ایک قابل قدر چیز خیال کیجاتی ہے،

سرکاری دفاتر کے کتبخانے | مصر کا کوئی محکمہ کتبخانے سے خالی نہین، لیکن اکثر کتابین وہ ہین جو سرکاری امور سے تعلق رکھتی ہین، البتہ بعض کتبخانون مین علوم وفنون کی کتابین بھی ہین،

محکمہ نظارت نافعہ کا کتبخانہ | پبلک ورکس کے دفتر مین یہ کتبخانہ قائم ہے، اسمین انگریزی، فرنچ اور عربی زبان کی ۴۰۰۰ کتابین ہین، جو زیادہ تر اس محکمہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہین، ۲۵۰ سرکاری رپورٹین، اور آثار عربیہ اور ہندیہ کی کتابین ہین، ۳۲۰ کتابین جیالوجی، میکانک، اور کانسارت کے متعلق ہین، ۱۵۰ آبپاشی پر ہین، ۲۱۰ سفرنامے، اور سرکاری مردم شماریان ہین، اور بقیہ کتابین

فن تعمیر اور ہندسہ وغیرہ کی ہیں،

محلہ عنبر کا کتبخانہ اسمین فرنچ، انگریزی، عربی، اٹالین، اور جرمن زبان کی تقریباً ۵ ہزار کتابیں ہین جو مصر سوڈان اور انکے قرب وجوار کے ملکون کی تاریخ، جغرافیہ، اور اقتصاد سیاسی سے تعلق رکھتی ہین،

اسکندریہ کے کتبخانے بطالسہ ہی کے زمانہ سے اسکندریہ خاص کر اپنے مشہور کتبخانے کی وجہ سے مشہور ہے لیکن یہ کتبخانہ بار بار کی آتشزدگی سے برباد ہوگیا، اور اب اسکا مین واثر باقی نہین، تمدن اسلامی نے بھی اپنے عہد عروج مین اسکی تلافی نہین کی، کیونکہ خلفاء وسلاطین نے جو عظیم الشان کتبخانے قائم کیے وہ قاہرہ مین کیے جو انکا دار السلطنت ومستقر حکومت تھا، جدید دور مین جو نئے پبلک کتبخانے قائم ہوئے وہ بھی حسب عادت قدیمہ قاہرہ مین ہوئے، اور اسکندریہ ۱۸۹۲ء تک اس فخر سے محروم رہا،

میونسپلٹی کا کتبخانہ لیکن جولائی ۱۸۹۲ء مین ممبران میونسپلٹی نے ایک پبلک کتبخانہ قائم کیا اور یورپین کتابون کا مہتمم سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کو، اور عربی کتابون کا مہتمم شیخ احمد ابو علی الازہری کو مقرر کیا یہ کتبخانہ ابتدا مین اسکندریہ کے میوزیم کی عمارت مین تھا، پھر خود میونسپلٹی کی عمارت مین منتقل ہوگیا اسوقت اسمین یورپین زبانون کی صرف چند کتابین تھین، لیکن شیخ احمد نے عربی کتابون کی تعداد مین اضافہ کرنا چاہا، میونسپلٹی کے چیرمین، یوسف شکور پاشا نے ان سے اتفاق کیا اور خود سلطنت سے اسکے متعلق سلسلہ جنبانی کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خود سلطنت نے ۱۳۰۴ عربی کتابین مطبع بولاق کی مطبوعہ کتبخانے کو ہدیتہً دین، یہ پہلا دن تھا کہ کتبخانے مین عربی زبان کی شاخ قائم ہوئی، اسکے بعد یورپین اور عربی کتابون کا اضافہ ہوتا رہا، اور انکی تعداد ۲۳۹۱۶ تک پہنچ گئی جسمین ۱۹۴۳۲ کتابین عربی کی اور ۴۴۸۴ کتابین یورپین زبانون کی ہین، یہ کتبخانہ، کتبخانہ خدیویہ کی طرح ہمیشہ پبلک کیلیے

کہلاتا ہے، اور اسمین بہت سی نادر کتابون کا ذخیرہ موجود ہے[۱]،

کتبخانہ عباسیہ | اس کتبخانے کی بنیاد اس طرح قائم ہوئی کہ اسیان اسکندریہ مین حاج علی نشا کے پاس بہت سی کتابین تہین، جنکو انھون نے فروخت کرنا چاہا، لیکن شیخ عبدالفتاح نے انکو مشورہ دیا کہ وہ انکو وقف کر کے سید ابی العباس مرسی کی یادگار مین ایک کتبخانہ قائم کردین، انھون نے اس رائے سے اتفاق کیا، اور شیخ عبدالفتاح اور محمد آفندی توفیق نے بھی بہت سی کتابین دین، جنکو مسجد ابی العباس مرسی مین کتبخانے کی شکل مین جمع کیا گیا، اسکے بعد جب علمائے اسکندریہ نے اپنا اجتماعی نظام قائم کیا تو اس کتبخانہ کو اپنے ہاتھ مین لیلیا، اور اسکو بہت کچھ وسعت دی، اور بہت سے لوگون نے اس کتبخانہ کی اعانت کی، اب اسمین مختلف علوم وفنون کی ۵۰۵۰ کتابین ہین،

قصبات اور دیہات کے کتبخانے | اسکندریہ اور مصر کے قصبات اور دیہات کی مساجد مین اگرچہ بہت سے کتبخانے قائم ہین، لیکن ان مین صرف طنطا کا کتبخانہ احمدیہ قابل ذکر ہے، اس کتبخانے کو شیخ ابراہیم الظواہری شیخ جامع احمدی نے ۱۸۹۶ مین قائم کیا، اور اسکا ایک خاص مہتمم مقرر کیا، اس کتبخانہ مین چھ ہزار جلدین ہین، جنمین ۱۴۰۰ قلمی ہین، اور بعض نادر کتابین بھی ہین،

کتبخانہ خلیل آغا | یہ کتبخانہ درحقیقت کتبخانہ احمدیہ کا ضمیمہ ہے، جسکو خلیل آغا نے وقف کیا ہے، اسمین ۴۰۰۰ کتابین ہین اور اکثر قلمی ہین،

مصر کے پرائیوٹ کتبخانے | تمدن اسلام کے عہد عروج مین مصر مین پرائیوٹ کتبخانے بہ کثرت تھے کیونکہ کوئی مصنف ایسا نہ تھا جو اپنی ضروریات کے لئے کتابون کا سرمایہ نہ رکھتا ہو، یہ کتابین جب انکے ہاتھ آتی تہین تو یہ لوگ ان پر اپنا نام بقید تاریخ لکھدیتے تھے، ان کتابون پر نوٹ

---

[۱] اصل مین ان کتابونکی فہرست بھی دی ہے، اور دوسرے کتبخانون کی نوادر کتب کا نام بھی لکھا ہے، لیکن ہم بخوف تطویل انکو چھوڑ دیا ہے۔

اور حاشیے چڑہاتے تھے، اور جب انکا انتقال ہوجاتا تہا تو انکا کتبخانہ یا تو فروخت ہوجاتا تہا یا اُنکے ورثہ مین تقسیم ہوجاتا تہا، اس طرح ایک شخص کا علمی سرمایہ بیسیون آدمیون کے قبضہ مین چلا جاتا تہا، اس قسم کے مشاہیر کی قدیم کتابین جن پر اُنکے ہاتھ کے نوٹ اور حاشیے لکھے ہوئے ہوتے تہے اُنکے احباب سے ایک قیمتی یادگار خیال کیجاتی تہین، اور اتبک بعض پرائیوٹ کتبخانون مین یہ جواہرات موجود ہین،

اس قسم کے چند پرائیوٹ کتبخانے اب صرف قسطنطنیہ مین رہ گئے ہین، ورنہ اور جتنے پرائیوٹ کتبخانے ہین، وہ دورِ جدید کی یادگار ہین،

گذشتہ صدی کے نصف اول مین کتبخانہ خدیویہ کی تاسیس اور مطبوعات جدیدہ کی کثرت اشاعت نے جدید علمی گروہ کی توجہ غیر معمولی طور پر اسطرف مبذول کردی، اسلئے بکثرت پرائیوٹ کتبخانے قائم ہوئے ان مین سے اسوقت ہم اُن کتبخانون کا جو کتابون کی کثرت اور ندرت سے اہمیت خاص رکہتے ہین ذکر کرتے ہین،

خزانہ تیموریہ یہ کتبخانہ احمد بن اسمٰعیل بن محمد کی طرف منسوب ہے، انکے والد نے ایک نہایت عمدہ کتبخانہ قائم کیا تہا جو انکے انتقال کے بعد برباد ہوگیا، لیکن انکے بیٹے نے یہ کمی پوری کردی، اور نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ ۸۶۰۰ کتابین جمع کین، انکو ایک ہال مین مرتب کیا، اور اُنکی ایک مفصل فہرست مرتب کی،

اس کتبخانے مین بہت سی قلمی نادر کتابین ہین، ۲۷ کتابین ایسی ہین جو دسوین صدی ہجری کے پہلے کی لکھی ہوئی ہین، بہت سی کتابین ایسی ہین جن پر مشاہیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرین ہین،

کتبخانہ زکیہ احمد زکی پاشا سکریٹری مجلس وزراء (نظار) مصر کے مشہور علمی آدمی ہین، یہ کتب خانہ انہین کی طرف منسوب ہے، اور اسکو انھون نے نہایت محنت اور جانفشانی سے تیس سال کی

مدت مین جمع کیا ہے، اسمین مختلف علوم و فنون کی پانچ ہزار کتابین ہین، اور اسکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین مستشرقین یورپ کی تصنیفات کا بہت بڑا حصہ موجود ہے مصر، شام یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ عربی کتابین بھی بکثرت موجود ہین، چند نادر قلمی نسخے بھی ہین،

کتبخانہ آصفیہ | یہ کتبخانہ محمد بک آصف بن علی پاشا کی طرف منسوب ہے، اور اسمین ۶۰۰۰ قلمی اور مطبوعہ کتابین ہین، جنمین ۴۰۰۰ عربی اور ۲۰۰۰ فرنچ اور ترکی مین ہین، اس کتبخانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سولھوین صدی سے آج تک مستشرقین یورپ نے عربی زبان کی جو کتابین شایع کی ہین وہ اکثر اس کتبخانے مین موجود ہین، فرنچ اور ترکی مین زیادہ تر کتابین، مصر، دولت عثمانیہ اور مشرق قریب کے سیاسی اور تمدنی حالات کے متعلق ہین،

کتبخانہ جلبار دو بک | یہ کتبخانہ، مصر، شام، اور فلسطین کی تاریخ، جغرافیہ اور سفرنامون کا بہترین مخزن ہے، کتابون کی تعداد ۹۰۰۰ ہے جو اکثر فرنچ مین ہین، اور بعض عربی، انگریزی، اٹالین اور دوسری یورپین زبانون مین ہین، فرانس کی مطبوعہ کتابون کا بھی کافی ذخیرہ ہے، اور مذاہب مشرقیہ کے متعلق بھی بہت سی کتابین ہین،

کتبخانہ احمد بک لمبینی | یہ ایک نہایت عمدہ، مرتب اور منتظم کتبخانہ ہے، ہر شخص اسمین جاکر کتابون کا مطالعہ کرسکتا ہے، اور ہفتہ کے مقررہ دنون مین نقل لے سکتا ہے، کتابون کی تعداد ۸۰،۱۴ ہے جنکا اہم حصہ فقہ، قانون، ادب اور تاریخ کے متعلق ہے،

کتبخانہ علی پاشا رفاعہ | رفاعہ پاشا طہطاوی ایک مشہور شاعر اور ادیب تھے، جنھون نے ایک کتبخانہ قائم کیا تھا جو ایک ہزار مجلدات پر مشتمل تہا، اور ان مین اکثر قلمی کتابین تہین، انکے بیٹے علی پاشا نے اس کتبخانہ مین اور کتابین شامل کین، اسمین مثل السائر کا ایک نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مصر مین انکے علاوہ اور بھی متعدد پرایویٹ کتبخانے ہین جنکی تفصیل معلوم نہین،

قبطیون کے کتبخانے: قبطیون کے جو گرجے مصر کے اطراف مین قائم تھے، اُن مین متعدد کتبخانے تھے، جو قبطی، یونانی، اور سریانی زبان مین، زیادہ تر مذہبی کتابون پر مشتمل تھے، اسکے بعد جب قبطیون نے عربیت اختیار کی تو ان مین عربی کتابون کا بھی اضافہ ہوا، لیکن قرون مظلمہ مین جب مشرق بالکل خواب غفلت مین سرشار ہوگیا تو یہ گرجے بھی خواب فراموش ہو گئے، تمدن جدید کا ابتدائی زمانہ شروع ہوا اور یورپ نے مشرقی آثار کی جستجو کی، تو اس نے سب سے پہلے اپنی کوششون کا جولانگاہ انہین گرجون کو قرار دیا، اور مشرقی زبانون مین جو قلمی کتابین تھین، انکو اڑا لیگئے، اسی طرح مصر مین اور لوگ بھی کتابون کی جستجو مین آئے اور بہت سی قدیم کتابین لیگئے، کیتھولک مذہب کا جو مشن مصر مین اتحاد کلیسائی قائم کرنے کے لئے آیا، وہ اپنے ساتھ بہت سی کتابین لیگیا، جو فاتیکان کے میوزیم مین اب بھی موجود ہین، انگریزی مشنریون نے بھی ایسا ہی کیا، اور دوسرے لوگون نے بھی یہی روش اختیار کی اس طرح جب ان کتابون کا بہت بڑا حصہ یورپ کے کتبخانون مین پہنچگیا تو قبطیون نے آنکھین کھولین اور بچی کھچی کتابون کو جمع کرنا شروع کیا، اس طرح تقریباً ۲۰۰۰ کتابین جمع ہوگئین جو قاہرہ کے دار البطریرکیہ مین محفوظ ہین، ان کتابون مین اکثر قلمی کتابین ہین جو قبطی اور عربی زبان مین مذہب کے متعلق ہین، ان مین بہت سی تاریخی کتابین ہین جو کلیسا اور پادریون کے حالات مین ہین، اسی طرح کیتھولک قبطیون کا ایک کتبخانہ ہے جسمین اکثر مذہبی کتابین لیٹن، یونانی اور قبطی زبانون مین ہین، اسمین توراۃ کا ایک نہایت قدیم نسخہ ہے جو مختلف زبانون مین ہے،

کتبخانۂ دیر طور سینا: گرجون کے کتبخانون مین ایک قدیم کتبخانہ دیر طور سینا ہے، جسمین مختلف زبانون مین عیسائیون کی مذہبی کتابین محفوظ ہین، کتابون کی تعداد ۳۵۰۰ ہے، جنمین ۷۰۰ عربی زبان مین ہین اکثر قدیم قلمی نسخے ہین، اسمین انجیل کا ایک نہایت قدیم ٹکڑا ہے جو عیسائیت کے ابتدائی زمانہ مین سریانی زبان مین لکھا گیا ہے،

اس کتبخانے مین عربی کی قلمی کتابین قابلِ ذکر نہین، لیکن لیڈی بوکس نے حال مین قرآن مجید کی چند آیتون کا انکشاف کیا ہے جو پرانے چمڑون پر لکھی ہوئی ہین، اسمین عربی کی آیتون کو مٹا کر اُسکے اوپر سریانی کی تحریر ہے، لیڈی موصوفہ کا یہ خیال ہے کہ یہ آیتین حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کے زمانہ سے پہلے کی لکھی ہوئی ہین، لیکن اسکا ثبوت مشکل ہے،

شام کے کتبخانے | اسلام کے قبل اور اسلام کے بعد شام کتبخانون کا بہت بڑا مرکز تھا، شام کا کوئی شہر رومی سلطنت کے زمانہ مین مدارس سے خالی نہ تھا، اور ان مدارس مین لازمی طور پر کتبخانے ہوتے تھے، قرون وسطی مین گرجے کتب خانون اور مدرسون کا مرکز قرار پائے، اسلام کا دور آیا تو امرار سلاطین، وزرار، اور اعیان سلطنت کے محلون مین بکثرت کتبخانے قائم کیے گئے، اسکے بعد مصر کی طرح شام پر بھی جہالت کی گھٹا چھاگئی، اوران قیمتی یادگارون کا بچا کھچا ذخیرہ صرف چند گرجون، مسجدون اور مدرسون مین رہ گیا، اہل علم نے جدید دور مین اُنکے تحفظ مین اہتمام بلیغ کیا، اوراب شام کے مختلف شہرون مین جو کتبخانے موجود ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

دمشق کے کتبخانے | تمدن اسلام کے دورِ ترقی مین دمشق مین بکثرت مدارس و مساجد تھین، وران مین کوئی مسجد اور کوئی مدرسہ کتبخانے سے خالی نہ تھا، لیکن دور تنزلہ مین یہ تمام کتبخانے برباد ہوگئے، اور اسوقت ان قدیم کتبخانون مین صرف جامع اموی کا کتبخانہ موجود ہے، اس کتبخانہ کا ایک حصہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس، اور کچھ حصہ قبۃ المال مین تھا، لیکن ۱۸۹۳ء مین جب جامع مسجد مین آگ لگی تو یہ حصہ جل گیا، صرف وہ حصہ جو قبۃ المال مین تھا بچ گیا، یہ کتبخانہ اب بالکل مقفل رہتا ہے ایک انگریزی سیاح راجرس نامی کو گذشتہ صدی کے وسط مین اُسکے دیکھنے کی اجازت ملی تھی اور غالباً اس نے بعض کتابین بھی نقل کی تھین، سب سے اخیر مین ایک مدت تک برن فان سوڈن پروفیسر برلن یونیورسٹی کو اُسکے دیکھنے کا موقع ملا، پروفیسر موصوف انجیل کے ایک قدیم نسخہ کی

جو یونانی زبان مین تھا، جستجو کرتا تھا، اس غرض سے وہ اس صدی کے اخیر مین دمشق پہنچا، اور اسکو خیال ہوا کہ اسی کتب خانہ مین رومن سلطنت کی بقیۃ یادگار دن مین یہ نسخہ دستیاب مل سکیگا، اس خیال سے اس نے جرمن گورنمنٹ کے ذریعہ سے اجازت حاصل کرنا چاہی اور صدی کے اخیر مین سلطنت عثمانیہ کی اجازت سے اعیان کی ایک جماعت کے سامنے یہ کتبخانہ کھولا گیا اور پروفیسر موصوف نے بہت مختلف باتون کی نہایت قدیم مذہبی کتابین دیکھین،

اسی طرح تمام مساجد، مدارس اور گرجون مین بہت سے کتبخانے تھے جو اخیر صدی مین برباد ہوگئے، اور گذشتہ صدی تک بہت کم کتبخانے باقی رہ گئے، بعض عہدہ داران سلطنت نے صدی کے وسط مین ان متفرق کتبخانون کو ایک کتبخانہ کی صورت مین جمع کرنا چاہا، لیکن یہ تمام لڑیان ایک موتی مین پرونی نہ جا سکین، صرف مدحت پاشا ابی الاصلاح نے ۱۲۹۵ھ مین اپنے صوبے کے تمام کتبخانون کو جنکی تعداد دس تھی ایک جگہ جمع کیا، چنانچہ جب وہ ۱۲۹۵ھ مین شام آئے تو علمائے دمشق کی ایک انجمن قائم کی جسکا مقصد مدارس کا قائم کرنا اور علوم و فنون کو ترقی دینا تھا، اسی سلسلہ مین انھون نے ان پراگندہ کتبخانون کے جمع کرنیکا کام اس انجمن کے متعلق کیا، اور اسکے لیے مقام ظاہریہ کو جو ملک الظاہر کی طرف منسوب ہے منتخب کیا، اور ان دس کتبخانون مین جو کتابین تھین انکو ایک جگہ ترتیب دیا، اور انہین کتبخانون کی کتابون سے کتبخانہ ظاہریہ کی بنیاد پڑی،

اس کتبخانے مین قلمی اور مطبوع ۲۶۶۵ کتابین ہین جنمین زیادہ تر فقہ، حدیث، اور علوم اسلامیہ کی ۲۰۰۰ کتابین لغت کی، ۳۲۰ تاریخ اور جغرافیہ کی، ۳۵۰ ادب کی ہین، چند نادر قلمی کتابین بھی ہین،

عیسائیون کے کتبخانے دمشق مین غیر مسلم لوگون کے بہت سے گرجے، کلیسا، اور مدارس ہین جنکے ساتھ لازمی طور پر ایک کتبخانہ بھی ہے، لیکن ۱۸۶۰ء کے واقعات نے انکا بہت بڑا حصہ برباد کر دیا ہے اسلئے

اب ان میں اہم کتابیں نہیں ہیں، کلدان کے کلیسا میں مطران یوسف داؤد سریانی کا ایک کتبخانہ ہے جسمیں مختلف زبانوں کی مطبوعہ کتابیں ہیں، صاحب کتبخانہ کی زندگی میں یہ کتبخانہ بہت سی کتابوں پر مشتمل تھا، لیکن انھوں نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں انکو بعض مدارس، بعض گرجوں، اور بعض احباب کی نذر کردیا،

ضواحی دمشق کے کتبخانے! شہر کے آس پاس جو مقامات ہوتے ہیں، عربی میں انکو ضواحی کہتے ہیں، دمشق میں اس قسم کے جو مقامات ہیں، ان میں صیدنایا، معلولا، اور بیبرود میں تک قدیم کتبخانے موجود ہیں، صیدنایا میں ایک قدیم گرجا ہے، جو حوادثات زمانہ کا آماجگاہ رہ چکا ہے، اسمیں مذہبی کتابوں کا ایک کتبخانہ ہے، جو مختلف اسباب سے بہت کچھ ضایع ہو چکا ہے،

معلولا کے کتبخانہ میں عربی اور سریانی زبان کی بہت سی قلمی کتابیں تھیں، جنمیں اب بہت کم باقی رہ گئی ہیں،

بیبرود میں ایک پادری کا ایک کتبخانہ تھا جو تمامتر مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا، اب اس کتبخانہ میں جو کتابیں رہ گئی ہیں، وہ چنداں قابل وقعت نہیں، بہت سی کتابیں خود بانی کتبخانہ کی تصنیف ہیں اور بہت سی کتابیں رومن کیتھولک فرقہ کی تاریخ، اور اس مذہب کے مشاہیر کے تراجم و حالات میں ہیں،

حلب کے کتبخانے! شام کے شہروں میں حلب سب سے زیادہ متمدن شہر ہے، قدیم زمانہ میں بہت سے علماء و ادبار اسکی خاک سے اٹھے تھے، اور سیف الدولہ وغیرہ کی قدردانیوں نے اسکو علم و فن کا مرکز بنادیا تھا، یہاں کے سلاطین و علماء نے بہت سے کتبخانے قائم کئے تھے جو بعد میں مختلف اسباب سے ضایع ہوگئے، لیکن یہاں کے اکثر کتبخانے فتنۂ تاتار کے پرآشوب زمانہ میں برباد ہوئے، جامع اموی کے سب سے بڑے کتبخانہ کو جو ۰۰۰ھ کتابوں پر مشتمل تھا، ایک ترک فاتح نے برباد کیا، تیمور لنگ نے اسکا رہا سہا نام و نشان بھی مٹادیا، اتنی مدت کے بعد ۱۳۰۰ھ میں محمود سیاف نے اسکی از سر نو

تجدید کی ہے، اور اسمین اکثر عمدہ مطبوعہ کتابین جمع کی ہین،

اس مسجد کے متفرق حصہ مین علوم ریاضیہ کا ایک آرنہا جسکو شجرۃ الافادہ کہتے تھے، سن ۱۰۰۷
ہجری مین مدرّس الشیخ عز الدین حلبی الحنفی نے ایک درخت کی شکل بنا کر اپنے ہاتھ سے
بنایا تھا، جسکے ہر پتے مین علوم ریاضیہ مین سے ایک ایک علم کے اصول مندرج تھے، اسکے ذریعہ
دور دراز شہرون کے طلباء علوم ریاضیہ کے سیکھنے کے لئے آتے تھے،

علمی خاندانون کے برباد شدہ کتبخانون مین کتبخانۂ بنو شحنہ، کتبخانۂ بنو عدیم، اور کتبخانۂ بنو خشاب کا
نام خاص طور پر افسوس کے ساتھ لیا جا سکتا ہے، بڑے بڑے مدارس، مثلاً مدرسہ سلطانیہ،
مدرسہ منصوریہ، مدرسہ شرفیہ، اور مدرسہ رواجیہ وغیرہ مع اپنے کتبخانون کے تیمور لنگ کے
ہاتھون برباد ہوے، اور انکی کتابین نہایت ارزان قیمت پر فروخت کر دی گئین، سر دست حلب
مین جو کتبخانے باقی رہ گئے ہین انکی دو قسمین ہین،

(۱) کتبخانہاے اسلامیہ، (۲) اور کتبخانہاے نصرانیہ،

اسلامی کتبخانے صرف دو ہین، ایک کا نام کتبخانہ مدرسہ احمدیہ ہے، پہلے اسمین ۷۶۹ ۲
کتابین تھین، اور اب یہ تعداد ۳۰۰۰ تک پہنچگئی ہے، کتابین لغت، تاریخ، ادب، فقہ، طب،
اور ریاضی وغیرہ کی ہین،

یہ کتبخانہ بالکل پبلک ہے، ہفتے مین دو روز کے لئے کھلتا ہے،

کتبخانہ مدرسہ رضائیہ یہ دوسرا اسلامی کتبخانہ ہے جو کتبخانہ عثمانیہ کے نام سے مشہور ہے، اس مین
مختلف علوم و فنون کی ۵۰۰۰ کتابین ہین، اور بعض نادر ہین، ہفتہ مین صرف ایک دن کھلتا ہے
اور ہر شخص آسانی کے ساتھ کتابون کا مطالعہ کر سکتا ہے، انکے علاوہ اور بھی متعدد کتبخانے، مثلاً
کتبخانہ تکیہ مولویہ، کتبخانہ بنی بایزید، کتبخانہ بنی یاسیری اور کتبخانہ آل مدرس ہین،

توراۃ اور شریعت حمورابی

ایک الزامی جواب

از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

حکمت و فلسفہ کی درسگاہون سے علوم و معارف کی جو صدائین بلند ہوا کرتی ہین، ان مین سب سے زیادہ خطرناک وہ سہ حرفی لفظ ہے جسکو علماے منطق "حصر" کے نام سے تعبیر کیا کرتے ہین، لیکن چونکہ یورپ نے علوم و فنون مین سب سے زیادہ ترقی حاصل کر لی ہے، اسلئے وہان ہمارے حصر سے زیادہ خطرناک "حصر" ایجاد کیا گیا ہے، جو موقع بموقع نہایت ہوشیاری اور متانت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے،

قرآن مجید کی بحث و تنقید کے وقت اہل یورپ کے زبان و قلم سے ایک نہایت بلیغ اور ڈھلا ہوا فقرہ نکلتا ہے، اور وہ یہ کہ قرآن مین جو کچھ ہے اگر وہ کتب قدیمہ کے مطابق ہے تو سرتاسر سرقہ اور چوری ہے اور اگر مخالف ہے تو بجز میتھالوجی (افسانہ) کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ جملہ جس معصومانہ انداز سے لوگون کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اسکا یہ اثر ہوتا ہے کہ کام و دہن سے گذر کر قلب و دماغ تک اُتر جاتا ہے،

ایک عیسائی مصنف نے فارسی مین ینابیع الاسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جسمین عجیب مضحکہ انگیز طریقہ سے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے کہ قرآن، یہود و نصاریٰ، اور مجوس و ہنود اور صابئین کی کتابون سے ماخوذ ہے، عیسائیون مین اس کتاب کی یہ عزت کیگئی کہ سر ولیم میور جیسی شخصیت کے آدمی نے اسکا انگریزی مین ترجمہ کیا، اور پنجاب مشنری نے اُسکو اُردو قالب مین ڈھالا، اس کتاب کے متعدد جوابات مسلمانون کی طرف سے ہندوستان مین لکھے گئے ہین لیکن اسکا بہترین جواب ایک مصری مسلمان نے لکھا ہے جسمین اُس نے ثابت کیا ہے کہ عیسائیت اور اُسکی انجیل مصر و یونان کے بت پرستون اور بودھ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے، اسطرح ہم دیکھتے ہین کہ

شریعت موسوی مین پانچ کتابین داخل ہین جنمین چار قسم کے قوانین درج ہین،

(۱) سفر خروج باب ۲۰ - ۲۳، اسکا نام لوگون نے "کتاب العہد" رکہا ہے -

(۲) سفر احبار باب ۱۷ - ۲۶ اسکا نام قانونِ طہارت ہے -

(۳) سفر تثنیہ،

(۴) شریعت موسوی کا خلاصہ، اور اسکا نام "قانون کہانت" ہے -

ان چارون قوانین مین "قانون کہانت" سب سے اہم ہے، کیونکہ اسمین تقریباً پانچون کتابون کی باتین آگئی ہین، لیکن اُسکی تاریخ تحریر "عزرا کاہن" سے آگے نہین بڑھتی، جو حضرت مسیح سے صرف ۵۰۰ برس قبل گذرا ہے قانون طہارت گو مستقل ایک شریعت ہے تاہم وہ کتاب العدد اور کتاب العہد سے بہت ملتا جلتا ہے، اور بعض قرائن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُسکو حزقیال نبی نے لکھا تہا "سفر عدد" قانون کی کتاب ہے لیکن اسمین تمام کتابون کے احکام آگئے ہین، اب صرف "کتاب العہد" باقی رہجاتی ہے، جو ان سب سے مقدم ہے، اور سفر خروج باب ۲۰ آیت ۲۲ اور باب ۲۳ آیت ۳۳ مین جسکے قوانین اور احکام درج ہین اُنکے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت حمورابی اور شریعت موسوی مین کسقدر مشابہت پائی جاتی ہے، اسکی تفصیل ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے -

سفر خروج	شریعت حمورابی
جو کوئی کسی مرد کو مارے اور وہ مرجاے تو وہ البتہ قتل کیا جائے، اور اگر اس شخص نے قتل کا قصد نہین کیا اور خدا نے اُسکے ہاتھ مین اُسے گرفتار کر وادیا تو مین تیرے لیے ایک جگہ ٹہراؤنگا کہ جسمین وہ بہاگے -	جب دو آدمی لڑین اور کوئی ایک دوسرے کو زخمی کردے تو مارنے والیکو قسم کہانا چاہیئے کہ اُس نے اُسکے زخمی کرنیکا قصد نہین کیا تہا، اور وہ اسکا علاج طبیب سے کرائے، اور اگر زخمی مرجائے تو بھی اُسکو قسم کہانا چاہیئے، اب اگر وہ آزاد ہے تو نصف مین چاندی ادا کرے -
(باب ۲۱ آیت ۱۲ و ۱۳)	(دفعہ ۲۰۶ و ۲۰۷)

اور جو اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے البتہ مار ڈالا جائے (آیت ۱۵)	جو لڑکا اپنے باپ کو مارے اُسکے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ (دفعہ ۱۹۵)
اور وہ جو آدمی کو چرا لیجائے اور اُسے بیچ ڈالے یا وہ اُسکے پاس سے پکڑا جائے تو وہ البتہ مار ڈالا جائیگا (آیت ۱۶)	جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے بیٹے کو چرا لے تو چور کو ذبح کر دیا جائیگا۔ (دفعہ ۱۴)
اور وہ جو اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے۔ البتہ مار ڈالا جائے۔ (آیت ۱۷)	جب صاحب قصر کا بیٹا (بادشاہ زادہ) یا زاہد کا بیٹا اپنے دودھ پلانے والے یا دودھ پلانے والی سے کہے کہ تو میرا باپ یا میری ماں نہیں تو اسکی زبان کاٹ دیجائے۔ (دفعہ ۱۹۲)
اور اگر دو شخص جھگڑیں اور ایک دوسرے کو پتھر یا مکا مارے اور وہ نہ مرے پر بستری (صاحب فراش) ہو جائے تو اگر وہ اُٹھ کھڑا ہو اور لاٹھی ٹیکے راہ چلے تو وہ جس نے مارا بے الزام ہے اور فقط اُسکے کاروبار کا جو نقصان ہوا ہو سو بھر دے اور اُسے بالکل چنگا کروائے، (آیت ۱۸ و ۱۹)	جب دو آدمی جھگڑیں اور دونوں میں سے ایک دوسرے کو زخمی کردے تو مارنے والا قسم کھائے کہ اُس نے زخمی کرنیکا ارادہ نہیں کیا تھا اور اُسکا طبیب سے علاج کرائے۔ (دفعہ ۲۰۶)
اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتی ہوئی مر جائے تو اُسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جئے تو اُسے سزا نہ دیجائے اسلئے کہ وہ اُسکا مال ہے۔ (آیت ۲۰ و ۲۱)	وہ اگر غلام ہو تو اسکا مالک دو شاقل چاندی ادا کرے۔ (دفعہ ۲۱۷)
اگر لوگ جھگڑیں اور کسی پیٹ والی کو دُکھ پہنچائیں ایسا کہ اُسکا پیٹ گر جائے پر وہ خود ہلاک نہ ہو تو اُسے جسطرح کی سزا	اگر کوئی کسی آزاد شخص کی بیٹی کو مارے اور اُسکا حمل ساقط ہو جائے تو وہ اسکا معاوضہ ۱۰ شاقل چاندی ادا کرے

سکا شوہر تجویز کرے دیجائے، اور وہ قاضیون کی تجویز کے موافق گنہگار ری دے، اور اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤن کے بدلے پاؤن جلانے کے بدلے جلانا زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ - (آیت ۲۲ تا ۲۵)

اور اگر مر جائے تو اس شخص کی بیٹی قتل کیجائے، اور اگر عورت موالی[1] مین سے ہو تو مارنے والا پانچ شاقل دے، اور اگر وہ مر جائے تو نصف من چاندی ادا کرے، اور اگر عورت لونڈی ہو اور اسکا پیٹ گر جائے تو مارنے والا دو شاقل چاندی دے اور اگر مر جائے تو ایک من کی تہائی چاندی ادا کرے اور جب کوئی شخص اپنے برابر درجہ کے شخص کا دانت اکھیڑے تو اسکا دانت بھی اکھیڑ لیا جائے -

(۲۰۰، ۲۰۹ تا ۲۱۴)

اور اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کی آنکھ مین مارے اور اسکی آنکھ پھوٹ جائے تو اسکی آنکھ کے بدلے اسے آزاد کردے، اور اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کا دانت توڑے تو اسکے دانت کے بدلے مین اسے آزاد کردے۔

(آیت ۲۶ و ۲۷)

اگر کوئی شخص کسی غلام کی آنکھ پھوڑ دے یا اسکی ہڈی توڑ ڈالے تو اسکی نصف قیمت ادا کرے -

(دفعہ ۱۹۹)

اگر بیل مرد یا عورت کو سینگ مارے ایسا کہ وہ ہلاک ہو تو وہ بیل پتھرون سے مارا جائے اور اسکا گوشت کھایا نہ جائے اور بیل کا مالک بیگناہ ہے (آیت ۲۸)

پر اگر وہ بیل آگے (پہلے) سے سینگ مارنے کی لت رکھتا تھا اور اسکے مالک کو خبر دیگئی اور اسنے اسے باندھ کہا

جب کوئی بے عقل (دیوانہ) بیل کسی آدمی کو سینگ مار کر قتل کر ڈالے تو یہ ایسا واقعہ ہوگا کہ اسکی کوئی سزا نہین -

(دفعہ ۲۵۰)

اور اگر بیل کا مالک جانتا تھا کہ میرا بیل سینگ مارتا ہے اور پھر بھی اس نے اسکے سینگ نہین توڑے اور نہ اسکو

---

[1] آزاد اور غلامون کے بین بین ایک طبقہ کا نام ہے -

اور اس نے مرد یا عورت کو ہلاک کیا، تو بیل پتھراؤ کیا جائے اور اسکا مالک بھی مارا جائے، اور اگر اس سے خونبہا مانگا جائے تو اپنی جان چھڑانے کے لئے جتنا اسکے سر ٹھہرا جائے سو پورا دے، خواہ اس نے بیٹا مارا ہو خواہ بیٹی اس حکم کے موافق اسکے ساتھ عمل کیا جائے، اگر بیل کسی کے غلام یا لونڈی کو سینگ مارے تو وہ اسکے مالک کو مثقال کے وزن کے ۳۰ روپئے دے اور بیل پتھراؤ سے مارا جائے۔ (آیت ۲۹ تا ۳۲)	باندھا، تو اگر وہ کسی آزاد آدمی کے سینگ مارے اور وہ مرجائے تو یہ نصف من چاندی ادا کرے، اور اگر مقتول غلام ہو تو یہ من کا تہائی حصہ دے۔ (دفعہ ۲۵۱، ۲۵۲)
اور اگر کوئی بیل یا بھیڑ چرائے اور اسے ذبح کرے یا بیچے تو وہ ایک بیل کے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کی چار بھیڑیں دے۔ (باب ۲۲ آیت ۱)	جب ... انسان یا بیل یا ... (اس پر) پتھر پڑ گیا ہو۔ جب کوئی شخص بیل یا بکری یا گدھا یا سور یا خداؤن یا محل کی کشتی کو چرالے تو اسکا ۳۰ گنا معاوضہ ادا کرے اور اگر وہ موالی میں سے ہے تو ۱۰ گنا دے اور اگر ادا نہ کر سکے تو قتل کیا جائے۔ (دفعہ ۸، ۲۶۲)
اگر چور سیندھ مارتے ہوے دیکھا جائے اور کوئی اسے مار بیٹھے اور وہ مرجائے تو اسکے لئے خون نہ کیا جائے، اگر یہ دن کو ہو تو اسکے لئے خون کیا جائیگا، چاہیئے کہ وہ پورا بدلا دے، اگر وہ کنگال ہو تو چوری کے لئے بیچا جائے۔ (آیت ۲ و ۳)	جب کوئی کسی کے گھر میں نقب لگائے تو اسکے نقب کے پاس قتل کرکے وہیں گاڑ دینا چاہیئے۔ (دفعہ ۲۱)
اگر کوئی کھیت یا تاکستان کھلائے (کھلوائے) اور	اگر کوئی اپنی بکریاں کسی کے زمین میں چرائے اور اسکے

اپنے چارپائے اسمین چھوڑے اور دوسرے کے میدان مین چرائے تو اپنا اچھے اچھا کھیت اور بہتر سے بہتر انگوری باغ اسکے بدلے دے،

(آیت ۵)

اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو نقد یا جنس رکھنے کو سونپے، اور اس شخص کے گھر سے چوری جائے تو جب وہ چور ہاتھ لگے تو دونا بھر دے۔

(آیت ۷)

اگر چور پکڑا نہ جاے تو اس گھر کا مالک قاضیون کے آگے لایا جاے تاکہ معلوم ہو کہ اُس نے اپنے ہمسایہ کے مال پر ہاتھ بڑہایا کہ نہین؟

(آیت ۸)

سب قسم کی خیانت مین خواہ بیل کی خواہ گدہے یا بھیڑ یا کپڑے کی یا کسی چیز کی جو گم ہوئی ہو جسکا کوئی دعوی کرتا ہے کہ میرا ہے دونون طرف والون کا جھگڑا قاضیون کے حضور لایا جاے اور قاضی جسے مجرم کہے وہ اپنے ہمسایہ کو دونا دے،

(آیت ۹)

مالک کو اطلاع نہ کی ہو تو کھیت کاٹ دیا جائے اور چرانے والے سے ۲۰ جور (ایک پیمانہ کا نام ہے) فی اجانات (ایک مساحت کا نام ہے) وصول کیا جائے، (دفعہ ۵۷)

اگر کوئی اپنا اسباب کسی دوسرے گھر مین رکھلے اور وہ کچھ یا سب چوری یا اور کسی طریقہ سے گم ہوجائے تو گھر والیکو گم شدہ مال ادا کرنا اور چورون سے چوری شدہ کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ (دفعہ ۱۲۵)

جب کوئی شخص اپنے گیہون دوسرے شخص کے کھلیان مین رکھدے اور وہان سے ضایع یا گم ہوجائین تو یہ قاضی کے روبرو اپنے گیہون طلب کریگا اور کھلیان والا اُسکو ادا کریگا۔ (دفعہ ۱۲۰)

اگر کسی نے کوئی چیز ضایع کردی پھر اسکو دوسرے کے پاس پایا اور وہ اقرار کرتا ہے کہ اُس نے چند بوڑہون کی موجودگی مین اُسکو خریدا ہے، اور مالک کہتا ہے کہ مین اپنی ملکیت کے ثبوت مین گواہ پیش کرسکتا ہون، تو خریدار کے ذمہ ضروری ہے کہ بائع ان بوڑہون کو جو بیع کے وقت موجود تھے (عدالت مین) حاضر کرے، اور مالک کو بھی اسوقت موجود رہنا چاہیئے، تاکہ قاضی سب کی دلیلون پر غور کرسکے، اگر بوڑہے اور گواہ قاضی کے سامنے دونون کو سچا کہین تو بائع چور سمجھا جائیگا

اگر کوئی اپنے ہمسایہ پاس گدہا یا بیل یا بھیڑ یا کوئی چارپایہ امانت رکہے اور وہ مرجائے یا چوٹ کہائے یا بغیر کسی کے دیکھے ہانک دیا جائے تو ان دونون کے درمیان خداوند کی قسم سے فیصلہ کیا جائے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کے مال پر اپنا ہاتھ نہین بڑہایا اور مال کا مالک قبول کرے تب وہ اسکو ٹوٹا نہ دے، (آیت ۱۰ و ۱۱)

اور اگر وہ اسکے پاس سے چوری جائے تو وہ اسکے مالک کو ٹوٹا دے۔ (آیت ۱۲)

اور اگر اسکو کسی درندے نے پہاڑ ڈالا تو وہ اسکو گواہی کے واسطے لائے اور پہاڑے ہوے کا ٹوٹا نہ دے،

(آیت ۱۳)

اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ سے کچھ عاریت لے اور وہ زخمی ہو یا مرجائے اگر مالک اسکے ساتھ نہ تہا تو وہ اسکا بدلا دے، (آیت ۱۴)

اور قتل کیا جائیگا اور مالک کو اسکی چیز دیدیجائیگی، اور خریدار کو بائع کے گھر والون سے اسکے دام دلوائے جائینگے اور اگر خریدار بوہ بون کو نہ لاسکا تو قاضی اسکو ۶ ماہ کی مہلت دیگا اگر اب بھی گواہ نہ مل سکے تو اسکی خیانت سمجھی جائیگی اور سزا اسپر عود کریگی، (دفعہ ۹ تا ۱۳)

اگر گلہ خداؤن کی مار سے تباہ ہوجائے یا اس پر شیر حملہ کرے تو چرواہا قاضی کے سامنے قسم کہا کر بری ہوجائیگا۔

(دفعہ ۲۶۶)

جب کسی سے بیل یا بکری کا بچہ گم ہوجائے تو اسکو اتنا بڑا دینا چاہیئے جتنا کہ وہ تہا، (دفعہ ۲۶۳)

اگر کسی نے بیل یا گدہا کرایہ پر لیا اور اسکو شیر نے جنگل مین پہاڑ ڈالا تو اسکا اس سے مطالبہ نہ کیا جائے۔

(دفعہ ۲۴۴)

اگر وہ مستاجر کے مارنے یا چھوڑ دینے سے مرجائے تو اسکو اس چیز کی قیمت دینا ہوگی اور اگر سینگ توڑا یا دامن کاٹ لیا یا آستین ضایع کردی تو چوتہائی قیمت ادا کرے۔ (دفعہ ۲۴۴-۲۴۸)

اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اسکی منگیتر نہین دم دیکے اس سے مباشرت کرے وہ البتہ اسے مہر دیکے اس سے نکاح کرے، اگر اسکا باپ ہرگز راضی نہو کہ اُسے اُسکو دے تو وہ کنواریون کے مہر کے موافق اُسے نقد دے (آیت ۱۶ و ۱۷)	اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کے سینہ پر ظلم کر کے لیٹا جو ہمیشہ اپنے باپ کے گھر رہی ہو تو وہ قتل کیا جائے اور عورت بری کیجائے۔ (دفعہ ۱۳۰)

ان چند عبارتون کے علاوہ شریعت حمورابی اور کتاب العہد مین اور بھی مختلف حیثیتون سے مشابہت پائی جاتی ہے جو اجمالی طور پر درج ذیل ہے،

(۱) کتاب العہد کے ابتدا مین "یہوی" کی عبادت کا طریقہ بتایا گیا ہے، پھر چند شرعی احکام ہین اور اخیر مین وعظ و پند پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ حمورابی کی شریعت مین پہلے حمورابی کی عظمت و جلالت کا تذکرہ ہے پھر قوانین ہین، اور سب آخر اپنے جانشین کو چند نصیحتین کی ہین،

(۲) فیصلہ کا طریقہ دونون شریعتون مین تقریباً یکسان ہے۔

(۳) توراۃ کے بعض مقامات مین "بت پرستی" کی جھلک نظر آتی تھی، اور چونکہ یہود کو توحید کا نہایت شدومد سے دعویٰ ہے، اسلئے وہ ان مقامات کی تفسیر مین سخت کوشان تھے، بابل کے ان قوانین کا انکشاف ہوا تو یہودیون کو ان مقامات کی تشریح مین کافی مدد ملی، مثلاً سفر خروج (۲۱ - ۶ و ۲۲ - ۸ و ۹) مین ہے کہ چور یا اور لوگ "معبود" یا معبودون کے سامنے لائے جائین، چونکہ معبودون کا لفظ تعلیم یہودیت کے خلاف تھا اسلئے علماء اُسکے معنی "قاضی" بیان کیا کرتے تھے، حمورابی کی شریعت نے اس راز کو اسطرح فاش کیا کہ "معبودون" سے مراد ہیکل ہوتا ہے جہان لوگ فصل مقدمات کے لئے جایا کرتے تھے۔

(۴) یہود کی اصل زبان عبرانی ہے، لیکن وہ لکھنے پڑھنے مین حضرت موسیٰ کے کئی صدیون کے بعد مستعمل ہوئی اسوقت تک یہود صرف بابلی زبان مین خط و کتابت کرتے تھے جو اس زمانہ کی نہایت وسیع اور عالمگیر زبان تھی

پھر کیا تعجب ہے کہ علمائے یہود نے بابلی زبان جاننے کی وجہ سے شریعت حمورابی سے جو عرصہ تک دور دراز ممالک مین رائج تھی واقفیت پیدا کی ہو، اور چونکہ وہ اُنکے حالات اور طبیعت کے بہت موافق تھی اسلئے کیسقدر ردوبدل کے ساتھ اسکو اپنی مذہبی کتاب بناکر توراۃ نام رکھدیا ہو،

(۵) سب سے اخیر یہ کہ ارتقاء یورپ کا نہایت مسلم الثبوت مسئلہ ہے، پھر یہ کیونکر فرض کیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت دفعتہً نہایت مکمل صورت مین ہمارے سامنے آگئی ہو، اور اُس نے ترقی کی درمیانی منزلین سطے نہ کرلی ہون۔

بہرحال ان دلائل کی بناپر کیا ہمارے عیسائی دوست یہ ماننے کو تیار ہین کہ حضرت موسیٰ کی شریعت حمورابی بادشاہ بابل کی شریعت سے ماخوذ تھی؟[1]

---
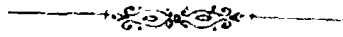
[1] یہ بحث حجت الزامی کے طور پر ہے ورنہ مذہبی حیثیت سے ہمارا وہی عقیدہ ہے جو عام مسلمانون کا ہے یعنی یہ کہ توراۃ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے،

حکیم مہدی

(۲)

از پروفیسر ایس بی اسمتھ کیننگ کالج لکھنؤ

اس درمیان مین اودھ برابر معتمد الدولہ آغا میر کے زیر نگین رہا، شروع شروع اسکے خلاف کچھ سازشین ہوئین، اور چند روز کے لئے اسے قیدخانہ جانا پڑا، لیکن بادشاہ بیگم کی سفارش سے بہت جلد رہائی ہوگئی، اور دوبارہ جب عروج حاصل ہوا تو آخر تک قائم رہا، جسکے لئے اُس نے خاص تدبیرین کین کہ ایک تو غازی الدین کو خوب منشیات و مخدرات پر لگا دیا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے کہان تو ہر ہفتہ دوبار رزیڈنٹ سے ملاقات ہوتی تھی، اور کہان اب دوسرے تیسرے مہینہ اسکی نوبت آنے لگی، دوسرے یہ کہ اُس نے بادشاہ اور اسکے فرزند کے درمیان نفاق ڈلوادیا، گو جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ولیعہد کو اس سے عداوت ہوگئی اور جو شاید کسی قدر مبالغہ کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ "آغا میر علاوہ ۲۵ ہزار ماہانہ تنخواہ کے خود اپنے اقبال کے بموجب ۲۳ لاکھ سالانہ کی رقم رعایا سے وصول کرتا تھا، اور سرکاری حسابات کے مطابق ۲۳ لاکھ، اور سرکاری خزانہ سے اس نے جو جواہرات و زرِ نقد ہضم کیا، اسکا شمار ہی نہین، پھر میرے عہد حکومت مین اُس نے خزانہ کو جس طرح لوٹا وہ سب پر روشن ہے۔ آغا میر حکومت انگریزی کی ہر تجویز اصلاح کی مخالفت کرتا رہا۔ بایں ہمہ اسکا انتظام اسقدر معقول تھا کہ اُسکے زمانہ مین دارالسلطنت اور اسکے مضافات ویسے ہی محفوظ و مصون رہے، جیسے ہندوستان کا کوئی اور شہر ہو سکتا تھا۔"

غازی الدین حیدر کی وفات پر آغا میر نے استعفا دیدیا، لیکن بادشاہ سے ظاہری ملاپ ہوجانے اور رزیڈنٹ سے اپنی حفاظت کا اقرار کرا لینے کے بعد پھر اُس نے منصب وزارت پر قدم رکھا، تاآنکہ

دسمبر ۱۸۲۲ء مین معزول کیا گیا،

اب نصیر الدین حیدر نے حکیم مہدی کو پھر بحال کرنا چاہا بلکہ تقرر نامہ تک اُنکے پاس بھیجدیا لیکن بادشاہ بیگم (زوجہ غازی الدین حیدر) کی ضد سے مجبور ہوکر اس حکم کو منسوخ کرنا پڑا، اور یہ منصب بادشاہ بیگم کے ایک خاص سفارشی، فضل علی کو جسے مناجان سے نسبت ابوت دیجاتی ہے، تفویض کرنا پڑا، اُس نے بیا خزانہ د ۳۰ لاکھ کے سرمایہ سے مالامال کرکے فروری ۱۸۲۹ء مین استعفا دیدیا۔

فضل علی اور اسکے دو جانشینون رام دیال و اکبر علی کے زمانہ مین اودھ کی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی، لکھنؤ کی گلیان اور قرب و جوار کی سڑکین ہر شب قتل و غارت کی تماشا گاہ رہتی تھین ملک مین دیوانی فوجداری کسی قسم کا قانون نہ تھا، اور گو فوج کے سارے سپاہی جنکی تعداد ۴۰ ہزار تھی، مختلف مقامات پر تحصیل وصول کے لئے متعین تھے، لیکن عملاً اس فرض کو انجام دینے سے بالکل قاصر تھے، بالآخر رزیڈنٹ کی تحریکات پیہم سے مجبور ہوکر بادشاہ نے جون ۱۸۳۰ء مین حکیم مہدی کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا اور علاوہ دیگر خطابات و القاب کے منتظم الدولہ کا بھی لقب بخشا جو آج تک زبان زد ہے۔

مگر چند ہی روز مین رزیڈنٹ اور وزیر سے بے لطفی ہو گئی، مسٹر میڈک حکیم مہدی سے شروع ہی سے ناخوش تھے، اُنکے خیال مین حکیم مہدی انگریزون کے اثر کے مخالف تھے، اسلئے وہ چاہتے تھے کہ یا تو وزارت سے معزول کردیئے جائین یا خود اُنکی ماتحتی مین آجائین، لارڈ بنٹنگ (گورنر جنرل) نے اس رائے کو ناپسند کیا اور حسب ذیل تحریر فرمایا۔

"مین وزیر کی مخالفت کو تسلیم نہین کرتا، وہ قطعاً اسوقت ہندوستان کے بہترین اشخاص مین ہے اور بحیثیت اعلیٰ افسر مال کے اُس سے بڑھکر تمام ملک مین کیا انگریز اور کیا ہندوستانی کوئی شخص نہین، اُسے اس امر کا شروع ہی سے احساس ہے کہ رزیڈنٹ کو بجز اسکے کہ خود تخت اودھ ملجاے اور کوئی شے مطمئن نہین کر سکتی، اور اسکے لئے وزیر کسی طرح آمادہ نہین، البتہ مجھے یہ اُمید تھی اور اب بھی ہے

کہ ایسا شخص جو نظم و نسق کی قابلیت مین تمام معاصرین سے افضل ہے، اگر رزیڈنٹ اُسے اپنے مشورہ جنکا لہجہ خواہ کتنا ہی قطعی و مضبوط ہو، تاہم ادب و احترام اور آشتی کا پہلو ہی لئے ہوئے ہو خلوص دل سے دیتے رہیں، تو وہ بھی صلاح مملکت مین بدل کوشان رہیگا"

گورنر جنرل نے یہ راے اپنے چشم دید حالات دیکھنے کے بعد قائم کی تھی، اس اظہار خیال کے بعد مسٹر میڈک کا اپنی جگہ پر رہنا ناممکن تھا، چنانچہ وہ ہٹا دیئے گئے، اور اگست ۱۸۳۱ء مین میجر لو رزیڈنٹ مقرر ہوئے جو ۱۸۴۱ء تک اس عہدہ پر رہے،

اس اثنار مین منتظم الدولہ کی دیانت پر اکثر حلقون مین بدگمانی ہونے لگی، اس بنا پر کہ انھون نے سلطنت کے محاصل نیز جملہ مداخل سرکاری پر بادشاہ سے پانچ فیصدی کی رقم اپنے لئے منظور کرالی تھی، خود حکیم مہدی کا بیان یہ تہا کہ یہ رقوم وہ اپنے تصرف مین نہین لینا چاہتے تھے، بلکہ انہین سرکاری خزانہ مین جمع کرکے کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کی نذر کر دینے کا ارادہ رکھتے تھے، اور اس رقم کی بابت منظوری حاصل کر لینے سے مقصود صرف یہ تہا کہ بادشاہ کی نظرون مین انکا رسوخ سب کو معلوم ہو جائے، اور اس طرح ملک پر اُن کا خاص اثر و اقتدار قائم ہو جائے، حکیم مہدی کے اس بیان کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آگے چل کر جب شاہ نصیر الدین حیدر ان سے ناخوش ہوے تو ان پر منجملہ اور الزامات کے ایک یہ بھی تہا کہ وہ اس رقم مین سے کچھ تغلب کر گئے تھے۔

لارڈ بنٹنگ کو منتظم الدولہ پر جو اعتبار تہا وہ اسکے اہل ثابت ہوے، اپنے تقرر کے بعد ہی وہ نہایت تندہی سے اصلاح کی جانب مشغول ہو گئے، چنانچہ اپریل ۱۸۳۱ء مین جب بادشاہ نے اصلاحات نافذ شدہ کی یادداشت مرتب کی تو معلوم ہوا کہ اصلاحات ذیل اتنے ہی عرصہ مین عمل مین آچکی تہین، مصارف سرکاری بہت گھٹ گئے تھے، ابواب اسراف ایک بڑی حد تک بند ہو چکے تھے، تنخواہ ملازمین کی بقایا جو سالہا سال سے چلی آتی تھی، بیباق ہو چکی تھی، نظم و نسق مملکت کے متعلق ایک کتاب آئین و ضوابط مرتب

ہو چکی تھی، علاقہ محمدی و خیرآباد کی بغاوتون کا استیصال ہو چکا تھا، اور زراعت و تجارت مین کافی ترقی کے آثار پیدا ہو چکے تھے ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان اصلاحات کے نفاذ کے وقت کوئی مخالفت یا شورش نہین ہوئی بلکہ جب بے ضابطہ توپخانہ والون کی بقایا بیباق کرکے انہین برطرف کیا جانے لگا تو نوبت یہانتک پہنچی کہ سپہ سالار مظفر جنگ خان، اور بادشاہ بیگم کی شہ پاکر فوج نے پوری بغاوت کردی تھی ۔

جولائی ۱۸۲۳ء مین انھون نے پورا تہیہ کرلیا کہ ملک مین بجاے کاشتکاری کے امانی کا طریقہ رائج کرین، انکی تجویز یہ تھی کہ موجودہ عاملون کو بطور مہتممین امانی کے بدستور برقرار رکھین، ملک کے چار دل صوبون مین ایک ایک محصّل (کلکٹر) مقرر کرین، اور گنگا کے کنارہ کا سرکش علاقہ جہان اکثر بیگمات شاہی کی جاگیرین ہتین، براہ راست اپنی ماتحتی مین رکھین ۔

اصلاح کی راہ مین بڑی دقت یہ حائل تھی کہ رعایا کا کوئی ایسا طبقہ موجود نہ تھا جسمین سے ستدین عمال کا انتخاب کیا جاسکے، وزیر نے یورپین اشخاص کو عامل مقرر کرنے کی تجویز کی، لیکن اسے گورنر جنرل نے نامنظور کردیا، رزیڈنٹ کے اس استفسار کے جواب مین کہ کیا ملک مین کوئی کارگذار شخص نہین، وزیر نے حسب ذیل جواب دیا ۔

> "میرے علم مین تو کوئی بھی نہین، ملک سے علوم و فنون و انتظام ہر قسم کی قابلیت مدت ہوئی سلب ہو چکی ہے، نہ کوئی تعلیم ہے، نہ کوئی مدرسہ ہے، نہ کوئی تعلیم گاہ ہے جہان سے قابل اشخاص لئے جاسکین، میرے علم مین ملکی لوگون مین ایک شخص بھی کام کی اہلیت و صلاحیت نہین رکھتا ۔۔۔
> میری راے مین تو اگر رزیڈنٹ کی مدد و صلاح شریک نہو تو اودھ مطلق ترقی نہین کرسکتا ۔"

منتظم الدولہ کو انگریزی حکومت سے خاص شکایت کا سبب یہ پیدا ہوا کہ ملک کی شورش فرو کرنے مین انھون نے کمپنی بہادر کی افواج کی مدد چاہی، اور اس سے انگریزون نے انکار کیا کمپنی اور شاہ اودھ کے

تعلقات کی بنیاد معاہدہ ۱۸۰۱ء پر تھی، جسمین قرارداد یہ تھی کہ نواب کو اندرونی وبیرونی غنیم کے مقابلہ مین مدد دیجائیگی، ساتھ ہی نواب سعادت علیخان اپنے علاقہ خاص مین ایسا نظم ونسق قائم رکھین گے جس سے رعایا کی فلاح وبہبود ہو، اور باشندگان ملک کے جان ومال کی حفاظت متصور ہو، اور شاہ اودھ ہمیشہ افسران کمپنی کے صلاح ومشورہ کے مطابق عملدرآمد کرینگے۔" یہان اس شرط کو فرمانروایان اودھ ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے، اور حکومت انگریزی کے ارکان کا کہنا یہ تھا کہ جب نواب اپنے ہان کا نظم ونسق درست نہین کہہ سکتے تو ہم سے اعانت کے طالب کس حق سے ہوتے ہین؟ غرض اسوقت اس منطقی قیاس متحمل الضدین کا سامنا تھا کہ بقول حکیم مہدی کے اعانت اسلئے ضروری تھی کہ اصلاحات در پیش تھین، اور بقول گورنر جنرل کے اعانت صرف اُسیوقت مل سکتی تھی جب نظم ونسق مین اصلاحات ہوچکی ہون،

لیکن ان سب رکاوٹون کے باوجود بھی اصلاح کا قدم آگے بڑھتا ہی رہا، میجر لو اپنے ایک طویل مراسلہ مورخہ ۱۲ جون ۱۸۳۲ء مین وزیر کے خلوص وتندہی کی شہادت دینے کے بعد جو اصلاحات اسوقت تک دائرہ عمل مین آچکی تھین، اُنکی ایک فہرست دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اودھ کا بڑا قطعہ اسوقت تک طریقہ امانی کے زیر اہتمام آچکا تھا، منجملہ ایک کرُوڑ چالیس لاکھ کی مجموعی مالگذاری کے ۹۲ لاکھ وصول ہونے لگا تھا، لکھنؤ مین ایک خاص عدالت قائم ہوگئی تھی جو عاملون کے خلاف استغاثہ سُنتی تھی، اور جہان سے غیر متدین عمال کو عبرتناک سزائین ملتی تھین، چنانچہ دو تھانہ دارون کو جن پر رشوت ستانی کا جرم ثابت ہوگیا یہ سزا ملی کہ جرمانہ وتازیانہ کے بعد اُنہین شہر بدر کرکے اُنکا منہ کالا کیا گیا، اور گدھے کی پیٹھ پر اُنہین اُلٹے سوار کرکے بازارون مین پھرایا گیا، یہ نظیر رزیڈنٹ کے خیال مین دوسرون کے لئے خاص طور پر عبرت انگیز ثابت ہوئی ہوگی، علاقہ جاگیر بیگمات مین ڈاکوؤن کے استیصال کے لئے خاص پولس تعینات ہوئی جسکی کارگذاریون کا نتیجہ یہ ہوا کہ پڑوس کے انگریزی علاقہ الہ آباد مین پولس کے سوارون کی تعداد مین تخفیف کردینا پڑی۔

منتظم الدولہ کی عدل گستری نے ایسا عام اعتماد پیدا کرلیا کہ بیسیون زمیندار جو سالہا سال سے برابر

حکومت کے خلاف سرکشی کررہے تھے، اب ازخود آکر مصالحت کرنے لگے، ملک مین علانیہ بغاوت کا نام بھی نہ رہا، یہانتک کہ آخری نو مہینہ کے زمانہ مین مسلح فوج کی تعداد مین بقدر ۱۶ ہزار سپاہیون کے تخفیف کردیگئی۔

انکے عیوب یہ تھے کہ مزاج مین شک وبدگمانی تھی اور غصہ جلد آجاتا تھا، بعض سرکاری مصارف شادی جشنون، اور تہوارون کے موقع پر ضرورت سے زیادہ جزرسی برتتا تھا، حالانکہ ایسے مواقع پر تھوڑی بھی فیاضی کا اظہار کرکے رعایا کا دل ہاتھ مین لیا جاسکتا تھا، اسکے علاوہ جزئیات امور مین ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرتا تھا، لیکن اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ہمین شبہہ نہین کہ اس سے پہلے ۲۰ برس کی مدت مین جتنے وزراے سلطنت ہوئے تھے وہ ان سب سے زیادہ قابل وکارگذار تھا"

جولائی ۱۸۳۲ء کے آخر ہفتہ مین بادشاہ وحکیم مہدی کے درمیان بے لطفی کی خبرین میجر لو کے کانون تک پہنچنے لگین، یہانتک کہ ۲۰ کی شام کو وکیل سلطانی تاج الدین حسین خان، رزیڈنٹ کے پاس بادشاہ سے تخلیہ کی ملاقات کا وقت مقرر کرانے آئے، اور رزیڈنٹ کے استفسار کے جواب مین بیان کیا کہ بادشاہ کے تکدر طبع کے اصلی اسباب یہ ہین کہ نصیر الدین حیدر پر انکی والدہ بادشاہ بیگم کا بہت اثر ہے، اور وہ حکیم مہدی کی صورت سے بیزار ہین، دوسرے یہ کہ بیگمات شاہی، اعزۂ شاہی وارکان دربار مین سے کوئی وزیر کا ہمدرد ودوست نہین، بلکہ چونکہ انکے وظائف مین تخفیف ہوگئی ہے، تغلب وتصرف کے مواقع گھٹ گئے ہین، اور بعض وزیر کی سخت سست بھی سن چکے ہین، اسلئے اکثر انکے مخالف ودشمن ہین"

دوسرے روز رزیڈنٹ بادشاہ کے ہمراہ سوار ہوکر دلکشا کھانا کھانے گئے، بادشاہ نے حکیم مہدی کے خلاف بعض مضحکہ خیز شکایات بیان کین، مثلاً یہ کہ وہ "مجھے زہر دیکر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، بادشاہ بیگم نیز میری محبوب ملکہ قدسیہ بیگم کی علانیہ توہین کرچکا ہے، ایک مرتبہ اس نے میرے والد مغفور کی تصویر پر لات ماری ہے" وغیرہ، رزیڈنٹ نے یہ جواب دیا کہ بادشاہ تک یہ شکایات قطعاً غلط پہنچی ہین، نیز یہ کہ حکیم مہدی کی معزولی گورنر جنرل کی سخت ناخوشی کا باعث ہوگی، اسپر نصیر الدین حیدر نے وعدہ کیا کہ بغیر رزیڈنٹ کو اطلاع

دیئے وہ کوئی کارروائی نہ کریگا۔ لیکن باوجود اس وعدہ کے اس نے وزیر پر علانیہ معتوبی قائم رکھی، وزیر کے دشمن مظفر علیخان کو قید سے رہا کر دیا، اور وزیر کو خورشید منزل مین حاضری کی ممانعت کر دی، جہان تمام دربار کے لئے خیمہ نصب ہوئے تھے، یہ خبر جونہی مشہور ہوئی، شہر مین شورش اور بلوے ہونے لگے، رزیڈنٹ نے صفائی کرانا چاہی، و بظاہر اسمین کامیابی بھی ہوئی، وزیر نے اپنے تمام نادانستہ گناہون پر دست بستہ عفو تقصیر چاہی، اور بادشاہ نے معافی دی، لیکن عین وہی شب اس نے اپنے مشیران جدید، روشن الدولہ، مظفر علیخان، جعفر علیخان و کنور رتن سنگھ کے ساتھ مشورہ مین صرف کی، یہ سب کے سب بجز روشن الدولہ کے، بدترین اشخاص تھے، ور انھون نے حکیم مہدی کی گرفتاری کا پرزور مشورہ دیا، صبح کو وزیر کو یہ حکم ملا کہ خانہ نشین ہوجائے، اور ملازمان سرکاری کو اس سے ملنے کی ممانعت ہوگئی، لیکن بادشاہ مین اتنی ہمت نہ تھی کہ اسکی معزولی کا فرمان صادر کرین، حماقت یہ کی کہ میجر لو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ اگر آپ حکیم مہدی کو طلب کرکے برطرف کردین تومین ۲۵ لاکھ نذر کرتا ہون، رزیڈنٹ نے جواب دیا کہ "مین ۲۵ کرور لیکر بھی ایسی فرمائشون کی تعمیل سے معذور ہون"

۷۔ اگست کو بادشاہ رزیڈنٹ کے ہان تشریف لائے اور کہا کہ اب مین نے ارادہ کرلیا ہے کہ امور سلطنت بغیر کسی وزیر کے بذات خود انجام دونگا، اور منتظم الدولہ کو اجازت ہے کہ لکھنؤ سے باہر جہان جی چاہے چلے جائین۔

۹۔ اگست کو حکیم مہدی قصر شاہی کے ایوان وزارت سے شب کے وقت چھپ کر نکلے اور شہر مین جو اپنا قدیم مکان ۲۰ سال سے تھا، اسمین چلے آئے، اسلئے کہ حکیم مہدی نے آغا میر کی طرح اپنے لئے محل نہین تعمیر کرائے تھے، یہان مارچ تک رہے، جب جاکر روانگی فتحگڈھ کی اجازت ملی۔

ناسخ نے اُنکے زوال کی دلچسپ تاریخ نکالی ہے۔

افتاد حکیم از مراتب — تاریخ بنظر نو رقم کن
از جائے "حکیم" "ہشت" برگیر — سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

۱۲۴۹ھ

حکیم مہدی کے معزولی کے افسوسناک نتائج کا اندازہ مالگذاری کے اعداد سے ہوسکتا ہے، اکتوبر ۱۸۳۱ء سے فروری ۱۸۳۲ء تک مالگذاری کی آمدنی ۴۰ لاکھ ۶۳ ہزار تھی، دوسرے سال انہیں پانچ مہینوں میں کل ۱۸ لاکھ ۴۲ ہزار وصول ہوئے۔

مناظر طبعی کی عاشق مسز فینی پارکس نے حکیم مہدی سے انکے عہد وزارت میں ملاقات کی تھی اسکے بعد انکی معزولی کے زمانہ میں فتحگڈھ میں ان سے پھر ملی، انکے روزنامچہ ریاست میں حکیم مہدی کے متعلق بعض بہت دلچسپ معلومات ہیں، ۱۸۳۳ء میں جب وہ ملی ہے، وہ محرم کے اہتمام میں مشغول تھے، بقول اسکے حکیم مہدی بڑے مذہبی آدمی تھے، اور روزہ نہایت پابندی و استقلال کے ساتھ رکھتے تھے، مسز پارکس نے ایک کارخانہ شال کا بھی معائنہ کیا جو انھوں نے اس غرض سے قائم کیا تھا کہ نادار کشمیریوں کی اس سے پرورش ہو، چنانچہ تین چار کاریگر اسمین کام کر رہے تھے، اور ایک مدرسہ بھی وہین قائم تھا۔

نصیر الدین حیدر کی وفات پر حکیم مہدی پھر منصب وزارت پر سرافراز ہوئے، مسز پارکس کے روزنامچہ کا ایک اندراج یہ ہے:-

"۲۲ ستمبر ۱۸۳۷ء - نواب حکیم مہدی پھر وزیر مقرر ہوے ہین، آج اپنی پیرانہ سالی میں وہ کسقدر خوش ہونگے، فتحگڈھ میں مدتون سے وہ اپنے اعزاز رفتہ کے حصول کی تمنا کر رہے تھے، نواب اودھ کے قصد سے روانہ ہوگئے، مگر کوچ کے پہلے ہی دن جس گھوڑے کی پشت پر نقارہ تھا وہ گرا اور مر گیا، نیز ایک توپ الٹ گئی، یہ دونون سخت بدشگونی کے واقعات ہوئے"

اسکے بعد ۲۵ دسمبر کی تاریخ کے ذیل مین نواب کے انتقال کی خبر درج ہے،

(یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل)

تصوف اور تناسخ

(از مسٹر برج بشیر لال ایم اے بی)

ہمارے ہندو برادران وطن خود ہندوستان مین انگریزی کے بقدر بلند علمی رسائل نکال رہے ہین کہ مسلمان ان سے کمتر بھی کوئی انگریزی رسالہ نہین نکالتا، پھر جس تفحص اور تلاش کے ساتھ وہ اپنی قومی علوم و تاریخ کو حکماء ان طبقہ تک پہنچا رہے ہین، وہ خود انکی قومی عزت کے پایہ کو بلند کر رہا ہے، اسپر ان کا مزید احسان یہ ہے کہ کبھی کبھی اس علمی مجلس مین وہ مسلمانون کو بھی بلا لیتے ہین، یعنی انکے علوم و تاریخ کے متعلق بھی مضامین لکھتے رہتے ہین، لیکن ہر قوم کو دوسری قوم کے ساتھ جو فطری بیگانگی ہوتی ہے، وہ اغلاط اور لغزشون کی وجہ بناتی ہے، ذیل کا مضمون ایک ہندو فاضل نے ہندوستان ریویو مین شایع کرایا ہے، اس مضمون مین گو متعدد مسامحات ہین لیکن ہم اسلئے اسکو شایع کرتے ہین تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے برادران وطن ہم سے کس حد تک واقف ہین،

پُنر جنم یا عقیدۂ تناسخ، دنیا کے تمام آریہ مذاہب یعنی ہندو، جین اور بدھ مذہبون کا جزو رہا ہے، بخلاف اسکے سامی مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت، و یہودیت کے ارکان اعظم ہمیشہ اسکے منکر رہے ہین، ان مین سے یہود تو اپنی قلت تعداد کی بناپر کوئی اہمیت نہین رکھتے، رہے ہندوستانی مسیحی، سو وہ بھی ہندوستان کی قومی زندگی مین جذب ہوتے جاتے ہین، اسلئے انکے اور ہندوؤن کے مذہبی اختلافات چندان قابل التفات نہین، البتہ مسلمانون کی حالت ان دونون سے مختلف ہے، ان کا اور ہندوؤن کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور انکے سلکِ تصوف سے توقع ہو سکتی تھی کہ مسئلہ تناسخ انکے ہان جزو عقاید ہوگا، لیکن انکے ائمہ تصوف عموماً اسکے منکر ہین -

مسلمانون کی آبادی مین نوّے (۹۰) فیصدی اہل سنت ہین، یہ سواد اعظم تمامتر شریعت کا متبع ہے، تاہم فارسی زبان کی وساطت سے یہ فرقہ سلوک و عرفان، طریقت و روحانیت سے ناآشنا رہا ہے، اور تصوف کو تسلیم

اختیار کر لینے کے بعد ہندو و مسلمانون کی مذہبی تفریق بھی کوئی چیز باقی نہین رہجاتی، ہندو صوفی اور مسلمان صوفی مین جو کچھ فرق ہے، وہ تاریخی اسباب کا معلول ہے، نہ کہ اصول مذہب کے اختلافات کا، جس طرح ہندوون کے ہان "ادویت" (وحدت) و "دویت" (اثنینیت) کے دو مختلف مسلک تھے، بعینہ اسی طرح مسلمان صوفیہ مین بھی بعض ہمہ دوست کے قائل ہین، اور بعض ہمہ اوست کے، اور اسی طرح موجودہ ہندویت کے عقیدہ "وششٹ ادویت" کی تعلیم بھی مسلمان صوفی شعراء کے ہان کثرت سے ملتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ این ہمہ تماثل یہ دو اشتراک عقیدۂ تناسخ صوفیون کے مسلک سے خارج ہے، مین نے بعض مسلمان علماء سے تنسخ جاہی اور سب تناسخ کے منکر نظر آئے، نہ صرف ایک جسم انسانی سے دوسرے جسم انسانی مین بلکہ سرے سے ارتقاء روحانی کے!

لیکن میرے نزدیک اگر اصل تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو شاید اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے، امام غزالی کی جلیل القدر تصنیف احیاء العلوم کے مطالعہ سے جسکا اردو ترجمہ ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف قدم قدم پر فلاطون کے عالم مثال کی بل پہ گفتگو کر رہا ہے، امام موصوف نے فلاطون کی تصانیف اگر اصل یونانی مین نہین، تو کم از کم انکا عربی ترجمہ ضرور مطالعہ کیا تھا، اور حکیم یونان کی تعلیمات کا اس سامی النسل امام اعظم کے خیالات پر یقیناً بہت عمیق اثر پڑا تھا، لیکن اس مسئلۂ تناسخ کو حکیم بغداد نے شاید حکیم یونان سے بھی زیادہ ایک قابل اخفا شئے خیال کی، اور اسے ہمیشہ "علم سینہ" کی طرح محفوظ رکھنا چاہا، انکے نزدیک یہ بات برملا کہنے والی نہ تھی، اور اسلئے انھون نے اس خیال کو بڑے گہرے پردون مین ادا کیا ہے، غزالی کا زمانہ وہ تھا جب خلافت عباسیہ کا شباب تھا، اور شریعت کی ادنی سی مخالفت بھی قابل تعزیر تھی، اسکے علاوہ دور عباسیہ کی ایک درد افسوسناک خصوصیت بھی جس نے انکی حکومت کو علم کشی و علم پروری کا جامع اضداد بنا دیا تھا، ملحوظ رکھنا چاہیئے خلفاء رسمین شبہہ نہین کہ بہت بڑے علم دوست و علم پرور تھے، چنانچہ یونانی، رومی، وسریانی بلکہ سنسکرت تک کی بیشمار کتابون کا انہین نے ترجمہ کرایا، لیکن وہ اپنی زبان سے کسی دوسری زبان کو افضل واشرف نہین دیکھ سکتے تھے، اسلئے اسی علم پروری کے پہلو مین علم کشی بھی جاری تھی، یعنی تراجم کے بعد دوسری زبانون کی اصل تصانیف

جلا ڈالی جاتی تھین،[1] تاکہ کوئی زبان سطح ارض پر عربی کی حریف باقی نہ رہجائے، لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ یونانیون وغیرہ کے جو اصل خیالات تھے وہ پوری قوت و وضاحت کے ساتھ منتقل نہوسکے، اسلئے کہ ترجمہ خواہ کتنی ہی کاوشس و قابلیت سے کیا جائے، پھر بھی ترجمہ ہے، اصل کی قوت و صفائی اسمین کہان سے آسکتی ہے، امام غزالی نے بھی یونانیون نیز مصر کے اشراقیین جدید سے انہین تراجم کے ذریعہ سے استفادہ کیا ہوگا، اسلئے گو احیار مین قدم قدم پر افلاطون کی جھلک نظر آتی ہے، لیکن وہی ناصفائی اور دھندلے پن کے ساتھ، اسمین شبہہ نہین کہ غزالی کا مرتبہ اہل طریقت مین بہت ممتاز ہوا ہے، انھون نے علوم ظاہری کی کمی کی تلافی اپنی قوت باطنی سے کرلی تھی، تاہم روح کی تدریجی ترقی و تناسخ کا ذکر تصریح کے ساتھ انکے ہان نہین ملسکتا

غزالی کے بعد ہی تاتاریون کا سیلاب آیا، جس نے اہل عرب کی علمی زندگی کا خاتمہ کردیا، اور آخر کار ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لیکن فتنۂ ہلاکو سے پیشتر ہی ممالک اسلامی مین انتشار و طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا تھا، اور یہ حالت تقریباً ڈیڑھ صدی تک قائم رہی، یہی وہ زمانہ ہے جب موجودہ فارسی شاعری عالم وجود مین آئی، اور مسلمانون نے فقہ و شریعت کے دائرہ سے نکل کر اسرار کائنات پر آزادانہ غور و تدبر شروع کیا، اسی زمانہ مین تصوف نے ایک مستقل حیثیت پیدا کی، یہانتک کہ شمس تبریز اور مولانا روم کے زمانہ مین مستان الٰہی کی ایک بالکل نئی بساط قائم ہوگئی تھی، شمس تبریز کی خود کوئی تحریر موجود نہین، جو دیوان و کلیات انکے نام سے مشہور ہے وہ انکے شاگرد رشید مولانائے روم کا ہے، ہند کے مشائخ مین شمس تبریز کی غزلین بجا طور پر نہایت مقبول ہین، اور اکثر سماع کی محفلون مین حاضرین کو ان پر حال آتا ہے، (اسی کیفیت کو دیکھکر بعض مغربی مصنفین ان صوفیون کو درویشان رقاص سے موسوم کرتے ہین) مین کلیات شمس تبریز کو ابھی تمام و کمال مطالعہ نہین کرسکا ہون، تاہم یہ بالکل یقینی ہے کہ شمس تبریز و مولانائے روم کا طرز بیان، مصنف احیار العلوم کے لب و لہجہ سے بالکل مختلف ہے، غزالی زیر بحر گوشیان

---

[1] معارف: یہ سرتاپا غلط ہے، ہندستان کی کوئی مثال کتب داستان تک مین بھی نہین پیش کیجا سکتی، معلوم نہین ہمارے ہندو دوست نے یہ واقعہ کسکے استناد سے نقل کیا ہے

تے تھے، لیکن رومی بآواز بلند پکار پکار کر کہتے ہیں،

من زقرآن مغز را برداشتم — استخوان پیش سگان انداختم

سنگ "کون ہیں؟ جبۂ پوشان علوم ظاہر؛ چنانچہ رومی کے بعد سے صوفیہ نے عموماً یہی لہجہ علماء ظاہر کے متعلق اختیار کر لیا، اور دنیاے اسلام میں رومی کی عظمت مسلّم ہوگئی، جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا،

ہست قرآن در زبانِ پہلوی — مثنویٔ مولویٔ معنوی

من چہ گویم وصف آن عالیجناب — نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

مولانا رومی نے ان اسرار کو بالکل بے نقاب کر دیا، فرماتے ہیں،

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام — ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

آجکل کے تھیاسوفسٹ گروہ کو سات سو برس بیشتر کے اس "مقدس اسلامی لٹریچر میں"، کا عدد نیکر تعلق ایک خوشگوار تحیر ہوگا، لیکن اس شعر کی عام علماے اسلام بالکل مختلف تاویلات کرتے ہیں اسلئے بہ اس سے قطع نظر کر کے وہ اشعار پیش کرتے ہیں جنمین مولانا نے شک واشتباہ کی کوئی گنجائش ہی نہین چھوڑی ہے، ارشاد ہوتا ہے،

از جمادی مُردم و نامی شدم — از نما مردم بہ حیوان سر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے زمُردن کم شوم

تا برآرم از ملائک بال و پَر — حملۂ دیگر بمیرم از بشر

از ملک ہم بایدم جستن ز جو — کل شیٔ ہالک الا وجہہٗ

باز دیگر از ملک قربان شوم — آنچہ اندر وہم نایدآن شوم

پس عدم گردم عدم چون ارغنون — گویدم کانا الیہ راجعون

عقیدۂ تناسخ کی اس واضح وصریح تعلیم کی نظیر اگر کہین مل سکتی ہے، تو صرف آریہ ورت کے لٹریچر مین

رومی کا زمانۂ تصنیف تیرہوین صدی عیسوی کے آخر مین تھا، لیکن اسی کے بعد ہی دنیاے اسلام مین پھر امن و نظم قائم ہوگیا، ایران مین ایک شیعی حکومت قائم ہوگئی، مغل و ترک قبائل آل عثمان مین ضم ہوگئے، ہندوستان پر خلجیون کا تسلط قائم ہوگیا، اور دکن مین بہمنی خاندان کا پرچم لہرانے لگا، غرض یہ کہ ہندوستان سے لیکر ساحل افریقہ و اسپین تک سارا قطعۂ ارض اسلام کے زیر نگین آگیا، لیکن فرقۂ شیعہ کو صوفیہ کے ساتھ عباسیون سے بھی زیادہ عداوت تھی، اور ترکون کو علم و روشن خیالی سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اقوام مین تصوف کو مطلق سرسبزی نہ حاصل ہوسکی، لے دیکے صرف ہندوستان ایک ایسا ملک تھا جہان تصوف کا نشو و نما ہوسکا، اور یہان قدرتی طور پر اسلامی تصوف، ہندوؤن کی تعلیمات سے کافی متاثر ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہی تصوف جو اپنے مولد یعنی ایران مین صرف مسلمانون تک محدود رہا، ہندوستان مین اسکے فیض کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا، اور اُس نے کفر و اسلام کا امتیاز اُٹھا دیا، دربار اکبری کا شاعر اسی صوفیانہ خیال کو ادا کرتا ہے،

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چراست — از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن ست

لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان مین اسلامی حکومت کے قیام سے بہت پیشتر مسلمان علم و حکمت سے خالی ہوچکے تھے، حکماء اسلام کا آخری شخص بوعلی سینا اسوقت تھا، جبکہ محمود غزنوی "قتل و غارت" مین مصروف تھا، مولاناے روم اُسکے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد پیدا ہوئے، اور اُنھون نے چہرۂ حقائق سے نقاب اُٹھا، لیکن سناً اسلام کے دنیوی اقتدار کی بازگشت کے ساتھ فقہ و شریعت کی حکومت قائم ہوگئی، اور علماء ظاہر کے خوف سے سرستان معرفت کو بھی زبان کھولنے کی جرأت نہو سکی، نوبت یہ پہنچی کہ شمس تبریزی کی اس مشہور و لاجواب غزل کے

چہ تدبیر اے مسلمانان کہ من خود را نمی دانم	نہ ترسا و یہود یم نہ گبرم نہ مسلمانم
مکانم لامکان باشد نشانم بے نشان باشد	نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من خود جانِ جانانم
دوئی از خود برون دادم، یکے دیدم دو عالم را	یکے جویم یکے گویم یکے دانم یکے خوانم

[illegible] تناسخ کی ایک عام اہل اسلام یون پڑھتے ہین ، نہ ناشدہ ما [illegible] شدگان جان تمام

[illegible] سے ہمہ اوست کے عالی ترین تخیل کو ہمہ زدوست کی پستی پر لے آتے ہین -

[illegible] عام اہل اسلام تناسخ کے قطعی منکر ہین ، لیکن ربقیت کی سطح شریعت سے بلند تر ہے ، اور

یہان یہ حقیقت بے نقاب نظر آتا ہے ، البتہ اسکے نظر آنے کے لئے بھی چشم بصیرت چاہیے اسرار

تصوف ہر کس وناکس کے لئے نہین ہوتے -

معارف .

وحدة الوجود ، تناسخ اور **ارتقا** سب علیحدہ علیحدہ مفہوم ہین ، مضمون نگار نے ان تینون کو ایک معنی

مین لیلیا ہے ، تناسخ جن شرائط اور قیود کے ساتھ ہندو فلسفہ مین تسلیم کیا گیا ہے ، وہ نہ صرف اسلام بلکہ تمام سامی

مذاہب کے مسلۂ جزا و سزا کے مخالف ہے ، وحدة الوجود کا مسئلہ کم وبیش اکثر صوفی مسلمانون مین تسلیم کیا جاتا ہے

گو اسکی تفصیل مین ان مین باہم اتحاد رائے نہین ، اور اسلام سے اسکی مطابقت ومخالفت کا سوال درحقیقت اسی

تفصیل کی نوعیت پر موقوف ہے ، مسلمانون مین اس مسئلہ کے سب سے بڑے علمبردار محی الدین عربی ہین مسئلہ

ارتقا ، اپنے اجمالی مفہوم مین متعدد علماے اسلام کی تصریحات مین داخل ہے ، خصوصًا مصنفین اخوان الصفاء

ابن مسکویہ ، راغب اصفہانی نے اسکی پوری تفصیل کی ہے ، البتہ مولانا رومی نے اس نظریہ کا ایک قدم اور آگے

بڑھا دیا ، یعنی حکما ارتقا کا آخری زینہ انسانیت تک لاکر ختم کردیتے تھے ، مولانا نے ارتقا کا ایک اور قدم آگے

بڑھایا ، اور فرمایا کہ انسانیت کے درجہ تک تو جسمانیت کی تکمیل ہوتی ہے ، روحانیت کی تکمیل ابھی نہین ہوئی اسکے لئے

ضرورت ہے کہ انسانیت سے نکل کر پہلے ملکوتیت اور پھر لاہوتیت مین داخل ہو -

مولانا ایک اور مقام پر اسکی تشریح کرتے ہین ،

آمدہ اول بہ اقلیم جماد | وز جمادی در نباتی اوفتاد

سالہا اندر نباتی عمر کرد | وز جمادی یاد ناورد از نبرد

وز نباتی چون بحیوان اوفتاد　　نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
جز ہمان میلے کہ دارد سوے آن　　خاصہ در وقت بہار ضیمران
ہمچو میلِ کودکان با مادران　　سرّ میلِ خود بداند در لبان
ہمچنین اقلیم تا اقلیم رفت　　تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت

اس بیان مین مولانا نے اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ انسان کو گوشت اور نباتات کے کھانے کا کیون فطری ذوق ہے، فرماتے ہین کہ ہر شے کو اپنی اصلیت کی طرف میل کامل ہوتا ہے جسطرح شیر خوار بچہ مان کے دودھ سے اپنے کو نشو و نما دیتا ہے، اُسی طرح انسان جسکی اصلیت نباتات وحیوانات ہین، اور وہ گویا اسکی مادرِ فطرت ہین، وہ مجبور ہے کہ اپنے جسمانی نشو و نما کو انہین کے ذریعہ سے ترقی دے اور چاہتا ہے کہ انکو اپنے اندر داخل کرلے۔ مولانا کے اس شعر

ہمچو سبزہ بار بار روئیدہ ام　　ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

سے اکثر قائلین تناسخ نے مولانا کے معتقد تناسخ ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہین، مولانا دیگر حکمار کی طرح مسئلہ تجدد امثال کے قائل تھے، یعنی یہ کہ ہر آن مین انسان کے جسم کے ذرات بدلتے رہتے ہین، اور اس طرح ہر جسم باوجود یکسانیت اور ایک ہی طرح نظر آنے کے ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، فرماتے ہین،

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست　　مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتے ست
ہر نفس نو می شود دنیا و ما　　بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچون جوے نو نو می رسد　　مستمرے می نماید در جسد

تھیاسوفسٹ گروہ نے "۔۔۔" کے عدد کو اپنا نشان راز مقرر کیا ہے، مولانا کے کلام مین "ہفتصد و ہفتاد" کے لفظ کو دیکھکر مضمون نگار نے سمجھا ہے کہ یہ وہی "۔۔۔" کا مقدس عدد ہے لیکن ہر ادنیٰ فارسی دان جانتا ہے کہ ہفتصد و ہفتاد "۔۔۔" ہے نہ کہ "۔۔۔"۔

مسلمان حکمار مین جو اصلی معتقد تناسخ ہے مضمون نگار نے اسکا نام ہی نہین لیا، وہ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی ہین، حکمۃ الاشراق مین اُسپر اپنے جانتے دلائل فلسفیانہ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی استدلال کیا ہے۔ زکریا رازی بھی اسکے قائل تھے

تلخیص و تبصرہ

مسئلہ خلافت اور علماے یورپ

مسئلہ خلافت محض ایک سیاسی مسئلہ نہین، بلکہ کم از کم مسلمانون کے لیے تاریخی، علمی و تمدنی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتا ہے، پچھلے چند ماہ مین انگریزی جراید و رسائل نے اسپر جو نہایت کثرت سے مضمون آرائیان کین گو انکا بیشتر حصہ ایک انبار ہے سیاسی خرافات کا، تاہم دریائی گہرائیون مین کبھی موتی بھی نکل آتے ہین،

سر تھیوڈور مارسین نے اس موضوع پر ٹائمز مین متعدد مضامین لکھے، ایک مضمون کے سلسلہ مین تحریر فرماتے ہین:-

"اہل یورپ کو سب سے پہلی بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ مسلمانان عالم کو ترکی کے ساتھ تبھی یگانگت ہے اور سلطان ترکی کے دنیوی اقتدار کے خاتمہ کا خیال ہی انہین برہم کردینے کو کافی ہے، اس موقع پر ہمارا یہ کہنا بالکل عبث ہے کہ انہین سلطان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرنا چاہیے، چاہیے یا نہ چاہیے، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ وہ تسلیم کرتے ہین - وہ خوب جانتے ہین کہ خلافت عباسیہ کے ہاتھ سے نکل کر آل عثمان تک کیونکر پہنچی ہے، لیکن اس راز کے محرم ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس خیال مین بالکل پختہ و غیر متزلزل ہین، یہ تاریخی داستان مجھسے ایک مسلمان فاضل اجل، مولانا شبلی نعمانی نے بیان کی تھی، اور بعینہ وہی باتین کہین جو آج ڈاکٹر گریول (یا دوسرے مسیحی) کہتے ہین، لیکن باین ہمہ اگر آج شبلی زندہ ہوتے تو قسطنطنیہ سے ترکون کے اخراج کی تجویز پر وہ بھی اسیقدر برہم ہوتے جیسے عموماً مسلمانان ہند ہو رہے ہین، بے شبہہ ہم اس پر تاسف کر سکتے ہین کہ مسلمانون کے یہ عقاید کیون ہین، لیکن اس واقعہ سے انکار نہین ہو سکتا کہ ہین یہی عقاید"

ایک دوسرے مراسلہ مین لکھتے ہین:-

"اسلام محض ایک مذہب کا نام نہین، وہ ایک تمدن بھی ہے..... مسلمانان عالم تمامتر اس تمدن سے وابستہ ہین، اور وہ اس تمدن کے فنا ہوجانے کے خیال کو بھی نہین برداشت کرسکتے، انکا یہ اعتقاد ہے اور مین بھی اس اعتقاد مین انکا شریک ہون، کہ اس اسلامی تمدن کا نشو و نما کسی غیر اسلامی حکومت کے تحت مین ہو ہی نہین سکتا"

نامور مستشرق پروفیسر براؤن نے بھی اس بحث پر ٹائمز مین ایک مضمون لکھا ہو اسکے آغاز مین وہ لکھتے ہین کہ

"مجھے ہمیشہ اس امر پر سخت حیرت رہی ہے کہ جو لوگ محمدؐ کی رسالت کے منکر ہین وہ کیون اس بحث مین اپنا اسقدر وقت و دماغ صرف کرتے رہتے ہین کہ خلافت یا نیابت کا حقدار کون ہے، یہ بالکل ایسی ہی مہمل بات ہے کہ جیسے مسلمان اس فیصلہ کے درپے ہوجائین کہ مسیحیون مین 'پوپ' یا 'امام ملت' کے لقب کا حق کسکو پہنچتا ہے"

اسکے بعد وہ متعدد تاریخی واقعات کے استناد سے یہ دکھاتے ہین کہ یہ مسئلہ مسلمانون مین شروع سے مختلف فیہ رہا ہے، چنانچہ خوارج نے تو یہانتک کردی کہ قریش کے مقابلہ مین ادنیٰ ترین قوم کے فرد کو ترجیح دینے لگے، آگے چلکر وہ لکھتے ہین کہ سلاطین آل عثمان نصب خلافت کے کچھ آج مدعی نہین ہوے ہین، بلکہ اگر سلطان سلیم (۱۵۱۲ تا ۱۵۲۰ء) نہین تو اُسکے فرزند سلیمان اعظم (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) کے زمانہ سے تو انکا یہ دعویٰ بہرحال چلا آتا ہے، چنانچہ سلیمان اعظم کی وفات پر مفتی ابوالسعید نے عربی زبان مین جو مرثیہ کہا تھا، اسمین تصریحاً اُسے "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے یہ مرثیہ وسٹنفیلڈ کے "آثار مکہ"[۱] جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ تا صفحہ ۳۳ مین مندرج ہے، مزید شہادت فریدون بے کے مرتب کردہ کاغذات سرکاری[۲] سے بہم پہنچ سکتی ہین، پروفیسر براؤن، سر اڈورڈ گریسی کے الفاظ ذیل سے حرف بحرف اتفاق ظاہر کرتے ہین کہ

جب سلیم نے مصر فتح کیا تو وہان عباسی نسل کا خلیفہ فرمانروا تھا، سلیم نے اسے اسپر آمادہ کیا کہ وہ

۱؎ Wustenfild's chronoklen der stadt Mekka

۲؎ Turkiah state papers.

خلافت کو باضابطہ سلیم اور اسکی نسل کی جانب منتقل کردے، ساتھ ہی سلیم نے خلافت کے آثار ظاہری بھی جسکے حامل عباسیہ چلے آتے تھے، اپنے قبضہ مین کرلئے، یعنی علم مقدس، وشمشیر اور ردائے پیمبر۔ (تاریخ اتراک عثمانی صفحہ ۱۰۰)

پروفیسر موصوف، سرتھیوڈور مارسین کے اقتباسات مندرجہ بالا کی پوری تائید کرتے ہین، اور اپنے مضمون کو یون ختم کرتے ہین:-

"اگر گنجائش ہوتی تومین انہی بیانات بالا کی تائید وتوثیق مین اور بہت کچھ لکھ سکتا ہون، اب وقت آگیا ہے کہ اگر دنیا کے مہمات مسائل کو پوری طرح سمجھنا ہے تو سیاسی ہنگامہ آرائی کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ تاریخی حقائق وواقعات پیش نظر رکھے جائین۔"

بندر اور وحشی انسان

بندر اور انسان کا قریبی تعلق سائنس کا ایک اہم مسئلہ ہے، حال مین انگلستان کے ہفتہ وار رسالہ پاپولر سائنس سفینگر نے اس موضوع پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، صاحب مضمون کا دعویٰ ہے کہ روزانہ زندگی کے بہت سے اعمال جنمین کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہین ہوتی، مثلاً جھاڑو دینا، خندق کھودنا وغیرہ ایسے ہین جو بڑے قسم کے بندرون سے لئے جا سکتے ہین، اور اسطرح انسانون کی ایک بڑی جماعت ان مشاغل سے فارغ ہوکر دوسری چیزون کی طرف متوجہ ہوسکتی ہے۔

صاحب مضمون کی روایت ہے کہ حال مین ایک مقام پر اتفاق سے دو سرکس جمع ہوئے، ان مین سے ایک کے ہمراہ ایک بڑے قد کا چمپانزی بندر رہتا، اور دوسرے کے ساتھ افریقہ کا ایک وحشی انسان تھا جو پست ترین دماغی سطح رکھتا تھا، جسے عموماً بن مانس کہتے ہین، ان دونون کے خصائص دماغی کے مقابلہ سے

ل Creasy's History of Ottoman Turks.

معلوم ہوا کہ چمپانزی کسی حالت مین بن مانس سے عقلاً کم نہین،

" اس وحشی انسان کی زبان مین کل ۱۰۰ الفاظ ہین، اسکا حافظہ بے شبہہ نہایت قوی ہے، لیکن استدلال واستنباط کی قوت گویا مفقود ہے، چنانچہ لفظ " پرسون "، کا کوئی مفہوم ہی اسکے دماغ مین نہین پیدا ہوتا، اور نہ وہ تین سے زاید گنتی گن سکتا ہے، وقت و زمان کا چونکہ اسے کوئی تخیل نہین، اسلئے وہ اپنی عمر بھی نہین بیان کر سکتا، لیکن غالباً اسکی عمر ۵۰ سال کی ہے، زمین پر جھاڑو دیتے وقت اگر اسکی نگرانی پوری طور پر رہے تو وہ ٹھیک کام کرتا ہے، لیکن اگر نگاہ ذرا چوک جاتی ہے تو وہ سارا خس وخاشاک سابق کی طرح از سر نو زمین پر بکھیر دیتا ہے، اسے جلد غصہ نہین آتا بلکہ علی العموم وہ بہت ہی خوش مزاج رہتا ہے اسکی زبان مین " مان " اور " باپ " کے لئے الفاظ ہین مگر وہ دونون مین کوئی فرق نہین کرتا "

اسکے مقابلہ مین چمپانزی جسکے کان بہت بڑے ہین، اسکی عمر ۱۳ سال کی ہے، اور قد ۲ فٹ ۸ انچ ہی اسکا وزن ۴۰ پونڈ (تقریباً ۲۰ سیر) ہے، محققین کا اسپر اتفاق ہے کہ اسکے اعمال سے صاف قصد و تعقل، غور وفکر مترشح ہوتا ہے، اسکو جب کوئی شخص مٹھائی دیتا ہے تو وہ اسے اپنے آقا کے جب ہدایت اسی کے ہاتھ مین دیدیتا ہے لیکن اگر مٹھائی کی ڈلی ایک سے زاید ہوتی ہے تو ایک وہ اپنی ہتھیلی مین چھپا لیتا ہے، اسپر اگر آقا ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے تو وہ اپنی بے قصوری ثابت کرنے کو خالی ہتھیلی اسے دکھا دیتا ہے، اس فعل کا صدور ظاہر ہے کہ بغیر عقل کی وساطت کے نہین ہو سکتا۔

ایک مرتبہ سنگ مرمر کے دس ٹکڑے اسے کھیلنے کے لئے دیئے گئے، جن سے وہ دن بھر کھیلتا رہا، اسکے بعد وہ بکس جسمین وہ ٹکڑے تھے، اس سے لیلیا گیا، اور ان مین سے دو ٹکڑے غائب کر دیئے گئے، اب وہ بکس جب دوبارہ اسے دیا گیا تو اس نے آٹھون ٹکڑون کو گن کر باقی دو کی تلاش شروع کی،

اس وحشی انسان کے مقابلہ مین جو تین سے اوپر گنتی نہین جانتا تھا یہ بندر گویا نیوٹن تھا جو آٹھ تک گن لیتا تھا، اور جمع و تفریق سے واقف تھا۔

اخبار علمیہ

ماہ گذشتہ مین آکسفرڈ یونیورسٹی پریس نے ایک بلند پایہ کتاب مسلمانون کے فن تعمیر پر شایع کی ہے جسکا نام "اسلامی طرز تعمیر، اسکا آغاز و ارتقا،، (Muslim Architecture its origin and development) ہے، اصل مصنف ایک اطالوی محقق جی، ٹی، ریوویرا ہے، اطالوی زبان سے انگریزی ترجمہ مسز رشفورتھ نے کیا ہے، کتاب مین اصلی بحث مسجد و محراب کے طرز تعمیر اور اسکی تاریخ سے کیگئی ہے، ایکسو اسی تصاویر بھی شامل ہین،

حیدرآباد دکن کی مجلس آثار قدیمہ (آرکیالوجیکل سوسائٹی) نے اپنے بانی سر الگزنڈر پنے کی یادگار مین ہر دوسرے سال ایک طلائی تمغہ اس شخص کو دینا تجویز کیا تھا جو دکن تاریخ یا آثار قدیمہ پر بہترین تصنیف کرے، چنانچہ ۱۹۱۸ء مین چھ مختلف اصحاب نے اس تمغہ کے حصول کی کوشش کی، فیصلہ کرنے والی کمیٹی کے تینون ارکان آکسفرڈ یونیورسٹی کے مشاہیر فضلا تھے، یعنی ڈاکٹر اسمتھ (ماہر فن تاریخ) ڈاکٹر کروک (ماہر علم الانسان) و ڈاکٹر میرٹ (ماہر علم الاجتماع) اس کمیٹی نے سب سے بہتر تصنیف مسٹر ہنری کزنس کی قرار دی، جسکا عنوان "بیجاپور اور اسکے آثار" ہے، دوسرے نمبر پر پروفیسر پنچانن مترا کی تصنیف "دکن کی اقوام و تہذیب عصر قبل تاریخ مین" قرار پائی۔

علم ہیئت کی ایک فاضلہ مس لومس نے حساب لگاکر بتایا ہے، کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جسکی شرح رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہو، اگر آسمان کی سیر کیجائے اور درمیان مین مطلق توقف نہ کیا جائے، تو انسان پانچ ہفتون مین

قمر تک پہنچ سکتا ہے، زہرہ تک کچھ اوپر ۱۴ سال مین مریخ تک ۲۰ سال مین، مشتری تک دوسو برس مین، زحل تک سانہے چار صدیون مین، عطارد تک کم وبیش ایک ہزار سال کی مدت مین، اور نیچون تک ڈیڑھ ہزار سال مین!

لیکن یہی مسافتین اگر روشنی کی رفتار سے طے کیجائین جسکی شرح ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی ثانیہ ہے تو کرۂ ارض کا چکر ½ ثانیہ مین لگایا جاسکتا ہے، قمر تک ½۱ سکنڈ مین پہنچا جاسکتا ہے، آفتاب تک ۸ منٹ مین اور نیچون تک کچھ اوپر چار گھنٹہ مین،

یہ حال سیارون کا تہا، ثوابت (ستارون) کا فاصلہ ان سے بدرجہا زیادہ ہے، اُنکی خارج از وہم وقیاس مسافت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اگر ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جسکی شرح رفتار دوسو میل فی گھنٹہ ہو گی اور جو ایک لحظہ کے لئے بھی کہین توقف نہ کریگا نیچون سے قریب ترین ستارہ تک سفر کیا جائے، تو اُس مین ایک کرورہ ۴ لاکھ سال کی مدت صرف ہوگی، اور اس اثنا مین خود نظام شمسی معلوم نہین کہان سے کہان پہنچ جائے، اسلئے کہ آفتاب مع اپنے نظام کے برابر ۱۲ میل فی سکنڈ کے حساب سے آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔

آخری اعداد کے بموجب سال گذشتہ مین ہندوستان مین مدارس کی تعداد ۱۹۶۹۱۹ تھی، اسمین بمقابلہ سال پیوستہ کے ۴۲۶۱۴ کا اضافہ ہوا، طلبہ کی مجموعی تعداد ۸۰۶۸۴۹۷ تھی، اسمین بہ نسبت سال پیوستہ کے ۹۹۶،۱۲۲ کا اضافہ ہوا، سال پیوستہ مین آبادی کے تناسب سے طلبہ کی تعداد ۲۲،۳ تھی، سال گذشتہ مین ۲۶،۳ تک پہنچی، اساتذہ کی مجموعی تعداد سال گذشتہ ۲۹۲۷۳۹ تھی، جسمین سے ۹۵۵۴۲ ٹرینڈ تھے اور ۱۹۸۷۶ زیر ٹریننگ تھے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ سال عیسوی ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے، جسکے بعض مہینے ۳۰ اور بعض ۳۱ دن کے ہوتے ہیں، حال میں امریکہ میں یہ تحریک زور و شور سے ہوئی ہے، کہ سال کے سب مہینے مساوی مدت کے ہونے چاہئیں اور ہر مہینہ ۲۸ دن کا ہونا چاہیئے، اس حساب سے بارہ مہینوں کی مجموعی مدت ایام ۳۳۶ دن کی ہوتی ہے، اسکے لئے یہ تجویز ہے کہ ایک تیرہوان مہینہ لبرٹی کے نام سے اضافہ کیا جائیگا، جو فروری و مارچ کے درمیان ہوگا اور جو ۲۹ دن کا ہوگا، اس تقویم میں سہولت یہ ہوگی کہ ہر ماہ دوشنبہ سے شروع ہوگا اور یکشنبہ کو ختم ہوگا، اور جس روز جو تاریخ پڑیگی اسی کے مطابق ہمیشہ واقع ہوتی رہیگی، ۳۰ دسمبر و یکم جنوری کے درمیان ایک نئے دن کا اضافہ کیا جائیگا جسکا نام محض "نوروز" ہوگا، علیٰ ہذا حساب کو درست کرنے کے لئے ۲۸ فروری و یکم مارچ کے درمیان ایک نیا دن بڑھانا پڑیگا جسکا نام "یوم اصلاح" ہوگا، اگر یہ تحریک مقبول ہوگئی تو ۱۹۲۲ء سے اسپر عمل شروع ہوجائیگا،

آثار علمیہ و تاریخیہ

نامۂ سرسید و شبلی

دربارۂ تفویض تعلیم دینیات بمولوی عبداللہ صاحب انصاری

قبلہ ام - آداب، مولانا عبداللہ صاحب انصاری ماشاء اللہ جلیل القدر فاضل اور نہایت بابرکت شخص ہیں، اب یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ جو کہ خاکسار کالج کلاس کے طلبہ کو پڑھاتا ہے، وہ مولانا صاحب ممدوح کے تعلق کر دیا جائے، علاوہ عمدہ تعلیم پانیکے طلبہ کو انکی برکت سے روزانہ مستفیض ہونے کا موقع ملیگا -

شبلی،

۲۰ جنوری ۱۸۹۵ء

شمس العلما مولوی شبلی صاحب،

یہ کام مولوی عبداللہ صاحب کے متعلق نہیں ہو سکتا، اُن سے ایک خاص کام طے ہوا ہے، وہ دیگر خدمات سے ہمیشہ مستثنیٰ رہیں گے، لہذا یہ کام اُنکے متعلق کرنا مناسب نہیں ہے، آپ برسوں سے بخوشی خاطر یہ کام کر رہے ہیں، اب کیوں خودغرضی سے جی چُراتے ہو،

سید احمد

۲۰ - جنوری ۱۸۹۵ء

قبلہ ام - اگر جناب کو کچھ خرابی کا احتمال ہو تو مولوی عبداللہ صاحب کے تعلق یہ کام صرف ایک دو مہینے کے لئے کر دیا جائے، میری یہ استدعا ایک معمولی بات تھی لیکن بعض وقت بدقسمتی سے چھوٹی سی بات بھی ایک امر مہم بنجاتا ہے، جب مولوی صاحب ہر ہفتہ نہایت تفصیل و توضیح کا موقع پاکر دعظ میں

محتاط ہو گئے ہین تو ترجمہ مین کیون نہ احتیاط کرین گے، مین پہلے روز انکو قرآن کے گھنٹہ مین بلا کر دکھا دونگا
مین کس طرح پڑہاتا ہون اور آپ کو بھی یون ہی پڑہانا چاہیئے، وہ ضرور اسی طرح پڑہائین گے، کالج کا
بجز اسکے کوئی نقصان نہین ہے، بلکہ جو شخص خاص دینیات کے لئے ایک معقول مشاہرہ پاتا ہو،
کالج کی انتظامی حیثیت سے یہ کام اُسکے متعلق ہونا بہتر ہے، میری ذاتی غرض صرف اسقدر ہے کہ مجھکو
لکھنے پڑھنے کے لئے وقت نکل آئیگا، ورنہ چونکہ جاڑون مین مدرسہ ۹ بجے سے ہوتا ہے اور صبح
۷ بجے ہوتی ہے، اسلئے ضروریات سے فارغ ہو کر ذرا دیر کے بعد کھانا کھانے کے مدرسہ کے
جانیکی پڑجاتی ہے، اگر میری اس استدعا کو میرے جی چرانے اور کسی قسم کی خود غرضی پر محمول کیا جائے
تو میری کمال بد قسمتی، اس باب مین میرے یہ آخری کلمات ہین -

شبلی.

۲۲ - جنوری،

مولوی شبلی صاحب،

آپ نے اپنی طولانی تحریر کو ایسے عنوان سے شروع کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھکو
مولویصاحب کے کام پر اطمنان نہین، (حاشا وکلا) اگر ایسا ہوتا تو ایسا عظیم الشان کام جو کہ کالج کی
جان ہے اُنکے سپرد ہرگز نہ کیا جاتا، مجھے ان پر بہت بڑا اطمنان ہے، وہ صدہا علمارمین سے اس
جلیل القدر کام کے واسطے منتخب کئے گئے ہین، شاید آپکا خیال خرابی یا بے اطمنانی کی طرف میرے
اس لفظ سے گیا ہوگا کہ (یہ کام انکے متعلق کرنا مناسب نہین) اسکے یہ معنی ہین کہ مین کسی طرح اُنکے
خلاف مرضی کوئی کام انکے متعلق کرنا پسند نہین کرتا اگر مین منشی سعید احمد صاحب کی معرفت مولویصاحب کی
مرضی مبارک دریافت کرونگا -

۲۲ - جنوری سنہ ۹۵ء

ادبیات

بزم سخن

جولائی کے وسط ہفتہ میں ہندوستان مین ہر جگہ برسات کا موسم ہوگا لیکن دار المصنفین مین ان دنون فصل بہار تھی کہ بعض وہ احباب جنکے وعدون پر کئی بہارین گذر چکی تھین اور وہ پورے نہین ہوتے تھے، اس ہفتہ مین تکمیل کو پہنچے، یہ سارا ہفتہ گو علم و فن اور شعر و سخن کے تذکرون سے معمور رہا، لیکن وہ لذت و کیف ابتک باقی ہے، جب ایک شب ماہ مین یہ طے پایا کہ ہر صاحب اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے مرزا غالب کا ایک ایک دو دو شعر جو انکے نزدیک بہترین ہو سنائین اس ادبی دسترخوان پر جو سامان ضیافت جمع ہوا چونکہ وہ عزۂ عام تھا اسلئے ہم انکو اپنے ناظرین کے سامنے بھی آج چن دیتے ہین۔

پروفیسر عبد الباری صاحب ندوی،

محرم نہین ہے تو ہی نواہائے راز کا — یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھا رہون تصور جانان کئے ہوئے

مولوی عبد السلام صاحب ندوی،

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

مولوی عبد الماجد صاحب بی اے،

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد — عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

ہان کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہین کہ ہے نہین ہے

سید سلیمان ندوی،

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

مولوی ابوالحسنات صاحب ندوی،

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ۔۔۔ مشکلین اتنی پڑین مجھ پر کہ آسان ہو گئین

جانفزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا ۔۔۔ سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہو گئین

مولوی ضمیرالدین صاحب بی-اے ال ال بی،

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز ۔۔۔ مین ہون اپنی شکست کی آواز

فریاد اکبر

اصلی غم و شادی کا نہین قوم مین اب حس ۔۔۔ چشم عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود

پابند ہین اُسکے رزولیوشن جو ہو پاس ۔۔۔ ہنسنے پہ بھی تیار ہین رونے کو بھی موجود

انور سے کہا مین نے کہ خاموش ہو کیون تم ۔۔۔ تقریر نہ تحریر نہ غصہ نہ خوشامد

بابو کے نہ دمساز نہ یارون کے ہم آواز ۔۔۔ ماہی ہین نہ ممتاز نہ اشتر مین سر آمد

کہنے لگے کیا آپکو معلوم نہین ہے، ۔۔۔ "آنرا کہ خبر شد، خبرش باز نیامد"

بدھ خ سنے پیش کمیشن کہدیا اظہار مین ۔۔۔ قوم کالج مین اور اُسکی زندگی اخبار مین

شوہر افسردہ پڑے ہین اور مرید آوارہ ہین ۔۔۔ بیبیان اسکول مین ہین، شیخ جی دربار مین

فکرِ سہیل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی

سنائین کسکو الٰہی غمِ نہان اپنا　　اس انجمن مین نہین کوئی ہمزبان اپنا

ملا نہ بیخبری مین کہین نشان اپنا　　سراغ ہم نے لگایا کہان کہان اپنا

مٹایا ہم نے محبت مین خانمان اپنا　　نہ ہو سکا مگر اب بھی وہ بدگمان اپنا

نہین ہے خوفِ اسیری سے ہمتِ پرواز　　ہمین تو کنج قفس ہے یہ آشیان اپنا

بری ہے صورتِ طیارہ رغبتِ پرواز　　ہمیشہ سینے مین گھٹکر رہا دھوان اپنا

دہان زخم پہ کردی ہے رعبِ حسن نے مہر　　سنائے کیا غمِ دل عشقِ بے زبان اپنا

مجھے بھی اذن فغان مل سکے تو مرغ اسیر　　ترے قفس سے بدل لون مین آشیان اپنا

کسی طرح تو ملے داد سخت جانی کی　　بنالین کاش مجھے سنگِ آستان اپنا

تری چھری سے نہ جھپکیگی آنکھ اے صیاد　　ازل سے برق کا دامن ہے آشیان اپنا

یہ امتیازِ من و تو مٹا محبت مین　　کہ آپ پر مجھے ہونے لگا گمان اپنا

لحد مین کوئی نہین ہے شریک تنہائی　　بلا سے ایک زمانہ ہے نوحہ خوان اپنا

الٰہی خیر کہ صیاد لیکے دستۂ گل　　چلا ہے آج سجانے کو آشیان اپنا

دیارِ حسن کی آب و ہوا معاذ اللہ　　کہان سے بھول پڑا امین کاروان اپنا

وفا فروش نہین ہم کہ مثلِ لالۂ و گل　　پھرین دکھاتے ہوے زخم خونچکان اپنا

یہ امنِ سلطنت حسن ہے کہ اہل وفا　　ہتھیلی پر لئے پھرتے ہین نقد جان اپنا

صدائے زنگلۂ دل پیام عبرت ہے　　روان ہے منزل ہستی سے کاروان اپنا

سکوتِ شمع پہ صدقے ہزار نطق سہیل　　یہ کہہ سکی تو سر بزم سوز جان اپنا

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ التعلیم، مرتبۂ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ایم اے، ڈی ایس سی، پرنسپل علیگڈھ کالج، ضخامت ۱۲۴ صفحہ، سائز ۲۰×۲۶، قیمت عہ، ملنے کا پتہ: - دفتر کانفرنس علیگڈھ،

ڈاکٹر صاحب ہماری قوم مین بحیثیت ماہر فن تعلیم مدت سے شہرت رکھتے ہین چنانچہ آج سے تیرہ چودہ برس پیشتر جب وہ یورپ سے واپس آئے ہین، اسی وقت سے انکی ذات سے بہترین تعلیمی توقعات وابستہ ہوگئی تھین جوافسوس ہے کہ اب تک برائے نام ہی پوری ہوئین، تاریخ التعلیم انکی شاید سب سے پہلی تالیف ہے، بقول مولف تاریخ تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ

نوع انسان نے جو ترقی ہر ملک ہر زمانہ و ہر قرن مین ذہنی و اخلاقی حیثیتون سے کی ہے، اسکے تمام حالات و کیفیات اور اُسکے متعلق تمام معلومات "

فراہم کئے جائین، اسقدر وسیع موضوع کو سنبھالنا کوئی آسان امر نہ تھا، جناب مولف کو خود اعتراف ہے کہ

" یہ مختصر اوراق اُسکے بیان کرنے کے لئے ہرگز کافی نہین ہوسکتے "

اسلئے اُنھون نے اسکی صرف ایک شاخ فن تدریس کو انتخاب کیا، اور اسکو بھی چار حصون مین تقسیم کیا جنمین سے صرف حصہ اول ہنوز شایع ہوا ہے، اس حصہ کا موضوع "مسئلۂ تعلیم کی تاریخ علمی و عملی حیثیتون" سے بیان کرنا ہے،

تمہید کے بعد صفحہ ۵ پر "باب اول" درج ہے، جسکے نیچے کوئی توضیحی عنوان نہین، "باب اول" سے قدرتی طور پر یہ متبادر ہوتا ہے کہ آگے اور ابواب بھی ہونگے لیکن شاید ساری کتاب ایک ہی باب کے نذر ہوگئی، بلکہ جس اچانک طریقہ پر کتاب کا خاتمہ ہوا ہے، اس سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ غالباً باب اول کا کچھ جزو اب بھی باقی رہ گیا ہے جو آیندہ حصون مین درج ہوگا،

ایسے مواقع پر فہرست مضامین بہت سہولت پیدا کردیتی ہے لیکن اس کتاب مین شاید فہرست کا اندراج

بھی سہواً رہ گیا۔

فن تدریس کے مورخ سے توقع یہ تھی کہ قدیم متمدن اقوام کے طریقۂ تدریس پر شرح وبسط سے گفتگو کریگا۔ لیکن تاریخ التعلیم مین متعدد اہم اقوام قدیمہ مثلاً اہل چین واہل مصر کا مطلق ذکر نہین، اور ہندوستان اور بنی اسرائیل کا صرف دو دو صفحون مین ذکر ختم کر دیا گیا ہے، جس سے معلوم نہین ناظرین کے کس طبقہ کی معلومات مین اضافہ مقصود تھا، یونان، ممالک اسلامی اور یورپ کے مشاہیر علما تعلیم کے اصول وخیالات پر البتہ کسیقدر تفصیل سے لکھا گیا ہے لیکن یہ معلومات تمامتر وہ ہین جو اس فن سے متعلق انگریزی کی ہر متداول کتاب مین مل جاتے ہین،

اعداد وواقعات کی نقل مین سامحت وبداحتیاطی کی جابجا مثالین ملتی ہین، صفحہ ۱۱۰ پر تحریر ہے کہ اسپنسر کی مشہور ترین کتاب "کا نام "فلسفۂ ترکیبی" تھا، حالانکہ اس نام سے اسکی کوئی کتاب موسوم نہین "فلسفۂ ترکیبی" درحقیقت اُسکے پورے نظام فلسفہ کا نام تھا جسکے سلسلہ مین اُس نے متعدد مجلدات تیار کئے ہین، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مولانا شبلی کی بہترین تصنیف کا نام "سلسلۂ آصفیہ" تھا۔

اسی صفحہ پر اسپنسر کا سال وفات ۱۸۹۳ء لکھا ہے حالانکہ وہ ۱۹۰۳ء تک زندہ رہا تھا اسطرح کی متعدد مثالین ہین۔

کتاب کی زبان وطرز ادا کے متعلق افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسمین کسی قسم کی دلکشی نہین، اکثر مقامات پر صاف ترجمہ معلوم ہوتا ہے اور ترجمہ بھی لفظی، جملون کی ساخت وترکیب عموماً اُردو کے لئے نامانوس ہے، دو ایک لفظ تقریباً ہر صفحہ پر ایسے آگئے ہین جو ادنیٰ توجہ سے درست ہوسکتے تھے، صفحہ ۱۶ پر "مادہ پرستی" یا "مادیت" کے بجائے "مادیت پرستی" "اولیٰ" کے بجائے "اولیٰ تر" صریحاً غلط ہین، کہین کہین عبارت بالکل بے معنی ہوگئی ہے،

لیکن باوجود ان کمزوریون اور لغزشون کے کتاب کا مطالعہ فی الجملہ بہت سے ناظرین کے لئے مفید ہوگا اور بحیثیت مجموعی ہمین یہ کہنے مین تامل نہین کہ اگرچہ تاریخ التعلیم ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کی تعلیمی شہرت سے بہت ہی فروتر ہے تاہم اُردو کی نلواری کو دیکھتے ہوے یہ بھی غنیمت ہے، ڈاکٹر صاحب اگر آیندہ ایڈیشن مین زیادہ توجہ واحتیاط ملحوظ رکھین تو یقیناً اس سے بہتر ومفید تر کام کرسکتے ہین۔

مطبوعات جدیدہ

مشاہیر یونان و روما جلد دوم، یونانی حکیم پلوٹارک کی مشہور کتاب "پیرلل لائوز" کا دوسرا ترجمہ از جناب سید ہاشمی فریدآبادی شایع کردہ انجمن ترقی اردو۔ اس کتاب کا پہلا حصہ گذشتہ سال شایع ہوچکا ہے، اب اسکا دوسرا حصہ شایع ہوا ہے، یہ یونان و روما کے مشہور خطبا اور رجال سیاست کی سوانحعمریان ہین، انمین نہایت خوبی کے ساتھ ان خصوصیات کو نمایان کیا گیا ہے، جو انکی کامیابی اور شہرت دوام کا باعث ہوئین۔

ترجمہ کی عبارت جلد اول سے بہت زیادہ سلیس، روان اور صاف ہے گو اب بھی ناقدین کہین کہین لفظی گرفت کرسکتے ہین، لیکن کم ہماری راے مین جناب مترجم مجموعی حیثیت سے اپنی کوشش مین کامیاب رہے ہین، اور انکا قلم ہر آیندہ سال گذشتہ سال سے بہتر نمونہ پیش کر رہا ہے، صفحے ۳۰۸، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ سفید تقطیع کتابی قیمت مجلد عہ؍ غیر مجلد عمہ؍ پتہ:- صدر دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

رسالہ علم نباتات، اردو زبان مین فلاحت و باغبانی پر گو بہت پرانی کتابین موجود ہین، لیکن مستقل علم نباتات پر اب تک کوئی کتاب موجود نہین تھی، اسباق الاشیاء مین معمولی باتین ہوتی ہین، جناب مولوی محمد یوسف صاحب صدیقی ایم، آر، اے، ایس بہت کچھ شکریہ و تحسین کے مستحق ہین، کہ انھون نے ایک مختصر رسالہ اس علم مین لکھا ہے، اور خوبی کے ساتھ لکھا ہے، رسالہ ترقی اردو کی طرف سے شایع ہوا ہے، امید ہے کہ ملک مصنف کی اس پہلی کوشش کی داد دیگا، صفحے ۳۶، تقطیع اوسط، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد عہ؍ پتہ:- صدر دفتر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)

ماہ عجم، مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی محتاج تعارف نہین، انکے افسانے ملک مین مقبول ہوچکے ہین، ماہ عجم انہی کی قوت فکر کا نتیجہ ہے، افسانہ کے پیرایہ مین اُس وقت کے واقعات لکھے ہین، جب

اسلامی فوج کا سیلاب عظیم عراق عرب سے گذرتا ہوا سرزمین ایران مین موجین مار رہا تھا، ناظرین کی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے اسمین انھون نے داستان حسن وعشق بھی چھیڑدی ہے، اور جہان ایک طرف اسمین اسلامی فوجی وجنگی حالات کا مرقع دکھایا ہے، نہایت حسن وخوبی کے ساتھ جذبات عشق ومحبت کی حالت مین بھی مسلمانون کے عمدہ کیرکٹر اور محاسن اخلاق کو بھی نمایان کیا ہے، حق یہ ہے کہ مصنف نے افسانہ نویسی کے تمام اصولون کو بڑی کامیابی کے ساتھ نباہا ہے، زبان عمدہ، سلجھی ہوئی اور صاف ہے، داستان کا مجموعی مرقع وترتیب بھی عمدہ ہے، لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ اسمین انشاپردازی صرف کیگئی ہے، ایک ہی مفہوم کے جملے متعدد طرق سے ادا کئے گئے ہین، اور کہین کہین کئی کئی سطرون تک چلے گئے ہین، ناولون اور افسانون مین ناظرین کو آیندہ واقعات کا انتظار رہتا ہے نہ کہ مصنف کے متحد المفہوم جملون کا، لکھائی چھپائی صاف، عمدہ، کاغذ سفید تقطیع کتابی صفحے ۱۱۲، قیمت خریداران رسالہ کہکشان سے قسم اول عہ، قسم دوم ۸ ر، دیگر حضرات سے عنا ر،

پتہ:- مینجر رسالہ کہکشان، لاہور،

تفسیر نے نامہ، مثنوی مولانا روم علیہ الرحمہ کے ابتدائی دو شعرون کی تفسیر کیگئی ہے، تشریح اور توضیح جو کچھ کیگئی ہے اچھی اور غنیمت ہے، صفحہ ۸ قیمت ۲ ر، پتہ:- منشی حاجی معین الدین صاحب، انجینیر مراد آباد،

لیلائے تہذیب، جناب ابن علیی صاحب جالندہری کی ایک تقریر ہے جو انھون نے آل انڈیا راجپوت کانفرنس مین کی تھی، اسمین قوم کو مذہبی تعلیم وضروریات کی طرف متوجہ ہونیکی دعوت دیگئی ہے، آخر تقریر مین انھون نے مسلمان بچون کی تعلیم کے لئے ندوہ کا نام لیا ہے، جہان مذہبی و دنیاوی دونون تعلیمون کا انتظام ہے، صفحہ ۲۴،

پتہ:- نبی بخش صاحب، کلرک پولیس ہوشیار پور، (پنجاب)

ارمغان کلکتہ، حاجی اسمعیل سیٹھ صاحب مرحوم مدراسی نے اپنے سفر کلکتہ کے واقعات جمع کئے ہین، وہ جب کلکتہ پہنچے تو انکے اعزاز مین شعرائے کلکتہ نے جو بزم مشاعرہ منعقد کی، اسکی غزلین بھی اسمین درج ہین اور شعرائے کلکتہ کے مختصر حالات بھی ہین، صفحہ ۴۸،

جلد چہارم | ماہ ذوالحجہ سنہ ۳۷ھ مطابق ستمبر سنہ ۱۹ء | عدد سوم

مضامین

شذرات

حال مین بمبئی یونیورسٹی نے اپنے ہان سوشیالوجی (عمرانیات) کی جدید پروفیسرشپ قائم کی ہے، اور اس منصب پر پروفیسر گیڈس کا تقرر کیا ہے، پروفیسر موصوف کو اپنی گوناگون حکیمانہ قابلیت کے لحاظ سے اسوقت انگلستان مین تقریبًا وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک زمانہ مین پروفیسر ہکسلے وسنڈل کو حاصل تھا، ساتھ ہی انہین ہندوستان کے ساتھ جو خلوص وہمدردی ہے، اسکا عملی ثبوت بھی بارہا ہوچکا ہے، اس لحاظ سے اس انتخاب پر پروفیسر گیڈس نہین بلکہ خود یونیورسٹی مذکور مبارکباد کی مستحق ہے،

ہندوستان کی خوش نصیبی ہے کہ اس ملک مین اس یگانۂ روزگار کے مستقل قیام کا سامان پیدا ہوگیا،
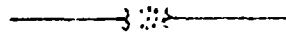
پروفیسر کاروے، مرہٹی قوم کے ایک کہن سال وجوان ہمت بزرگ ہین، انکی کوششون سے جون ۱۹۱۶ء مین پونہ مین زنانہ یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اسوقت سینٹ کے ارکان کی تعداد ۶۰ ہے، جسمین چھ خواتین ہین، چانسلر مشہور مستشرق ڈاکٹر بھنڈارکر ہین، اور وائس چانسلر فرگسن کالج کے مشہور پرنسپل پرنجپے، اسٹاف مین بمبئی یونیورسٹی کے چار ایم، اے، اور چار بی، اے کام کررہے ہین، پونہ کا زنانہ کالج (مہیلہ پاٹ شالا) اور زنانہ اسکول (مہیلہ آشرم) اس یونیورسٹی سے ملحق ہین، اسوقت پڑھنے والیان اسکول مین ۱۱۰ اور کالج مین سولہ (۱۶) کی تعداد مین موجود ہین، ابکی جون مین پہلی بیڈ ی گریجوئٹ اس سے کامیاب ہوکر نکلی ہین، جملہ علوم وفنون کی تعلیم مرہٹی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، لیکن کوشش یہ ہے کہ ہندوستان کی دیگر زبانون کو بھی آلۂ تعلیم بنایا جائے، چنانچہ ۱۹۱۸ء مین ایک لڑکی کو بجاے مرہٹی کے ہندی لیکر انٹرنس کے امتحان مین شرکت کی اجازت دیگئی، اور اسی مین وہ کامیاب ہوئی، انگریزی بطور

لازمی زبان ثانوی کے ہے، نصاب درس مین مضامین عموماً وہی رکھے گئے ہین جو عورت کے لئے خاص مناسبت رکھتے ہین، مثلاً انتظام خانہ داری، اصول حفظان صحت وغیرہ، مالیات کی صورت یہ ہے کہ مختلف چندون اور عطیون کی سالانہ میزان تقریباً ۱۵ ہزار تک پہنچتی ہے، اسکے علاوہ سوا لاکھ کے پرامیسری نوٹ ہین، جن سے ۴ ½ فیصدی منافع حاصل ہوتا ہے۔

اس "جامعۂ نسائیہ" کے خصائص امتیازی حسب ذیل ہین:-

(۱) ہندوستان، بلکہ شاید تمام دنیا مین یہ اپنی طرز کا پہلا انسٹیٹیوشن ہے، زنانہ کالج بہت سے ہین، لیکن زنانہ یونیورسٹی ایک نئی چیز ہے،

(۲) صحیح معنی مین ایک آزاد درسگاہ ہے، جسمین کسی خارجی قوت کی مداخلت نہین،

(۳) صحیح اصول کے ساتھ ایک "قومی" دارالعلوم ہے، ارکان و رفقا کا تقرر تمامتر انتخاب سے ہوتا ہے نامزدگی کا کوئی قاعدہ نہین،

(۴) نصاب درس و طرز تعلیم مین عورت کی فطرت و سرشت کا لحاظ رکھا گیا ہے، یورپ کی تقلید جامدین خواہ مخواہ مرد کے ساتھ مساوات نہین پیدا کیگئی ہے،

(۵) آلۂ تعلیم مادری زبان کو رکھا ہے،

(۶) نفع رسانی کا دروازہ کسی قوم و ملت پر بند نہین،

جس قوم کے پاس لے دیکے علیگڈھ و لکھنؤ کے کل دو ابتدائی مدارس نسوان ہون اور انکا بھی یہ حال ہو کہ ایک باوجود ہز ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کی سرپرستیون کے نیم مردہ ہوچکا ہو، اور دوسرے کی سسکتی ہوئی زندگی کا سہارا تمامتر مرحوم کرامت حسین اور راجہ صاحب محمود آباد کی فیاضیان ہون، وہ اگر اس عالی حوصلہ

و بلند ہمت قوم سے مقابلہ و مسابقت کا دعوی کرے، جو اس کامیابی کے ساتھ اسکول نہین، کالج نہین، بلکہ یونیورسٹی تو
چلادی ہو، تو اسکی عقل و دانش سے متعلق کیا راے قائم کرنا چاہتے ہو،

بنگال کے ایک مایۂ ناز فرزند ڈاکٹر سدھندر و بوس ایم، اے، پی، ایچ، ڈی ایک عرصے امریکہ کی ایک یونیورسٹی مین پولیٹکل سائنس (علم السیاست) کے پروفیسر ہین، حال مین انکا ایک مضمون شایع ہوا ہے جسمین انھون نے اپنے ہموطن ماہرین تعلیم کو امریکہ مدعو کیا ہے، کہ "نئی دنیا" کی حیرت انگیز تعلیمی ترقیون کا مشاہدہ کرکے ان عجائب و نوادر کو ہندوستان مین روشناس کرین، مہمان عزیز کی اس فہرست مین ہندو یونیورسٹی، زنانہ یونیورسٹی پونہ، میسور یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی، اور یادش بخیر "مسلم یونیورسٹی" کے نام بھی ہین، "غیرون" کا حال تو معلوم نہین کہ وہ اس رقعۂ دعوت کا کیا جواب دینگے، لیکن "اپنون" سے عرض ہے کہ قبول دعوت سے پیشتر اس امر پر غور فرما لیا جائے کہ اگر میزبان کے میز سے یہ صدا اٹھی کہ

تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی؟

تو کیا جواب ہوگا؟

میسور کی مجموعی آمدنی تقریبًا ۳ کرور سالانہ ہے، اسمین سے تعلیم کی مد پر ۳۴ لاکھ صرف ہوتے ہین، بڑودہ کا مجموعۂ محاصل تقریبًا ۲ کرور سالانہ ہے، اسمین سے تعلیم پر ۲۰-۲۱ لاکھ صرف آتا ہے، ٹرانکور کی سالانہ آمدنی کا مجموعہ ایک کرور ۵۷ لاکھ ہے، اسمین سے ۲۰-۱۹ء کے تخمینہ کے مطابق تعلیمی بجٹ کی میزان ۲۶ لاکھ رکھی گئی ہے، انکے مقابلہ مین "اسلامی" ریاستون کا ذکر نہین، سوال یہ ہے کہ حکومت ہند کی مجموعی آمدنی اور اسکے تعلیمی مصارف مین ہر سال کیا تناسب رہتا ہے؟

زبان کی لکنت بھی منجملہ ان امراض کے ہے جو افسوسناک اور انسان کی حیثیت افادی میں حارج ہوتے ہیں، پھر بلحاظ کثرت تعداد بھی اُسکا یہ حال ہے کہ بعض محققین کے اندازہ میں فی ہزار پانچ افراد ضرور اس کے مریض پائے جاتے ہیں، ایسی صورت میں بقول معاصر انڈین ایجوکیشن، گورنمنٹ کا فرض ہونا چاہیئے کہ جس طرح اندھوں، اور گونگوں کی تعلیم کے مخصوص انتظامات ہوتے ہیں، لکنت کے مریضوں کے لئے بھی ایک مخصوص درسگاہ قائم کرے، جسمیں اُنکا علاج بھی ہوتا رہے، لیکن اگر گورنمنٹ اس فرض کو ادا کرنے لئے تیار نہیں تو باہمت افراد قوم کو اس میدان عمل میں قدم رکھنا چاہیئے، انگلستان، جرمنی، فرانس وغیرہ تمام متمدن ممالک میں اس قسم کے شفاخانے قائم ہیں، امریکہ کے بعض بڑے شہروں میں صرف شفاخانے ہی نہیں قائم ہیں، بلکہ اس مرض کے معالجہ کے اصول کی بھی تعلیم ہوتی ہے، جاپان میں جو دار الصحت اس مقصد کے لئے ہے وہ تمامتر افراد قوم کا قائم کردہ ہے گو کبھی کبھی سرکاری اعانت بھی اسمیں شامل ہوجاتی ہے، ۱۶ برس کے عرصہ میں دس ہزار سے زاید مریض اُسکے ذریعہ سے صحت پاچکے ہیں، اور تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ۱۲ اور ۳۰ سال کی درمیانی عمر کے مریض جلد تر صحتیاب ہوجاتے ہیں،

ہندوستان میں سرکاری حیثیت سے انگریزی کے اعلیٰ نظام تعلیم کو قائم ہوے ساٹھ (۶۰) سال ہوچکے، اس وسیع مدت میں سرکاری یونیورسٹیوں کی تعداد کل چھ (۶) تک پہنچ سکی ہے، ان یونیورسٹیوں میں جو نقائص ہیں ان سے قطع نظر کرکے اگر محض تعداد و کمیت کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی اتنے بڑے رقبہ اور اتنی بڑی آبادی میں ان معدودے چند یونیورسٹیوں کا وجود بالکل ایسا ہی ہے کہ ہزارہا میل کے لق ودق ریگستان میں ایک یا دو کنوئیں بنا دینا کافی سمجھ لئے جائیں، اعداد ذیل سے معلوم ہوگا کہ ہر یونیورسٹی کسقدر وسیع رقبہ اور کسقدر کثیر آبادی پر محیط ہے :-

	میل	آبادی
۱- کلکتہ، -	۳۷۶۴۰۲	۱۶۷۰۴۸۶۵

(۲) بمبئی	۱۹۵۱۱۱	۲۹۱۲۷۶۲۲
(۳) مدراس	۲۳۷۱۵۹	۵۹۷۶۶۸۹۶
(۴) پنجاب	۳۹۴۱۲۸	۳۲۰۱۵۱۱۸
(۵) الہ آباد	۴۵۲۴۰۸	۸۴۴۳۶۱۹۶
(۶) پٹنہ	۱۱۱۸۸۱	۳۸۴۳۵۲۹۳

گویا ہر یونیورسٹی کا دائرۂ حکومت کروڑون اشخاص کی آبادی اور لاکھون میل کے رقبہ پر شامل ہے!! یہ ہماری یونیورسٹیون کی وہ فضیلت مخصوص ہے جسکے لحاظ سے یورپ وامریکہ کی کوئی یونیورسٹی انکی ہمسری کی مدعی نہین ہوسکتی!

یورپ مین اب تک دستور یہ چلا آتا تھا کہ جب معاہدہ یا صلحنامہ مرتب ہوتے تو خدا کا ذکر ان مین حسب موقع ضرور ہوتا، "بہ تائید ایزدی ایسا ہوا" "خدا کی مرضی سے ایسا ہوگا" "خدا کے فضل وکرم کے بھروسہ پر یہ توقع ہے" اس طرح کے فقرے شروع یا آخر مین ضرور کہین نہ کہین ہوتے تھے لیکن اس جنگ عظیم کے خاتمہ پر لیگ آف نیشن (مجلس اقوام) کا جو نظام عمل عقلاء فرنگ نے مرتب کیا، اسمین اس قسم کی کوئی تصریح کیا اشارہ تک نہین، اسپر یورپ وامریکہ کے اخبارات ورسائل مین ہر طرح کی رائے زنی ہورہی ہے، مذہبی گروہ اس پر سخت برہم ہے اور کہتا ہے کہ مذہبی بے اعتنائی اور عملی الحاد کی یہ بدترین مثال ہے، آزاد خیال گروہ اسکے مقابلہ مین فخر ومسرت کا اظہار کرتا ہے، اور اوہام پرستی پر عقلیت کے غلبہ کی اسے کامیاب علامت قرار دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر دلون مین خلوص نہین اور اس عقل آرائی سے مقصود تمامتر دوسرون کو اور خود اپنے نفوس کو فریب دینا ہی تو مذہبی گروہ کو بجاے ناخوش ہونے کے خوش ہونا چاہیئے کہ ایسی تحریر کا سرعنوان اسم پاک کو بنا کر اسکی توہین نہین کیگئی، زلیخا نے جب بدکاری کا ارادہ کیا تو اپنے معبود پر پردہ ڈال دیا، خدا پرستون کو اتنی غیرت تو بہرحال ہونی چاہیئے۔

مقالات

مجسمون اور تصویرون کے متعلق اسلام کا شرعی حکم

ایک مدت سے احباب کا تقاضا تھا کہ مین اس موضوع پر کچھ لکھون، احباب کا اصرار تو یہان تک بڑھا کہ وہ آزردگی کی حد تک پہنچگیا، لیکن مین صرف اسلئے بہانہ جوئی کر رہا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق خود مجھے اطمینان قلب اور انشراح صدر حاصل نہ تھا، اور کسی مسئلہ شرعی پر بغیر اس کیفیت کے حصول کے کچھ لکھنا اشاعت باطل کا فرض ادا کرنا ہے،

نہ صرف ہندوستان مین بلکہ تمام عالم اسلامی مین یہ مسئلہ علماے دین مین مدتون زیر بحث رہا ہے، مصر کے علما مین سے مفتی عبدہ مرحوم نے تو اسکے جواز کا فتوی دیا ہے بشرطیکہ وہ بت پرستی کی حد سے باہر ہو، علامہ سید رشید رضا مصری نے المنار کے متعدد فتاوی مین اسکو جائز بتایا ہے،

ہندوستان مین گو کسی عالم نے مستقل اس بحث کو نہین چھیڑا لیکن عموماً علماے ہند کے درمیان یہ مسئلہ عدم جواز ہی کی حالت مین ہے، مولوی چراغ علی مرحوم نے اس واقعہ سے کہ حضرت سلیمان کے محل مین مجسمے اور تصویرین تھین انکو مطلقاً جائز سمجھانا چاہا ہے، اخیر زمانہ مین اس مسئلہ نے ہندوستان مین اسلئے اور بھی پیچیدگی اختیار کرلی کہ ہندوستان کا مشہور مذہبی رسالہ الہلال کلکتہ سے نمودار ہوا تو اس شان سے کہ ایک طرف تو اتباع شریعت اور عمل بالقرآن والسنۃ کا صحیفۂ دعوت اسکے ہاتھ مین تھا اور دوسری طرف اسکے دوسرے ہاتھ مین خوشنما اور خوشرنگ تصویرون کا البم تھا،

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

اسی زمانہ مین مجھسے اس مسئلہ کی توضیح کی فرمائش کی گئی تھی، لیکن دیوان قضا مین یہ خدمت معارف کے لئے طے ہوچکی تھی ورنہ کہین کیونکر انجام پاتی، وبفضل اللہ التوفیق والصواب،

آجکل تصاویر دنیا کی تہذیب جدید کا جزء ہوگئی ہین، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس خاکی دنیا کے علاوہ ایک اور کاغذی دنیا پیدا ہوگئی ہے، جو افلاطون کے عالم مثل سے زیادہ حیرت انگیز اور وسیع ہے! عالم مثل صرف کلیات کا مسکن ہین، لیکن ہماری تصاویر کا عالم کلیات وجزئیات، جواہر واعراض سب کا مسکن ہین!

تصویر کشی کا آغاز کیونکر ہوا؟ یہ فانی انسان کی آرزوے خلود اور آنکھون سے دور اور اوجھل ہستیون کی خواہش دید کا نتیجہ ہے، پُر زور سے پر زور اور طاقتور سے طاقتور انسان زندہ نہین رہتا ہے اور ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ وہ کبھی ہم سے جدا نہو، وہ ہماری آنکھون سے پنہان نہو، اُسکی کیا صورت ہے، صرف یہ ہے کہ اسکی نقل اور عکس جو ہماری آنکھون مین اصل کی کیفیت پیدا کرے، ہمارے سامنے موجود ہو، یہین سے ہیرو ورشپ یعنی نامور پرستی کا آغاز ہوتا ہے،

دیوتا جو جاہل انسانون کے خدا تھے، انکے پرستار چاہتے تھے کہ وہ ہمارے سامنے آئین، ہم انکی خدمتگذاری کرین، اُنکے دیدار سے متمتع ہون، وہ مجسم ہوکر ہمارے گھرون مین رہین کہ ہمارے گھر مصیبتون اور بلاؤن سے محفوظ رہین، ہم اُنکے سامنے سجدہ مین گرین، ہم انکو اپنا خدا کہکر یاد کرین، اور اُنکی صورت سے تسکین حاصل کرین، اسکی تدبیر بجز اسکے کیا ہے کہ پتھر، مٹی، سونا، چاندی اور دیگر ٹھوس چیزون سے ہمارا تخیل انکی صورتگری کرکے اُنکو مجسم کردے۔

قدیم زمانہ مین یہی ایک چیز تھی جو دنیا کی گمراہی، باطل پذیری اور بت پرستی کا ذریعہ بنی، ہندوستان، مصر، بابل، چین، اور یونان اس باطل پرستی کے مظہر تھے، اور یہین اس فن نے کمال حاصل کیا ہے، ہندوستان مین تصویر کشی کا سب سے زرین عہد بودھ کا زمانہ ہے، اسوقت جسقدر یادگار مجسمے سنگی مورتون کی صورت مین نمودار ہین، وہ سب اسی عہد کی پیداوار ہین، حالانکہ ایک طرف بودھیون کا یہ حال ہے کہ وہ خدا تک کے قائل نہین، دوسری طرف یہ عالم ہے کہ بودھ کی تصویرون اور مورتون سے انھون نے ہندوستان کے پہاڑون، غارون اور عمارتون کو معمور کردیا اور ایک مدت سے خدائی کا جلوہ صرف بودھ کی صورت مین انکو نظر آتا ہے -

یہی اسباب تھے جنکی بنا پر مذاہب صحیحہ نے بت تراشی اور تصویر کشی کو ناجائز قرار دیا اور اسکو انسان کا ایک ملعون فعل بتایا، چنانچہ توراۃ کتاب الاحبار مین ہے

" تم بتون کی طرف رجوع مت ہو اور نہ اپنے لئے ڈھالے ہوئے معبودوں کو بناؤ مین خداوند تمہارا خدا ہون؛

(۱۹ - ۴)

آگے چل کر اسی کتاب کے چھبیسوین باب مین اس مفہوم کو اور زیادہ مفصل بیان کیا گیا ہے،

تم اپنے لئے بتون کو یا کسی تراشی ہوئی مورت کو نہ بنائیو، اور نہ پوجنے کی لاٹ کو کھڑا کرو، اور نہ اپنے لئے کوئی صورت دار پتھر اپنے ملک مین کھڑا کرو کہ اسکے آگے سجدہ کرو اسلئے کہ مین خداوند تمہارا خدا ہون" (۲۶ - ۱)

حزقیال نبی کی کتاب مین ہے،

تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر اور نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی مین ہے مت بنا، تو انہین سجدہ نہ کر، نہ انکی بندگی کر (۵ - ۸)

استثنا باب ۲۷ مین ہے،

اس شخص پر جو اپنے ہاتھون کی کاریگری سے کھود کے یا ڈھال کے بت بناے جس سے خداوند کو نفرت ہے اور اسے پوشیدہ مکان مین رکھے اسپر لعنت ہے - (۲۷ - ۱۵)

حضرت داؤد کی زبور مین ہے،

شرمندہ ہون وہ سب جو کھودے ہوے بت پوجتے ہین اور مورتون پر پھولتے ہین اے سارے معبودو تم اسے سجدہ کرو، (۹۷ - ۷)

ان حوالون سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سامی خاندان کے سب سے پرانے مذہب مین بھی بت تراشی اور صورنگری ناجائز تھی، اور اسکے تمام انبیا نے اسکی حرمت کا فتوی دیا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مجسمے اور تصاویر بت پرستی کے کام مین آتی تھین یعنی دہ دیوتاؤن اور دیبیون کی شبیہین نہ تھین انکا استعمال شریعت

بنی اسرائیل مین جائز ہے، علاوہ ازین کر توراۃ کے مذکورۂ بالا فقرون سے یہ مفہوم ہوتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخ سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے جو محل اور ایوان اور بیت المقدس کی عمارتین تعمیر کرائی تھین، اُنکے کواڑون پر، کرسیون پر اور دیگر مقامات پر بیلون، شیر دن، اور فرشتون کی تصویرین اور مورتین بنوائی تھین، تاریخ کی پہلی کتاب مین ہے

"(مصنوعی) تالاب بارہ بیلون پر تہا۔۔ اور ان حاشیون پر شیر، بیل اور فرشتے بنے تھے،۔۔۔ ۔ تالاب کے نیچے بارہ بیل اور دیگین اور پھاوڑے اور پیالے۔۔ (۸) صندوق عہد کو دو فرشتون کے پرون کے نیچے رکھا کیونکر فرشتے اپنے دونون بازو صندوق پر پھیلائے ہوئے تھے۔ (باب ۵ ملتقطاً)

قرآن مجید مین اسی واقعہ کو اس آیت پاک مین بیان کیا گیا ہے،

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ	وہ سلیمان کے لئے جو وہ چاہتا تہا، بناتے تھے، شاندار عمارتین
وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ	مورتین، اور حوض کے جیسے پیالے، اور بڑی بڑی دیگین
رّٰسِيٰتٍ (سبا)	جو ایک جگہ جمی رہتی تھین

انجیل مین تصاویر اور مجسمون کے لئے کوئی امتناعی حکم مذکور نہین اور ضرورت بھی نہ تھی، اسلئے کہ انجیل توراۃ کے تمام احکام کو بسر وچشم قبول کرتی ہے اور اسکی شریعت کو ناقابل تغیر قرار دیتی ہے، لیکن رومیون اور مصریون کے قبول عیسائیت کے بعد شریعت عیسوی مین جو تحریف و تنسیخ ہوئی، اسکا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ ان قومون مین چونکہ مجسمہ پرستی اور بت پرستی کا رواج تہا اسلئے جو عیسائی ہونیکے بعد بھی اُن مین باقی رہ گیا، فرق اسقدر ہوا کہ پہلے وہ دیوتاؤن اور دیبیون کی مورتین پوجتے تھے، اور اب اُنکے بجائے مسیح، مریم، اور روح القدس کی مورتون کی پرستش شروع کی، کلیساؤن اور معبدون مین پرانی مورتون کے بجائے مان، بیٹے، اور روح القدس کے مجسمون نے جگہ پائی، اور آخر اسکو وسعت یہانتک ہوئی کہ رومی دستکاری اور صنعت کے موقعون پر بھی نقش ونگار کے بجائے ان

تصویرون کو استعمال کرنے لگے، اور اسکو اپنے خیال مین اپنے مذہب کی اشاعت کا ذریعہ سمجھا،

اہل ایران جو اپنے کو علم و تمدن اور مذہب و سیاست مین رومیون کا حریف سمجھتے تھے، وہ اپنے ملک سے جو مصنوعات باہر بھیجتے تھے، ان مین اپنے بادشاہون کی تصویرین بناتے تھے،

عرب جاہلیت مین بھی مجسمہ پرستی کا رواج انتہاے عروج پر پہنچ چکا تھا، خلیل بت شکن کا معبد ۳۶۰ بتون کا مسکن تھا، کعبہ کی دیوارون پر حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیل، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی رنگین تصویرین بنی تھین، چنانچہ ۸ھ مین جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلعم نے ان بتون کو توڑوا دیا، اور تصویرون کو پانی سے دھلا کر مٹا دیا، عرب سے باہر ہندوستان، ترکستان و چین وغیرہ دیگر بلاد عالم مین بھی قریب قریب یہی کیفیت تھی۔

غرض تمام دنیا پر مجسمہ پرستی کی ظلمت شب چھائی ہوئی تھی کہ دفعتہ آفتاب اسلام مطلع عرب سے نمودار ہوا، غور کرو اجب دنیا کا یہ نقشہ ہو تو ہر مبلغ توحید جو اس وقت دنیا کے کسی گوشہ مین پیدا ہوتا، وہ مجسمہ سازی، تصویرکشی، اور بت تراشی کی نسبت کیا فیصلہ کرتا، وہی جو اسلام نے کیا، یعنی بت پرستی اور باطل طلبی کے ان تمام ذرائع کو یکقلم مسدود کر دیا۔

حضرت ابن عمر، حضرت ابوطلحہ انصاری، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابوہریرہ سے صریح و صحیح احادیث۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ مین مذکور ہین، کہ آنحضرت صلعم نے گھرون مین تصویرون کے لٹکانے سے منع فرمایا، اور مصورون کے لئے سخت سخت تہدیدی الفاظ فرمائے، چونکہ تمام کتب حدیث مین یکسان قسم و معنی کی سب حدیثین ہین، اسلئے صرف چند احادیث جن سے تصویرون کے متعلق مطلقاً امتناعی احکام مفہوم ہوتے ہین، لکھی جاتی ہین،

۱۔ قال رسول اللہ صلعم ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون (مسلم بخاری)	آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا عذاب مصورون کو ہوگا، آپ نے فرمایا جو تصویر بناتے ہین
۲۔ قال صلعم الذین یصنعون الصور یعذبون	قیامت مین ان پر عذاب ہوگا، ان سے کہا جائیگا کہ جو

يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم (مسلم و بخاری)	تم نے پیدا کیا ہے، اُسمین رُوح پھونکو،
(۳) قال صلعم قال الله عز و جل و من اظلم ممن	آپ نے فرمایا خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس سے بڑھکر کون
ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا ذرة او ليخلقوا	ظالم ہوگا جو میری خلقت کی طرح خلق کرنے جاتا ہے اچھا
حبة او ليخلقوا شعيرة (مسلم و بخاری)	تو وہ ایک ذرہ تو پیدا کرلے، ایک دانہ تو پیدا کرلے ایک جو تو پیدا کرلے
(۴) قال صلعم اشد الناس عذابا يوم القيامة	فرمایا، سخت ترین عذاب قیامت مین ان لوگون پر ہوگا،
الذى يضاهون بخلق الله (بخاری)	جو خدا کی صفتِ خلق کی مشابہت کرتے ہین،

صحاح مین ان معنون کی اور بھی حدیثین ہین، جنمین الفاظ کا گو کسیقدر اختلاف ہے، لیکن مطلب سب کا یہی ہے، انکے علاوہ ایسی حدیثین بھی ہین جنمین آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جس گھر مین کوئی تصویر یا مجسمہ ہو، اُسمین فرشتے نہین داخل ہوتے، ایسی بھی حدیثین ہین جنمین یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ جہان تصویرون کو دیکھتے تھے اُنکے بگاڑ دینے کا حکم فرماتے تھے "یہ تمام حدیثین صحاح ستہ مین بہ تفصیل مذکور ہین،

لیکن انکے برخلاف ان کے مقابل مین ایسی حدیثین بھی ہین، جنمین بعض خاص قسم کی تصویرین حرمت سے مستثنیٰ کردیگئی ہین، بعض حدیثون مین ہے کہ صحابہ کے گھرون مین یا استعمال مین ایسے فرش یا کپڑے ملتے جنمین تصویرین بنی تہین، حالانکہ تصویرون کی ممانعت کا حال اُنہین معلوم تہا، متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ غیر ذی رُوح کی تصویر منع نہین، اسی طرح کپڑے مین تصویر ہو تو اُسکا استعمال جائز کیا ہے،

اب اس موقع پر پہنچکر روایت کشی اور تحدیث کے علاوہ فہم، تفقہ، اور استنباط کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ائمۂ حدیث اور فقہاے مجتہدین نے رفع اختلاف، اور اصل مسئلہ کی توضیح اور احادیث کے مطالب و معانی کی تشریح کیونکر کی ہے،

اس سے پہلے کہ ائمۂ حدیث اور فقہائے مجتہدین کے اقوال و آرا معرضِ بحث مین لائے جائین، اسلام کے ایک خاص اصولِ تشریع (قانون سازی) کی تفصیل نہایت ضروری ہے۔

عرب مین جو باطل پرستیان اور برائیان ایسی شدید اور عالمگیر تہین کہ وہ عربون کی رگ و ریشہ مین سرایت کر گئی تہین، اور گویا وہ ملک کی ضلالت کا عنصر اصلی بن گئی تہین، اسلام نے انکی حرمت کے ساتھ پہلے اُن کے متعلقات اور دوسرے ذرائع کی بھی ممانعت کر دی، پھر جیسے جیسے طبائع سے ان برائیون کا استیصال ہو گیا اور کے متعلقات اور ذرائع مین ڈھیل دیا گیا، یہانتک کہ پورے اطمینان کے بعد ایک دن اُنکے جواز کا اُس نے اعلان کر دیا، اس قسم کے متعدد مسائل احادیث صحیحہ مین مذکور ہین، مثلاً جب شراب حرام کیگئی تو اُن برتنوں کے استعمال کی بھی ممانعت کر دیگئی، جنمین عموماً عرب مین شراب بنانے کا دستور تھا، لیکن جب شراب کی عادت لوگون سے چھٹ گئی تو ان برتنوں کے عدم جواز کا فتوی اُٹھا لیا گیا، اسی طرح عربون کی شدت اصنام پرستی کو دیکھکر زیارت قبور تک کو آنحضرت صلعم نے ناجائز قرار دیا، لیکن تھوڑے دنون کے بعد جب یہ خطرہ جاتا رہا تو آپ نے اُس کی اجازت دیدی، سونے اور حریر کا استعمال پہلے عورتون اور مردون دونوں کے لئے حرام کیا گیا، لیکن آخر مین عورتون کیلئے حلال کر دیا گیا، اور مردون کے حق مین حرمت علی حالہ قائم رکھی گئی، اس قسم کی اور مثالین بھی شریعت مین مل سکتی ہین،

اس قیاس پر یہ سمجھنا نہایت آسان ہے کہ آغاز مین اصنام پرستی کے کلی استیصال کے لئے ہر قسم کی تصویرین، مجسمے اور مورتین حرام کر دیگئین لیکن بعد ازین جب تمام عرب مسلمان ہو گیا، اور بت پرستی کا خدشہ مطلقاً جاتا رہا تو اس مسئلہ کی شدت مین کسیقدر تخفیف کیگئی اور بعض صورتین حرمت سے مستثنیٰ کیگئین،

علامہ بدرالدین عینی بخاری کی شرح مین لکھتے ہین:-

وانما نهى الشارع اولاً عن الصور كلها وان كان رقماً لانهم كانوا حديثي عهد بعبادة الصور فنهى عن ذلك جملة ثم لما تقرر نهيه عن ذلك اباح ما كان رقماً في ثوب للضرورة الى ايجاب الثياب فاباح ما يمتهن لانه يومن	ابتداءً شارع نے ہر قسم کی تصویرون کو گو وہ نقش ہی کیون ہون اسلئے منع کیا کہ اہل عرب کو اصنام پرستی چھوڑے ہوئے بہت ہی کم زمانہ ابھی گزرا تھا، اس بنا پر مطلقاً ممنوع کیگئین لیکن جب یہ ممانعت انکے دلون مین خوب گھر کر گئی تو کپڑے مین جو تصویر نقش ہو ضرورةً جائز کر دیگئی، پس جو تصویرین

على الجاهل تعظيم ما يمتهن و بقى النهي فيما لا يمتهن۔

محل ذلت مین ہون انکو مباح کردیا کیونکہ جاہل سے بھی یہ خطرہ نہین ہو کہ جو چیز ذلیل سمجھی جائے اسکی وہ تعظیم کرے اور ممانعت ان تصویرون مین باقی رہی جو محل عظمت مین ہون،

تصاویر اور مجسمون کی حرمت کا سبب فقہا، اور محدثین نے تعظیم عبودیت قرار دیا ہے، اور اس بنا پر جن احادیث مین مصورون اور مجسمہ سازون کے لئے سخت ترین عذاب کی تہدید ہے وہ صرف ان لوگون کیلئے خاص بتایا ہے جو پرستش اور پوجا کی مورتین اور دیوتاؤن اور دیبیون کی تصویرین بناتے ہین، کیونکہ ان احادیث مین (اشد الناس عذاباً) اور ہمیشہ خلود نار کی سزا انکے لئے فرمائی گئی، حالانکہ متعدد احادیث اور آیات قرآنی مین یہ سزائین صرف کفار، و مشرکین کے لئے مخصوص کہی گئی ہین، اس بنا پر یہ سزائین صرف انہین مصورون اور مجسمہ سازون کے لئے خاص سمجھی جائین گی جو معبودان باطل اور دیوتاؤن کی تصویرین اور مجسمے بنایا کرتے ہین، اور جنکو جاہل لوگ خرید خرید کر اپنے گھرون مین پوجا پاٹ کے لئے رکھتے ہین، چونکہ ان مصورون اور مجسمہ سازون کا یہ فعل خود شرک کا نہ اور ہزارون انسانون کے مبتلائے شرک ہونے کا سبب ہوا ہے، اسلئے انہین وہی سزا ملیگی جو مشرکین کے لئے مقرر ہے۔

امام طبری فرماتے ہین،

ان المراد هنا من يصور ما يعبد من دون الله وهو عارف بذلك قاصداً له فانه يكفر بذلك فلا يبعد ان يدخل مدخل آل فرعون۔

یہان مراد وہ مصور ہین جو ان چیزون کی تصویرین بناتے ہین جو خدا کے سوا پوجی جاتی ہین، اور وہ انکے بطلان سے واقف ہین اور اسے عبادت کی غرض سے بناتے ہین کیونکہ وہ اپنے فعل سے کافر ہوجائینگے اور بعید نہین کہ وہ اہل فرعون کا سا عذاب پائین

امام خطابی کا قول ہے،

انما عظمت عقوبة المصور لان الصور كانت

مصور کی عقوبت اسلئے شدید ہوئی کہ تصویرین پہلے خدا کے

تعبد من دون اللہ ولان النظر الیھا یفتتن وبعض النفوس الیھا تمیل،

علاوہ پوجی جاتی تھیں اور اسلئے کہ انکی طرف دیکھنے سے آدمی مبتلائے فتنہ ہوتا ہے اور بعض قلوب انکی جانب مائل ہوجاتے ہیں

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین (جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲) اس تطبیق پر مفصل بحث کی ہے، اور انکی ذاتی رائے بھی اسی طرف مائل ہوتی ہے، بعض لوگون نے اس عذاب شدید کو ذی روح اشیاء کے مصورون تک وسعت دی ہے

بہرحال پرستش اور پوجا کی تصویرین اور مجسمے قطعاً اور کلیۃً حرام اور ناجائز ہین، اور انکے بنانے والے شرک وکفر کے بدترین سزاؤن کے مستوجب ہین، فتح مکہ مین اصنام کی خرید وفروخت کی ممانعت پر آنحضرت صلعم نے خطبہ دیا، (صحیح مسلم، بیوع) اور حرم مین جسقدر انبیا اور فرشتون کی تصویرین تھین انکو محو کرادیا آخرین لمحۂ حیات مین جو وصیتین آپ نے فرمائی تھین، ان مین ایک یہ مسئلہ بھی تھا بعض ازواج مطہرات نے جو ہجرت کر کے حبشہ گئی تھین، آپکے مرض الموت مین حبشہ کے کلیساؤن اور گرجاؤن کا تذکرہ کیا، ان مین جو تصاویر اور مجسمے تھے، انکی تعریف کی آپ نے انکی یہ باتین سن کر فرمایا:

ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدًا وصوّروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ عزوجل یوم القیامۃ (بخاری و [illegible])

ان لوگون مین جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے تو وہ اسکی قبر پر عبادتگاہ بنا لیتے ہین جمین انکی تصویرین کھڑی کرتے ہین، یہ بدترین مخلوق ہین خدا کے نزدیک قیامت کے دن۔

یہ اس باب مین آپکا آخری قول ہے، اور ہر قسم کے نسخ سے مبرا اور آزاد ہے، اب رہ گئین وہ تصویرین اور مورتین جو عبادت اور پوجا کے کام مین نہین آتین بلکہ محض خوشنمائی، آرائش یا کسی اور غیر مشرکانہ غرض سے بنائی گئی ہون، انکے متعلق سب سے پہلے احادیث سے ہم یہ دکھانا چاہتے ہین کہ آپ نے انکو کن اسباب کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے

۱۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے

خرج فی غزاتہ فاخذت نمطًا فسترتہ علی الباب فلما قدم فرأی النمط عرفت الکراھیۃ فی

آنحضرت صلعم کسی غزوہ مین گئے تھے، مین نے ایک تصویردار فرش لیا اور اسکو دروازہ پر لٹکایا، جب آپ واپس آئے اور

وجهه فجذبه حتی هتکه وقال ان الله لم	کپڑے کو دیکھا تو میں نے آپکے چہرہ میں کراہت پائی پھر آپنے
یامرنا ان نکسوا الحجارة والطین۔	اس پردہ کو کھینچ لیا، اور پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے ہمکو پتھر اور مٹی کو کپڑہ پہنانے کا حکم نہیں دیا۔

یہ حدیث صحیح مسلم باب التصاویر میں ہے۔ امام احمد نے اسی حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے

قدم رسول الله صلعم من سفر وقد	آنحضرت صلعم ایک سفر سے واپس آئے میں نے ایک کپڑا خریدا تھا
اشتریت نمطا فیه صورة فسترته علی سهو	جسمیں ایک صورت تھی تو میں نے اسکو اپنے حجرہ میں لٹکایا۔
بیتی فلما دخل کره ما صنعت وقال اتسترین	جب آپ داخل ہوئے تو میرے اس فعل کو ناپسند کیا اور فرمایا
الجدر یا عائشة فطرحته وقطعته	اے عائشہ دیوار کو کپڑا پہناتی ہو میں نے اسکو گرا دیا اور کاٹکر
مرفقتین (جلد ۶ صفحہ ۲۴۷ مصر)	دو تکیے بنا لیے۔

حضرت عائشہ ہی کا واقعہ ہے، فرماتی ہیں:

کان لنا ستر فیه تمثال طائر وکان الداخل	ہمارے پاس ایک پردہ تھا جسمیں ایک پرندہ کی تصویر تھی
اذا دخل استقبله فقال لی رسول الله	جب کوئی اندر آنے والا آتا تو وہ اسکے سامنے پڑتا آپنے فرمایا،
صلعم حولی هذا، فانی کلما دخلت ذکرت	اسکو ہٹا دو، جب میں اندر آتا ہوں تو اس آرائش کو دیکھکر دنیا کا خیال
الدنیا۔ مسلم	آتا ہے۔

یہی حدیث امام احمد نے مسند میں بھی انہیں الفاظ کے ساتھ دو سندوں سے روایت کی ہے، (دیکھو مسند مذکور صفحہ ۴۹، ۲۴۱ مصر)

(۳) ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دفعہ بیمار تھے تو ایک صاحب انکی عیادت کو گئے، حضرت ابن عباس ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسپر تصویریں بنی تھیں، ان صاحب نے اعتراض کیا حضرت ابن عباس نے فرمایا،

ما علمت به وما ادري رسول الله صلعم نهى عن هذا الا للتكبر والتجبر ولسنا بحمد الله كذلك (صفحہ ۲۵۷، حیدرآباد)

مجھے اسکا علم نہین ہوا اور مین نہین سمجھتا ہون کہ آپ نے اس سے منع فرمایا، لیکن اسلئے کہ اس سے فخر و غرور ہوتا ہے اور ہم لوگ بحمد اللہ ایسے نہین ہین،

یعنی اس قسم کی زیبائش اور آرائش کے کپڑے سے دلون مین غرور و فخر پیدا ہوتا ہے اسلئے آپنے منع فرمایا۔

۴۔ صحیح بخاری (کتاب الصلوۃ و باب التصاویر) مین حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک مصور پردہ تھا جو سامنے لٹکا رہتا تھا، آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا،

اميطي عنی قرامك هذا فانه لا تزال تصاويره تعرض فی صلوتی۔

عائشہ! اپنا یہ پردہ سامنے سے ہٹاؤ کیونکہ اسکی تصویرین میری نماز مین خلل انداز ہوا کرتی ہین،

ان احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غیر مشرکانہ تصاویر ناجائز نہین، زیادہ سے زیادہ خلاف تقوی ہین،

ایک مشکل کا حل | حضرت عائشہ کے مصور پردہ کے متعلق متعدد احادیث اوپر گذر چکی ہین، اور یہ سب بخاری مین یا مسلم مین یا دونون مین موجود ہین، ان احادیث پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مین شدید اختلافات ہین، ایک مین ہے کہ پردہ مکان کے دروازہ پر آویزان تھا، دوسرے مین ہے کہ مکان کے اندر کوئی چھوٹی سی کوٹھری بنی تھی اُسمین لٹکا ہوا تھا، ایک مین ہے کہ آپ مکان کے اندر داخل نہین ہوئے، دوسرے مین ہے کہ اندر داخل ہوئے تب دیکھا، ایک مین ہے کہ آپ نے پردہ کو پھاڑ دیا، دوسرے مین ہے کہ اُسکے ہٹا دینے کا حکم دیا، ایک مین ہے کہ آپ نے برہمی ظاہر کی، دوسرے مین نرم الفاظ مین، ایک مین ہے کہ اُس کپڑے کو پھاڑ کر اُسکے تکیے اور گدے بنے تو استعمال فرمایا، دوسرے مین ہے کہ وہ آپکے بیٹھنے ہی کے لئے اصل مین خریدا گیا تھا، لیکن آپ نے اُسکا استعمال ناپسند کیا، ایک مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان تصویرون کے بنانے والے پر عذاب ہوگا، دوسرے مین اُسکے متعلق کوئی ذکر نہین، ایک حدیث مین حضرت عائشہ آپ سے روایت کرتی ہین کہ آپ نے فرمایا جس گھر مین تصویر ہو فرشتے اُسمین داخل نہین ہوتے (صحیح مسلم باب لا تدخل الملئكة بيتا فيه كلب او صورة)

لیکن اسی جامع صحیح کے اسی باب مین دوسری روایت مین ہے کہ ایک صاحب نے اُم المومنین سے دریافت کیا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس گھر مین کتا یا تصویرین ہو اُسمین فرشتے نہین داخل ہوتے، کیا آپ نے آنحضرت صلعم کو یہ کہتے سُنا ہے؟ اُنھون نے جواب دیا "نہین، لیکن مین تم سے وہ بیان کرونگی جو آپکو کرتے دیکھا ہے۔ آپ کسی غزوہ مین گئے تھے، مین نے ایک مصوّر کپڑہ لیا اور اُسکو دروازہ پر لٹکایا، جب آپ واپس آئے اور اس کپڑہ کو دیکھا تو مین نے چہرۂ مبارک مین کراہیت کا اثر پایا، پھر آپ نے اُسکو کھینچکر پھاڑ دیا یا کاٹ دیا، اور فرمایا کہ ہمکو خدا نے پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہین دیا، مین نے اس کپڑے کو پھاڑ کر اُسکے دو تکیئے بنائے تو آپ نے اُسپر کوئی اعتراض نہین کیا،

ان دو مختلف المفہوم احادیث کو باہم مربوط کرنے کے لئے محدثین نے تین طریقے اختیار کئے ہین، اول یہ کہ ایک دوسرے کی تاویل اور کسر وانکسار کے بعد انکو جمع کیا جائے، لیکن درحقیقت یہ جمع بین الضدین کی کوشش ہے، دوم یہ ہے کہ جن احادیث سے رخصت یا کراہت تنزیہی سمجھی جاتی ہے، اُن مین تصاویر سے مراد غیر ذی رُوح کی تصاویر ہین، اور جنمین حرمت اور ممانعت قطعی کا ذکر ہے، اُن سے ذی رُوح تصاویر مراد ہین، لیکن میرے نزدیک یہ دفعۂ مصالحت اسلئے صحیح نہین کہ رخصت اور کراہیت تنزیہی کی بعض حدیثون مین تصریح ذکر ہے کہ اُسمین ذی رُوح کی یعنی پرندے اور گھوڑے کی تصویر تھی، (مسلم و مسند احمد و ابوداؤد) سوم یہ کہ تصاویر کی رخصت کا واقعہ آغاز اسلام مین تھا، حرمت کی حدیث، احادیث رخصت کی ناسخ ہے، یہ محدث داؤدی کی رائے ہے، لیکن علامہ محدثین ابن حجر اور ابن التین نے اسکی تردید کی ہے، اور میرے نزدیک یہ اسلئے غیر صحیح ہے کہ اصول اسلام کا مجریٰ یہ ہے کہ عقاید اور متعلقات عقاید مین اسلام نے کسی رواداری کو ایک لمحہ کے لئے بھی دخل نہین دیا ہے، ان چیزون مین اسلام نے اس غرض سے کہ تمام مراسم وذرایع ومتعلقات شرک وبت پرستی کی بیخکنی کر دیجائے، پہلے سخت شدت کا برتاؤ کیا، لیکن جیسے جیسے ان خطرات کا انسداد ہوتا گیا اور عرب سے ان ذمائم مشرکانہ کا استیصال ہوتا گیا، اس شدت کی گرفت بھی ڈھیلی ہوتی گئی، اسکی تائید علامہ عینی کے قول سے

ہوتی ہے جو آغاز مضمون مین نقل کر دیا گیا ہے، اس بنا پر ان احادیث کی تطبیق کی صحیح صورت یہ ہے کہ احادیث حرمتِ قطعی آغاز اسلام سے متعلق ہین، اور احادیث رخصت و کراہت بعد کی ہین، جو پہلے حکم کے شارح یا مخصص یا ناسخ ہین، یعنی یہ کہ پہلے مشرکانہ و غیر مشرکانہ ذی روح و غیر ذی روح تمام تصویرین ناجائز تھیں اور آپکی شدت تعصب و ممانعت کے احکام کا تعلق اسی دور سے ہے، اور اگر ان کا تعلق دور رخصت سے ہے تو وہ صرف مشرکانہ تصاویر سے متعلق ہے۔

اس تفصیل کے بعد اسلام مین تصاویر کے شرعی حکم کے متعلق یہ فیصلہ سمجھنا چاہیئے کہ جو تصویرین مشرکانہ ہین، یعنی ان چیزون کی تصویرین جنکی پوجا اور پرستش کیجاتی ہے، مثلاً ہندوؤن مین دیوتاؤن کی تصویرین کیتھولک عیسائیون مین حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، اور شہیدون کی تصویرین، وہ قطعاً ناجائز اور حرام ہین، اور انکے بنانیوالے سخت ترین عذاب کے مستوجب ہین، لیکن جو تصویرین محض زیبائش و آرائش کے کام آتی ہین، اولیٰ اور بہتر تو یہی کہ اُن سے بھی احتراز کیا جائے، لیکن اگر کوئی استعمال کرے تو انشاء اللہ عاصی نہوگا، اور حسب ذیل احادیث و آثار جو یقیناً شارع کے آخری حکم کی تعمیل ہے، ہم اپنے ثبوت مین پیش کرتے ہین،

مرض الموت مین آنحضرت صلعم نے حبش کے گرجاؤن مین جو حضرت عیسیٰ و مریم، اور دیگر شہدا کی تصویرین تھین اُنکے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مشرکانہ تصاویر ہمیشہ کے لئے ناجائز ہین، اور یہ آپکا آخری حکم ہے جسکا کوئی ناسخ نہین،

غیر مشرکانہ تصاویر کے جواز پر حسب ذیل احادیث و آثار دلالت کرتے ہین،

۱- بحوالہ کتب صحاح و سانید گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرہ مین ایک مصور پردہ تھا، جسمین پرندہ یا گھوڑے کی تصویر تھی، آنحضرت نے فرمایا کہ یہ ہٹا دیا جائے کہ اس سے نماز مین خلل پڑتا ہے، اور بعض روایتون مین ہے کہ آپ نے فرمایا، اس آرائش سے دنیا یاد آتی ہے، اگر اس قسم کی تصویر بھی ناجائز ہوتی تو آپ فوراً اسکے مٹا دینے کا حکم دیتے۔

اس حدیث سے نہ صرف تصویر کی کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے، بلکہ جسطرح یہ تصویر نماز کے آگے مکروہ ہے، اسی طرح منقش و رنگارنگ جانمازین اور مساجد کی ملوّن اور گل بوٹے کی محرابین بھی مکروہ ہین، چنانچہ اسی بنا پر آپ نے منقش چادر (انبجانی) بھی نماز مین ناپسند فرمائی۔

۲- جو مصور پردہ حجرہ کے دروازہ پر حضرت عائشہ نے لٹکایا تھا، اور جسکو آپ نے پھاڑ ڈالا تھا، یا پھاڑ ڈالنے کا حکم دیا تھا، حضرت عائشہ نے اُسکے دو تکئے بنا لئے تھے، جنکو آپ بے تامّل استعمال فرماتے تھے، حالانکہ وہ تصویر اسمین اُسی طرح موجود تھی، جیسا کہ امام احمد نے مسند (جلد ۶ صفحہ ۲۴۷) مین اسکی تصریح کی روایت کی ہے،

تمام محدثین اور فقہا نے اس حدیث سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اگر تصاویر محلّ عظمت مین ہنون بلکہ مستحقر و پامال ہون مثلاً وہ فرش و قالین مین ہون تو جائز ہے، لیکن اگر وہ آویزان یا کھڑی ہون تو جائز نہین، لیکن آگے حضرت ابوطلحہ کی حدیث آتی ہے جس سے یہ تفریق ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے،

۳- ترمذی اور کتب سنن مین ہے اور ترمذی نے اسکو صحیح کہا ہے کہ حضرت میمونہ یا حضرت عائشہ کے حجرہ مین تصویر دار پردہ اور ایک مجسمہ تھا، حضرت جبرئیل نے کہا یا رسول اللہ! مجسمہ کا سر کٹوا دیجئے کہ وہ بیجان درخت کی طرح ہوجائے اور پردہ کو فرش بنا دیجئے کہ پامال ہو،

۴- صحیح بخاری اور ابوداؤد کتاب الادب مین ہے کہ حضرت عائشہ اور انکی سہیلیان آپکے سامنے گڑیان جو قطعاً مورتین ہیتین کھیلتی تھین،

۵- مسند احمد اور ابوداؤد کے اسی باب مین ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دفعہ غزوۂ تبوک یا خیبر سے (راوی کو یاد نہین) واپس آئے، حجرہ مین ایک پردہ پڑا تھا، ہوا چلی تو پردہ کھل گیا، آپ نے دیکھا کہ چند گڑیان رکھی ہین، اُنکے بیچ مین ایک گھوڑے کی مورت ہے، جسکے دونون بازؤن مین دو پر لگے ہین، آپ نے دریافت کیا کہ عائشہ یہ کیا ہے، جواب دیا کہ یا رسول اللہ! یہ گھوڑا ہے، فرمایا کہ گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہین، عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ نے سنا نہین کہ حضرت سلیمان کے گھوڑون کے پر تھے، آپ یہ سُن کر مسکرا دیئے۔

اس حدیث مین بڑی اہم چیز یہ ہے کہ تاریخ مذکور ہے یعنی ۸ سنہ یا ۹ سنہ کا یہ واقعہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تصاویر غیر مشرکانہ کا جواز آغاز اسلام مین نہین بلکہ آخر اسلام مین تھا، انہین حدیثون کی بنا پر محدثین اور فقہا نے گڑیون کو جائز کہا ہے لیکن کیا اسکا سبب صرف یہ نہین ہو کہ گڑیان پرستش کے کام مین نہین آتین ؟

۶ - مسند ابوداؤد طیالسی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا یہ واقعہ مختصراً گذر چکا ہے کہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوے تھے جسمین تصویرین بنی ہتین، ایک شخص نے اعتراض کیا تو عنون نے کہا مین نے دیکھا نہین تھا، اور اُسکے بعد فرمایا کہ مین سمجھتا ہون کہ آپنے اسلئے اسکو منع کیا ہے کہ اس سے غرور و فخر پیدا ہوتا ہے، اور بحمد اللہ ہم لوگ ایسے نہین ہین، لیکن چونکہ ان بزرگون کے نزدیک یہ بھی خلاف اولیٰ اور خلاف تقویٰ تھا اسلئے حضرت ابن عباس نے حکم دیا کہ اسکی صورت بگاڑ دیجائے

۷ - بخاری، مسلم و ابوداؤد (باب التصاویر) مین ہے کہ زید بن خالد تابعی نے حضرت ابوطلحہ انصاری سے روایت کی کہ جس گھر مین تصویر ہو اسمین فرشتے نہین داخل ہوتے، لیکن یہ کہ کپڑے پر وہ تصویر نقش ہو، چنانچہ زید کو لوگون نے اسکے بعد دیکھا کہ وہ اس قسم کا کپڑا استعمال کرتے تھے، اس حدیث کی بنا پر بعض محدثین نے منقوش تصاویر کو عموماً جائز سمجھا ہے

۸ - ابن ابی شیبہ نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق سے جو مدینہ کے ان سات فقہا مین تھے جن سے فقہ مدینہ مرتب ہوئی ہے، بسند صحیح روایت کی ہے کہ انکا یہی مذہب تھا، چنانچہ مکہ مین انکے گھر مین بعض عجائب المخلوق عنقا اور قندس (؟) کی تصویرین بنی ہتین، (فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۶)

۹ - حضرت عائشہ کے بھانجے عروہ جو امام المحدثین ہین، انکے تکیون پر پرندون اور مرد انسانون کی تصویرین بنی ہتین وہ اُن پر ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے، (فتح الباری بحوالہ ابن ابی شیبہ)

۱۰ - ابن سعد نے بسند روایت کی ہے کہ حضرت عروہ کے بٹن مین آدمیون کے چہرون کی تصویرین بنی ہتین (جزء تابعین مدینہ صفحہ ۱۳۴)

۱۱ - ابن اثیر نے اسد الغابہ مین حضرت انس بن مالک کے حال مین لکھا ہی کہ انکی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غزان کی تصویر بنی تھی، اس سے فقہا نے یہ استنباط کیا ہی کہ بہت چھوٹی تصویرین جائز ہین،

(باقی)

مذہب اور عقلیات

ایجوکیشنل کانفرنس کے گذشتہ اجلاس سورت مین ہمارے عزیز دوست پروفیسر عبدالباری ندوی نے کانفرنس کی حسب درخواست عنوان بالاپر ایک نہایت مدلل اور پر معنی خطبہ دیا تھا، یہ خطبہ زبانی دیاگیا تھا صرف تحریری یادداشتین سامنے تھین، سرابراہیم رحمت اللہ ایجوکیشنل ممبر گورنمنٹ بمبئی جو اجلاس مذکور کے صدر تھے انھون نے خواہش کی کہ یہ خطبہ تحریر مین لایا جائے، اور اُسکو انگریزی مین ترجمہ کرکے شایع کیاجاے، چنانچہ پروفیسر موصوف چند مہینون کے بعد اب اپنے خیالات کو تحریری ترتیب مین لے آئے ہین، یہ خطبہ گو کانفرنس کی ملکیت ہے، اور اُسی کو اُسکی اشاعت کا حق ہے، تاہم چونکہ اسکو دار المصنفین کے گوشہ امن مین بیٹھکر ترتیب دیاگیا ہے، اسلئے "حق زمین" کے طور پر یہ چند صفحات خراج مین وصول کئے گئے ہین، پورا خطبہ جسکی ضخامت شاید ۶۰ - ۷۰ صفحے ہو رسالہ کی صورت مین عنقریب کانفرنس کی طرف سے شایع ہوگا،

اتبک ہماری زبان مین "مذہب اور عقلیات" پر جو کچھ لکھا گیا ہے، ان لوگون کی قلم سے نکلا ہے جو عقلیات جدیدہ کے عالم نہ تھے، صرف گوش آشنا تھے، بحمداللہ کہ ندوہ کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی ہے اور اسکے فرزندون مین کم ازکم ایک شخص ایسا پیدا ہوا ہے، جو مذہب وعقلیات کے مباحث پر سُنی سُنائی افواہون کی بنا پر اپنا تیر ہوا مین نہین چلاتا بلکہ ہر چیز کو سمجھکر اور جان کر صحیح ہدف پر تیراندازی کرنا چاہتا ہے۔

سرسید کے اسکول سے متاثر لوگ اور ہمارے نوجوانان تعلیم جدیدہ "مذہب اور عقلیات" کے عنوان سے فوراً ان کا ذہن اس نتیجہ پر منتقل ہوگا، کہ اس خطبہ مین مذہب اور سائنس دو حریف پہلوانون کی صورت مین بحث ومناظرہ کے دنگل مین اُتر آئینگے، اور ایک پرزور کُشتی کے بعد "مولوی" مقرر فوراً یہ دکھائیگا کہ مذہب نے سائنس کی پیٹھ زمین سے لگادی، لیکن ہمارے دوست نے یہ نہین کیا ہے بلکہ انکی تقریر کا ماحصل

ہوئے کہ وہ "شبلی اسکول" کے بالکل مطابق ہے، یعنی یہ سائنس کے جو مسائل بقضائے ساعت یقینی شمار ہو سکتے ہیں، مذہب کو
ان سے سروکار نہیں، اور جن سے اسکو سروکار ہے، وہ سائنس کی دسترس سے باہر ہیں، فلسفہ کے ہر اسکول کو
انھوں نے لیا ہے اور دکھایا ہے کہ ان میں سے صرف اسکول "مادیت" مذہب کا حریف ہے، لیکن ان چند
مسائل کی بنا پر مادیت کو اپنی قوت پر ناز ہے، وہی اسکے تمام تر کمزور پہلو ہیں، اس ضمن میں یورپ کے تمام
اکابر فلسفہ و حکمت کے اقوال اپنی تائید میں پیش کیے ہیں اور دکھایا ہے کہ خود یورپ میں مادیت روحانیت کے
مقابلہ میں شکست کھا چکی ہے،

الغرض اس خطبہ میں ان قدیم حریفوں کے درمیان مصالحت کی شرط "تطبیق معقول و منقول" نہین
بلکہ دونوں کے احاطۂ حکومت کی حدبندی قرار دیگئی ہے،

اس تعارفانہ تمہید کے بعد اب خود اصل مقرر تحریر کے سطح پر نمودار ہوتا ہے، اہل نظر پھول کی ان چند
پتیوں کو دیکھکر جوشِ بہار کا اندازہ کر سکتے ہیں،

مسلمانوں میں جس شے نے عقل و مذہب کی باہمی منافرت کے خیال کو سب سے زیادہ پھیلایا اور راسخ کیا
وہ علم کلام کی زبان کا ایجاد ہے جس نے ایک طرف مذہب کو شدید صدمہ پہنچایا، اور دوسری طرف ذہنی قوتوں کو
بادہ پیمائی اور سطح آب پر نقش آرائیوں میں رائگان کیا۔

غرض علم و مذہب کے باہمی عناد و تصادم کا افسانہ جس قدر دراز اور عالمگیر ہے، اس سے بدرجہا زیادہ بے بنیاد
اور مغلط ہے، اس صحبت میں اسی نکتہ کو آپ حضرات کے سامنے واضح کرنا مقصود ہے، نہ کہ دونوں میں تطبیق، جیسا کہ
بعض اسباب کو مقرر کی "مولویت" سے بدگمانی ہوئی ہے، اور جیسا کہ بالعموم عقل و مذہب کے یکجائی استعمال سے لوگ
سمجھ بیٹھے ہیں، خصوصاً جب کسی مذہبی آدمی کی زبان پر یہ الفاظ آجائیں، آج صبح ہی ایک تعلیم یافتہ دوست فرمانے
لگے کہ "مذہب تو دیوالیہ ہو چکا ہے، اب دیکھنا ہے کہ تم اسکی حمایت کیونکر کرتے ہو"
مذہب اور سائنس کی بے تعلقی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ان کے باہمی فرق اور بُعدِ حقیقت کو اچھی طرح

ذہن نشین کر لینا چاہیے، ریل کی دو گاڑیان ٹکرا سکتی ہین، اور ٹکراتی ہین، لیکن ریل گاڑی اور جہاز مین تصادم ناممکن ہے، اسلئے کہ ریل سمندر مین چل ہی نہین سکتی ہے، اور نہ جہاز خشکی پر بعینہ یہی حال سائنس اور مذہب کا ہی سائنس کا مذہب کی حد مین داخل ہونا اس سے زیادہ محال ہے جتنا ریل کا پانی یا جہاز کا خشکی پر چلنا ہے، مذہب جہان سے شروع ہوتا ہے سائنس کی رسائی وہان ختم ہو جاتی ہے، سائنس کا جو منتہاے پرواز ہے، مذہب کا وہ نقطۂ آغاز ہے، سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق تمامتر فطرت (نیچر) کے واقعات، مشاہدات اور تجربات سے ہے، مذہب کی بنا ئیر فوق العادت اور تجربہ و مشاہدہ کی دسترس سے ماوراء ہستیون پر ہے، مثلاً خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ -

ایک عامی آدمی اور سائنٹسٹ کے تجربہ و مشاہدہ مین صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ موخرالذکر اپنے مشاہدات و تجربات کو تفتیش اور مختلف قسم کے اختیارات (اکسپریمنٹس) سے وسیع کرکے استقراء ([illegible]) کلیات بناتا ہے اور انکی توجیہ و تشریح (explanation) کے لئے اصول وضع کرتا ہے، ایک راہ گیر بھی سیب کو درخت سے زمین پر گرتے دیکھتا ہے، لیکن نیوٹن کا ذہن اس واقعہ سے ایک وسیع اصول کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، وہ اپنے تجربہ کو پھیلاتا ہے، طرح طرح کے اختیارات سے اپنے انتقال ذہنی کو مصدّق و مستحکم بناتا ہے، مختلف واقعات کو ایک سلسلہ مین جوڑتا ہے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سمندر کے مدوجزر، سیارات کی گردش، نظام شمسی کے قیام جیسے عظیم الشان اور مختلف واقعات مین بھی وہی علت و قوت کارفرما ہے جو سیب کے زمین پر گرنے مین، اس قوت کا نام وہ کشش رکھتا ہے، جس سے عالم جسمانیات کا ایک ایک ذرّہ بندھا ہوا ہے، آگے چل کر یہی قانون کشش دنیاے سائنس کا عظیم ترین انکشاف قرار پاتا ہے،

لیکن خود یہ قانون کشش کیا ہے؟ کیسے وجود مین آیا ہے؟ ازلی ہے یا کسی کا مخلوق؟ یہ وہ سوالات ہین جنکے جواب مین علماے سائنس کی زبانین گنگ ہین، خود نیوٹن کو اپنی اسی کتاب (principie) کے خاتمہ مین جسمین سائنس کے اس مایۂ ناز انکشاف پر بحث ہے یہ کہنا پڑا کہ "عالم فطرت کی یہ نیرنگیان واجب الوجود کے ارادہ کے علاوہ کسی اور شے سے نہین ظاہر ہو سکتین، وہ واجب الوجود جو ہمیشہ اور ہر جگہ موجود ہے، یعنی خداے برتر،

نامحدود، قادر مطلق، سمیع و بصیر او کماں حیات ہستی"

مشہور حکیم (سائنٹسٹ) پروفیسر ٹنڈل نے سائنس کی اس حقیقت اور محدود رسائی کو ایک عام تمثیل سے یون سمجھایا ہے کہ اگر تم گھڑی دیکھو تو اسمین گھنٹے منٹ اور سکنڈ کی سوئیان پھرتی نظر آئینگی، یہ سوئیان کیون پھرتی ہیں؟ اور انکی حرکات کی یہ خاص باہمی نسبت جو ہمکو نظر آتی ہے کیونکر قائم ہے؟ ان سوالات کا جواب بے گھڑی کو کھولے اسکے مختلف پرزون کو اچھی طرح دیکھے اور اُن کا ایک دوسرے سے تعلق معلوم کئے بغیر نہین دیا جا سکتا، جب یہ سب کچھ ہو لیتا ہے تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ سوئیون کی یہ خاص حرکت گھڑی کی اس اندرونی ساخت اور مشین کا نتیجہ ہے جو کوک کی قوت سے چل رہی ہے، سوئیون کی یہ حرکت صنعت انسانی کا ایک واقعہ یا حادثہ (Phenomenon) کہا جا سکتا ہے، لیکن بعینہ یہی حال واقعات و حوادث فطرت کا ہے انکے اندر بھی ایک مخفی مشین کام کر رہا ہے، اور ایک خزانہ قوت ہے جو اس مشین کو چلا رہا ہے، حکمت طبعی (فزیکل سائنس) کا انتہائی کام یہی ہے اور زیادہ قوت پرست پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ یہ واقعات و حوادث انہی دونون کے فعل و انفعال کا لازمی نتیجہ ہین،

لیکن کارخانہ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کب اور کیسے بنی؟ اس گھڑی کو کس نے کوکا؟ اسکی چلانے والی قوت (انرجی) کہان سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہین جنکا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے، علمی زبان مین یون کہو کہ سائنس صرف ثانوی اور قریبی علل و اسباب سے پردہ اٹھا کر واقعات عالم کی ایک گونہ توجیہ و تشریح کر سکتی ہے علل اولی کا پتہ لگانا سائنس کے دائرہ حیثیت سے قطعاً خارج ہے، طبعیات (سائنس Science) کے ایک بڑے امام ہکسلے نے اس عجز کا اعتراف "سائنس کی پرائمر" مین جو بچون کے پڑھنے کے لئے ہے اس طرح کیا ہے کہ کسی شے کی بھی کامل توجیہ و تعلیل نہین ہو سکتی، کیونکہ انسان کا اعلے سے اعلے علم بھی سلسلہ توجیہ مین آغاز اشیاء کی جانب چند قدم سے آگے نہین بڑھ سکتا، اب تم ہی سوچو کہ خدا یا علت اولی کے ابطال و اثبات کا بوجھ سائنس پر ڈالنا سائنس کی حقیقت سے جہل اور تفسیر القول بما لا یرضی بہ صاحبہ نہین ہے؟

"کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ جس ذمہ داری سے سائنس کی کتاب ابجد اس صراحت کے ساتھ ابا و انکار کرتی ہے، اسی کا ہم اپنے جہل سے اسکو مدعی بنالتے ہین، عقل و دانش کے مدعی انسان کی بے عقلی اور گمراہی کا سب سے حسرت ناک منظر یہ ہوتا ہے کہ بعض خارجی اتفاقات و حالات کی بناپر وہ بہت سی ایسی چیزون کو مسلّم سمجھ بیٹھا ہے جو واقعیت کے لحاظ سے اُسی قدر بے سروپا ہوتی ہین جس قدر کہ مشہور و مقبول عام ہوتی ہین؛

سائنس کے ہزارون طلبہ اُسکے مختلف شعبون کی تحصیل کرتے ہین، اور ایک ایک شعبہ پر سیندیون کتابین نظر سے گذرتی ہین جنمین ایک باب بھی ایسا نہین ہوتا جسمین خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ کے ابطال و اثبات پر ایک سائنٹفک واقعہ و حقیقت کی حیثیت سے بحث ہو، پھر بھی یہ غوغا ہے کہ "بے اعتقادی نے اعتقاد کی جگہ لیلی ہے عقل نے صحیفۂ آسمانی کی، سیاست نے مذہب کی، زمین نے آسمان کی، عمل نے عبادت کی، مادّی احتیاج نے دوزخ کی، اور انسان نے خدا کی"[۱]؛

بے شک ایک عالم ہیئت اجرام سماوی انکی باہمی کشش اور قوانین حرکت سے بحث کرتا ہے، اور کر سکتا ہے لیکن کیا وہ اس کشش و حرکت کی ماہیت اور انتہائی علت بھی بتاتا ہے یا بتا سکتا ہے؟ ریاضیات کا ماہر عدد اور مکان (space) کے علائق کا پتہ لگا سکتا ہے، لیکن کیا وہ مکان کی اصل حقیقت کا بھی کوئی نشان دے سکتا ہے؟ اتنا بھی تو نہین معلوم کہ یہ کوئی ذہنی شئے ہے یا خارجی، علم الحیات کے اکتشافات سے یہ معلوم ہوگیا ہے، کہ جاندار اجسام کاربن آکسیجن ہائڈروجن و نائٹروجن سے مرکب ہوتے ہین، لیکن کوئی جسمانیات کا محقق اسکا سراغ لگا سکا ہے کہ ان مختلف مواد کی کیمیاوی ترکیب و تعامل سے زندگی اور اُسکے افعال احساس و شعور وغیرہ کیونکر اور کیسے پیدا ہوجاتے ہین، عالم کیمیا و طبعیات سالمات (ایٹمس)، برق، برق پارون (الکٹرنس) اور ایتھر کے وجود کا دعوی کر سکتا ہے، لیکن کیا وہ بجلی اور ایتھر کی حقیقت کے علم کا بھی دعویدار بن سکتا ہے، الحاصل علم و حکمت کی جس صنف کو بھی دیکھو، یہ بیک نظر معلوم ہوجاتا ہے کہ توجیہ و تعلیل کا سلسلہ آغاز اشیا کی طرف چند قدم آگے نہین

---

[۱] "مقدمہ فلسفہ" از پاکسن صفحہ ۱۳۰

بجھسکتا"۔ انسانی لاعلمی اور جہل کی تاریکی کے مقابل مین علم کی روشنی کا اتنا حصہ بھی نہین جتنا گھنگھور گھٹا کے عالم ظلمات مین بجلی کی ایک آنی چمک کا ہوتا ہے۔

مذہب اسی عالم ظلمات مین اعتقاد و ایمان بالغیب کی مشعل سے رہنمائی کرنا چاہتا ہے کیونکہ عقل و حکمت کی چمک تاریکی کے ان بادلون کو چھانٹ ہی نہین سکتی، اسکا چراغ ہدایت اس بحر ظلمات مین داخل ہوتے ہی گل ہوجاتا ہے۔

ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں

(۲)

مدارس پنجاب

پنجاب کا اسلامی پایۂ تخت لاہور تھا، اس شہر نے اسلامی عہد میں بہت کچھ ترقیاں کیں، پونے دو سو برس تک غزنویہ خاندان کے حکمرانوں کا تخت گاہ رہا، علماء وفضلاء کا مرجع و مرکز تھا، افسوس ہے کہ مجھے تصریح کے ساتھ متعدد مدارس کے نام اس شہر میں نہیں ملے لیکن اسکی علمی ترقی کے آثار بتاتے ہیں کہ یہ شہر تعلیمی حیثیت سے بھی ایک مدت تک علماء وطلبا کا ملجا وماویٰ رہا ہے،

وزیر خان کی مسجد

لاہور کی یہ مشہور مسجد مدرسہ کا بھی کام دیتی تھی، اسکے بانی نے اسکے نیچے اور گرد و پیش جو دکانیں بنائیں انسے بانی کا یہ مقصد تھا کہ انکی آمدنی سے دو عالم مقرر کئے جائیں تاکہ سلسلۂ تعلیم بغیر کسی مالی دقت کے جاری رہے۔[1]

عالمگیر اورنگ زیب کے عہد حکومت میں سیالکوٹ کے علمی شان وشکوہ کا پتہ چلتا ہے، اس شہر نے اس عہد میں علمی مرکزیت حاصل کرلی تھی، یہاں بڑے بڑے مشاہیر علما، تھے، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی جن سے ہمارے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے، اور جنکی تصنیفات ہندوستان سے لیکر قسطنطنیہ تک پہیلی ہوئی ہیں، انکے صاحبزادے ملا عبد اللہ اپنے والد ماجد کی جگہ پر اس شہر کے مدرسہ میں قائمقام ہوئے، افسوس ہے کہ اس مدرسہ کے بانی، تاریخ بنا، اور دوسرے حالات کی تفصیل مجھے نہیں مل سکی، سیالکوٹ کے علمی مرکزیت کا نشان عہد اکبری[2] کے بعد ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں علم وفضل کا چرچا بہت پہلے سے تھا،

---

[1] یاد ایام بحوالہ تحقیقات چشتی۔ [2] خلاصۃ التواریخ۔

مدرسہ درگاہ شیخ چلی

تھانیسر علاقہ پنجاب مین درگاہ شیخ چلی کے قریب ایک مدرسہ تھا جو مدرسہ شیخ چلی کے نام سے مشہور بھی تھا، اس کی عمارت ایک چبوترہ پر ہشت پہلو بنی ہے، اسکے ہر طرف نو نو در اور بجانب مشرق دروازہ مع سیڑھیوں کے بنا ہوا ہے، اسکے دروازے ہندوانہ وضع کے ہین، جب سکھون نے زور پکڑا اور درگاہ شیخ چلی کو مندر بنایا تو اس عمارت مین گرنتھ رکھا گیا، اب یہ عمارت شکستہ حال اور مرمت طلب ہے، اثریات ہند کے بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کو ۱۰۶۵ھ مین دارا شکوہ نے تعمیر کرایا تھا۔

مدرسہ نارنول

شیر شاہ نے ایک مدرسہ نارنول مین قائم کیا، یہ مقام اب ریاست پٹیالہ مین داخل ہے، مقام پوال جو حصار اور جے پور ریلوے کے درمیان مین ایک اسٹیشن ہے، وہان سے پچیس (۲۵) میل دور واقع ہے، مدرسہ کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی، شیر شاہ کے دادا ابراہیم سور کی قبر یہین واقع ہے، ایک کتبہ مدرسہ کی عمارت پر اب تک لگا ہوا ہے، اس سے تاریخ تعمیر ۹۲۶ھ ظاہر ہوتی ہے، مدرسہ و مقبرہ کی تعمیری مصارف ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھے، یہ مدرسہ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت سے پہلے، دادا کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر کے بنوایا تھا۔

مدارس آگرہ

اس شہر نے اسلامی عہد حکومت مین مختلف حیثیتون سے ایسی ترقیان حاصل کین جو دوسرے کسی شہر کو نصیب نہین، تعلیمی حیثیت سے ایک مدت تک فخر روزگار رہا، آگرہ مین متعدد مدارس قائم تھے، یہان کی تعلیم گاہون کے لئے علما شیراز سے بلائے جاتے تھے، لالہ سیل چند جو غدر ۵۷ء کے پس و پیش زمانہ مین موجود تھے، اپنی کتاب تفریح العمارات مین لکھتے ہین کہ انکے زمانہ تک آگرہ مین ایک بہت بڑا مدرسہ موجود تھا جسکی پروفیسری کے لئے شیراز سے ایک عالم بلوائے گئے تھے،

---

۵۱ غرائب نگار بحوالہ اثریات ہند، ۵۲ اثریات ہند۔

شیخ زین الدین خوافی نے جو نظم و نثر کے ماہر تھے، آگرہ مین اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا جسکے مصارف کا تعلق بالکل انکی ذات سے تھا، ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء مین جب چنار کے قریب انکا انتقال ہوا تو وہ اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کئے گئے، جو انکا قائم کیا ہوا تھا، یہ ہمایونی عہد حکومت کا ذاتی مدرسہ تھا، (منتخب التواریخ)

آگرہ نے اکبری عہد حکومت مین جو عروج اور ترقی حاصل کی تھی وہ جہانگیر کے زمانہ تک باقی رہی، جہانگیر اپنے تزک میں لکھتا ہے،

"کہ آگرہ کی آبادی صناعون اور طلبا سے علوم سے بھری ہے، ہر مذہب و ملت کے علما اس شہر مین آباد ہین"

جہانگیر نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ

"حدود مملکت مین جہان بھی کوئی مالدار رئیس یا بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مرجائے تو اُسکی تمام جائداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہوکر مدرسون اور خانقاہون پر صرف ہو" (منتخب اللباب خوافی خان)

جام جہان کا مصنف لکھتا ہے کہ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندون اور جانورون کے مسکن بنے ہوئے تھے، طالبعلمون اور استادون سے بھر دیا،

ایک مدرسہ آگرہ کے مقابل جمنا کے کنارے قائم ہوا تھا، اُسکے بانی اور سنہ بنا کی تفصیل نہین ملتی آگرہ مین مدارس کی جو کثرت تھی اسکا پتہ آج بھی محلون کے نام قدیم عمارات اور زبانی مشہور عام روایتون سے چل سکتا ہے،

مولانا علاؤالدین لاری جنھون نے شرح عقاید نفسی پر حواشی لکھے ہین، آگرہ مین درس دیا کرتے تھے، جو مدرسہ اُنھون نے قائم کیا وہ مدرسہ خس کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ یہی اسکا تاریخی نام تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین،

باگرہ آمدہ بدرس مشغول شدند و مدرسۂ از خس ساختند، مدرسہ خس تاریخش شد،

مدرسہ بیانہ

منجملہ دیگر مدارس کے بیانہ کا ایک مدرسہ قابل ذکر ہے جسکو مولوی قاضی رفیع الدین صاحب نے قاضیون کی مسجد کے متصل قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت پر جو کتبہ ہے اس سے مدرسہ کا سال بنا ۸۰۱ھ معلوم ہوتا ہے (نزہات ہند)

مدارس فتحپور سکری

اکبر نے بھی اپنے عہد حکومت مین متعدد مدرسے قائم کئے، فتح پور سکری کی پہاڑی کے اوپر اس نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جسکے مثل کوئی سیاح بہت کم مدرسہ کا نام بتا سکتا ہے، خان بہادر لالہ سیل چند اپنی کتاب تفریح العمارت مین حسب ذیل عبارت سے یہی مدرسہ مراد لیتے ہین،

"اکبر نے اجمیر سے واپس آکر فتحپور سکری کو نیا دار السلطنت بنایا، یہان بہت سی عمارتین بنوائین جنمین مدرسہ خانقاہ وغیرہ بھی داخل ہین"

آئین اکبری مین لکھا ہے

بفرمان گیہان خدا مسجدے و مدرسہ و خانقاہے بر فراز آن کوہ انجام یافت جہان، یدگان بدان نظارہ نشان کم دہند۔" (ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ)

انکے علاوہ فتحپور مین اور مدارس کے نام مل تو سکتے ہین، لیکن چونکہ انکی کوئی تفصیلی حالت نہین ملتی، اسلئے ہم انکو قلم انداز کرتے ہین،

مدارس متھرا و نروار

سکندر لودی نے اپنے ایام حکومت مین بکثرت سرائین، مدرسے اور مسجدین بنوائین، یہ بہت پابند شریعت، اور علم دوست بادشاہ تھا، ہندوؤن نے فارسی تعلیم اسی کے عہد حکومت سے شروع کی،

تاریخ داؤدی اور جام جہان سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا مین اس نے متعدد مدرسے قائم کئے گو ان مدارس کی تفصیلی حالت نہین معلوم لیکن قاسم فرشتہ ان لفظون مین مجمل تذکرہ کرتا ہے

"در بہتر جا ہا کہ ہندوان غسل می کردند سرای و مسجد و مدرسہ و بازار ساختہ موکلان گماشتہ اند"

سکندر نے جب ۹۱۲ھ مین علاقہ مالوہ کے قلعہ نروار کے تسخیر کا ارادہ کیا اور پورے آٹھ مہینے کی مسلسل کوششون کے بعد فتحیاب ہوا تو چھ مہینہ تک وہان اقامت گزین ہو کر مساجد و مدارس کی بنا و تاسیس مین مشغول رہا، فرشتہ لکھتا ہے۔

"وسلطان شمش ماه در پاے تخت نشسته تنہا بنا را برانداخت و مساجد بنانهاد ومفتی وخطیب تعین فرمود وعلماء

وطلباء را وظائف مقرر ساخته درآنجا متوطن گردانید" (ذکر سکندر لودی)

مدارس بدایون

قدیم زمانہ سے یہ شہر شہیان امراء اور شاہزادون کا مستقر رہا ہے، اسکی علمی وتعلیمی تاریخ دہلی وآگرہ کی طرح روشن ہے، لیکن آج اسکی تاریخی تفصیلات مجہول ہین، پھر بھی یہان ہمیشہ علماء وفضلاء کی جمعیت اور طلباء کا ہجوم اسکی گذشتہ عظمت کی ہلکی سی یادگار رہے، تاریخ شاہ عالم مین جسکو مسٹر فرینکلن نے تاریخ کیا ہے لکھا ہے کہ

"بدایون کے قدیم عمارتون کے ویران ومنہدم حصے جو اب تک باقی ہین وہ درحقیقت باغون، مسجدون، خانقاہون اور قدیم مدرسون کے آثار باقیہ ہین" (صفحہ ۰۰)

بدایون کی جامع مسجد سنہ ۔۔ھ شمس الدین التمش کے عہد امارت مین بنی، اسکے عقب مین مدرسہ معزی تھا یہ دونون عمارتین غالباً شمس الدین التمش ہی کی چھوڑی ہوئی یادگارین ہین،

مدرسہ دارانگر

یہ امروہہ کے گرد ونواح مین ایک مشہور مقام ہے، یہان نجیب الدولہ نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جہان سے بیشمار طلبہ نے فیض تعلیم حاصل کیا، اس مدرسہ مین خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کے اکثر فارغ التحصیل اشخاص مدرسین مین داخل تھے۔

مدرسہ رامپور

مولانا بحر العلوم کو نواب فیض اللہ خان نے رامپور بلایا، اور مدرسہ عالیہ جو اب تک قائم ہے، اسکا صدر مدرس مقرر کیا، مولانا وہان پانچ برس تک درس وتدریس مین مشغول رہے، ہندوستان کے دوسرے مشہور عالم ملا حسن بھی مدرسہ عالیہ رامپور مین عرصہ تک مدرس رہے، ان بزرگون کے فیض برکت سے تعلیم وتعلم کی وہان بڑی گرم بازاری رہی۔

مدارس شاہجہانپور وبریلی

غرض زمانہ میں روہیلکھنڈ پر حافظ الملک رحمت خان نے قبضہ کرلیا تھا، اپنی نوابی کے زمانہ میں اس نے روہیلکھنڈ کے مشہور شہر کو رشک دہلی بنا دیا، مولانا بحرالعلوم کو باصرار والتجا شاہجہانپور بلایا، انکے لئے ایک خاص مدرسہ قائم کیا، جسمیں مولانا بیس برس[1] تک مشغول درس وتدریس رہے،

حافظ الملک رحمت خان کی علمی فیاضیاں جسقدر بڑھی ہوئی تھیں اور اس نے اپنے قلیل زمانہ میں تعلیم کی اشاعت جو کی، مصنف گل رحمت[2] کے اس بیان سے اسکی تصدیق ہوگی۔

"باستماع خبر قدر شناسی دین پروری حافظ الملک صدہا علما متبحر مثل مولانا عبدالعلی لکھنوی وغیرہم وتمامی شہر کٹھر[3] مجتمع شدہ مواجب کثیرہ زیادہ از حاجت از سرکاری یافتند۔ ودر مدارس ومساجد کہ برائے ایشان از سرکار ترتیب یافتہ بود بفراغ خاطر درس وتدریس اشتغال می ورزیدند وہر مدرسہ کتب درسی ووظیفہ طلبا از سرکار تعین می یافت۔"

ایک ہندو مصنف کندن لال اشکی جو اسی زمانہ میں تھا، اپنی تصنیف نزہۃ الناظر کے خاتمہ میں لکھتا ہے۔

"یاد دارم کہ در ایام تحصیل فقیر در بلدۂ بریلی قریب سہ صد کس طالبعلم آشنائے فقیر بودند۔"

---

[1] رسالہ قطبیہ۔ [2] گل رحمت حافظ الملک اور انکے خاندان کی مفصل تاریخ ہے، حافظ الملک کے پوتے محمد سعادت یار اسکے مولف ہیں، آغاز کتاب میں وہ لکھتے ہیں:-

"در سال یکہزار ودو صد وچہل ونہ ہجری بندہ خاکسار محمد سعادت یار بن حافظ محمد یار خان نبیرہ انحالات وواقعات جد بزرگ خود اعنی حافظ الملک رحمت خان بہادر مرحوم کہ بکمال عدالت گستری ونیکنامی حکومت ملک کٹھر فرمودہ اند، بقید تحریر آورد ودر ضمن آن احوال بعضی پادشاہان وامیران آن عہد نیز می نگارد تا یادگار ماند واین تالیف موسمی بہ گل رحمت منتخب است از کتاب گلستان رحمت کہ پیش ازین جناب عموی صاحب محمد مستجاب خان مرحوم بکمال تحقیق وتوضیح تسوید فرمودہ اند۔" [3] علاقہ روہیلکھنڈ کا قدیم نام ہے۔

مدارس اودھ

اودھ نسبتہً اور صوبون سے اس خاص وصف مین ممتاز تھا کہ یہان پانچ پانچ دس دس میل پر شرفا اور نجبار کے دیہات آباد تھے جنمین اچھے اچھے علما و فضلا درس دیتے تھے، اور دُور دُور سے طلبہ آکر تحصیل علوم کیا کرتے تھے، سلاطین کی طرف سے ان مدرسون کے مصارف کے لئے دیہات معاف ہوتے تھے، ماثر الکرام مین مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہین:-

"اگرچہ جمیع صوبجات ہند بوجود حاملان علم تفاخر دارند اما صوبۂ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتوان یافت، چہ در تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبۂ الہ آباد بفاصلہ پنج کروہ نہایت دہ کروہ آبادی شرفا و نجبا ست کہ از سلاطین و حکام وظائف و زمین و مدد معاش داشتہ اند، و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسانِ عصر در ہر جا ابواب علم بر روے دانش پژوہان کشادہ و طلبۂ علم خیل خیل می روند، در ہر جا موافقت بست بہم داد بتحصیل علوم مشغول می شوند، وصاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ می دارند، و خدمت این جماعت را سعادت عظمی میدانند۔"

مدرسہ سہالی

انہی مشہور قصبون مین قصبہ سہالی بھی داخل تھا جو لکھنو سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، شیخ نظام الدین انصاری ایک مشہور عالم اس قصبہ مین آکر سکونت پذیر ہوے اور انھون نے سلسلۂ درس و تدریس قائم کیا، اُنکے پرپوتے شیخ حافظ نے علم و فضل مین بڑی شہرت حاصل کی، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا جب وقائع نگارون کی اطلاع سے جسکا سلسلہ خصوصیت کے ساتھ تیموری عہد حکومت مین تمام ہندوستان مین پھیلا ہوا تھا، اکبر تک اسکی خبر پہنچی تو شیخ حافظ کے لئے جاگیر مقرر ہوئی، شیخ موصوف باطمنان تمام مشغلۂ درس و تدریس مین مصروف رہے انکی درسگاہ مین طلبہ کی سکونت کا انتظام بھی تھا، مصارف کی کفالت بھی تمام تر شیخ موصوف کرتے تھے، جسکا ذریعہ وہی شاہی وظیفہ تھا۔

ملا قطب الدین شہید شیخ حافظ کی نسل سے چوتھی پشت مین تھے، ملا قطب الدین کے والد لاہور کے کسی مدر

مین مدرس تھے، انھون نے زیادہ تر کتابین اپنے والد بزرگوار سے پڑھین اور کچھ دوسرون سے بھی، فراغت کے بعد سہالی ہی مین سلسلۂ درس جاری کیا، عالمگیر نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انھون نے اپنے زاویۂ عزلت سے باہر نکلنا پسند نہ کیا، ملا صاحب نے ۱۱۰۳ھ مین شہادت پائی اور اس دن سے سہالی کی بزم علمی فرنگی محل مین منتقل ہوگئی۔

فرنگی محل لکھنؤ

ملا قطب الدین شہید سہالوی کے نامور فرزند ملا نظام الدین کے ذریعہ سے فرنگی محل کو ہندوستان کا دار العلوم و عمل بنایا، اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کے تھے، شرح ملا جامی تک تعلیم ہو چکی تھی، بقیہ کتابین ملا علی قلی جائسی، مولانا نقشبند گورکھپوری، مولانا عبد السلام دیوی اور مولانا امان اللہ بنارسی سے پڑھین،

۲۴ برس کی عمر مین فراغت تعلیم کے بعد مسند درس پر بیٹھے، اور سہالی کا چراغ علم و فضل فرنگی محل مین روشن ہوا، فرنگی محل کا مکان سکونت شہنشاہ عالمگیر نے عطا کیا تھا، فرمان کے چند جملے یہ ہین،

"فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ کمینرل حویلی فرنگی محل با متعلقہ آن واقع بلدہ لکھنؤ مضاف بصوبۂ اودھ کہ از اکنہ نزولی است برائے بودن شیخ محمد سعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم"۔

چونکہ ملا نظام الدین اسوقت صغیر السن تھے، اسلئے فرمان مین انکا نام نہین مذکور ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام مین یہ فخر صرف اسی خاندان کو حاصل ہے کہ تقریباً ڈہائی سو برس تک بلا فصل علما و فضلا پیدا ہوتے رہے، اور ان مین سے ہر ایک نے اپنی زندگی محض علم و فن کی خدمت کے لئے وقف کردی، اور انکی درسگاہون سے ہزارہا علماء نکلکر ملک کے گوشہ گوشہ مین پہیل گئے، اور الحمد للہ کہ یہ فیض ابتک جاری ہے،

اس سلسلہ مین دیوا، جائس، گوپامئو اور خیرآباد وغیرہ قصبون کے نام بھی لینا چاہئین، جہان اول الذکر مین مولانا عبد السلام، ثانی الذکر مین ملا علی قلی، ثالث الذکر مین قاضی مبارک، اور رابع الذکر مین مولانا فضل حق وغیرہ مدتون درس و تدریس مین مشغول رہے، اور انکے فیوض علمی بھی بہت کچھ عام تھے، ملا نظام الدین نے اول الذکر دو بزرگون کے

حلقۂ درس کی شرکت کی، اور زانوے تلمذ تہ کیا تھا۔

بلگرام بھی ان قصبات مین مخصوص حیثیت رکھتا ہے، تعلیمی حیثیت سے یہ جگہ بھی مدتون ممتاز رہی ہے، متعدد مشاہیر علما، و فضلا، اسکی خاک سے اٹھے۔

یہ قصبات درحقیقت اپنے اپنے علمار کے فیض وجود سے بجائے خود کالج بلکہ یونیورسٹی تھے۔

اس سلسلہ مین فتحگڈھ کا مدرسہ بھی قابل تذکرہ ہے، جسکو حکیم مہدی وزیر نواب سعادت علیخان اور نواب غازی الدین نے اپنے عہد قیام مین جب لکھنؤ سے فتح گڈھ کچھ دنون کے لئے آکر رہے تھے قائم کیا تھا، اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہین معلوم، مسز فینی پارکس[۱] نے اپنے روزنامچہ مین اسکا تذکرہ کیا ہے۔

مدارس فرخ آباد

بہادر شاہ کے عہد حکومت مین فرخ آباد کے ایک مدرسہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام فخر المرابع تھا، بعض لوگ اسی نام کو ربع المفاخر کی صورت مین بدل کر قنوج کا بھی ایک مدرسہ بتاتے ہین، لیکن میری راے مین یہ اشتباہ ہے، ربع المفاخر یا فخر المرابع نام قنوج مین کسی مدرسہ کا تذکرہ مجھے کتب تاریخ مین نہین ملتا، فخر المرابع فرخ آباد کا مدرسہ ہے جسکے بانی مولوی ولی اللہ نامی ایک بزرگ تھے، مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اسی درسگاہ مین تعلیم پائی تھی[۲]۔

حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے فرخ آباد (مگر صحیح غالبا فیض آباد) مین ایک مدرسہ قائم کیا[۳]، جسکے ایک مدرس مولانا عبد الواحد خان خیرآبادی تھے، یہ زمانہ شاہ عالم کے عہد حکومت کا تھا۔

مدارس جونپور

اسلامی عہد حکومت مین جونپور کی تعلیمی و علمی اہمیت اس درجہ ممتاز تھی کہ اسکو شیراز ہند کا لقب دیا گیا، شاہجہان فخر یہ کہا کرتا تھا کہ

"پورب شیراز ماست"۔

۱؎ مفتین حکیم مہدی، یو، پی ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲؎ "ہندوستان کی علمی ترقی شاہان اسلام کے عہد مین"، زمزمہ دراناتھ لا، ۳؎ ایضاً۔

اور خاص جون پور کو اُس نے شیراز ہند کا خطاب دیا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیر شاہ نے اسی علمی سرزمین کے آغوش تربیت مین پرورش پائی تھی، شیر شاہ کو سکندر نامہ، گلستان، بوستان وغیرہ کتابین زبانی یاد تھین فلسفہ کی تعلیم بھی پائی تھی، اسکی تعلیم عربی کے سلسلہ مین کافیہ اور شرح کافیہ، شیخ شہاب الدین کا تذکرہ آتا ہے، قدیم سلاطین کی تاریخ کا بڑا شائق تھا، علماء و شیوخ کے ساتھ اکثر مدارس اور خانقاہون مین جاتا تھا، علماء کے لئے اُس نے بکثرت مددمعاش کی رقمین مقرر کی تھین۔

سنہ یا ۸۴۵ھ مین بی بی راجہ بیگم نے جونپور مین ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ بی بی راجہ بیگم کے نام سے موسوم ہوا[1]

جب سنہ ء یا ۹۰۲ھ مین سلطان سکندر لودی نے جونپور کو فتح کیا تو حسین شاہ شرقی کی اس شکست پر سلاطین شرقیہ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا، سکندر لودی نے فتح پاتے ہی مساجد و دیگر عمارات مقدسہ کو چھوڑ کر اور دوسری عمارتون کے انہدام کا حکم دیا[2] گو اس دن سے حکومت شرقیہ کا چراغ گل ہوگیا، لیکن جونپور کی بزم علمی منتشر نہونے پائی، اب جونپور کا انتظامی تعلق براہ راست دہلی سے متعلق ہوگیا، شاہجہان کا فخر آمیز جملہ کہ

"پورب شیراز ما است"

اوپر لکھا جاچکا ہے کہ اس نے حکام جونپور کو عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ وہان کے علما و طلبا کو ہمیشہ وظائف دیئے جایا کرین، اور واقعہ نگار ہر مدرسہ کے حالات لکھین، جب شاہجہان کو کسی نئے مدرسے کے قیام اور مستحق اعانت کی خبر ملتی تھی تو فوراً اسکے لئے وظائف مقرر کرتا تھا، جب ملک کے امراء، شاہزادے اور حکام جونپور سے گذرتے تھے تو وہ ان مدرسون کے دیکھنے کے لئے لازمی طور پر قیام کرتے تھے نیز جیب خاص سے بیش از بیش عطیے دیتے تھے تاکہ اس طرح شاہانِ دہلی کی خوشنودی حاصل کرین ۔

تقریباً ۱۱۵۵ھ مین نواب سعادت خان نیشاپوری جب اودھ، جونپور اور بنارس کا صوبہ دار مقرر ہوا تو حسب دستور اُس نے بھی اس عظیم الشان شہر کی زیارت کی، لیکن اس بنا پر کہ علماء اس سے ملنے کے لئے نہین آئے

---

[1] جونپور نامہ [2] ایضاً۔

خفا ہوکر چلا گیا، اور حکم دے گیا کہ انکی جاگیرین ضبط کر لی جائین، اس حکم کی تعمیل ہوناتھی کہ دفعتہً جونپور کی تمام علمی و تعلیمی سرگرمیون پر اوس پڑگئی، طلبا، اور علما وہان سے چلے گئے، اور تمام آباد مدرسے ویران ہوگئے، ۱۱۸۰ھ مین آصف الدولہ نے انکی جاگیرون کی واپسی کا حکم دیا، لیکن ایلچ خان نے مخالفت کی، اسی زمانہ مین جونپور انگریزون کے قبضہ مین آگیا، ۱۸۰۱ء مین جب ڈنکن نے اس شہر کو دیکھا ہے تو انکی بربادی پر افسوس کیا، اس زمانہ کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات مین اسکی گذشتہ عظمت کے غیر فانی نقوش باقی ہین، مرقوم ہے کہ

" جونپور جو مسلمانون کے علوم و فنون کا مرکز اور علما رکا مرجع تھا، جسکو شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا، جہان بہت سے مدارس قائم تھے، اور جسکی اب صرف گذشتہ عظمت کی داستان ہی داستان باقی رہ گئی ہے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا یا از منہ وسطی کا پیرس، جونپور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم و حکمت کا مربی ہے، علما اور جکی اس شاہی دار الحکومت کے پُرامن سرزمین مین ہر طرح کی علمی ترقیون کیلئے ہمہ تن کوشان رہتے تھے، محمد شاہ کے زمانہ تک ۲۰ مشہور مدرسے جونپور مین موجود تھے، جنکے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہین، ان مین سے ایک کا بانی پندرہوین صدی کے وسط مین مرا اور ایک اور کا بانی سترہوین صدی کے وسط مین "

اٹالہ کی مسجد

جونپور کی یہ مشہور و معروف مسجد در حصل ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی کا مدرسہ ہے جسمین ایک مدت تک اس فخر روزگار ہستی کی بدولت بزم تعلیم گرم رہی، اسکے گرد و پیش جو وسیع سلسلہ حجرون کا ہے اسکو علما و طلبار کی اقامت گاہ سمجھنا چاہیئے ۔

بنارس

مین مولانا امان اللہ بنارسی کی بہت مشہور درسگاہ تھی، جہان سے ملا نظام الدین نے بھی فیض حاصل کیا تھا،

سلہ کتاب سرنیدر ناتھ لا ۔

لیکن یہ معلوم نہین اُسکی حیثیت کیا تھی، اگر کوئی خاص مدرسہ تھا تو مجھے اُسکے متعلق کچھ تفصیلی معلومات نہ بہم پہنچ سکین۔

اعظم گڈھ

یہ چھوٹا سا ضلع گو بالکل نیا ہے لیکن قدیم زمانہ مین اسکا تعلق جونپور سے رہا ہے، اور اسکے اکثر فرزند اسی تعلق سے جونپور کے انتساب سے مشہور ہین، ملا محمود جونپوری کرکے مشہور ہین، درصل یہین کے باشندے تھے چریاکوٹ، محمد آباد، ویدپور، نظام آباد، ماہل، سرائے میر، مبارکپور، مئو اسکے مشہور قصبات ہین،

ویدپور، ملا محمود کا مولد ہے، مولوی حسن علی مدرس و مفتی مدراس ماہل کے تھے، چریاکوٹ کی خاک سے اس آخری دور مین مولانا عنایت رسول صاحب اور مولانا فاروق صاحب جیسے فخر روزگار فضلا پیدا ہوئے، اس ضلع مین گذشتہ ایام کی کثرت تعلیم کے آثار ابھی تک صاف نمایان ہین،

غازیپور

اس سلسلہ مین غازیپور بھی تعلیمی حیثیت سے قابل تذکرہ مقام ہے۔ اس سرزمین سے بھی اکثر علماء و فضلا پیدا ہوئے۔ مولانا عبداللہ غازیپوری کی ذات یہان کیلئے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہیگی، پورب سے آکر یہان اکثرون نے تعلیم پائی آجکل یہان کا ایک قدیم مدرسہ اپنی فارسی تعلیم کے لئے ممتاز خصوصیت رکھتا ہے۔

ابوالحسنات ندوی

مشرقی کتبخانے

عیسائیون نے جو کتبخانے قائم کئے ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

کتبخانہ رہبانیہ | سب سے پہلے مطران جرمانوس فرحات نے اسکی بنیاد ڈالی اس سے پہلے جن اساقفہ نے کتابین فراہم کی تہین وہ بالکل پراگندہ حالت مین تہین، مطران موصوف نے ان کتابون کو جمع کیا اور ان مین اپنی ذاتی کتابین بھی شامل کین، اسکے بعد مطران جبرئیل حوشب نے اسکی تقلید کی، اور بہت سی قلمی اور مطبوعہ کتابون کا اضافہ کیا اسیطرح جو پادری اس عہدے پر ممتاز ہوا اُس نے کتبخانہ کے ساتھ خاص طور پر اعتنا کیا یہانتک کہ یہ کتبخانہ موجودہ حالت تک پہنچگیا، اب مطبوعہ کتابون کے علاوہ اس کتبخانہ مین ۰۵۰۷ کتابین قلمی ہین جنمین اکثر مذہبی اور بقیہ ادب و تاریخ کی ہین -

کتبخانہ ملکیہ | یہ کتبخانہ اگرچہ پرانا ہے، لیکن سنہ ۱۸۵۰ء مین سوء اتفاق سے نذر آتش ہوگیا اور تقریباً تمام کتابین جل گئین، اسلئے ازسرنو اسکی تلافی کیگئی، اور بہت سی کتابون کا اضافہ کیا گیا، مطران بولس حاتم نے سنہ ۱۸۶۳ء مین اسکی طرف خاص توجہ کی، مختلف زبانون کی بہت سی مطبوعہ کتابون کا اضافہ کیا، اور اسکی موجودہ حالت تمامتر اُنہین کی ساختہ و پرداختہ ہے، اس کتبخانہ مین ۱۲۲ کتابین قلمی ہین جنمین ۳۰۲ تاریخ و سیر مین ہین،

کتبخانہ سریانیہ | سریانی کیتھولک عیسائیون کا کتبخانہ ہے، پہلے یہ بہت بڑا کتبخانہ تہا، جس مین سنہ ۱۸۶۰ء مین آگ لگ گئی، اور سریانی، عربی، لیٹن اور یونانی زبانون کی جو قلمی کتابین تہین سب جل گئین، اسکے بعد خوری جبرائیل رباط وغیرہ نے ازسرنو اسکی بنیاد ڈالی، جرجس شلحت المتوفی سنہ ۱۸۹۱ء نے مختلف زبانون کی بہت سی مطبوعہ کتابون کا اسمین اضافہ کیا، اسوقت اس کتبخانہ مین ۲۰۰ قلمی کتابین ہین جنمین چند تاریخ وغیرہ کی اور اکثر مذہبی ہین،

کتبخانہ بنوالدلال | آل دلال مین جو اد بار گذرے ہین، ان مین یہ کتبخانہ جبرائیل دلال کا ہے،

جمین ۰۰ ہ کتابین اور ایک نہایت نادر شکل و منقوط قرآن ہے، جو بقدر باریک خط مین لکھا گیا ہے کہ اسکا حجم نصف ہتیلی کے برابر ہے، صاحب کتبخانہ کی وفات کے بعد یہ قرآن ضائع ہوگیا، اور اب معلوم نہین کہان ہے،

بیروت کے کتبخانے | بیروت مین عربی زبان اور قدیم عربی قلمی کتابون کے پبلک کتبخانے بہت کم ہین بلکہ نہین ہین، البتہ بیروت کی یونیورسٹیون مین عمدہ کتبخانے موجود ہین جمین دو کتب خانے خاص طور پر قابل ذکر ہین،

عیسائی یونیورسٹی کا کتبخانہ شرقیہ | جو مشرق مین عربی کتابون کا سب سے بڑا کتبخانہ خیال کیا جاتا ہے، اور مختلف علمی، مذہبی اور عربی کی ۰۰۰۰ ۴ کتابون پر مشتمل ہے، اسمین ان مطبوعات کے علاوہ جو یورپ مین مشرق، اسلام اور عرب کے متعلق لکھی گئی ہین، ۰۰۰ ۳ قلمی کتابین ہین، اور یوسف شیخو ایڈیٹر رسالہ مشرق نے فرنچ مین ایک خاص رسالہ ان قلمی کتابون پر لکھا ہے دوسرا کتبخانہ

امریکن یونیورسٹی کا | ہے جو اس مدرسہ کے ساتھ ساتھ قائم ہوا، اسمین ۰۰۰ ۷ کتابین ہین جو زیادہ تر انگریزی، اور دوسری یورپین زبانون مین علوم جدیدہ کے متعلق ہین، ۰۰ ۶ کتابین عربی کی ہین اور ۰۰ ۵ کتابین ایسی ہین جنمین صرف شام اور فلسطین کے حالات ہین، کتبخانہ مین ایک کمرہ مطالعہ کیلئے مخصوص ہے جس مین مختلف زبانون کے رسائل و اخبارات کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا اور لغت کی کتابین موجود رہتی ہین،

اسی طرح اور دوسری یونیورسٹیان بھی کتبخانون سے خالی نہین،

قدس کے کتبخانے | قدس کے ہر گرجے مین عیسائیون کے مختلف فرقون کے مختلف کتبخانے ہین جو مذہبی کتابون پر مشتمل ہین انکے علاوہ ارمن، یہود اور لاتین وغیرہ کے کتب خانے ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

کتبخانۂ دیر روم | اسمین یونانی اور دوسری زبانون کی ۳۳۴۷ کتابین ہین بعض قدیم یونانی قلمی کتابین ایسی ہین جو دسوین صدی عیسوی مین لکھی گئی ہین،

کتبخانۂ یہود | اسمین ۲۰۰۰ کتابین ہین،

کتبخانۂ مدرسۂ امیریکیہ | یہ بالکل پبلک کتبخانہ ہے،

بقیہ عربی کے پبلک کتبخانون مین صرف ایک

کتبخانۂ خالدیہ | ہے جسکو راغب خالدی نے قائم کیا ہے، اور وہ ابتک ابتدائی حالت مین ہے اسکا سنگ بنیاد اول اول خالدی نے خود اپنی ذاتی کتابون پر رکھا، پھر ضیا باشا خالدی اور روحی بک خالدی کی کتابون کا اضافہ ہوا، اسوقت اس کتبخانے مین مختلف علوم کی ۴۰۰۰ کتابین ہین اور اسکا دروازہ ہمیشہ پبلک کے لئے کھلا رہتا ہے،

حمص کے کتبخانے | حمص کے قدیم کتبخانے برباد ہوگئے، جدید دور مین البتہ بہت سے کتبخانے قائم ہوئے ہین، ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت حمص مین نو پبلک کتبخانے ہین، جو ۵۰۰۰ کتابون پر مشتمل ہین، انکے علاوہ متعدد پرائیوٹ کتبخانے ہین جنمین ۸۰۰۰ ہزار کتابین ہین، پبلک کتبخانون کو زیادہ تر گرجون، مدرسون اور عیسائیون کی انجمنون نے قائم کیا ہے ان مین سب سے مقدم

اربعین شہید | کا کتبخانہ ہے جسمین زیادہ تر مختلف مذہبی فرقون کی کتابین ہین اس کتبخانہ مین بہت سی عمدہ قلمی کتابین تھین جو ضائع ہوگئین، اب ازسرنو اسکو قائم کیا گیا ہے،

کتبخانۂ مطرانیہ ارتھوڈکسیہ | مین ۴۰۰ کتابین مختلف زبانون کی ہین،

عیسائی پادریون کا ایک کتبخانہ | ہے جسمین ۲۰۰۰ عمدہ مذہبی اور علمی کتابین ہین، بقیہ پبلک کتبخانون مین ۵۰ سے زیادہ کتابین نہین،

قدیم علمی خاندانون کے پرائیوٹ کتبخانون مین

کتبخانہ اناسیہ | جو آل اناسی کی طرف منسوب ہے، لغت، تاریخ اور ادب کی ہزار کتابون پر مشتمل ہے،

کتبخانہ جالیہ | مین ۲۰۰۰ عمدہ کتابین ہین،

کتبخانہ دعویہ | مین ۱۴۰۰ کتابین ہین جنمین بعض قلمی ہین،

کتبخانہ سباعیہ | مین ۲۰۰۰ کتابین ہین،

کتبخانہ عبودیہ | مین ۴۰۰۰ کتابین ہین جو زیادہ تر فن تاریخ مین ہین،

کتبخانہ جندیہ | مین قدیم قلمی کتابین ہین،

ان کے علاوہ جو پرائیوٹ کتبخانے ہین ان مین کتابون کی تعداد سو دو سو سے زیادہ نہین،

شام کے اور شہرون کے کتبخانے | شام کے اور شہرون مین کوئی قابل ذکر پبلک کتبخانہ نہین ہے، البتہ لبنان مین مختلف فرقون کے بکثرت کتبخانے ہین جو اُنکے مدرسون اور عبادتگاہون مین قائم کئے گئے ہین، لیکن گرجون مین جو کتبخانے قائم تھے، انکی کتابین زیادہ تر کتبخانہ شرقیہ مین منتقل ہوگئین

دارالمطالعہ | ان کتبخانون کے علاوہ شام اور لبنان مین بکثرت دارالمطالعہ قائم کئے گئے ہین جنمین رسائل، اخبارات، اور عمدہ کتابون کا کافی ذخیرہ موجود رہتا ہے، اور ان مین بعض اوقات تقریرین بھی کیجاتی ہین،

عراق کے کتبخانے | ابتداے دولت عباسیہ مین سب سے پہلے بغداد اور بصرہ ہی مین کتبخانے قائم ہوئے، لیکن فتنۂ تاتار اور فریقانہ مذہبی نزاعات نے سب سے زیادہ انھی کتبخانون کو برباد کیا تاہم بغداد مین اب بھی بعض ایسے گم شدہ جواہرات مل جاتے ہین جنکے وجود سے دنیا بالکل مایوس ہوچکی ہے، اب اگرچہ عراق کا قدیم سرمایہ باقی نہین ہے تاہم وہ اب بھی علمی سروسامان سے خالی نہین، وہان کے مشہور مقامات مین متعدد کتبخانے ہین،

کتبخانہ کاظمیہ | کاظمیہ مین سید حسن صدرالدین کا ایک کتبخانہ ہے جسمین عمدہ اور نادر قلمی کتابین ہین،

کربلا کے کتبخانے کربلا مین شیخ عبدالحسین طہرانی کا ایک کتبخانہ ہے جسمین مطبوعہ کتابین بہت کم ہین، سب کی سب قلمی ہین، اور اکثر خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، کربلا مین دو کتبخانے اور ہین ایک سید عبدالحسین کلیدار کا جسمین اکثر مطبوعہ اور بعض نادر اور قلمی کتابین ہین، دوسرا شیخ علی بن شیخ زین العابدین کا جسمین قدیم قلمی کتابین ہین، اور امامیہ فرقہ کی تصنیفات زیادہ تر جمع کیگئی ہین، وہان اور بھی کتبخانے ہین جو اگرچہ بقامت کہتر ہین لیکن بقیمت بہتر ہین،

نجف کے کتبخانے نجف مین شیخ علی بن الشیخ محمود رضا جعفری کاشف الغطا کا ایک قدیم کتبخانہ ہے جو بہترین کتابون کا جامع ہے، کتابین اکثر قدیم زمانہ کی لکھی ہوئی ہین، یہ نجف کا سب سے بڑا کتبخانہ خیال کیا جاتا ہے،

شیخ ہادی بن الشیخ عباس الجعفری کا ایک کتبخانہ ہے جو اگرچہ اس سے چھوٹا ہے مگر عمدہ کتابون کا مخزن اور عراق کا بہترین کتبخانہ ہے،

ایک کتبخانہ سید محمد بحر العلوم الطباطبائی کا ہے، جسمین عمدہ قلمی کتابین جمع کیگئی ہین، نجف مین ایک کتبخانہ مرزا حسین نوری کا تھا، جسمین مختلف علوم و فنون کی بہترین قلمی کتابین تہین لیکن نجف کی اور کتابون کی طرح یہ کتابین عام دسترس سے باہر تہین، لیکن صاحب کتبخانہ کی وفات کے بعد یہ کتابین نجف اشرف مین منتشر اور پراگندہ ہوگئین، مرزا حسین نوری نے اس کتبخانے کے علاوہ ایک اور کتبخانہ طہران مین اور ایک ہندوستان مین قائم کیا تھا،

ایک کتبخانہ آغا رضا اصفہانی کا ہے جسمین بہت سی نادر اور قلمی کتابین ہین، نجف مین قدیم زمانہ سے ایک نہایت اچھا اور نہایت بڑا طریقہ یہ چلا آتا ہے کہ ہر جمعرات اور ہر جمعہ کو ایک بازار کتب فروشی کا لگتا ہے اور اسمین کتابین نیلام ہوتی ہین، اس طرح بعض بیش قیمت کتابین کوڑیون کے مول بک جاتی ہین اور بعض ادنی کتابون کی قیمت نہایت گران ہوجاتی ہے،

کتبخانۂ حلہ حلہ مین آل قزوینی کا ایک کتبخانہ ہے جسمین بہت سی قلمی کتابین ہین، لیکن وہ اس خاندان کے مختلف گھرون مین پھیلی ہوئی ہین،

سماوہ کے کتبخانے سماوہ مین ایک کتبخانہ شیخ محمد سماوی کا ہے جسمین اکثر کتابین ریاضی کی ہین اور قلمی ہین

ایک کتبخانہ شیخ احمد عبدالرسول کا ہے جسمین لغت اور ادبیہ اصول کی کتابین جمع کیگئی ہین،

بغداد کے کتبخانے یہ شہر قدیم زمانہ مین کتبخانون کا مرکز تھا اور اب بھی ہے لیکن باین ہمہ نجف کے کتبخانون مین جو کتابین موجود ہین وہ زیادہ تر علمی زیادہ نادر زیادہ خوشخط اور زیادہ اصح ہین،

بغداد کے پبلک کتبخانون کے نام یہ ہین،

کتبخانہ مرجانیہ اسمین مختلف قسم کی بہت سی نادر قلمی کتابین ہین جنکو سید نعمان الوسی نے وقف کیا ہے،

کتبخانہ خالدیہ یہ بہت بڑا کتبخانہ ہے جسمین بہت سی نادر قلمی کتابین ہین،

کتبخانہ [illegible] اسمین بہت سی کتابین ہین لیکن زیادہ تر فقہ، حدیث، نحو اور مذہب کے متعلق ہین،

کتبخانہ قصریہ اسمین زیادہ تر حدیث، فقہ، تصوف اور مذہب سے متعلق کتابین ہین،

کتبخانہ اعظمیہ اسمین زیادہ تر مذہبی اور درسی کتابین ہین،

کتبخانہ خاتونیہ اسمین چند نادر کتابین ہین،

کتبخانہ ازبکیہ اسمین کتابین کم ہین لیکن عمدہ ہین،

کتبخانہ مکیہ اسمین زیادہ تر مذہبی کتابین ہین،

کتبخانہ جامع حسین پاشا اسمین قابل مطالعہ عمدہ کتابین نہین ہین،

کتبخانہ مرادیہ اسمین قلمی اور مطبوعہ دونون قسم کی کتابین ہین،

کتبخانہ احمدیہ اسمین نحو اور مذہب کے متعلق کتابین ہین،

کتبخانہ شیخ صندل اسمین تھوڑی سی فقہی اور مذہبی کتابین ہین،

کتبخانہ جامع قمریہ	اسکی اکثر کتابین چوری گئی ہین،
کتبخانہ قادریہ	اسمین کم درجہ کی کتابین ہین،
کتبخانہ رواس	اسمین زیادہ تر مذہبی علوم کی کتابین ہین،
کتبخانہ پاچہ جیہ	اسمین مختلف علوم کی کتابین ہین اور نادر اور عمدہ ہین،
کتبخانہ سید عیسیٰ عطا	یہ بغداد کا عظیم الشان اور بے نظیر کتبخانہ ہے، نہایت نادر قلمی کتابون پر مشتمل ہے لیکن ان کتابون کا مطالعہ نہایت مشکل ہے،
کتبخانہ سید امام الکبیر محمود شکری الوسی	یہ بہت بڑا کتبخانہ ہے اور عمدہ کتابون پر مشتمل ہے،
کتبخانہ حاج علی الالوسی	اسمین نہایت عمدہ اور قلمی کتابین ہین،
کتبخانہ احمد شاکر الالوسی	اسمین بہت سی کتابین ہین لیکن اکثر مطبوعہ ہین،
کتبخانہ شمس الدین الالوسی	اسمین اکثر مذہبی کتابین ہین،
کتبخانہ عبدالرحمن الگیلانی نقیب اشراف بغداد	یہ بہت بڑا کتبخانہ ہی لیکن اسکا مطالعہ صرف چوہے کرتے ہین
کتبخانہ سید عبداللہ النقیب	اسمین زیادہ تر نجوم، جفر، رمل اور تصوف کی کتابین ہین،
کتبخانہ احمد نقیب	" "
کتبخانہ مراد نقیب	" "
کتبخانہ سید عیسیٰ	اسمین حال کی لکھی ہوئی کتابین ہین،
کتبخانہ طبقجلی	اسمین مختلف قسم کی قلمی کتابین ہین،
کتبخانہ شیخ داؤد نقشبندی	اسمین زیادہ تر مذہب اور تصوف کی کتابین ہین،
کتبخانہ عبدالوہاب نائب	اسمین زیادہ تر فقہ، تفسیر اور اصول دین کی کتابین ہین،

کتبخانہ شیخ محمد سعید نقشبندی	اسمین تصوف اور مذہب کی کتابین ہین،
کتبخانہ سویدی	اسمین زیادہ تر ادب، تاریخ، اور لغت کی کتابین ہین،
کتبخانہ شواف	اسمین عمدہ کتابین ہین اور زیادہ تر مذہب اور ادب کے متعلق ہین،
کتبخانہ شاوی	اسمین زیادہ تر دواوین، ادب، اور لغت کی کتابین ہین،
کتبخانہ حیدریہ	اسمین مختلف قسم کی قلمی اور مطبوعہ کتابین ہین،
کتبخانہ یوسف عطار	یہ نہایت عمدہ کتبخانہ ہے جسمین بہترین قلمی اور مطبوعہ کتابین ہین،
کتبخانہ علی آفندی الخوجہ امین الفتوی	اسمین زیادہ تر فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابین ہین،
کتبخانہ عیسی بندنیجی	اسمین زیادہ تر تراجم، جغرافیہ اور تاریخ کی کتابین ہین،
کتبخانہ آبار کرمین لرسلین	اسمین بہت سی قلمی عمدہ کتابین ہین،

مکہ کے کتبخانے، مکہ مین بہت سے کتبخانے تھے جو سیلاب اور غارتگرانہ حملون سے برباد ہوگئے، اخیر زمانہ مین بعض ولاۃ نے پبلک کتبخانے قائم کئے جنمین سردست دو چھوٹے چھوٹے کتبخانے ہین، ایک

کتبخانہ شروانی | جسکو باب ام ہانی کے پاس شروانی زادہ محمد رشدی پاشا سابق والی حجاز نے قائم کیا، دوسرا،

کتبخانہ سلیمانیہ | جسکو سلطان عبد المجید نے قائم کیا، اور اسمین حرم کی متفرق کتابین جمع کردین، اور قسطنطنیہ سے بہت سی کتابون کو لا کر اسمین شامل کیا،

مدینہ کے کتبخانے | مدینہ، کتبخانون کا سب سے بڑا مرکز ہے، اور وہان مشہور کتبخانے حسب ذیل ہین،

کتبخانہ عارف حکمت بک | عارف حکمت بک، سلطان عبد المجید کے زمانہ مین شیخ الاسلام تھے، اور اسکے پہلے بھی بہت سے معزز عہدون پر ممتاز رہ چکے تھے، ۱۲۶۰ھ مین اُنھون نے یہ کتبخانہ قائم کیا اور اسمین ۵ ہزار کتابین جمع کین، یہ کتبخانہ باب جبرئیل کے پاس نہایت عمدہ عمارت مین ہے، جسمین نہایت بیش قیمت قالین بچھے ہوئے ہین، صحن مین ایک حوض ہے جسمین فوارہ چھوٹتا ہے، اسوقت مختلف زبانون اور مختلف علوم کی ۵۰۰۴ کتابین اسمین ہین،

کتابیں اکثر قلمی ہین، اور کتبخانہ خدیویہ نے ان مین بہت سی کتابون کی نقلین لی ہین، اور لوگ بھی کتابون کی نقلین لے سکتے ہین، اور طلبا کے لئے اسکا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

اس کتبخانہ مین بہت سی نادر مخطوطات ہین جن سے فن کتابت کی بہت سی صناعیون کا پتہ چلتا ہے،

کتبخانہ محمودیہ کتبخانہ عارف بک سے یہ کتبخانہ چھوٹا ہے، کتابون کی تعداد ۴۵۶۹ ہے، جسمین ۲۰۰ تاریخ کی اور بقیہ علوم دین کی ہین -

کتبخانہ امین پاشا یہ دونون مقدم الذکر کتبخانون کے مثل ہے،

کتبخانہ حمیدیہ یہ سلطان عبدالحمید اول کی طرف منسوب ہے، کتابون کی تعداد ۱۶۵۹ ہے،

کتبخانہ عاشر آغا اسمین ۲۰۶۳ کتابین ہین، لیکن اسکے کہلنے کے اوقات غیر منتظم ہین،

اسکے علاوہ اور بھی متعدد کتبخانے ہین، مثلاً کتبخانہ صافرلی، کتبخانہ عرفانیہ، کتبخانہ رباط سیدنا عثمان، کتبخانہ مدرسہ ثروت، کتبخانہ مدرسہ قرہ باشی، کتبخانہ حسین آغا وغیرہ، ان تمام کتبخانون کے کتابون کی مجموعی تعداد ۳۰۰۰۰ ہے، جسمین بہت سی نادر کتابین ہین،

مغرب کے کتبخانے مغرب کے بڑے بڑے پبلک کتبخانے تونس اور جزائر مین ہین، جنکے نام یہ ہین،

کتبخانہ جزائر احلیہ یہ کتب خانہ ۱۲۳۵ھ مین قائم ہوا، کتابون کی تعداد ۴۰۰۰۰ ہے جنمین ۲۰۰۰ قلمی کتابین ہین،

تونس کا کتبخانہ صادقیہ اس کتبخانہ کو مشیر محمد صادق پاشا نے قائم کیا، جسکا مقصد یہ تہا کہ مساجد و مدارس مین جو کتابین پراگندہ طور پر موجود ہین انکو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اسمین تقریباً ۳۰۰۰ کتابین ہین جو زیادہ تر فقہ، حدیث اور لغت مین ہین،

ہندوستان کے کتبخانے ہندوستان کے مشہور کتبخانون مین مصنف نے نہایت اجمال کے ساتھ کتبخانہ کلکتہ اور کتبخانہ حیدرآباد کا ذکر کیا ہے، لیکن انشاءاللہ کسی آیندہ نمبر مین ہندوستان کے کتبخانون پر مفصل مضمون شایع ہوگا -

عبدالسلام ندوی

مصریون کے آداب معاشرت

از مولوی عبد الرزاق صاحب ندوی

ہر قوم کے آداب معاشرت، اسکے اخلاق وعادات اور نفسی ملکات کے پرتو ہوتے ہین، مصریون کے اخلاق کے متعلق مین نے جو کچھ اپنے سفرنامہ (غیر مطبوعہ) مین لکہا ہے اسکا یہان دہرانا تو بے موقع ہے البتہ اتنا کہدینا ضروری ہے کہ انکے اخلاق مین سب سے زیادہ نمایان خوش باشی، ملنساری، تواضع اور مساوات ہے، یہی صفات ہین جنکی جہلک انکے آداب مین ہر جگہ نظر آتی ہے، مصری جس طرح بہت سی باتون مین اپنی آپ ہی نظیر ہین اُسی طرح آداب معاشرت مین بھی وہ اکثر اقوام سے بیتی بیتی نظر آتے ہین، جس قوم کو چاہو دیکہ لو، یا تو اسکا کیسہ آداب کی جنس گرانبہا سے خالی ہوگا، اور یا ان مین نسلی وجبلی صفات وحالات کی وجہ سے ایک قسم کی خشکی، بیگانگی، اور اداسی محسوس ہوگی، برخلاف انکے مصری آداب معاشرت مین بشاشت یگانگت اور رونق نظر آئیگی جو درحقیقت نتیجہ ہے انہین چار صفات کا جنکی جانب ہم ابھی اشارہ کر چکے ہین، لوگ کہتے ہین کہ کسی قوم مین آداب کی بہتات اور دہوم دہام دلیل ہے اسکی ذلیل عبودیت اور فقدان خودداری کی! بایند، لیکن ہم تو اس اثر کو دیکھتے ہین جو خوش باش اور مؤدب شخص سے ملنے اور خشکی ویبوست کے برتاؤ سے قلب پر طاری ہوتا ہے، ممکن ہے کہ بعض طبائع آخری حالت کو پسند کرین لیکن عام انسانی رائے یقیناً اسکے برخلاف ہوگی۔

مصریون مین آداب معاشرت کی اسقدر کثرت ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، سوتے جاگتے، کہاتے پیتے، غرضکہ ہر حالت مین اخلاق صرف کیا جاتا ہے، جب تم کسی سے ملوگے تو وہ فرحان وشادان **اهلاً وسهلاً ومرحبا** کہتا ہوا پرجوش مصافحہ کریگا، اور اس انہماک اور ہمدردی سے مزاج پرسی اور خیر وعافیت دریافت کریگا کہ مبہوت رہ جاؤگے، اور اسکے گہرے خلوص اور انتہائی محبت مین ہرگز شبہہ نہ کروگے، مزاج پرسی نہایت طولانی اور

اور دوران گفتگو میں بار بار ہوتی ہے۔ گھربار اور تمام متعلقین کی خیریت بڑے اہتمام سے دریافت کیجاتی ہے۔ زیادہ زور لڑکیوں اور عورتوں کی بابت دیا جاتا ہے، مصافحہ عموماً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے، عورتوں میں بھی اسکا رواج عام ہے نوجوان لوگ ان سے مصافحہ کرنے میں بعض خبیث طریقے برتتے ہیں جنکا ذکر نامناسب ہے، والدین، اساتذہ اور مذہبی آدمیوں کے ہاتھ کو مصافحہ کرتے ہوے بوسہ دیتے ہیں، تہذیب یہ ہے کہ بزرگ اپنے ہاتھ کو کھینچکر ظاہر بچانے کی کوشش کرے، اور غرور کے چڑھنے کی، بعض غیر سنجیدہ لوگ اسمیں بُری طرح جدوجہد کرتے ہیں جس سے کبھی کبھی کشتم کشتا کا دھوکا ہوتا ہے، بعض احمق ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنا ہاتھ خود پیش کردیتے ہیں، گویا یہ انکا آبائی حق ہے، مین نے بجز اپنے مرشد و علامہ استاذ سید رشید رضا کے کبھی کسی کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا، کیونکہ علماے ازہر کے گندہ ہاتھ اس لائق نہیں ہوتے، بہت بڑے آدمیوں کے آستین کو بوسہ دیا جاتا ہے،

اگر ملاقات ہفتہ عشرہ کے بعد ہوئی ہے تو صاحب خانہ عجیب پر اثر انداز میں کہتا ہے اوحشتنا یا سیدی (اپنی جدائی سے مجھے بیچینی میں ڈال رکھا تھا) جسکے جواب میں لا اوحشک اللہ، کہا جاتا ہے، اور اگر ملاقات عرصہ کی جدائی کے بعد یا کسی سفر کے قصد سے رخصتی کی ہے تو بڑے خلوص کا اظہار کیا جاتا ہے۔ طرفین پر جوش معانقہ کرتے اور پیشانی و گردن کے بوسے لیتے ہیں، لیکن یہ عموماً اعزہ اور مخصوص احباب کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے،

اثناے ملاقات میں بار بار آنے والی کی تشریف آوری پر ان الفاظ میں اظہار مسرت کیا جاتا ہے نوّرتنا آپ نے ہمکو منور فرمایا، شرفتنا ہماری عزت افزائی فرمائی، جسکے جواب مخاطب ... جل شأن حفظک اللہ وغیرہ کہتا ہے، اسی درمیان میں سگرٹ اور قہوہ پیش کیا جاتا ہے اسکے علاوہ کسی اور چیز سے تواضع کرنے کا رواج نہیں ہے، مصری اپنے مکانوں پر کم ملتے ہیں، عموماً ملاقاتیں قہوہ خانوں میں ہوتی ہیں، یہاں احباب کے جملہ مصارف اس شخص کے سر ہوتے ہیں جو پہلے سے بیٹھا ہے، آنے والیکو ہر چیز آزادی سے طلب کرنا چاہیئے، تو دو قیمت دینے پر اصرار کرنا خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے، مصری آداب میں یہ بھی ضروری ہے کہ طرفین ایک دوسرے کے فضائل اور محاسن رُو در رُو بیان کریں جسپر مخاطب کو ہاتھ کے اشارہ اور زبان سے شکریہ ادا کرنا چاہیئے، ہندوستانی سنجیدگی

مصریون کے اس طرز عمل کو شاید قہر آلود نظرون سے دیکھیگی کہ جب دو دوست باہم بازار یا باغ وغیرہ مین چہل قدمی کرتے مین تو ایک دوسرے کے ہاتھ مین کہنی کے اوپر سے ہاتھ ڈال کر چلتے ہین، یہ گہرے خلوص او محبت کے اظہار کا طریقہ ہے، کبھی کبھی آزاد مزاج عورتین بھی اسی حالت مین نظر آتی ہین، یہ منظر واقعی زاہدان خشک کو بھی حیرت زدہ کرنے والا ہوتا ہے۔

مصریوں کی زبان اگرچہ عربی ہے جسمین تخاطب واحد کے لئے عام اس سے کہ وہ کسی مرتبہ کا ہو صرف ضمیر انت ہے، لیکن وہ اس بات پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ مخاطب کی کسر شان سمجھتے اور انت کے بجاے انتم، جنابکم حضرتکم، سعادتکم اور فخامتکم وغیرہ الفاظ سے خطاب کرتے ہین، چونکہ لفظ معززین و علمار کے لئے تقریباً مخصوص مشترک ہے، اور آخری صرف علمار کے ساتھ خاص ہے، پاشا کے خطاب یافتہ دولتکم اور فخامتکم سے مخاطب کئے جاتے ہین، اور خود شاہ مصر کے لئے وہ خاص لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو سرکاری طور پر اسکے لئے مقرر ہوتا ہے، موجودہ سلطان "عظمۃ السلطان" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، اردو زبان باوجود فارسی کی پروردہ ہونے کے تکلیف تعظیمی الفاظ سے خالی ہے۔

لیکن ایک امر مین ہندوستانی زبانین شاید سب زبانون پر سبقت لیگئی ہین، اور وہ مختلف اعزہ کے لئے تخصیص الفاظ، عربی بھی باوجود اپنی وسعت کے اس باب مین مفلس نظر آتی ہے، بہت سے رشتے تو ایسے ہین کہ انکا کوئی معروف نام ہی نہیں، مثلاً پھوپھا، خالو، چچی، مامی، بہنوئی، سالہ، جیٹھ، ساس اور بہاوج وغیرہ، اور جن رشتون کے نام ہین بھی انکے مخاطب کے لئے اردو کی طرح کوئی مخصوص الفاظ نہین، مثلاً بڑی بہن کو جسے آپا یا باجی یا بڑی بہاوج کو بہابی وغیرہ کہتے ہین، یا کوئی اور مخصوص لفظ جو بزرگون کے لئے خود استعمال کرنے لگتے ہین، جیسے بڑے بہائی کے لئے ہم پٹھانون مین "لالہ یا دادا" مستعمل ہے، مصری باین ہمہ تکلف و تصنع ان آداب سے بے بہرہ مین، چنانچہ وہ اپنے بڑون کو یا تو رشتون کے مفرد یا مرکب الفاظ سے خطاب کرتے ہین اور یا انکا نام لیتے ہین، مجھے اب تک اچھی وہ بر ہمی یاد ہے جبکہ علامہ سید رشید رضا کو جنکی مین دل سے عزت کرتا ہون انکے چھوٹے بہائی نے بازار مین دور سے یارشید!

یا بشیرۂ کہکر پکارا تہا ۔ ہندوستان مین عورتون کے لئے شوہرون کا نام لینا ازحد معیوب شمار کیا جاتا ہے، اور بہت سے جہلا تو اسے طلاق سمجھتے ہین، لیکن مصری عورتین آزادی سے اپنے شوہرون کا نام لیتی اور مخاطب کرتی ہین، کُنیت (یعنی ابو فلان وام فلان) کا بھی رواج عام ہے ۔

افسوس ہے کہ "سلام علیکم" کا اسلامی طریقہ مصر سے آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے ، اب وہ صرف جماعت کے لئے تقریبًا مخصوص ہوگیا ہے ، مسلمان مصری جب کسی اسلامی جماعت مین داخل ہوتا ہے تو "السلام علیکم" کہتا ہے" اور اپنے شناساؤن کو فردًا اگر صبح ہے تو صباحک خیر کہتا ہے، جسکا جواب انہین الفاظ مین صباحک نور کہکر دیا جاتا ہے ۔ عوام الناس خوب خوب جملے کہتے ہین مثل صباحک ذی فول، صباحک ذی نور، صباحک ذی قشطہ وغیرہ وغیرہ ۔ تمہاری صبح فول کے مانند ہو ، دودھ کی مانند ہو ، بالائی کی مانند ہو، ، اور اگر دن ہے تو نہارک سعید اگر شام ہے تو مسوا بالخیر مسوا بالعافیۃ اور اگر رات ہے تو لیلتکم سعیدہ کہا جاتا ہے السّلام علیکم کا جواب مصری نہایت زور دیکر "علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا سیدی" دیتے ہین " واؤ" کا حرف جواب مین کبھی شامل نہین کیا جاتا ، قبطیون کا کوئی مخصوص سلام نہین ہے ، وہ انہین مذکورہ بالا الفاظ کو استعمال کرتے ہین ، سلام کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ یا تو سینہ پر ہاتھ رکھکر سلام کرتے ہین اور یا چہرہ تک ہاتھ اٹھا کر پھر سینہ پر رکھ لیتے ہین ۔

اسکے علاوہ اور مخصوص لفظی آداب ہین جو مختلف مواقع پر بلحاظ مرتبہ اور شناسائی کے برتے جاتے ہین ، چنانچہ جب کوئی وضو کرتا ہوتا ہے تو "زمزم" کہتے ہین جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا آب زمزم سے وضو کرائے ، اسکے جواب مین جمیعاان شاء اللہ کہنا چاہئے یعنی ہم سبکو ، اسی طرح مسجد مین دیکہکر حرمًا کہتے ہین یعنی حرم مین نماز کی توفیق ہو ، اسکے جواب مین بھی "جمیعًا" کہنا چاہئے ، مجھے اپنی وہ شرمندگی اور پریشانی ابتک یاد ہے جو شروع شروع مین حرمًا کی بدولت ہوئی تھی ، ایک مصری نے مجھے مخاطب کرکے حرمًا کہا ، نووارد تہا ، گھبرا گیا اور بلاقصد حرمک اللہ منہ سے نکل گیا ، جسکے معنی مین "خدا تجھے حرام کردے" مصری اسپر بہت برہم ہوا ، خیریت ہوئی کہ نیک آدمی تہا ، ورنہ مشکل پڑجاتی ، غسل اور حجامت کے موقع پر نعیما کہا جاتا ہے یعنی خدا کی نعمت

حاصل کرے، جسکے جواب مین **انعم اللہ علیک** کہنا چاہئیے، پانی پیتے دیکھکر **ھنیئا** یعنی دل کو لگے کہتے ہین، اور **ھناک اللہ** جواب دیتے ہین بیت الخلا سے خارج ہونے پر **شفیتم** شفا پائی، اور اسکے جواب مین **شفاکم اللہ** کہتے ہین، جب کوئی نیا کپڑا یا جوتا پہنتا ہے تو **مبروک** مبارک ہو کہتے اور **بارک اللہ علیک** جواب دیتے ہین، ہندوستان مین **تشمیت** (جب کسی کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو سننے والے کو **یرحمک اللہ** کہنا چاہئیے، اور اسکے جواب مین اسکو **ھداک اللہ** کہنا چاہئیے) کا اسلامی طریقہ مفقود ہوگیا ہے لیکن مصری اسکی سختی سے پابندی کرتے ہین۔

سِلسلۂ برکلے

۳ جلد

(۱) مبادی علم انسانی، از پروفیسر عبدالباری ندوی، عہ

(۲) برکلے اور اسکا فلسفہ، " عہ

(۳) مکالمات برکلے، از مولوی عبدالماجد بی - اے، عہ

"مینیجر"

روح کی بغاوت

(۱) فرانس کے نامور ادیب و مصنف رومین رولان کا خط رابندرناتھ ٹیگور کے نام

بعض آزاد مفکرین نے جو عقل کی تقریباً عالمگیر غلامی و محکومیت کے خلاف علم جہاد بلند کرنیکی ضرورت محسوس کرتے ہین حال مین ایک "اعلان آزادی روح" شایع کیا ہے جسکی نقل آپکی خدمت مین مرسل ہے۔

کیا جناب اپنے اسم گرامی کے شمول سے ہماری جماعت کو اعزاز بخشین گے؟ میرے نزدیک تو ہماری جماعت کے خیالات سے آپکی تعلیمات بالکل متحد ہین۔ اسوقت حسب ذیل اصحاب شریک ہو چکے ہین: ہنری باربس، پال سائنک، نقاش، ڈاکٹر فریڈرک، فان ایدان، پروفیسر جارج فری نکولے، ہنری فان ڈی ولڈ، اسٹفن زوگ، اور توقع ہے کہ حضرات ذیل بھی عنقریب اپنی شرکت کی منظوری عطا کرینگے۔ برٹرینڈ رسل، ملا اگریوف، اپٹن سنکلیر، بینڈیٹو کروچ وغیرہ، ہماری تجویز ہے کہ پہلے ہر ملک سے تین چار افراد کے اس اعلان پر دستخط ہو جائین جنمین سے اگر ممکن ہو تو ایک ادیب ہو، ایک حکیم ہو، اور ایک ماہر فنون لطیفہ، پھر اس اعلان کو عام طور سے شایع کر دیا جائے اور ہر قوم کے ارباب علم سے شرکت کی استدعا کیجائے۔ مین نہایت ممنون ہونگا اگر آپ ازراہ کرم ہندوستان چین و جاپان سے کچھ ارکان ہمین دلا سکین۔ کاش ایشیا کا دماغ یورپ کی ذہنی تحریک مین روز بروز زیادہ حصہ لے سکے میری یہی تمنا ہے کہ ایک روز دنیا کی یہ دونون اقلیمین باہم ملکر رہین، اور آپنے اس مقصد کے حصول کیلئے جو کوششین کی ہین انکا مین پورا اعتراف کرتا ہون۔ آخر مین مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپکا فلسفہ اور آپکی شاعری ہمین دل سے عزیز ہے اور ہم سب کی طرف سے دلی ہمدردی قبول فرمایئے۔

رومین رولان

(۲) مین نے دوران جنگ مین اپنے ایک مضمون مین آپکے ایک لکچر کا جواب دیا ہے ۱۹۱۶ء مین بمقام ٹوکیو (جاپان)

ارشاد فرمایا تھا، بعض اقتباسات دیے ہیں، وہ مضمون خدمت والا میں علیٰحدہ مرسل ہے، براہ کرم فرنچ ترجمہ کی ناسمجھیوں سے چشم پوشی کیجئے، مضمون مذکور کے ہمراہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی بھیجتا ہوں جو یورپ کے ایک قدیم ترین فلسفی کے نام کے ساتھ معنون ہے جس کا میرے اوپر خاص اثر رہا ہے اور جس سے غالباً آپ کو بھی شیفتگی ہوگی، یعنی امیڈاکلس

(۲) اعلان آزادی روح

اے روح دانشمندیت کی راہ میں کام کرنے والو! اے رفیقو! اے برادران اقوام متفرقہ میں اور سنسرشپ کی ناکہ بندیاں ان پانچ برس کے عرصہ میں ایک دوسرے سے الگ کئے رکھا، دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر رہے ہو، اس وقت جبکہ موانع راہ دور ہو گئے ہیں، اور قومی سرحدوں کے دروازے کھل رہے ہیں، تم سب احباب کے قدیم رشتہ اتحاد کو از سر نو زندہ کرو، لیکن یہ اتحاد پہلے سے زیادہ پائدار و مستحکم ہو۔

جنگ نے ہماری صفوں کو درہم برہم کر دیا ہے، تعلیم یافتہ گروہ کی جماعت کثیر نے اپنا علم، اپنے فن، اپنی عقل کو اپنی اپنی حکومتوں کے حوالہ کر دیا، ہمیں کسی پر الزام دینا مقصود نہیں، اور نہ ہم کسی کی ذاتی مذمت کرنا چاہتے ہیں، ہم ذات بشری کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ اجتماعی طاقت کا کتنا زبردست اثر ہوتا ہے، اجتماعی قوت نے دفعتہً افراد کی قوت ارادی کو مغلوب کر دیا، اور مقاومت و مدافعت کا کوئی موقع ہی نہ مل سکا، لیکن کاش یہ تجربہ آیندہ کے لئے ہمیں زیادہ محتاط و باخبر بنا سکے،

سب سے پہلے ہمیں ان مصائب کا پورا تصور کرنا چاہئے جو عقل کی اس محکومیت و غلامی سے پیدا ہوئے ہیں، ارباب علم و فن نے اس پر ایک ایسے تازیانہ کا اضافہ کر دیا جس نے یورپ کے جسم و روح کو باہمی منافرت کے زہر سے لبریز کر دیا ہے، ان بزرگوں نے اپنا سارا علم و دانش، اپنے سارے معلومات، اپنی تمام سائنس، اپنی ساری تخئیل، اپنی تمام تاریخ دانی، اپنی تمام منطق، اپنی تمام شاعری، یہ سب باہمی منافرت کی نذر کر دی، اپنے اہتمام کر کے ان لوگوں نے باہمی اخلاص و محبت کا خاتمہ کر دیا، اپنے ان اعمال سے انھوں نے عقل کی رسوائی و تحقیر کی حالانکہ اسکے پرستار تھے، انھوں نے عقل کو تسکین جذبات کا آلہ بنا دیا، اور [illegible] ایک قوم و جماعت

کی تمام سیاسی، معاشرتی خودغرضیان پوری کین، اب اس وحشیانہ محاربہ نے جس نے فاتح ومفتوح جملہ اقوام کو مجروح ومضروب ومفلوک الحال بناکر چھوڑا ہے، یہ لوگ خواہ انکی زبان مین اقرار نہ کرین، اپنی حماقت پر اپنے دلون مین نادم وحسرت کنان باصرار ہے ہین، اور عقل بھی انکے ساتھ پہنچکر مسخ ومضمحل ہوکر رہ گئی ہے

پس اٹھو، اور روح کو ان بندشون سے آزاد کردو، اسکی غلامی ومحکومیت کی زنجیرون کو توڑ ڈالو، اور اسے اسکے بدنام کرنے والے پرستارون سے نجات دلاؤ، روح کسی کی خادم نہین ہوسکتی، وہ ہم سب کی مخدوم ہے، اسکے سوا ہمارا کوئی حاکم وآقا نہین، ہم پر فرض ہے کہ اسکی محافظت کرین، اور اسکے جو خدام گمراہ ہوگئے ہین انہین پھر اجتماع کی دعوت دین، ہمارا فرض ہے کہ ہم مرکز پر قائم رہین، اور شب تار مین جذبات کے تلاطم کے وقت قطب کی طرح اپنی جگہ پر ثابت وغیر متزلزل رہین، ہم ان جذبات تکبر وہلاک مین فرق مراتب نہین کرتے، ہمارے نزدیک یہ جذبات تمامتر مردود ہین، ہم صرف حق کے نذر گذار ہین، ہان وہ حق جو ہر قسم کے قیود وحدود اور قوم وملت کی پابندیون سے بالکل آزاد وپاک ہے، ہم صرف انسانیت کا حق تسلیم کرتے ہین، اور بلا امتیاز تمام بنی نوع کی خدمت بجالانا چاہتے ہین، ہم قومون کو نہین جانتے، ہم صرف ایک قوم کو جانتے ہین، جسکا وطن تمام عالم ہے، جسکے افراد جملہ انسان ہین، اور جو زمانہ کی ناہموار سڑک کو اپنے خون اور عرق سے نم کرتی ہوئی ترقی وتنزل کے مدارج برابر طے کرتی رہتی ہے، اس اعلان کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے تمام بھائیون کو اس رشتۂ اخوت کا احساس ہو، اور اسی غرض کے لئے ہم نے کورانہ مناقشات وجدال آرائیون کی سطح پر اس محراب اتحاد کی بنیاد قائم کی ہے، یہ اتحاد اس آزاد روح کا ہے جو ازلی وابدی ہے، اور وحدت کے ساتھ کثرت کی جلوہ آرائیان رکھتی ہے۔

(۳) ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا جواب رومین رولان کے نام

عین اسوقت جبکہ میرا دل یہ خیال کرکے بیٹھا جارہا تھا، کہ جنگ عظیم سے عبرت کسی نے نہ حاصل کی، بلکہ منافرت وغصہ کے جو جذبات اسقدر خطرناک ومہیب ثابت ہوچکے ہین، انکی پرورش اور انکے قیام ودوام کا سامان کیا جارہا ہے آپکا عنایت نامہ ملا، اور کلبۂ یاس مین ایک شعاع امید پیدا کردی، ان حقائق کا جو دنیا کے لئے باعث نجات و

فلاح ہوئے ہین، ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ انکی تلقین کی توفیق صرف چند کو عطا ہوئی، اور عموماً دنیا ان سے انکار واعراض ہی کرتی ہی، لیکن بالآخر اپنی شکستون ہی سے انھون نے فتح پائی ہے میری تسکین کے لئے یہ علم کافی ہے کہ بالآخر یورپ کے اعلیٰ ضمیر نے سیاسیات کے جذبات رذیلہ مین بھی اپنی شکل دکھائی، اور مین بمسرت تمام آپکی دعوت کو قبول کرکے ان آزادون کی جماعت مین شریک ہوتا ہون جنھون نے یورپ مین بغاوت "روح" بر خلاف جسم کا منصوبہ باندھا ہے، مین ان شریفانہ الفاظ کے لئے ممنون ہون جنکے ساتھ آپ نے میرے "پیغام بہ جاپان" کے اقتباسات کا ترجمہ اپنے رسالہ مین درج کیا ہے، مین اس بات کو مع اس خط اور آپکے عنایت نامہ اور اعلان کے اپنے ملک کے ایک انگریزی ماہوار رسالہ مین شایع کرنیکی اجازت چاہتا ہون۔

(ماڈرن ریویو)

تلخیص و تبصرہ

کبیرداس

ہندی کے صوفی شعراء مین کبیرداس کو جو شہرت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہین، اسکا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے
لیکن یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ وہ کون شخص تھا، کس زمانہ مین تھا، اور اسکی تعلیمات کیا ہین، ہندوستان ریویو کے
ایک تازہ پرچہ مین مسٹر سارت چندر مترا ایم، اے بی، ال نے کبیر پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا ہے، اسکے متعلق
امور دریافت طلب حسب ذیل ہین،

(۱) کبیر کون شخص تھے؟

(۲) راما نند سے انکا کیا تعلق تھا؟

(۳) انکی تعلیمات کیا ہین؟

دنیا کے اکثر مشاہیر عظام نے بہت ہی پست و ادنیٰ حالت سے ترقی کی ہے، اور مسلمانون کے ہان تو علی الخصوص
انسان کی عظمت مین نسل و نسب کی پستی کبھی بھی مانع نہین ثابت ہوئی ہے۔ میان کبیر بھی ایک مسلمان نوربافت کے
فرزند یا متبنیٰ تھے، سنہ ولادت تقریباً ۱۴۴۰ء ہے، اور مقام ولادت بنارس یا مضافات بنارس ہے
تصوف و روحانیت کی جانب میلان طبع شروع ہی سے تھا، اور بچپن ہی سے درویش کامل کی تلاش تھی،
یہ وہ زمانہ ہے جب بالائی ہند مین راما نند کی فقیرانہ شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اسکے متعدد مرید تھے،
جو آگے چلکر خود بڑے پایہ کے کاملین ہوئے ہین، مثلاً رائے داس، تلسی داس، سورداس وغیرہ، کبیر کو بھی
اسکے حلقہ مین بیٹھنے کا شوق پیدا ہوا، لیکن کبیر مسلمان تھے اور راما نند ہندو، یہ ایک سخت دقت آپڑی تھی، کبیر
نے ایک روز یہ کیا کہ دریا کے کنارہ جس مقام پر راما نند روز غسل کرتے تھے، وہان سیڑھیون کے نیچے اپنے تئین
چھپا دیا، اور جب راما نند پانی مین اترنے لگے تو انکا پیر کبیر کے جسم پر پڑا، وہ گھبراکر "رام! رام!" چلا اٹھے، کبیر نے

یہ لفظ پکڑ لئے، اور کہا کہ لوگون کو مرید کرتے وقت آپ اسی کی تلقین کرتے ہین، اسوقت بیساختہ یہ الفاظ آپکی زبان سے نکل جانے کے یہ معنی تھے کہ مین آپکا مرید ہوگیا، عام ہندوؤن اور مسلمانون نے سخت مخالفت کی، لیکن بالآخر رامانند نے کبیر کو باضابطہ اپنی مریدی مین لے لیا، چنانچہ کبیر بھی ہمیشہ انہین کو اپنا مرشد سمجھتے رہے۔

گورکھ ناتھ کے اس سوال کے جواب مین کہ کبیر یہ بتاؤ تم اس رنگ مین کب سے ہو، تمہارے مذہب کا آغاز کہان ہوا؟" وہ کہتے ہین کہ "دفعتہً بنارس مین مجھپر کشف ہوا، اور رامانند نے میرے قلب کو منور کر دیا۔"

کبیر صاحب اہل وعیال تھے، وہ راہبانہ زندگی کے سخت مخالف تھے، صحرا نشینی انکے نزدیک ایک فعل عبث تھی، ایک جگہ کہتے ہین:-

"جوگی صرف اپنے لباس کو رنگ لیتا ہے، حالانکہ اُسے اپنے قلب کو عشق ومحبت سے رنگنا چاہئے، وہ مندر کے اندر جھککر پتھر کی پوجا کرتا ہے، وہ اپنے کان چھیدتا ہے، ڈاڑھی بڑھاتا ہے، اور کاکلین رکھتا ہے جن سے اسکی شکل بکری کی سی ہوجاتی ہے، وہ اپنی تمام خواہشات کو ہلاک کرکے صحرا نشینی اختیار کرتا ہے اور نامرد بنجاتا ہے، وہ سر منڈاتا ہے، رنگین لباس پہنتا ہے، گیتا پڑھتا ہے اور بک بک کیا کرتا ہے۔"

ہندوؤن کو اسکی تعلیم سخت ناگوار گذری، اور کاشی کے برہمنون نے اسکی شدید مخالفت کی، ایک مرتبہ اسے مبتلائے معصیت کرنے کے لئے ایک نہایت حسین طوائف کو تنہا اُسکے پاس بھیجا، لیکن کبیر کے لئے یہ سارا جال تار عنکبوت ثابت ہوا، اور صیاد خود ہی شکار بن گیا، یعنی وہ طوائف کبیر کی مرید ہوگئی۔

عام مسلمانون کا برتاؤ بھی انکے ساتھ کچھ اچھا نہ تھا، ۱۴۹۵ء مین اُنھون نے ایک مریض کو اپنی رُوحانی قوت سے اچھا کر دیا، اسپر شہر مین سخت برہمی پھیلی، اور شاہ سکندر لودی نے کشان کشان اپنے دربار مین طلب کیا بالآخر انکی جان بخشی تو ہوئی لیکن شہر سے اخراج کر دیا گیا، اب وہ اپنے مریدون کے ساتھ بالائی ہند مین خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرنے لگے، تاآنکہ ۱۵۱۸ء مین گورکھپور کے قریب بمقام مگھر وفات پائی۔

روایت ہے کہ انکی وفات پر نعش کے بارہ مین ہندو مسلمانون مین سخت تنازع ہوا، مسلمان دفن کرنا چاہتے تھے

اور ہندو جلانے پر مصر تھے، جب مناقشہ نے زیادہ طول پکڑا تو سامنے کبیر کی شکل نظر آئی، جس نے یہ کہا کہ "کفن کے اندر دیکھو" اس حکم کی سب نے تعمیل کی، لیکن جب کفن کھولا تو بجائے جسم مردہ کے پھولوں کا ایک ڈھیر نظر آیا، اس ڈھیر کو ہندو مسلمانوں نے نصف نصف تقسیم کر لیا، ہندوؤں نے بنارس میں جلایا اور مسلمانوں نے مگہر میں دفن کر دیا۔

کبیر بت پرستی اور تیرتھ جاترا (زیارت مقابر و معابد) کے سخت مخالف تھے، فرماتے ہیں:-

" تیرتھ کے مقدس مقامات میں پانی کے سوا اور کچھ نہیں، وہ بالکل بیکار ہیں، میں اُن میں نہا کر دیکھ چکا ہوں"

مورتیں بیجان ہیں وہ بول نہیں سکتیں، میں انہیں پکار کر دیکھ چکا ہوں -

کبیر جو کچھ کہتا ہے، تجربہ کے بعد کہتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ دوسری چیزیں غیر واقعی ہیں،

کبیر کے نزدیک ہندو مسلمان کی تفریق بے معنی تھی، لکھتے ہیں:-

" درویش سے یہ دریافت کرنا لاحاصل ہے کہ اسکی ذات کیا ہے، اسلئے کہ درویش، سپاہی، سوداگر اور کل ۳۶ ذاتیں برابر خدا کی تلاش میں ہیں"

درویش سے اسکی ذات کے متعلق سوال کرنا حماقت ہے، حجام، دھوبی اور بڑھئی سب نے خدا کی تلاش کی ہے، رائے داس تک متلاشی حق تھا، رشی سواپچ دباغت چرم کا کام کرتا تھا،

ہندو مسلمان سب اس منزل تک پہنچے ہیں جہاں پہنچکر کوئی امتیاز باقی نہیں رہ جاتا۔

کبیر کی تعلیم یہ تھی کہ خدا نہ مسجد میں ملتا ہے نہ مندر میں، اسکی جگہ صرف دل ہے، جس بندہ نے اُسے نہ دل سے ڈھونڈھا، اُس نے پالیا -

" اے بندے تو میری تلاش کہاں کرتا ہے؟

دیکھ میں تو تیرے پہلو ہی میں ہوں،

میں نہ مسجد میں ہوں نہ مندر میں، نہ کعبہ کے اندر ہوں نہ کیلاش میں -

مجھ تک رسائی نہ عبادات سے حاصل ہوسکتی ہے نہ یوگ (جوگ) اور ترک سے۔ اگر تو میرا سچا متلاشی ہے

تو مجھے فوراً دیکھ سکتا ہے، آن کی آن مین مجھے مل سکتا ہے۔

کبیر کا قول ہے کہ اے سادھو! خدا تمام روحون کی روح ہے۔"

ایک اور مقام پر:-

"اگر خدا مسجد کے اندر محدود ہے تو یہ سارا عالم کس کا ہے؟

اگر رام اس مورت کے اندر ہے جسکی زیارت کو تم جاتے ہو تو اُسکے باہر کی دنیا کا علم کسکو ہے؟

مشرق مین ہر ہے اور مغرب مین اللہ ہے،

اپنے دلون کے اندر تلاش کرو کہ یہین کریم و رام ملیگا۔

تمام مخلوقات انسانی اسی کے زندہ مظاہر ہین،

کبیر اللہ کا، رام کا فرزند ہے، وہی اللہ اسکا مرشد ہے، اُسکا گرو ہے۔"

مختلف مذاہب نے خدا پرستی کے مختلف طریقے تعلیم کئے ہین، بعض کے نزدیک عبد و معبود کے درمیان محکوم و حاکم کا تعلق رہنا چاہیئے، بعض کے نزدیک مخلوق و خالق کا، و قس علیٰ ہذا، کبیر نے اس تعلق کی بنیاد عشق و محبت پر رکھی، خدا کو وہ بار بار معشوق کے لقب سے یاد کرتا ہے اور اپنے تئین اسکا عاشق قرار دیا ہے، فرماتے ہین:-

"آج کا دن میرے لئے محبوب ترین روز ہے، اسلئے کہ آج شاہ خوبان میرا مہمان ہے، میرا حجرہ اور میرا صحن

اسکے وجود سے منور ہو رہا ہے، میری تمام آرزوؤن کی زبان پر اُسکے نام کا ترانہ ہے، اور وہ سب اُس کے

حسن کامل مین جذب ہوگئی ہین،

مین اسکے پیرو ہوتا ہون، اسکے روے انور کی زیارت کرتا ہون اور اسکے آگے نذر مین اپنا جسم، اپنی جان

اپنی ہر چیز پیش کرتا ہون۔

وہ دن کیسا مبارک ہے، جب میرا محبوب، میرا خزانہ، میرے گھر مہمان ہوتا ہے۔

میرے عشق کا اثر تم پر ہو گیا، میری جان "حق" کے اسم پاک پر فدا ہوتی ہے۔"

ایک اور مقام پر:۔

"میرا دل، جان تیرے لئے بیقرار ہو رہا ہے،

میرے پیارے میرے ہاں آ۔

جب لوگ کہتے ہیں کہ میں تیری عروس ہوں تو میں نادم ہوتا ہوں، اسلئے کہ ہنوز میرے قلب کا تیرے

قلب سے وصل نہیں ہوا ہے۔۔۔

کبیر تڑپ رہا ہے وہ اسکے دیدار کے لئے جان دے رہا ہے۔"

ہندوستان کا ادبی مستقبل

لندن میں ۱۸۶۶ء سے ایک انجمن ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہے، جسکا مقصد اہل ہند کے جملہ حقوق کی نگہداشت و حمایت ہے۔ انگلستان کے تقریباً وہ تمام لوگ جنہیں مسائل متعلق بہ ہندوستان سے دلچسپی ہے، انجمن مذکور کے ارکان ہیں، صدر، لارڈ ریے ہیں، نائب صدر، لارڈ کرزن، لارڈ ہارڈنگ، سر آغا خان، مہاراجہ گوالیار، مہاراجہ بیکانیر وغیرہ ہیں، ماہانہ جلسوں میں ہندوستان کی علمی، سیاسی و تمدنی زندگی کے مختلف عنوانات پر مباحثہ و مذاکرہ ہوتا ہے، اور انکی روئداد اس انجمن کے سہ ماہی رسالہ ایشیاٹک ریویو میں شایع ہوتی ہیں۔

جولائی کے رسالہ میں اس جلسہ کی روئداد شایع ہوئی ہے جو دو ماہ قبل منعقد ہوا تھا، سر رولنڈ ولسن صدر نشین تھے، عنوان بحث یہ تھا "ہندوستان کا لٹریچر: ماضی، موجودہ، مستقبل" اس عنوان پر کیمبرج یونیورسٹی کے ایک ممتاز ہندوستانی متعلم مسٹر کنہیا لال نے ایک مفصل مضمون پڑھا، اور اسکے بعد متعدد ارکان انجمن نے اسپر اظہار خیال کیا۔

مسٹر کنہیا لال نے قدیم ترین سنسکرت تصانیف کی تاریخ بیان کی، اور اس ضمن میں وید، اپنشد، مہابھارت اور رامائن وغیرہ پر تفصیل سے نظر کی، اسکے بعد کالیداس کے دور کو ہاتھ لگایا، اور رگھوبنس، میگھ دوت، شکنتلا، وکرم اروشی

وغیرہ جواہر ادبی پر تبصرہ کیا، مسلمانوں کے زمانہ میں مضمون نگار کے نزدیک نثر میں ابو الفضل، اور شعر میں زیب النسا "مخفی" خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہیں، اس سلسلہ میں اردو کا ذکر بھی چھڑ گیا، مسٹر موصوف فرماتے ہیں :-

"مسلمان فاتحین اپنے ہمراہ ایران و ترکستان کے میدانوں سے نئی تہذیب اور نئی زبانیں لائے، یہ زبانیں فارسی و عربی تھین، پانچ چھ صدیوں تک مغل اور پٹھان سلاطین کے عہد حکومت میں نئے نئے خیالات اور نئی نئی قوموں کے داخلہ کا جو سلسلہ قائم رہا، اس نے قدرتی طور پر ایک نئی زبان اور نیا آلۂ اظہار خیال پیدا کر دیا۔

یہ نئی زبان جسکا نام اردو یا لشکری زبان پڑا، مختلف خیالات، جذبات، و السنہ کے اختلاط سے پیدا ہوئی، اردو، ہندوستانی یا اہل ہند کی زبان کے ساتھ عربی و فارسی کے امتزاج کا نام ہے، گو بعض دفعہ یہ زبان بہت پست ہو جاتی ہے، تاہم اسکی نثر و نظم دونوں میں، انتہائی بلندیوں کے نمونے بھی موجود ہیں مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد گو یہ زبان ترقی کرتی رہی، تاہم اسکی حیثیت ایک صوبہ وار زبان کی ہو کر رہ گئی، آجکل بہترین اردو کا نمونہ وہ زبان سمجھی جاتی ہے جو مغلیہ حکومت کے دو قدیم مرکزوں دہلی و لکھنؤ کے نواح میں بولی جاتی ہے۔

اردو میں اعلیٰ درجہ کے شاعروں اور نثاروں کی ایک خاصی تعداد پیدا ہو چکی ہے، مثلاً سودا، میر تقی، حالی، ذوق، غالب، اور افسانہ نویسوں میں نذیر احمد، محمد حسین آزاد وغیرہ، سوقت شمالی ہند کے ملک الشعراء ڈاکٹر اقبال و محروم ہیں [۱]"

آگے چل کر مقالہ نویس نے ہندی، پنجابی، تامل، مرہٹی، بنگالی وغیرہ ہندوستان کی مختلف صوبہ وار زبانوں کے لٹریچر پر اجمالی بلکہ سرسری تبصرہ کیا ہے، اور موجودہ تمدن و حکومت کے خصوصیات کو پیش نظر رکھکر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ملک کی عام و مشترک زبان صرف انگریزی ہو سکتی ہے، اور آیندہ ہندوستان کے بہترین شعراء و مصنفین اسی زبان کو آلۂ اظہار خیال بنائیں گے، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ ملک کی قدیم زبان سنسکرت، یا صوبہ وار زبانوں میں سے کوئی فنا ہو جائیگی، یہ سب باقی رہیں گی، اور انگریزی کے دوش بدوش یہ بھی برابر ترقی کرتی رہیں گی۔

---

[۱] "محروم"، غالباً "حسرت" کے بجائے سہواً درج ہو گیا ہے، ملک "محروم" کی شاعرانہ عظمت کی واقفیت سے بالکل محروم ہے (مصنف)

لکچر کے خاتمہ پر سر روس، سر ہوم وڈ، ڈاکٹر پولن وغیرہ متعدد ارکان انجمن نے لکچرر سے کم وبیش اتفاق واختلاف کیا، اس سلسلہ مین ایک بہت مسن انگریز سویلین مسٹر گولڈ اسٹریم نے اردو کے متعلق خیالات ذیل کا اظہار کیا،

شمالی ہند مین اردو کے شاعر و نثار موجود ہین، جو ایک ترقی پذیر زبان ہے، مگر ہنوز پوری پختگی کو نہین پہنچی ہے وہ ترقی ایک خاص طریقہ پر کر رہی ہے، یعنی انگریزی اور دوسری زبانون سے بے تکلف اپنے سرمایہ مین بکثرت اضافہ کر رہی ہے، چنانچہ آج اردو اخبارات کو اگر دیکھا جائے تو ہر کالم مین پچاس لفظ انگریزی کے ملین گے جنکے بغیر اردو مین چارہ نہین اردو کا مستقبل یقیناً بہت شاندار ہے، حیرت ہے کہ لکچرر نے اسکو صوبہ دار زبان بیان کیا درآنحالیکہ اسکے بولنے اور سمجھنے والون کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے، درحقیقت اردو ہی مین ملک کی مشترک زبان (لنگوا فرنیکا) بننے کی صلاحیت ہے، اور صلاحیت کیسی، ایک بڑی حد تک وہ ہے بھی ملکی زبان "

اسکے بعد مقرر نے غالب و اقبال کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کیا، لیکن جس مصرعہ کی بنا پر اقبال کی داد دی ہے، اسکا انتساب اقبال کیا، کوئی معمولی شاعر بھی اپنی جانب گوارا نہین کر سکتا۔

اسلامی تمدن و مسیحیت

سر تھیوڈر ماریسن ترکی و مسئلہ خلافت کے سلسلہ مین مسلمانون کے جذبات کی جو ترجمانی کر رہے ہین اسکا ذکر پچھلے نمبر مین آچکا ہے، انکی خدمات کا یہ سلسلہ گذشتہ چند ماہ سے برابر جاری ہے، لندن کے مشہور اخبارات ورسائل مثلاً ٹائمز، آبزرور، نائنٹینتھ سنچری وغیرہ مین انکے متعدد پرزور و مدلل مضامین اس بحث پر نکل چکے ہین؛ سر موصوف کا خاص زور اسپر ہے کہ مسلمانون کے لئے یہ مسئلہ ایک محض سیاسی یا خالص مذہبی حیثیت نہین رکھتا بلکہ اسکے ساتھ وہ اپنی تمدنی، اجتماعی، و قومی زندگی کو وابستہ سمجھتے ہین یہی وجہ ہے کہ اسکی سب سے زیادہ پرجوش تائید وہ برائے نام مسلمان بھی کر رہے ہین جنہین مذہب سے کوئی واسطہ نہین،

نائنٹینتھ سنچری کے مضمون مین وہ لکھتے ہین کہ اسلامی دنیا کے لئے یہ وہ نازک وقت ہے، جسکا نتیجہ ایکطرف

دیوبند، ندوہ کے حجرہ نشین علما اور دوسری طرف آزاد خیال ولایت پلٹ نوجوانوں کی جماعت دونوں کو یکساں بیزار کئے ہوئے ہے، وہ جنکو اپنے موافق بنانے کے لئے سب سے زیادہ جدوجہد وہ بزرگ کر رہے ہیں جنکو اعتقاداً اسلام خدمت سے کوئی ہمدردی نہیں، مثلاً سر آغا خان، مسٹر امیر علی، مسٹر عبد اللہ یوسف علی، مسٹر اصفہانی وغیرہ کہ ان میں سے کوئی بھی سنی نہیں۔

آبزرور کے ایک مضمون کے درمیان میں سر ماریسن فرماتے ہیں:-

"مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ جو شغف ہے، حیران ہوں کہ اسکو کن الفاظ سے ظاہر کروں، مذہب کا لفظ اسکے موقع پر صحیح نہوگا اسلئے کہ انکی محبت کسی خاص نسل یا خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ نہیں، علی ہذا اسے دینی جوش وحمیت سے بھی موسوم کرنا درست نہیں، اسلئے کہ آج جو اسلام کے سب سے پرزور وکیل، حامی ہیں، ان میں ایسے بھی ہیں جو کوئی مذہبی عقیدہ نہیں رکھتے، چنانچہ ہندوستان، ٹرکی ومصر کے نوجوان مسلمان یا تو سرے سے متشکک ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایسے معتقدات رکھتے ہیں جنکی بنا پر دیوبند وازہر کے نقطۂ نظر سے یقیناً تکفیر کے مستوجب ہوتے ہیں، رہے پرانے خیال کے مسلمان جو یورپین تعلیمات کے اثرات سے محفوظ ہیں، سو ان میں بھی آزاد خیالی ایک کافی حد تک موجود ہے اور ہمیشہ سے موجود رہی ہے،

میں اسلامی ہند کے ایک فاضل کو جانتا تھا جنکے عقاید بالکل ملحدانہ تھے، تاہم وہ اسلام کے ایک زبردست وکیل تھے، اور اسلئے مولویوں کے حلقہ میں بھی مسلمان سمجھے جاتے تھے، اس تضاد وتناقض کا سبب میرے خیال میں یہ ہے کہ اسلام محض ایک مذہب کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک تمدن ہے، وہ ایک نظام اجتماعی ہے جو فلسفہ وحکمت، تہذیب وشائستگی، علم وفن کا ایک مخصوص نظام رکھتا ہے، وہ اپنی ایک مستقل زندگی رکھتا ہے، اپنے ماضی پر نازاں ہے، اور مستقبل میں اپنی ترقی پر اعتماد رکھتا ہے، اس نظام اجتماعی کی محبت مسلمانوں کے دلوں کے اندر ہے، اور اس جذبہ کا نام گو وطن پرستی نہیں تاہم اسمیں وطن پرستی کے خصائص بہت سے موجود ہیں۔"

لٹریری گائیڈ جو انگلستان کی منکرمذہب جماعت کا ماہوار پرچہ ہے، اقتباس بالا کو نقل کرکے دریافت کرتا ہے کہ

جو اوصاف سر ہارٹ مین نے اسلام کے متعلق بیان کئے، کیا اُنکا انتساب مسیحیت کی جانب ہونا ممکن ہے ؟

سیاحوں کا بیان ہے کہ افریقہ کے حبشیون مین اسلام کے داعیون کو حیرت انگیز کامیابی ہورہی ہے، ممکن ہے اس

کامیابی کا سبب یہ ہو کہ اسلام مین باوجود اپنی کمزوریوں کے اخوت تو ہے، اسلام اس دنیا مین اپنے اتباع کے

فلاح کا سامان رکھتا ہے مسیحیت تو اس سے بھی عاری ہے "

نظام امتحانات

نظام امتحانات کا جو طریقہ دنیا کی یونیورسٹیون مین مدت سے رائج ہے وہ کچھ عرصہ سے اہل نظر کی نگاہ مین کھٹک رہا ہے، چنانچہ متعدد محققین یورپ نے اسکے نقائص کا اظہار کیا ہے، اور ہندوستانی یونیورسٹیون مین اس طریقہ کے نقصانات تو سب سے زیادہ ظاہر ہو چکے ہین، لیکن محکمۂ تعلیم کے ارباب حل وعقد کی ایک بڑی جماعت ہمیشہ اُسکی پرجوش حامی بھی رہی ہے، اور اب بھی اسکی حمایت مین جان لڑا دینے کو تیار ہے، رسالہ انڈین ایجوکیشن مین مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے نے اس بحث پر کسیقدر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور فریقین کے دلائل کا موازنہ کیا ہے،

اُن کے نزدیک امتحانات کا طریقۂ مروجہ نقصانات ذیل کا ذمہ دار ہے :-

(۱) اس سے تعلیم کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے، طلبہ بجائے تحصیل علم وفن کے امتحانات ہی کو منتہائے مقصود سمجھنے لگتے ہین۔

(۲) نقصان صحت۔ امتحان کے لئے جو رٹنا پڑتا ہے، یہ دماغی بار صحت کے لئے نقصان رسان ثابت ہوتا ہے۔

(۳) اخلاقی خرابیان۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ دماغی بار پڑنے سے لڑکون مین چال چلن وغیرہ کے متعلق اخلاقی خرابیان پیدا ہو جاتی ہین۔

(۴) اساتذہ کی تنگ نظری۔ ایک متعین نصاب اور متعین طریقۂ امتحان سے اساتذہ مین جمود پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) انحطاط تعلیم۔ فن تعلیم کو اگر ایک زندہ فن رکھنا منظور ہے تو لازمی ہے کہ جدید تجربات وتنوعات ہوتے رہیں نظام امتحانات اس جدت وتنوع کا قاطع ہے،

(۶) ضعف عقل۔ حافظہ پر زاید از ضرورت بار پڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوائے عقل کا نشو ونما نہیں ہونے پاتا اور رفتہ رفتہ وہ کند ہو جاتے ہیں،

(۷) زود فراموشی۔ جو معلومات رٹ کر دماغ میں زبردستی ٹھونس لئے جاتے ہیں، وہ جلد نکل بھی جاتی ہیں، دماغ میں انکا کوئی پائدار اثر نہیں رہتا،

(۸) فقدان اجتہاد وتحقیق۔ ایک محدود دائرہ میں چکر لگاتے لگاتے انسان پر سطحیت اسقدر حاوی ہو جاتی ہے کہ محققانہ ومجتہدانہ اصول پر کام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں باقی رہجاتی۔

(۹) ذہنی کاہلی۔ محض انعامات کی طمع میں برابر کام کرتے رہنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام کو کام کی غرض سے کرنے پر ذہن آمادہ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۰) انتشار قوت۔ امتحان کے لئے جو مضامین مقرر ہوتے ہیں وہ باہم اسقدر غیر متعلق ہوتے ہیں کہ ان سب پر متوجہ ہونے سے بجز اِسکے کہ قوت دماغی منتشر ہو اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

(۱۱) اساتذہ کی تضییع وقت۔ امتحانات کی تیاری اور اسکے سامان میں خود اساتذہ کا بھی بہت سا وقت بیکار صرف ہو جاتا ہے۔

(۱۲) عدم سودمندی۔ امتحان کا مقصد طلبہ کی اہلیت کی جانچ بتایا جاتا ہے لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ تین گھنٹہ کے اندر ایک خاص کتاب کے متعلق ایک خاص مقام پر چند مخصوص سوالات کے جوابات سے قابلیت کا صحیح اندازہ ہو سکے؟

یہ نظام امتحانات کا تاریک پہلو تھا، اِسکے مقابلہ میں مضمون نگار نے اُسکے روشن پہلو کو بھی دکھایا ہے، جو امور نظام مروجہ کی تائید وحمایت میں پیش کئے جا سکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امتحانات کے بغیر موجودہ متمدن دنیا میں چارہ نہیں، ایک جگہ خالی ہوتی ہے

اور اُنکے لئے نہ امیدوار ہوتے ہین، ایسی حالت مین سوا اسکے چارہ کار کیا ہے کہ ایک پرچہ سبکو جوابات دینے کیلئے دیا جائے۔

(۲) تمام اساتذہ ماہرینِ فن نہین ہوتے، ان مین لائق و نالائق سب ہی طرح کے ہوتے ہین، اگر تعلیم کے باب مین پورا اعتماد انہین پر کر لیا جائے اور امتحان کی قید اٹھا دیجائے تو طلبہ کی بہت بڑی تعداد بالکل غارت جائے۔

(۳) طلبہ کی لیاقت و قابلیت کا صحیح اندازہ اُنکے اساتذہ نہین بلکہ بیرونی ممتحین ہی کر سکتے ہین۔

(۴) اساتذہ کے طبایع مین اپنے شاگردون کی جانب سے حسن ظن یا سوء ظن پیدا ہو جانا لازمی ہے، بالکل خالی الذہن ہو کر ایک بیرونی ہی شخص امتحان لے سکتا ہے۔

ان دلائل کے موازنہ کے بعد آخر مین نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ امتحان بجائے خود چندان مذموم نہین البتہ اسکی جو شکل بالعموم رائج ہو گئی ہے، وہ سخت قابل اعتراض ہے، اسمین اگر اصلاحات ذیل ہو جائین تو مصلحین و مستبدین مین مصالحت ہو سکتی ہے۔

(۱) امتحان کا طرافہ عام طلبا کے لئے رہنا چاہیئے لیکن جو طلبہ اپنی قابلیت، ذہانت، و قوت فکری کے لحاظ سے ممتاز ہون اُنکے لئے اسکی ہرگز ضرورت نہین،

(۲) کالجون اور اسکولون مین امتحانات کی جو کثرت رہتی ہے، یعنی سالانہ امتحان کے علاوہ ششماہی، سہ ماہی، ماہانہ بلکہ ہفتہ وار امتحانات جو ہوتے رہتے ہین اسکو توڑنا چاہیئے۔

(۳) کامیابی کا انحصار اسپر نہ ہونا چاہیئے کہ طالبعلم نے کس تعداد مین سوالات کے جوابات دیئے ہین، اسکی استعداد کا اندازہ دو ایک سوالون سے لیا جا سکتا ہے،

(۴) ایسے سوالات جنکا تعلق محض رٹنے سے ہے بالکل نہ ہونا چاہیئے، بی اے، ایم اے مین فلسفہ کے پرچون مین جس قسم کے سوالات آتے ہین، اس سے طلبہ کی خوش دماغی کا مطلق اندازہ نہین ہو سکتا۔

(۵) ممتحن کو صرف اس امر کو دیکھنا چاہیئے کہ طالبعلم کا کام درجہ مین کیسا رہا کیا ہے؟ اگر بالعموم اسکا کام قابل اطمینان رہا ہے اور عین امتحان کے وقت کسی اتفاقی سبب سے وہ پرچہ اچھا نہ کر سکا یا سرے سے شریک ہی نہ ہو سکا تو اسے کامیاب سمجھنا چاہیئے

وہ کون تو موجِ غم کو دلِ بیقرار میں
ساغر چھلک نہ جائے کفِ رعشہ دار میں

چشمِ نظر ہے جلوۂ جانانہ چار سو
میں اپنے غمکدے میں ہوں یا بزمِ یار میں؟

کس سے بوجھ امید کہ تارِ نظر مرا
خود جاکے ملگیا صفِ مژگانِ یار میں

خوگر ہن سے نیاز ہوئیں فیضِ عشق سے
خود میرے دل کی ہے نگہِ بیقرار میں

وہ مستِ نازِ حسن میں سرشارِ آرزو
دو اختیار رہن ہیں نہ میں اختیار میں

آشوبِ اضطراب میں کھٹکا جو ہے تو یہ
غم تیرا مل نہ جائے غمِ روزگار میں

اک مشقِ اضطراب کا رکھا ہی نام زیست
اُف بیکسی کہ وہ بھی نہیں اختیار میں

بزمِ سخن میں آگ لگادی سہیل نے
کیا بجلیاں ہیں خامۂ جادو نگار میں

(۴)

مرزا احسان احمد بی۔ اے ال ال بی

کیا کیفِ بیخودی تھا سے انتظار میں
گزری تمام عمر ہماری خمار میں

جلوے ہزار تھے چمنِ روزگار میں
پر کچھ نظر نہ آیا ترے انتظار میں

لے تو چلا ہے شوق مجھے بزمِ یار میں
لیکن یہاں تو دل ہی نہیں اختیار میں

اچھا نہیں ہے سازِ محبت کا چھیڑنا
بیتابیاں بھری ہیں دلِ بیقرار میں

میں کیا بتاؤں تجھ کو بہنگامِ عرضِ شوق
کیا کیا ادائیں تھیں نگہِ شرمسار میں

احسان دیکھنا یہ تری خاکِ دل نہو
ذرے چمک رہے ہیں کچھ اُٹھتے غبار میں

(۴)

مولوی ابوالحسنات ندوی نیّر

کسقدر پرکیف دید جلوۂ جانانہ تھی
اک نگاہِ شوق کو سو لغزشِ مستانہ تھی

دل مین اک دنیا کے پنہان اُلفتِ جانانہ تھی
اُسکی محفل مین نگاہِ شوق ہی بیگانہ تھی

دیکھنا اعجاز اُسکے التفاتِ ناز کا
آرزو خود آج رقصِ سجدۂ شکرانہ تھی

کردیا سرشار کچھ جوشِ تمنا نے مجھے
کچھ سرور افزا اُسکی نرگسِ مستانہ تھی

قصۂ دل بیخودی مین کچھ کہا کچھ رہگیا
فرطِ بیتابی سے عرضِ شوق بیتابانہ تھی

شوق کی ناکامیان تھین اپنی پاسِ ضبط سے
ورنہ اُسکی ہر ادا محفل مین بیباکانہ تھی

پیشکش کیا ہو اب اُسکے جلوۂ دیدار کا
ایک جان، سو بارگاہِ حسن کا نذرانہ تھی

سوز و سازِ شمع و پروانہ کہان اب صبحدم
کائناتِ عشق کچھ خاکستر پروانہ تھی

آرزوئین منتین ناکامیون سے ورنہ آہ
کیا کہون اُس دل کی دنیا پہلے کیا تھی کیا نہ تھی

جوشِ مستی مین تھی محفل سربسر ڈوبی ہوئی
چشمِ ساقی کی وہ گردش گردشِ پیمانہ تھی

حسن و عشق اس بزم مین یکرنگ تھے اللہ ری جذب
شمع بھی سرتاقدم سوزِ دلِ پروانہ تھی

شوق تیرا آخر اے دل غیر تھا اس بزم مین
شرم تھی اُنکی نگاہون مین تو کچھ بیجا نہ تھی

حسرتین کیسی کہ اب مین رو رہا ہون یاس کو
بجھ گئی روشن جو کل تک شمعِ ماتمخانہ تھی

حالِ نیّر کچھ نہ پوچھا آخر اسکا کچھ سبب
مین نے مانا آپکو اغیار کی پروا نہ تھی

اخبار علمیہ

انڈین سائنس کانگرس کا آیندہ اجلاس ناگپور مین زیر سرپرستی چیف کمشنر ممالک متوسط ۱۲ جنوری سنہ ۲۰ سے ۱۷ جنوری تک قرار پایا ہے، صدارت کے لئے بنگال کے مشہور عالم سائنس ڈاکٹر پی سی رائے کا انتخاب ہوا ہے، کانگرس کے سات شعبے الگ الگ ہین، زراعت، طبعیات وریاضیات، کیمیاسیات، حیوانیات، نباتات، ارضیات اور طبیات، ان مین سے ہر شعبہ کا صدر بھی علحدہ ہوگا، مرکزی و شعبہ وار مجالس کے باضابطہ جلسون کے علاوہ مشہور ماہرین فن ہفتہ بھر مختلف اوقات مین بطور خود بھی اپنے اپنے لکچرون سے شائقین کو مستفید کرتے رہینگے، ممبری کی فیس پانچ روپیہ ہے،
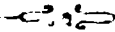
جہاز رانی ایک باقاعدہ فن ہے، ہندوستان مین ابتک اسکی سائنٹفک تعلیم کے لئے کوئی درسگاہ نہ تھی، اسکا نتیجہ یہ تھا کہ یہان کے شائقین اس کو محروم رہ جانا پڑتا تھا، حال مین اطراف بمبئی کے باشندون نے گورنمنٹ مین اس کے لئے تحریک کی، گورنمنٹ نے اصولاً اسکی ضرورت کو تسلیم کرلیا، اور اب بمبئی گورنمنٹ نے ماہرین فن کی ایک مجلس اس غرض سے مرتب کی ہے کہ اس درسگاہ کے موقع تعمیر، ابتدائی وسالانہ مصارف، طریقۂ تعلیم وغیرہ جملہ جزئیات کے متعلق رپورٹ پیش کرے

مسٹر سنہا ایڈیٹر ہندوستان ریویو (الہ آباد) کی زوجہ محترمہ مسز سنہا جنھون نے حال ہی مین وفات پائی ہے، اپنی وفات سے چند روز پیشتر وصیت نامہ تحریر کرگئی ہین جسکی رو سے ایک ایک لاکھ روپیہ لاہور، الہ آباد اور پٹنہ کی یونیورسٹیون کو پہنچتا ہے، لاہور والہ آباد کی یونیورسٹیان اس سرمایہ سے ایک ایک پروفیسرشپ قائم کرینگی، اور پٹنہ یونیورسٹی مین اس سے ایک کتبخانہ ودار المطالعہ قائم ہوگا۔

جاہلیت کے دور کا ایک مشہور شاعر غیلان بن عقبہ عدوی، معروف بہ ذوالرمہ ہوا ہے، اسکا دیوان اب تک غیر مطبوع تھا، اور قلمی نسخے بھی دنیا مین چند ہی تھے، حال مین مسٹر میکارٹنی نے اسے کتبخانہ فیضیہ (قسطنطینیہ) اور امبروزین لائبریری (میلان) کے دو قلمی نسخون سے مقابلہ کرکے شائع کیا ہے، دیوان مذکور کیمبرج یونیورسٹی پریس مین علاوہ ۰۰ صفحہ کے مقدمہ کے ۷۶ صفحون پر طبع ہوا ہے، قیمت ۳ پونڈ ۳ شلنگ ہے، جو موجودہ شرح زر کے لحاظ سے تقریباً ۵ روپیہ کے برابر ہے۔

بھنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی دعوت پر ہندوستان مین جو پہلی اورینٹیل کانفرنس منعقد ہونے والی ہے اور جسکا ذکر اس سے پیشتر معارف مین ہوچکا ہے، اُسکے اجلاسون کی تاریخین ۵، ۶، ۷ نومبر ۱۹ء قرار پائی ہین، کانفرنس پونا مین زیر سرپرستی گورنر بمبئی و زیر صدارت سر رام کرشن بھنڈارکر منعقد ہوگی، کنیت کی فیس پانچ روپیہ ہے، بیرونی مہمانون کے قیام و طعام کا انتظام بلامعاوضہ ہوگا، ۲۱ اشخاص کی ایک مجلس بطور مجلس کمیٹی کے مرتب ہوگئی ہے، جسمین مختلف اقطاع ملک کے نامور علما شامل ہین، اسکے علاوہ ہر صوبہ سے دو دو چار چار ممتحین بھی منتخب ہوئی ہین، جن مضامین پر کانفرنس مین بحث ہوگی اُنکے عنوانات حسب ذیل قرار پائے ہین،

(۱) سنسکرت زبان و ادب۔

(۲) اوستا کا تعلق سنسکرت سے۔

(۳) پالی زبان۔

(۴) جین اور پراکرت کی دوسری شاخین،

(۵) قدیم و جدید السنۂ ہند کی فیلالوجی (تحقیقات لسانی)

(۶) موجودہ زبانون اور لٹریچر کی قدیم ترین شکل۔

(۷) آثار قدیمہ، فنون قدیمہ، قدیم سکہ جات وغیرہ،

(۸) قدیم تاریخ وجغرافیہ،

(۹) قدیم فنون مخصوصہ مثلاً موسیقی، طب، وغیرہ،

(۱۰) قدیم اقوام،

(۱۱) عربی و فارسی،

(۱۲) امور عامہ، مثلاً یہ کہ ہندوستان یونیورسٹیون مین سنسکرت تعلیم کا کیا حال ہے، کانفرنس کے ساتھ نمائش ہوگی، جسمین قدیم سکہ جات فرامین، کتبات وغیرہ رکھے جائین گے۔

برتنون کو دہونے کے بعد کپڑے خشک کرنے کا طریقہ عام ہے، انگریزی دستور کے مطابق یہ کام صاف کیا جاتا ہے، حال مین ایک انگریزی سائنٹفک رسالہ نے لکھا ہے کہ یہ دستور سخت مضر ہے، صحیح اصول یہ ہے پانی سے دہونے سے کے بعد برتنون کو دھوپ مین ازخود خشک ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے، اس سے ایک طرف امراض فنا ہو جائین گے، دوسری طرف بہت سے کپڑے اور وقت کی بچت ہوگی۔

ثقل سماعت کے اکثر مریضون کو دیکھا گیا ہے کہ انکا جو کان کمزور ہوتا ہے اس سے بہت کام لیتے ہیں ڈاکٹر نے اپنا یہ تجربہ شائع کیا ہے کہ یہ طریقہ بجائے مفید ہونے کے مضر پڑتا ہے، یعنی جس کان سے کام نہیں وہ رفتہ رفتہ زیادہ کمزور ہوتا جاتا ہے، سامعہ کو ترقی دینے کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ کان کو روز بروز زیادہ کی آواز سننے کا خوگر کیا جائے، مثلاً پہلے دن گھڑی کی آواز کو کان مین لگا کر سننا چاہیئے، پھر ایک انچ کے پھر دو انچ سے، اس طرح تدریجاً اس فاصلہ کو بڑہاتے رہنا چاہیئے، اس طریقہ سے قوت سامعہ حیرت انگیز ترقی کر سکتی ہے۔

باب التقریظ والانتقاد

یادِ ایام

مصنفہ حضرت مولانا مولوی حکیم سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلما، ۸۴ صفحے قیمت عہ تقطیع کتابی، پتہ:-
دفتر کانفرنس سلطان جہان منزل علی گڈھ،

مولانا ممدوح نے یہ رسالہ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی جوائنٹ سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس کی درخواست پر کانفرنس کے اجلاس سورت کے لئے تالیف فرمایا، مولانا کو ہندوستان کی علمی تاریخ پر جو عبور حاصل ہے اسکا اصلی مظہر تو وہ غیر مطبوع تصنیفات ہین، جنمین ہندوستان کے علوم و فنون، علما اور ارتقاے علوم پر آپ نے تفصیلی بحث کی ہے، ان تصنیفات کی قدر و قیمت کا ابھی کچھ وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہین جنکو کبھی اُنکے دیکھنے کا موقع ملا ہے، اس ناچیز کو ندوی ہونے کی حیثیت سے جو عزیزانہ تعلق مولانا ے ممدوح سے ہے اسکی بنا پر جب گذشتہ مارچ مین لکھنؤ جانا ہوا تو مولانا ممدوح کی ان کتابون کا ایک حصہ بھی دیکھنے مین آیا جسمین علماے ہند کے تراجم و سوانح ہین -

بغیر کسی شبہہ و تذبذب و خوف تردید کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس تحقیق و کاوش اور محنت و دیدہ ریزی سے یہ کتابین لکھی گئی ہین، زمانۂ حال کی تصنیفات مین ہمارا ملک اُسکی مثال نہین پیش کر سکتا -

پیش نظر رسالہ "یاد ایام" بھی مولانا کی انہین علمی و تاریخی تحقیقات کے چمنستان کا ایک تازہ نونہال ہے اسکا تعلق صرف گجرات کی تاریخ سے ہے، اسمین مولانا نے تاریخ گجرات کے مختلف پہلوؤن کو نہایت عمدگی سے نمایان کیا ہے -

سب سے پہلے چند صفحون مین "گجرات سے اسلامی تعلقات کی ابتدا" کو دکھایا ہے، اس سلسلہ مین مختلف سلاطین و امراے اسلام کے حملون کا ذکر ہے، اسکے بعد "گجرات مین مسلمانون کی خود مختار سلطنت" کا بیان ہے اسمین دہلی کی مرکزی حکومت کی کمزوری کے باعث دکن، بنگال، اور کشمیر کی خود مختاری کا ضمناً تذکرہ ہے، اسکے

ظفرخان کا صوبہ دار گجرات بنا کر بھیجا جانا اور آخر آخر مین اُسکی خود مختاری کا ذکر ہے،

یہ گویا گجرات کی خود مختار اسلامی حکومت کے آغاز کا دن ہے، اسکے بعد یکے بادیگرے جو اشخاص تخت نشین حکومت ہوئے انکا اجمالی تذکرہ ہے، آخر مین اکبر کی فتح گجرات اور اس دن سے گجرات کی خود مختاری کے خاتمہ کا ذکر ہے،

اسکے بعد شاہان گجرات کے خصائص حکمرانی کا تذکرہ ہے، اسمین انکے فتوحات، خلوص نیت، بلند حوصلگی، عدل وانصاف، اصلاحات ملکی، ترقی زراعت، اور صنعت وحرفت وغیرہ کا تذکرہ ہے، اصلاحات ملکی کے عنوان مین مولانا تحریر فرماتے ہین :-

آپ انکو پائین گے کہ وہ رعایا کی خبرگیری، یتیمون اور بیواؤن کی دستگیری، علما ومشائخ کی حوصلہ افزائی اور ملک کی سرسبزی وشادابی کے بہترین شغلون مین مصروف ہین، جھاڑیون اور جنگلون سے ملک صاف کیا جاتا ہے، شہرون اور قصبون کی آبادی کی کوشش کیجاتی ہے، عمارتین بنتی ہین، باغات تیار ہوتے ہین جو میوے اور پھول پھل اسوقت تک گجرات مین نہین پہنچے تھے، وہ دور دراز مقامات سے منگوا کر لگائے جاتے ہین، ایران وخراسان سے ہنرمند اور کاریگر بلائے جاتے ہین وہ فوارے اور آبشارین تیار کرتے ہین بڑے بڑے وسیع وعمیق تالاب سنگ بست ہوکر بیچون بیچ مین جزیرے چھوڑے جاتے ہین، اور اُن مین ہرے بھرے باغ اور طرحدار عمارتین تعمیر ہوتی ہین، جہان کشتیون کے ذریعہ سے انسان پہنچکر روح مین بالیدگی اور دماغ مین شگفتگی کے سامان مہیا پاتا ہے، آم، انجیر، کیلہ، سنگترہ، انگور، انار، کمرک، فالسہ، ناریل، جامن، آنولہ، کٹہل، بڈھل، کھرنی، اور پھولون مین گلاب، سیوتی، پنپنہ، چمیلی، بیلا، موگرہ، جوہی، کیتکی، کیوڑہ وغیرہ دور سے منگوا کر باغون کو ان سے آراستہ کیا جاتا ہے -

صنعت وحرفت کے بیان مین تحریر ہے،

"سنگ تراشی، زردوزی، کارچوب، چینی کا کام، صندل اور ہاتھی دانت کی نادر اشیاء، زربفت، کمخواب

مخمل، ستر لاطا، الائچہ، چکن اور چھیرہ ایسی چیزین تھین جو ہندوستان مین نہایت بیش قیمت فروخت ہوتی تھین علاوہ اسکے احمد آباد کا کاغذ اتنا عمدہ بنایا جاتا تھا کہ دولت آباد و کشمیر کا کاغذ باوجود دوسری طرح کی خوبیون کے نفاست وصفائی مین اسکے برابر نہین سمجھا جاتا تھا"۔

شاہجہان نے ایام شاہزادگی مین جسوقت گجرات کا گورنر مقرر ہوا اور یہان کی مصنوعات کو اس نے بچشم خود دیکھا تو ایک شاہی کارخانہ احمد آباد مین قائم کیا، جسمین گجرات کے ہنرمند کاریگر کام کرتے تھے اسی کارخانہ مین تخت مرصع دس لاکھ روپے کی تیاری کا اور شمشیر کا پردہ دو لاکھ کی تیاری کا اپنے پدر بزرگوار کو نذر دینے کے لئے بنوایا تھا۔

دہلی مین قلعہ معلی اور تخت طاؤس کے تیار ہونے پر جو ۱۰۴۴ھ مین دربار ہوا ہے اسکے لئے زربفت کا شامیانہ ایک لاکھ روپیہ کی تیاری کا اسی کارخانہ مین تیار ہوا تھا۔

شاہجہان کے عہد حکومت مین دوسری بار بارگاہ مخملی زربفت کلابتو کی بناوٹ کی جسکا طول ۷۰ گز اور عرض ۳۴ گز تھا، ۵ ہزار روپیہ کی لاگت سے اسی کارخانہ سرکاری مین تیار ہوئی۔

عالمگیر جیسے دقیقہ رس اور نکتہ سنج فرمانروائے ہند نے گجرات کو "زیب و زینت ہند" قرار دیا ہے۔

اسکے بعد "علوم و فنون کی قدردانی" کا عنوان ہے، اسمین اہم چیز مدارس گجرات کا بیان ہے، مدرسہ وجیہ الدین، مدرسہ سیف خان، مدرسہ اکرام الدین خان وغیرہ گجرات کے مشہور مدرسے ہین،

اسکے بعد بہ ترتیب محدثین کرام کی تشریف آوری، ماہرین فنون ادبیہ، علما منطق اور فقہائے کرام کے عنوانات ہین جن سے گجرات کی علمی و تعلیمی ترقیون پر کافی روشنی پڑتی ہے،

اسکے بعد گجرات کے مشہور وزرا کا تذکرہ ہے، اس سلسلہ مین انکے سیاسی و علمی ہر طرح کے کارنامون کا اجمالی ذکر ہے،

اسکے بعد بہ ترتیب مشائخ گجرات و علمائے گجرات کا عنوان ہے، علما، فقہا، محدثین، مشائخ کے بیان مین اکثر ایسے اشخاص کو بھی جو دوسری جگہ سے کچھ دنون کے لئے گجرات آئے، یا آخر عمر مین وطن سے ہجرت کرکے گجرات مین

رہ پڑے، عموماً گجرات کی پیداوار مین شمار کر لیا گیا ہے لیکن میری رائے مین اگر ان حضرات کو گجرات کی تعلیمی و مذہبی ترقی کا محض ذریعہ قرار دیکر اسی حیثیت سے یاد کیا جاتا تو زیادہ مناسب تہا۔

مشائخ کی فہرست مین قریب قریب سب کے سب ایسے ہی اشخاص ہین جنکو گجراتی کہنا کسی طرح صحیح نہین، محدثین مین البتہ چند نام ایسے ہین، علمائے گجرات مین البتہ سب گجراتی ہین، ہاں صرف شیخ احمد کہتو کو گجراتی کہنا مناسب نہین ہے دہلی مین پیدا ہوئے، کہتو علاقہ اجمیر مین شیخ اسحاق کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، مشائخ کی فہرست مین انکا لقب شہاب الدین لکہنے مین بھی غالباً تسامح واقع ہوا ہے، آئین اکبری مین انکا لقب جمال الدین لکہا ہے، (ملاحظہ ہو جلد سوم تذکرہ اولیائے ہند)

آخری چند صفحون مین "علمائے گجرات شاہان مغلیہ کے دربار مین" کا عنوان ہے، اور اسی بیان پر رسالہ کا خاتمہ ہے، مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے مقدمہ مین یہ واقعہ نہایت موقع سے لکہا ہے کہ

"ظفر خان شاہ گجرات کا باپ سہارن فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے ہاتھ پر مسلمان ہوکر ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہوا"۔

آج بھی حکمران قومین اپنی رعایا کو مختلف ذرایع سے اپنے مذہب مین داخل کر رہی ہین، لیکن ہم مذہب بنانے کے بعد انکے ساتھ جس سلوک، رواداری اور مساوات کا برتاؤ کرتی ہین، اسکا موازنہ تاریخ اسلام کے اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے کرین،

اس مساوات پہ ہے معتبر اسلام کو ناز
نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلم اکبر

ابوالحسنات ندوی

مطبوعاتِ جدیدہ

اخبار الصنادید - یہ دو جلدون کی ضخیم کتاب روہیلکھنڈ کے افغان امرا کی تاریخ ہے، جس کا آغاز داؤد خان کے ورود ہند سے ہوتا ہے، اور خاتمہ ریاست رامپور کی تاریخ پر، مصنف کا نام مولوی حکیم عبد الغنی صاحب نجمی رامپوری ہے، کل کتاب تقریباً ایک ہزار سے زاید صفحات پر مشتمل ہے، رؤسائے رامپور کے حالات بتفصیل ذکر کئے گئے ہین، اور گویا اسی خاندان کو تاریخ کا اصل ہیرو قرار دیا گیا ہے، نواب علی محمد خان متبنیٰ داؤد خان کی سیادت کا ثبوت مصنف کی تکرار تحریر کے بعد بھی معما ہی رہا، مناسب تھا کہ اس خاندان کے علاوہ نجیب الدولہ و حافظ الملک حافظ رحمت خان کی شخصیتین بھی واضح کیجاتین، یعنی انکے حالات بھی روہیلکھنڈ کی تاریخ مین مفصل لکھنے چاہیئے تھا، ضمناً گو اہین کہین کہین یہ ابواب بھی مذکور ہین، مگر اسقدر کافی نہین، اودھ اور انگریزون کی تاریخ کا بھی کچھ حصہ اسمین آگیا ہے، فی الجملہ ہندوستان کے عہد آشوب کا یہ ایک دھندلا سا آئینہ ہے -

کتاب خوشخط اور عمدہ چھپی ہے، قیمت مذکور نہین، غالباً مصنف سے رامپور کے پتہ سے ملیگی -

شب زندگی، مصنفہ مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی، صرف اس مہینہ مین مولویصاحب کے تین افسانے ہمکو ملے ہین، شاید خوشگو شاعر کو بھی کم گو بھی ہونا چاہیئے -

بہرحال شب زندگی بدستور مولویصاحب کے مخصوص طرز افسانہ نویسی مین لکھی گئی ہے، اور دو سوکنون کے باہمی مقابل کے اخلاق کی تصویر کھینچی گئی ہے، افسانون اور ناولون مین ابھی فہرست مضامین کا رواج نہین ہوا ہے اور نہ سر لوح پر کوئی تلخیص لکھی جاتی ہے، افسانے کبھی کبھی کئی حصون مین مسلسل ہوتے ہین، اسلئے ریویو کے وقت بڑی دقت پیش آتی ہے، بہتر ہو اگر جناب مصنف آیندہ طبعات مین اسکا لحاظ رکھین، لکھائی، چھپائی کاغذ متوسط صفحات ۱۲۸، قیمت قسم اول ۱۲؍ قسم دوم ۸؍

پتہ: دفتر رسالہ عصمت، دہلی -

تاریخ مرزا، مرزا غلام احمد قادیانی کے اہم واقعات زندگی کی تاریخ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرتب کی ہے،

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا بنگیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا

مولانا ابوالوفا اس میدان کے مرد ہیں، اور قادیانی لٹریچر کے سب سے بڑے نقاد ہیں، اسلئے انکے قلم سے اس موضوع پر جو کچھ نکلا ہے وہ ایک مستند ذریعۂ معلومات ہے، جا بجا مرزا صاحب کی تحریروں کے حوالے ہیں، جو بات لکھی ہے اس کے اصل ماخذ کا پتہ دیکر لکھی ہے، بہتر ہوتا کہ بجائے صرف چند موٹے موٹے اہم واقعات لینے کے انکے حالات و اخلاق پر بھی نظر ڈالی جاتی گو مرزا صاحب کے دعوائے نبوت کی ارتقائی حالت اور انکی پیشنگوئیون کی پست کنندہ کیفیت اس تاریخ مین بھی نمایان نظر آتی ہے، صفحات ۴۸، لکھائی چھپائی، کاغذ معمولی، قیمت ۶ر پتہ :- دفتر اہلحدیث امرتسر۔

نکاح مرزا، مرزا صاحب کے واقعات زندگی مین محمدی خاتون کے نکاح کی پیشنگوئی کے غلط ہوجانیکا واقعہ نہایت اہم ہے، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے اس واقعہ کے ہر پہلو کو تحریری ثبوت سے منکشف کیا ہے، قیمت ۲ر پتہ: دفتر اہلحدیث امرتسر،

بچون کا پہلا سال، بچون کی ایک سال کی عمر تک تربیت کیونکر ہونی چاہئے، اس موضوع پر مس ایڈا امیس بیلن، ایڈیٹر "بے بی دی مدرز میگزین" (بچون والی ماؤن کا رسالہ) کے رسالہ فرسٹ ایر آف بی بیز لائف (بچہ کی زندگی کا پہلا سال) کا ترجمہ، از جناب شبیر حسن صاحب مارہروی۔ رسالہ ایک ضروری موضوع پر ہے، تقطیع خرد، ۵۰ صفحے، قیمت ۴ر، پتہ: نفیس اسٹور، کھکری، ڈاکخانہ مارہرہ، ضلع ایٹہ،

تمدن، رسالہ تمدن جو پچھلے زمانہ مین لکھنؤ سے نکلتا تھا، پچھلی قبر دلی مین جاکر سو رہا تھا، اس عرصہ مین تمدن کے ایڈیٹر قاری عباس حسین صاحب قوم نکالتے رہے، پنجاب کی قیامت مین قوم مر گیا اور اسکے بجائے تمدن پھر اٹھ بیٹھا، اسدفعہ تمدن مین ایک نئی جدت یہ کیگئی ہے کہ ادبی و علمی مضامین کے ساتھ سیاست کی چاشنی بھی مزہ کیگئی ہے، قیمت ع۳ سالانہ، پتہ: مینا محل دہلی۔

مجلد چہارم	ماہ محرم ۱۳۳۸ھ اکتوبر ۱۹۱۹ء	عدد چہارم

مضامین

شذرات

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نہ صرف شاہان اسلام مین بلکہ تمام سلاطین عالم مین تنہا شخص ہے جسکے بچ کے خطوط اور تحریرین دنیا مین محفوظ ہین، یہ خطوط اور تحریرین نہ صرف ادبی و اخلاقی حیثیت سے بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی نہایت اہم ہین اور اس لائق ہین کہ انکی حفاظت کا سامان کیا جائے، ہمارے بزرگون نے تو اسکی قدرشناسی یہانتک کی کہ اسکے ایک مجموعہ کو لڑکون کے نصاب تعلیم مین داخل کردیا

عالمگیر کے ان رقعات کے چار مجموعے ہین، کلمات طیبات، دستور العمل آگہی، رقائم کرائم اور آداب عالمگیری، دوسرا مجموعہ ایک ہندو راجہ اجیامل کا ترتیب دلایا ہوا ہے، عام طور سے بازارون مین جو چھپا ہوا مجموعہ ملتا ہے وہ کلمات طیبات ہے، بقیہ تین مجموعے اب تک چھپے نہین ہم نے ارادہ کیا ہے اور اکثر ارکان دار المصنفین نے پسند کیا ہے کہ ایک عمدہ ترتیب کے ساتھ ان چارون مجموعون کو ایک کرکے نہایت اہتمام سے ایک مکمل رقعات عالمگیری طیار کی جائے، چنانچہ چند مہینون سے مولوی ابو الحسنات صاحب رفیق دار المصنفین اس کام کو انجام دے رہے ہین،

اس وقت تک کتاب مذکور کے حسب ذیل نسخے فراہم ہوچکے ہین، دستور العمل کے دو نسخے ایک مملوکہ دار المصنفین اور دوسرا مرسلہ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی، رقائم کرائم کا نسخہ ندوہ کے کتبخانہ سے آیا ہے، آداب عالمگیری، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مین ہے، ایک اور ناتمام نسخہ دیسنہ (بہار) کی لائبریری سے آیا ہے، اگر ہمارے ناظرین مین سے کوئی صاحب کسی نسخہ کا پتہ

دستیاب ہونا ثابت ہوتا ہے کہ ایک عمدہ نسخہ ٹونک مین موجود ہے،

مطبوعات و تالیفات اردو کی ایک مبسوط فہرست کی جسمین تمام ضروری معلومات ہون، ایک مدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی انجمن ترقی اردو کی طرف سے یہ کام شروع بھی کر دیا گیا تھا لیکن بعض اتفاقات سے رُک گیا، امسال دو صاحبون نے اس اہم کام کا بیڑا اُٹھایا، ایک شمالی ہند مین ہین دوسرے جنوبی ہند مین، یعنی جناب شبیر حسن صاحب مارہروی (کلکرئی ڈاک خانہ مارہرہ ضلع ایٹہ) دوسرے جناب پروفیسر سجاد مرزا بیگ (بازار عیسیٰ میان حیدرآباد دکن) دونون صاحبون کے خط آئے ہین کہ انھون نے کام کا معتدبہ حصہ تمام کیا ہے پروفیسر صاحب لکھتے ہین کہ

"مولوی شبلی صاحب کے ایماء سے راقم نے اس کام کو شروع کیا اور اسی سال اسکا ایک حصہ تیار بھی کر لیا تھا جسکا ذکر مولوی صاحب ممدوح نے رپورٹ انجمن ترقی اردو ۱۹۰۳ء مین فرمایا تھا، کچھ مدت کے بعد مولانا مرحوم حیدرآباد سے تشریف لے گئے انجمن نے ادھر زیادہ توجہ نہ کی اور مین دوسرے کامون مین مصروف ہو گیا"

بہرحال حضرات ارباب مطابع، اور مصنفین سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مطبوعات و تالیفات کے متعلق ضروری معلومات جسکا خاکہ دونون صاحبون سے طلب کر کے اُنکے پاس بھیجدینا چاہئے ایک موقع ہے دو کتابین دو مصنفون کی اگر تیار ہو جائین تو کیا بُرا ہے،

اردو زبان خود بخود چپ چاپ ترقی کر رہی ہے، اطراف ملک کی تحریری اطلاعات سے اسکے متعلق اکثر خوش کن خبرین معلوم ہوتی رہتی ہین، ہندوستان سے باہر رنگون مین اردو کا ایک عمدہ کتبخانہ شبلی لائبریری کے نام سے چند سال سے قائم ہوا ہے، جسمین ہر قسم کی مطبوعات

چند ہزار کی تعداد میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ خوشی یہ ہے کہ سال میں سینکڑون کی تعداد
مین وہ پڑھی جاتی ہین، مرہٹی کے دار الحکومت پونہ مین دکن انسٹی ٹیوٹ کے نام ایک اُردو کتبخانہ
ودارالمطالعہ چار پانچ برس سے قائم ہے گذشتہ سال دکن کالج پونہ مین جہان پہلے اُردو کا ایک
حرف بھی نہین تھا، طلبا نے ایک اُردو لائبریری قائم کی ہے، جسمین تمام اعلیٰ لٹریچر جمع کرلیا ہے اور
خوشی کے ساتھ اُسکو پڑھتے ہین، قلب بہار اشتر مین چند اسکول کے لڑکون نے جلگاؤن مین
ایک کتبخانہ قائم کیا ہے، انتہا ہے ہند مین بلگام مین کتبخانہ رزاقیہ کے نام سے ایک صاحب نے
اردو کے تمام مطبوعات کا ایک ایک ورق جمع کیا ہے، جسکو اجلاس ندوہ کے زمانہ مین دیکھکر بہت
خوشی ہوئی اسی کے پاس ہلیال مین ہمارے ایک عزیز نے اپنی ذات سے اُردو کتابون کا
اچھا خاصہ خزانہ جمع کیا ہے، بڑودہ مین نواب سید صدر الدین نے اُردو کا بہترین مجموعہ فراہم کیا
ہے، گجرات مین بھاؤنگر کے بہاؤالدین کالج مین طلبہ نے اُردو کتبخانہ کی بنا ڈالی ہے دیسنہ (بہار)
جو میرا وطن ہے ۱۹۰۹ء سے وہان طلبہ نے اپنے طالب علمانہ مصارف سے بچا بچا کر ایک اردو
کتبخانہ کی ہستی قائم کی، جسمین اب اُردو زبان کی تمام عمدہ کتابین موجود ہین، اور اسوقت اُنکی
تعداد دو تین ہزار کے قریب ہے،

فطرت کی فیاضیان بعض مرتبہ انسان کو محو حیرت بنا دیتی ہین۔ مسٹر اسے، اے، دت،
جبلپور کے ایک بیرسٹر کے صاحبزادہ ہین، جنکی عمر اسوقت کل ۱۰ سال کی ہے، بچپن مین کچھ روز
لندن کے ایک اسکول مین گذرے ۱۹۱۵ء مین والد نے وطن واپس بلالیا۔ کیمسٹری (کیمیائیات) سے
طبیعت کو شروع ہی سے خاص مناسبت تھی۔ باپ نے بہ کمال دانائی، تجربات و تحقیقات کے
لئے آزاد چھوڑ دیا، اور صاحبزادہ دشت و صحرا، اجیار و معادن کے مکتب مین اوراق فطرت کا

مطالعہ کرنے لگے۔ اس پر ہنوز دو برس نہین گذرے تھے، کہ ایجاد و اکتشافات کے جوہر چمکنے لگے۔ سلسلہ ابھی ختم نہین ہوا تھا، کہ لندن کے "پیٹینٹ آفس" مین متعدد ایجادات و اختراعات اس طفل مکتب کے نام سے منسوب ہوگئے، اور اسوقت سے یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ کیمیا دی اصلاح مین میتھین اس خاص ہوا (گیس) کا نام ہے، جو دلدل مین پائی جاتی ہے، اور اسکا ذخیرہ قدرتی طور پر کوئلہ اور تیل کی کانون مین موجود رہتا ہے، دت نے مصنوعی تدابیر سے اسکے پیدا کرنے کا نہایت آسان و کم خرچ طریقہ دریافت کیا ہے جس سے صنعت و حرفت مین بے انتہا ہولتین پیدا ہوجائنگی، اور کاروباری حلقون کو ایک نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آجائے گی، اسی طرح پوٹاش، الومنیم، پرافین، وغیرہ متعدد موجودات (کیمیا دی) سے متعلق دت نے اکتشافات و اختراعات کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم کر دیا ہے، جس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ صنعت و حرفت کی اقلیم مین ایک انقلاب برپا ہوجائے گا،

ماہرین سائنس کہتے ہین کہ یہ "فتنہ" جب پختگی پر پہنچکر "قیامت" بنیگا، تو معلوم نہین کیا قیامت برپا کردے، شیکسپیر نے سچ کہا ہے کہ فطرت کے بیشمار عجائبات ایسے ہین، جو انسان کے وہم و قیاس سے بھی بالاتر ہین

لیکن سائنس کے کارنامے بھی کرشمہ ہاے فطرت سے کچھ کم عجیب نہین ہوتے۔ جو چیزین کل تک ناممکن تھین، آج انکا امکان ہی نہین، بلکہ وقوع، مشاہدہ و تجربہ مین آرہا ہے، بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) کا طول تقریباً ۴ ہزار میل ہے۔ اس بحر زخار کو عبور کرنے سے انسان کی ہمت صدیون تک جواب دیتی رہی تاآنکہ آج سے چارسو برس پیشتر کولمبس کے عزم و ولولہ نے اس معرکہ کو سر کیا، اب آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا، اور جہاز ۹۰ دن کی مدت مین یہ مسافت طے کرنے لگا، تین صدیون کے بعد ترقی نے قدم آگے بڑھایا، اور اب یہ سفر ۳۰ دن مین ہونے لگا انیسوین صدی حیرت انگیز ترقیون کی صدی تھی

بیسویں صدی کی ابتدا میں یہ مدت سفر گھٹ کر ۶۰ روز کی رہ گئی، قوت جہازرانی کے لئے یہ معراج کمال تھی، اور اس قلیل مدت میں مزید تخفیف کی گنجایش ناممکن تھی۔ لیکن حال میں ہوائی جہاز کی پرواز نے اس ناممکن کو ممکن کر دیا۔ اب یہ ۴۰ ہزار کی مسافت کل ۱۷ گھنٹہ میں طے ہوسکتی ہے اور توقع ہے کہ کچھ عرصہ میں اس سے بھی کم وقت صرف ہو!

---

۱۰ اگست میں علمی دنیا کا سب سے بڑا حادثہ پروفیسر ہیکل کی وفات ہوا۔ پروفیسر موصوف ڈارون وہکسلی کا ہمعصر اور بہ لحاظ شہرت و وقعت اُنکا ہمسر تھا۔ وفات کے وقت اسکی عمر ۸۵ سے متجاوز تھی، ہیکل کا وطن جرمنی تھا، لیکن اسکی عظمت تمام دنیا میں مسلّم تھی، اور سائنس کی دنیا میں کوئی شخص اگر اسوقت استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ تو ہیکل تھا، اسکا اصلی مضمون بیالوجی (علم الحیات) تھا، جس میں اُسے متعدد اکتشافات و مجتہدانہ نظریات کا شرف حاصل ہے، لیکن اسکے علاوہ فلسفہ وغیرہ میں بھی اسکی تصانیف موجود ہیں اسکی ایک مشہور کتاب اُردو میں بھی "معمائے کائنات" کے عنوان سے زیر ترجمہ ہے،

اجتماعیات کا ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ جذبات سیاسی سے ارباب علم وفکر کی بھی عقل مغلوب ہوجاتی ہے۔ اس کلیہ کی ایک عجیب و دلچسپ مثال حال میں ملی ہے۔ ٹیگور کے کمالات ادبی کا یورپ بارہا عملاً اعتراف کر چکا ہے، اُسکے ادب و انشاپردازی کی داد وہاں کے بہترین ناقدین فن بار بار دے چکے ہیں، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ٹیگور "سر" رابندر ناتھ ٹیگور تھا، یا اور جب وہ سیاسی معاملات سے قطعاً بے تعلق رہتا تھا۔ مگر اب جبکہ اُسنے "سر" کا طرۂ امتیاز اپنے سر سے اُتار ڈالا ہے، اور کبھی کبھی سیاسی معاملات میں بھی اظہار رائے شروع کر دیا ہے، تو دفعتہً اُسکے تمام کمالات پر خاک

پڑجاتی ہے، اسکا تازہ افسانہ "دی ہوم اینڈ دی ورلڈ" (اپنا گھر اور دنیا) ایک ادنی قسم کی کوشش رہ جاتی ہے جسکا پلاٹ تک درست نہین، اور اسکی انگریزی "بابو انگلش" ہوجاتی ہے! یہ تنقید کسی متعصب اینگلو انڈین کے قلم سے نہین نکلی بلکہ لندن کے مشہور علمی ہفتہ وار اتھینیم مین شائع ہوئی ہے، جو علم و ادب کا ایک اعلی نقاد سمجھا جاتا ہے! بہتر یہ ہوگا کہ ٹیگور اتھینیم کے دفتر مین جاکر انگریزی ابجد سے اپنی تعلیم از سر نو شروع کرین!

لالہ لاجپت رائے، اس فرقہ (آریہ سماج) کے ایک ممتاز رکن ہین جو مسلمانون سے عداوت رکہتے ہین، ضرب المثل ہے، اور خود لالہ صاحب کی زندگی مین بھی آج سے پیشتر مسلمانون کے ساتھ دوستی و ہمدردی کی شاید کوئی نظیر نہ مل سکے۔ لیکن مغرب کا جو طرز عمل مسلمانون کے ساتھ ہے، اس سے لالہ صاحب تک متاثر ہوئے، اور وہ بہ کمال منت و الحاح مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہین کہ اگر دنیا مین اپنا وجود قائم رکہنا ہے، تو امریکہ مین فوراً اپنے کچھ نمایندے بھیجنا چاہئے۔ لالہ صاحب کی اس عنایت و ہمدردی کا خلوص قلب سے شکریہ، لیکن کیا خود مسلمان اسکے مستحق ہین کہ کوئی انکے ساتھ ہمدردی کرے؟ جو قوم خود اپنی مدد نہین کرتی، اُسکی مدد دوسرے انسان تو کیا خدا بھی نہین کرتا۔ جو قوم خود مدتون حکومت کے آغوش شفقت مین حرکت کرتی رہی، اور اب ہمسایہ اقوام کے لئے بار دوش ہو رہی ہے، اور لطف یہ کہ اس تمام نقل و حرکت کو "اپنی" حرکت سمجھتی ہے، وہ کبھی بھی اپنے پیرون پر کہڑی ہوسکتی ہے؟ کشمکش حیات مین اسے اپنی ہستی قائم رکھنے کا کچھ بھی حق رہتا ہے؟ بیچارگی و بیکسی کی انتہائی صورت یہ ہوتی ہے کہ دشمن کو بھی رحم آجائے یہ مرتبہ "قوم" کو اب حاصل ہوگیا ہے۔

لنڈن یونیورسٹی برطانیہ مین سب سے پہلی یونیورسٹی ہے جس نے اپنے ہان فن صحافت (جرنلزم) کی تعلیم کا باضابطہ انتظام شروع کیا ہے، اس ڈپلوما کے تعلیمی سال کا آغاز اسی ماہ اکتوبر سے ہوا ہے۔ مدت تعلیم دو سال رہے گی، گو مخصوص صورتون مین اس مین کمی بھی ہو سکتی ہے۔ داخلہ کے وقت عمر ۱۷ سال سے کم نہ ہونا چاہیے، اور تعلیمی سطح ایک خاص حد تک بلند ہونا چاہیے، نصاب درس کے دو شعبے ہین، لازمی، اختیاری، لازمی مضامین حسب ذیل ہین،

(۱) انگریزی، ادب وانشا۔

(۲) تاریخ علوم،

(۳) تاریخ، فلسفہ، سیاست،

(۴) اصول تنقید (اور انکی عملی مشق)

شعبۂ اختیاری مین مضامین ذیل سے کوئی تین چیزین انتخاب کرنا ہونگی:-

(۱) انگریزی ادب، وتنقید ادبی۔

(۲) تاریخ،

(۳) السنۂ حالیہ (فرنچ، جرمن، روسی، اطالوی اور اسپینی زبانین)

(۴) فلسفۂ سیاست،

(۵) اقتصادیات،

(۶) علم الحیات،

(۷) طبعیات وکیمیائیات،

(۸) نفسیات،

(۹) فلسفہ،

"خدانخواستہ" اس قسم کی کوئی درسگاہ اگر ہندوستان مین کھل گئی تو علی العموم ہمارے اُردو معاصرین کا کیا حشر ہوگا؟

کچھ عرصہ ہوا کیمبرج یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے یہ اپیل پیش کیا کہ یونیورسٹی مین ایک مستقل کیمیکل اسکول (معمل کیمیاوی) نہ ہونے سے صنعتی ترقیان رکی ہوئی ہین اپیل کا شائع ہونا تھا کہ چار عالی ہمت تجارتی کمپنیون کے ڈائرکٹر آگے بڑھے، اور پچاس پچاس ہزار پاونڈ کی طلائی تھیلیان یونیورسٹی کے دروازے پر رکھ گئے، ۱۰۰ ہزار پاونڈ کی رقم ایک اور فیاض بزرگ نے پیش کی، اور اسطرح بات کی بات مین ۳ لاکھ ۱۰ ہزار پاونڈ (۵۰۰۰۰ ۴۶ روپیہ) کا سرمایہ فراہم ہوگیا!

زندہ قومون سے حسد ورشک رکھنے کے بجائے شاید یہ بہتر ہو کہ انکے اسباب حیات پر غور کیا جائے، اور اگر خود بھی زندگی مقصود ہے تو انکی تقلید کی جائے،

دربار میسور نے جو تعلیمی اسکیم شائع کی ہے، اسکا ایک قابل لحاظ جزو یہ ہے کہ پانچ برس کے اندر علاقہ ریاست مین کوئی موضع وقریہ جسکی آبادی دوسو نفوس پر مشتمل ہو بغیر ایک اسکول کے نہ رہ جائیگا، اور اس حساب سے ابتدائی مدارس کی مجموعی تعداد ۱۰ ہزار تک پہنچ جائیگی! آج سے دس سال پیشتر تعلیم کی مد پر ریاست ۱۰ لاکھ سالانہ صرف کرتی تھی، آج اسکی تعداد ۲۳ لاکھ ہے، اور اس جدید اسکیم کے مطابق پانچ سال کے اندر اسکی میزان ۴۴ لاکھ تک پہنچ جائے گی! ترقی کی رفتار عمل اگر دیکھنا ہے تو ہندوستان سے باہر بھی نگاہ دوڑانے کی ضرورت نہین۔

مقالات

مجسمہ اور تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم

گذشتہ مضمون کے آخر میں یہ دکھایا گیا تھا کہ از روے احادیث و آثار کس قسم کی تصاویر
سے مستثنیٰ ہیں، اس سلسلہ مین گیارہ واقعات لکھے گئے تھے، آج اسی سلسلہ مین چند واقعا
اور اضافہ ہوتا ہے،

حضرت ابو طلحہ انصاری بیمار پڑے تو حضرت سہیل بن حنیف انکی عیادت کو گئے، اسی ا
حضرت ابوطلحہ نے ایک آدمی بلا کر کہا کہ نیچے کا قالین نکال لو، حضرت سہیل نے کہا کہ آپ اسکو کیو
نکلواتے ہین، فرمایا اس مین تصویرین بنی ہین، اور اسکے متعلق آنحضرت صلعم کا جو ارشاد ہے ا
کو معلوم ہے، حضرت سہیل نے کہا، لیکن آپ نے یہی تو فرمایا ہے۔ "الا رقما فی ثوب
یعنی کپڑے مین نقش ہو کر ہو تو جائز ہے" فرمایا" ہان یہ سچ ہے۔ لیکن میرے دا
یہی زیادہ پسند ہے"

یہ حدیث ترمذی مین ہے اور امام نے اسکو "حسن وصحیح" لکھا ہے، اس حدیث سے یہ بھ
ہوتا ہے جیسا کہ مین نے پہلے لکھا ہے کہ جواز کے باوجود احتراز و احتیاط اولیٰ ہے،

علامہ عینی نے شرح ہدایہ مین دو اثر اور لکھے ہین،

حضرت ابوہریرہ کی انگوٹھی مین جو نگینہ تھا، اسمین دو مکھیون کی تصویرین بنی تھین،

حضرت عمر کے زمانہ مین ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی تھی، جسکے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ دانیال

انگوٹھی ہے اوسکے نگینہ مین ایک مرقع تھا، دو شیر دا ہنے بائین کھڑے تھے، بیچ مین ایک لڑکا تھا، حضرت عمر نے یہ انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ اشعری کو عنایت فرمائی،

اکثر محدثین اور فقہانے جواز و عدم جواز تصاویر کے باب مین ذی روح اور غیر ذی روح تفریق کی ہے، اور لکھا ہے کہ "غیر ذی روح تصاویر اسلئے جائز ہین کہ وہ پوجی نہین جاتین" لیکن نزدیک تو یہ تفریق صحیح نہین ہے بلکہ یہ ہے کہ قابل عبادت اور غیر قابل عبادت کی تفریق کی جائے، ہندوستان کے لوگ جانتے ہین کہ اس ملک کے کتنے فرقے درخت پرستی مین مبتلا ہین، اس بنا پر کیا اُن خاص درختون کی تصویر کشی جائز قرار دی جائے گی کہ وہ غیر ذی روح ہین؟ مین اپنے دعوے پر حدیث ذیل سے استدلال کرونگا،

ان رسول اللہ صلعم کان لا یترک فی بیتہ شیئاً فیہ صلیب الا نقضہ (کتاب اللباس)

آنحضرت صلعم اپنے گھر مین کوئی ایسی چیز نہین چھوڑتے تھے جس پر صلیب بنی ہو، لیکن اُسکو مٹا دیتے تھے

یہ حدیث صحیح بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، اور نسائی مین ہے، ان مین سے بعض مین "چیز" کے بجائے "کپڑے" کی تخصیص ہے، ترمذی (تفسیر سورہ توبہ) مین ہے کہ حضرت عدی بن حاتم جب حاضر خدمت ہوئے تو چونکہ وہ پہلے عیسائی تھے اسلئے اُنکے گلے مین صلیب پڑی تھی، آپ نے فرمایا "اے عدی! اپنے گلے سے اس بُت کو اتار ڈالو" ان احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ غیر ذی روح بھی اگر عبادتِ مشرکانہ کے کام مین آتا ہو تو اسکی تصویر کشی بھی ناجائز ہے، وہ بھی بُت کے حکم مین ہے،

اس تفریق کی صحت کے ثبوت مین ایک اور واقعہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے، حضرت عمر کے زمانہ مین جب صحابۂ کرام نے پایہ تخت کسریٰ (مداین) کو فتح کیا ہے اور ایوانِ شاہی مین داخل ہوئے ہین تو اسمین جابجا سوارون اور پیادون کے مجسمے اور تصویرین تھین، ان بزرگون نے انکو

چھوڑ دیا اور وہین نماز شکرانہ ادا کی، امام طبری نے اس واقعہ کو تاریخ مین لکھا ہے[1] (صفحہ ۲۴۴۴، یورپ)

اسکے برخلاف حضرت عمر کو شام مین ایک واقعہ پیش آیا، شام کے عیسائیون نے اپنے کنیسہ مین حضرت عمر کو مع مسلمان امرا کے دعوت دی آپ نے فرمایا،

انالانستطیع ان ندخل کنا ئسکم ھذہ	ہم تمہارے کنیسون مین اُن تصویرون کے ہوتے جو
مع الصور التی فیہا	وہان ہین نہین جا سکتے،

اس واقعہ کو امام شافعی نے کتاب الام مین بسند (نیہ ابن اسحاق) نقل کیا ہے اور مسند شافعی باب دعوۃ الذمی مین موجود ہے صحابہ کے اس اختلاف طرز عمل کا سبب یہی ہے کہ ایوان کسریٰ کے مجسمے یا تصویرین مشرکانہ نہ تھین اور ان عیسائی کنیسون کے مجسمے اور تصویرین مشرکانہ تھین،

امام احمد نے مسند مین حضرت علی سے روایت کی ہے کہ ایک دن آپ نے انکو مامور فرمایا اور حکم دیا کہ

لایدع بھا (المدینۃ) وثنا الاکسرہ	مدینہ مین وہ کوئی بت نہ چھوڑین جسکو نہ توڑین، اور نہ
ولاقبرا الاسواہ ولاصورۃ الالطخہا	کوئی قبر جسکو برابر نہ کرین اور نہ کوئی "صورت"،
(ج ۱ ص ۸۷)	جسکو بگاڑ نہ دین،

اس حدیث مین اصنام، قبور کے ساتھ ساتھ "تصاویر" کا ذکر کیا گیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ وہ رسوم مشرکانہ سے متعلق ہین،

حدیث و اثر کے بعد فقہ کا درجہ ہے، امام ابوجعفر طحاوی جو محدث فقیہ تھے اپنا فیصلہ ان الفاظ مین ظاہر کرتے ہین، جن سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے،

[1] امام موصوف نے بحیثیت مورخ اس واقعہ کو لکھا ہے اور سند ناتمام لیکن متعدد راویون کی مجموعی تائید سے نقل کی ہے، تاہم محدثین پر اسکے تسلیم کرنے کے لئے زور نہین دیا جاسکتا،

فثبت بما ذکرنا خروج الصور التی فی الثیاب من الصور المنهی عنها وثبت ان المنهی عنه هی نظیر ما یفعله النصارٰی فی کنائسهم من الصور فی جدرانها ومن تعلیق الثیاب المصوّرة فیها فاما کان یوطأ ویمتهن ویفترش فهو خارج من ذلک، وهذا مذهب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔

شرح معانی الآثار میں کہتے ہیں کہ ہم نے جو بیان کیا، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ ممنوع تصاویر میں سے وہ تصویریں مستثنیٰ ہیں جو کپڑوں میں ہوں، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ممنوع وہ ہیں جو مثل اُنکے ہیں جو عیسائی اپنے کنیسوں میں کرتے ہیں یعنی دیواروں پر تصویریں بنانا اور باتصویر کپڑوں کو لٹکانا، لیکن جو تصویریں پاؤں کے نیچے روندی جائیں اور حقیر کی جائیں اور بچھائی جائیں وہ ممانعت سے خارج ہیں یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف اور امام محمد کا ہے،

امام محمد موطا میں حضرت ابوطلحہ والی حدیث الا رقماً فی ثوب نقل کرکے لکھتے ہیں۔

وبهذا نأخذ ما کان فیه من تصاویر من بساطٍ یبسط او فراش یفرش او وسادةٍ فلا بأس بذلک انما یکره من ذلک فی الستر وما ینصب نصباً وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا۔

اسی حدیث سے ہم یہ مستنبط کرتے ہیں کہ اگر تصاویر فرش یا بستر میں ہوں جو بچھائے جائیں تو مضائقہ نہیں صرف مکروہ وہ تصویریں ہیں جو پردہ میں ہوں اور جو کھڑی کی جائیں یہی ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہا کا مذہب ہے،

ہدایہ، ردالمحتار، اور عالمگیری وغیرہ میں بھی اسی تحقیق کی بازگشت ہے، صرف ایک نئی بات ہی اور وہی قابل گرفت ہے، مفسدات صلوٰۃ کے بیان میں لکھتے ہیں ولا باس بان یصلی علی بساطٍ فیه تصاویر ولا یسجد علی التصاویر یعنی اگر جانماز میں تصویریں بنی ہوں۔ لیکن سجدہ اُن تصویروں پر نہ کیا جائے تو نماز مکروہ نہیں ہوتی اور اگر مصلّی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا مقابل میں تصویر ہو تو نماز مکروہ

ہوجاتی ہے، حالانکہ جو احادیث پہلے نمبر مین گذر چکی ہین اُن سے صاف عیان ہوتا ہے کہ کراہیت ہر حال مین لازم آنی چاہئے، ورنہ تعجب ہے کہ ایک طرف تو تصویر کے وجود سے فرشتگان رحمت دور ہٹ جاتے ہین اور دوسری طرف اگر جا نماز تک مین تصویر ہو تو نماز کے بارانِ رحمت کا انقطاع نہین ہوتا،

فقیہ ابو اللیث سمرقندی جو محدث بھی تھے بستان مین ابتداءً احادیث متعلقہ تصاویر نقل کرکے لکھتے ہین،

وبه نأخذ فلا بأس بأن يبسط الثياب التي فيها التصاوير والتماثيل وروي عن عطاء وعكرمة انهما قالا انما يكره من التماثيل ما ينصب نصباً فاما ما وطئته الاقدام فلا بأس به (باب النهي عن التصاوير)

اور انھین احادیث سے ہم استنباط کرتے ہین کہ جن کپڑون مین تصاویر ہون اُنکے بچھانے مین کوئی مضائقہ نہین عطا اور عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ تصویرین مکروہ ہین جو کھڑی کی جائین لیکن جو پاؤن کے نیچے روندی جائین اُنمین کوئی حرج نہین

یہ تو فقہاے احناف تھے اب دوسرے ائمہ کی رائین بھی سننی چاہئین، حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین:

واستدل بهذا الحديث على جواز اتخاذ الصور اذا كانت لها ظل وهي مع ذلك مما يوطأ ويداس او يمتهن بالاستعمال كالمخاد والوسائد قال النووي وهو قول الثوري ومالك وابي حنيفة والشافعي ولا فرق في ذلك بين ماله ظل وما لا ظل له، فان كان معلقاً على حائط او ملبوساً او

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ تصویرون کا رکھنا اگر اُن مین سایہ ہو (یعنی جسامت ہو) اور وہ اسی کے ساتھ روندے بھی جائین یا استعمال سے اُنکی حقارت کی جائے تو جائز ہے، جیسے فرش اور تکیے مین، امام نووی نے کہا ہے کہ یہی امام ثوری، امام مالک، امام ابو حنیفہ، اور امام شافعی کا قول ہے، اور اسمین کوئی فرق نہین کہ تصویرون مین

عامة او نحو ذلک مما لا یعمل — سایہ ہو یا نہو، اور اگر وہ دیوار میں لٹکائی جائیں یا
ممتھنا فھو حرام۔ — وہ لباس یا عمامہ میں یا اسی قسم کی اور چیزون مین
(۲۳۴ ج ۱۰) — ہون جو حقیر نہیں سمجھی جاتیں تو وہ حرام ہین،

فقہاے حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ،

ومنہا ان مذہب الحنابلۃ جواز الصورۃ — کپڑے مین تصویر ہو تو جائز ہے اگرچہ وہ آویزان
فی الثوب ولو کان معلقاً علی ما فی — ہو، جیسا کہ حضرت ابوطلحہ کی حدیث مین ہے، لیکن
خبر ابی طلحۃ، لکن ان ستر بہ الجدار — اگر اس سے دیوار چھپائی جائے تو اُنکے نزدیک
منع عندھم (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۳۲۶) — یہ ناجائز ہے،

حنابلہ کا مذہب بالکل احادیث کی لفظی تقلید ہے

دو باتین صاف کر لینی چاہیین، ایک تو یہ ہے کہ تمام فقہا متفقاً یہ کہتے ہین کہ اگر تصویرین محل عظمت مین نہون، مثلاً پاؤن کے نیچے ہون، یا اور کسی قسم کی ذلت مین ہون تو جائز ہین" اس عظمت، اور ذلت کا کیا معیار ہے؟ اسکی تفصیل مثالون مین کی گئی ہے، یعنی یہ کہ مثلاً فرش یا تکیہ مین ہون، لیکن اس سے کوئی اصولی بات سمجھ مین نہین آتی، مثلاً آج کل کی طرح کتابون مین ہون چاے کی پیالیون مین ہون تو کیا فیصلہ ہے کہ یہ محلِ عظمت مین ہین یا محلِ ذلت مین، کبھی کتابین طالب علم کا تکیہ بھی بنتی ہین اور کبھی حفاظت سے الماریون مین بھی رکھی جاتی ہین، چاے کی پیالیان کبھی زمین پر بھی ڈالدی جاتی ہین اور کبھی میز پر بھی رکھی جاتی ہین، اسلئے عظمت، اور ذلت کی کوئی اصولی تفسیر کرنی چاہئے،،

فقہانے جابجا تصاویر کے جواز و عدم جواز کی صورتین لکھی ہین اُن مین عموماً استدلال یہ کرتے ہین کہ فلان صورت جائز ہے، اسلئے کہ اس مین اشتباہ عبادت نہین، فلان صورت ناجائز ہے، اسلئے کہ اس مین عبادت کا اشتباہ ہوتا ہے (دیکھو ہدایہ مکروہات صلوۃ) اس بنا پر عظمت و ذلت کی

تفسیر یہ کی جائے گی، کہ وہ صورتین جن سے تصاویر کی تعظیم سمجھی جائے، یا عبادت کی موہم ہون، یا کفار کے معابد اور عیسائیون کے کنیسون مین جس طور سے تصاویر رکھی جاتین ہون، وہ عظمت ہوگی، اور جن صورتون مین ان تصاویر کے متعلق تحقیر، بے پروائی اور تصاویر بحیثیت تصاویر کے کوئی خیال وخطرہ انکی عظمت کا نہوتا ہو اور نہ وہ کفار ودیگر فرقِ ضالہ کے طرقِ عبادت وتعظیم اصنام سے مشابہ ہون تو وہ ذلت وامتہان ہوگا،

دیوارون مین تصاویر لگانے کی صورت اسلئے فقہا نے ناجائز قرار دی ہے کہ رومن کیتھولک اور دیگر تصاویر پرست فرقِ نصاری کے معابد مین اس کا رواج ہے اور اس لئے اس سے کفار اور مشرکین کے ساتھ مشابہت مشرکانہ لازم آتی ہے، جس سے ہر مسلمان کو قطعی طور سے پرہیز کرنا چاہئے،

اس تمام مواد سے جسکو دو صحبتون مین، ناظرین کے سامنے پیش کیا گیا ہی معلوم ہوگا کہ احادیث مین اور مجتہدات ائمہ مین بھی جو صورتین جواز وعدم جواز کی مذکور ہین اُن مین بالتخصیص کپڑون کا ذکر ہے، لیکن ایک زمانہ دراز سے کپڑون سے ہٹکر کاغذون پر تصاویر بننے لگی ہین، اور آج کل تو تصاویر زیادہ تر اسی لباسِ کاغذی مین جلوہ پیرا ہوتی ہین اس بنا پر یہ نیا سوال پیدا ہوگیا ہے کہ انکے متعلق کیا حکم ہے ؟

اس سے بھی زیادہ قابل غور یہ مسئلہ ہے کہ آجکل تصاویر کی دنیا ہی بدل گئی ہے، پہلے زیادہ تر تصاویر کا تعلق دیوتاؤن، اور دیگر مذہبی مراسم سے تھا، یا محض نمائش ان سے مقصد ہوتا تھا، لیکن آج کل تو انکے استعمال کے اس قدر نئے طرق اور انکی مختلف ضرورتون کے اس قدر اہم پہلو نکل آئے ہین، کہ جن سے بے اعتنائی نہین کی جاسکتی،

کتابون اور رسالون مین تصاویر ہمارے سامنے مختلف مجالس، مناظر، معرکہا ئے جنگ کی اصلی صورتین پیش کرتی ہین، مختلف قومون کے خط وخال، وتمدن ومعاشرت کے نقشے ہمکو دکھاتی

ہیں، اعضائے انسانی کی تشریح جسم کی ساخت اور دیگر ضروری طبی قوا نمایان کرتی ہیں سلطنتوں
میں مجرموں کی اور سفرا اور دیگر اشخاص کی جن کا علم ضروری ہے ان سے شناخت ہوتی ہے لغت
کی کتابوں میں حیوانات کی تمیز اور اُنکے معنی سمجھانے میں اس سے مدد لی جاتی ہے، دوست دوست
باہم ان کے ذریعہ سے لطفِ ملاقات حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی شائبۂ عبادت
وبت پرستی نہیں، اور نہ ان سے تعظیم تصاویر و مراسم شرک کا گمان ہوتا ہے، اس بنا پر ان کاغذی
تصاویر کو کپڑوں کی تصاویر پر قیاس کیا جائے گا،

غیر ذی روح کی تصاویر کو تو تمام فقہا نے عموماً جائز کہا ہے، بحث ذی روح میں ہے،
"ذی روح" کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ تصویر کسی حیوان کی ایسی مکمل تصویر ہو کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ
اُس میں جان ڈالدی جائے تو وہ زندہ ہوجائے، کاغذی تصاویر یا کپڑے کی تصاویر پر غرض غیر مجسم
تصاویر پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ ذی روح ہے کیونکہ وہ صرف نقش اور رنگ ہے جسمیں
کسی قسم کا عمق نہیں، صرف خطوط سے شکل پیدا کی گئی ہے، اور اس میں کسی طرح زندگی نہیں پیدا
ہوسکتی، یہی سبب ہے کہ احادیث اور کتب فقہیہ میں ان تصاویر کو بلکہ مجسموں کو جن کے سر کاٹ دئے
جائیں یا دھڑ علیحدہ کر دیا جائے یا نصف سے کاٹ دیا جائے، جائز الاستعمال قرار دیا گیا ہے،
نسائی میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبریل آنحضرت صلعم کے
پاس نہیں آئے، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ گھر میں مجسمہ اور تصاویر موجود تھیں اور ایک
کتا بیٹھا تھا، اسکے بعد فرشتہ غیب نے یہ تعلیم کی،

وفی بیتک ستر فیہ تصاویر فاما ان تقطع رؤسہا او یجعل بساطاً یوطأ،	حالانکہ آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جسمیں تصاویر ہیں تو یا تو اُنکے سر کاٹ دیجئے یا انکو بچھا دیجئے،

یہی واقعہ ترمذی، ابن حبان اور اصحاب سنن نے ان الفاظ مین نقل کیا ہے،

وکان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قرام ستر فیہ تماثیل... فمر براس التمثال الذی علی باب البیت یقطع فیصیر کھیئۃ الشجرۃ ومر بالستر فلیقطع فلیجعل منہ وسادتان منبوذتان توطأ ۔

دروازہ پر ایک مجسمہ تھا اور پردہ تھا جسمین تصویرین تھین (جبرئیل نے کہا) کہ حکم دیجئے کہ دروازہ پر جو مجسمہ ہے اسکا سر کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہوجائے اور پردہ کو کاٹ کر اسکے تکیے بنائے جائین جو پڑے رہین اور پامال ہون،

اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، اس حدیث سے دو باتین ہمکو ثابت کرتی ہین، اول یہ ہے کہ اگر مجسمہ یا تصاویر کا دھڑ الگ کردیا جائے جسکے بغیر زندگی ناممکن ہو تو وہ جائز ہین، دوسری بات یہ کہ ذی روح کی جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے، ورنہ اگر ذی روح کے یہ معنی لئے جائین کہ وہ حیوان ہو تو اس صورت مین حضرت جبرئیل کا یہ فرمانا کہ مجسمہ کا سر کاٹ لیا جائے کہ درخت کی طرح ہوجائے،، کیا معنی رکھے گا ؟ کیونکہ سر علحدہ کرنے کے بعد بھی وہ ذی روح ہی کی تصویر کہی جائیگی،

حافظ ابن حجر نسائی کی اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہین،

وفی ھذا الحدیث ترجیح قول من ذھب الی ان الصورۃ التی تمتنع الملئکۃ من دخول المکان، التی تکون فیہ باقیۃ علی ھیئتھا مرتفعۃ غیر ممتھنۃ، فاما لو کانت ممتھنۃ اوغیر ممتھنۃ لکنھا غیرت عن ھیئتھا اما بقطعھا من نصفھا او بقطع... یا صلح للامتھان (فتح ج ۱۰ صفحہ ۳۲۹)

اس حدیث سے اُن فقہا کے مذہب کی ترجیح ثابت ہوتی ہے جو یہ کہتے ہین کہ وہ تصویر جس کے سبب سے فرشتے مکان مین داخل ہونے سے باز رہتے ہین وہ ہے جو اپنی ہیئت پر قائم ہو اور بلند ہو ذلیل نہو، یا اگر ذلیل یا غیر ذلیل نہو سکین اسکی ہیئت دی گئی ہو اسکا آدھا دھڑ کاٹ کر یا سر کاٹ تو اسمین کوئی ممانعت نہین ہے۔

اس تشریح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہاف ٹون (یعنی آدھے دھڑ کی) تصویر بالکل جائز ہے، اس بنا پر اگر اختلافات فقہا سے بچنے کے لئے اور زیادہ احتیاط و تقویٰ برتنے کے لئے مسلمان صرف ہاف ٹون فوٹو اور تصویر کو بوقت ضرورت اختیار کریں تو مناسب ہے، اور ہر قسم کے خطرات حرمت سے پاک ہی

آج کل یورپین تمدن کے اثر سے کمروں کو تصویروں سے سجانے کا طریقہ عام طور سے مسلمانوں میں بھی رائج ہو رہا ہے، حالانکہ تفصیل سابق سے یہ آشکارا ہو گیا ہوگا کہ یہ طریقہ اکثر ائمہ فقہا اور محدثین کے نزدیک احکام اسلام کے خلاف ہے کہ اس سے کفار کے معبدوں اور نصاریٰ کے کنیسوں سے مشابہت ظاہر ہوتی ہے اور ملائکہ رحمت اپنی آمد کا دروازہ اس مکان پر بند کر دیتے ہیں، خصوصاً بعض جدید تعلیم یافتہ نوجوان تو اپنے کمروں کی آرائش ایسی حیاسوز اور برہنہ تصویروں سے کرتے ہیں کہ چشم ادب خود بخود شرمندہ ہو جاتی ہے،

مجکو ایک دو دفعہ بعض تعلیم یافتہ دستوں کے ایسے آراستہ وپیراستہ "گول کمروں" میں واقعہ میلاد نبوی بیان کرنے کا اتفاق ہوا، جو حسب طرز زمانہ برہنہ و ملبوس زنانہ و مردانہ تصاویر سے آراستہ تھے اُسوقت تو اپنے ضعف ایمان کے سبب سے مجھے ٹوکنے کی ہمت نہیں ہوئی، لیکن جب میں نے تقریر شروع کی اور بار بار ان تصویروں پر نگاہ پڑی تو شرم آئی کہ ایک طرف تو میں فضائل محمدی اور محبت نبوی کا اس زور سے اعلان کر رہا ہوں اور دوسری طرف عملاً در و دیوار سے احکام نبوی کے انکار کی آوازیں آرہی ہیں، چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ میں نے صاحب مجلس سے اپنے احساس کا ذکر کر دیا، جسکا اثر ان پر ہوا کہ انھوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسے موقعوں پر وہ اسکی احتیاط کرینگے،

مسلمان بھی کبھی ایک شاندار تمدن کے بانی تھے، جسکی مٹی مٹی یادگاریں اب بھی ہر ا نے گھروں میں ملینگی وہ بھی اپنے ایوان و قصور کو آراستہ کرتے تھے، مگر کس سے؟ مفید نصائح، دلپذیر قطعات، احادیث، اور برموقع آیات قرآن کے خوشنما کتبات اور طغروں سے اور جو اسی قدر قیمتی ہوتے

سے کہ آج بھی انکو اہل یورپ پرانی اور فرسودہ کتابوں کے بیچنے والوں سے ایک ایک ہزار اور دو دو ہزار کو خریدتے ہیں، نمائش اور خوبصورتی کے علاوہ ایک بڑا فائدہ ان میں یہ تھا کہ جب نظر اٹھتی تھی تو نگاہ کے سامنے ایک ادب آموز عالم کی ہوش آور صدا سنائی دیتی تھی، اور شعار زندگی (موٹو) بنکر وہ ہمیشہ ہمکو ہمارے فرائض سے آگاہ کرتی رہتی تھی،

مجسموں میں سے صرف دو قسم کے مجسمے جائز ہیں، حضرت عائشہ رض کی گڑیا اور پر دار گھوڑوں والی حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ بچوں کے کھیل تماشہ کے مجسمے جائز ہیں، اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث جسمین مجسمہ کے سر کاٹکر رکھنے کی اجازت ہے، اس سے نصف دھڑ کے مجسموں کے متعلق جواز کا ثبوت ملتا ہے، نیز بربنائے آثار مرویہ، ایسی چھوٹی تصویریں یا مجسمے جو کسیقدر فاصلہ سے نظر نہ آئیں، جائز ہیں جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں

آجکل جو لوگ یہ کہکر پورے قد کے مجسموں کو جائز سمجھنا چاہتے ہیں کہ اب دنیا میں بت پرستی کا رواج نہیں رہا اور اب کوئی مجسموں کی پرستش نہیں کرتا، وہ اس زمانہ میں کہ خود "خدا پرستی" کا رواج نہیں رہا (فافہم و تدبر) اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ لوگوں نے عقل و ہوش سے شرک و بت پرستی کی غلطی کو محسوس کر کے اسکو چھوڑ دیا ہے، بلکہ چونکہ عموماً مذہب کی طرف سے بے پروائی بڑھتی جاتی ہے اسلئے نئے تعلیم یافتہ ہندو اور عیسائی اس سے ابا کرنے لگے ہیں، ورنہ اگر ہندوں کے جاہل طبقوں کے معبدوں میں عیسائیوں کے رومن کیتھولک گرجاؤں میں جاکر دیکھئے تو مجسمہ و بت پرستی کے مراسم اسی جوش و خروش سے منائے جارہے ہیں جیسا کہ اس تمدن جدید سے پہلے تھا،

آج آریہ نوجوان بت شکنی (موورتی کھنڈن) کے پورے حامی ہیں، لیکن انکو چلکر رام چندرجی کی راجدھانی اجودھیا میں دیکھنا چاہئے، کہ وہاں نہ صرف اصلی دیوتاؤں اور دیبیوں کی پرستش ہوتی ہے، بلکہ اس وسعت میں ملکہ وکٹوریہ کا وہ سنگی بت بھی آگیا ہے جو اجودھیا کی مقدس سرزمین میں نصب کرایا گیا ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جاہل ہندو پجاری ملکہ کے اس

بت کے آگے اُسی طرح جھکتے ہیں جسطرح اپنے اوتارون کے مجسمون کے آگے جھکا کرتے ہین اور اسی
طرح اُسپر پھول اور نذر و نیاز چڑہاتے ہین، لکھنؤ مین قیصر باغ کے پیچھے ملکہ کا جو بت نصب ہے اسکے
ساتھ بھی کبھی کبھی اسی عقیدت کیشی کا اظہار ہوتا ہے اور اگر پہرہ کے سپاہی اٹھا دئے جائین تو
دنیا کے اس پرانے مذہب کے اوتارون مین ایک نئی دیبی کا فوراً اضافہ ہوجائے،

اس اظہار خیال سے کسی فرقہ کی دلآزاری مقصود نہین، بلکہ واقعہ کا اظہار اس غرض سے
مطلوب ہے کہ مرے بیان کی "تصویر" کا ہر رخ اچھی طرح مسلمانون کے سامنے واضح ہوجائے،

سب سے آخر مین ایک اور اہم مسئلہ کا چھیڑنا باقی ہے کہ کیا مسلمانون کو تصویرین اور
مجسمے بنانا جائز ہے؛ نیز یہ کہ فوٹوگرافی کیا تصویر مین داخل ہے؟

اس مسئلہ مین جہان تک احادیث، آثار اور کتب فقہ کا احاطہ کیا جاسکا ہے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جاندار کی تصویر کشی یا مجسمہ سازی کسی مسلمان کے لئے کسی حالت مین جائز نہین ہے، غیر جاندار
مثلاً پھول، درخت، مکانات، پہاڑ، دریا، اور مناظر طبعی، کی تصویر و تجسیم بلا کراہت جائز ہے،

علاوہ اُن احادیث کے جن مین آنحضرت صلعم نے مصوّرون کے لئے سخت عذاب کی
اطلاع دی ہے، اور جن مین سے بعض آغاز مضمون مین لکھی گئی ہین، اس موقع پر چند اور حدیثین
لکھی جاتی ہین،

صحیح مسلم وغیرہ مین ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرا پیشہ مصوّری
ہے، مین ان تصویرون کو بنا کر روزی پیدا کرتا ہون، کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا "قریب آجاؤ" مین نے
آنحضرت صلعم کو کہتے سنا ہے، کہ

کل مصوّر فی النار یجعل لہ	ہر مصوّر دوزخ مین ہوگا، اُسکی ہر تصویر
بکل صورۃ صوّرھا نفسا تعذبہ	کے مقابلہ مین جسکو اُسنے بنایا ہے ایک جان پیدا

فی جہنم۔ کی جائیگی جو اُسکو جہنم مین سزا دے گی،

ابن عباس رضہ نے پھر فرمایا،

ان کنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر اگر تمکو ضرور ہی تصویر بنانا ہے تو درختون کی اور

وما لا نفس لہ (کتاب اللباس) اُن چیزون کی بناؤ، جن مین جان نہین،

صحیحین مین ہے کہ مسلم بن صبیح اور مسروق تابعی دونون ایک گھر مین تھے، جن مین تصویرین تھین، مسروق نے کہا یہ کسریٰ کی تصویرین ہین مسلم بن صبیح کی، اے سنی کہ یہ حضرت مریم کی تصویرین ہین، مسروق نے کہا، خبردار! مین نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے سنا ہے کہ، آپ نے فرمایا،

اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب

المصوّرون۔ مصورون پر ہوگا،

یاد ہوگا کہ آغاز مضمون مین لکھا جاچکا ہے کہ "سب سے سخت عذاب" کی تہدید اُن مصورون کے لئے ہے جو ستر کا نصاویر بناتے ہین، تاہم عذاب کے اطلاق و عمومیت سے عام مصوّرین بھی نہین بچ سکتے،

صحیحین مین ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ایک دفعہ مدینہ مین مروان یا سعید کے گھر گئے، دیکھا کہ اسمین تصویرین ہین، یا تصویرین بنائی جارہی ہین فرمایا مین نے آنحضرت صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا فرماتا ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي اُس سے گنہگار تر کون ہوگا جو میری طرح خلق کا

فليخلقوا ذرةً او يخلقوا حبة کام کرتا ہے، اچھا تو انسان ایک ذرہ کو تو بنالے ایک دانہ کو تو پیدا کرے،

اس موقع پر قصداً صرف وہ حدیثین لکھی گئی ہین، جنکو صحابہؓ نے آپکی وفات کے بعد

موقعِ شہادت پر پیش کیا ہے تاکہ کسی کو نسخ کا شبہ نہو،

سنن ابن ماجہ مین ایک حدیث ہے (کتاب اللباس) کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس مین عرض کی کہ "یا رسول اللہ صلعم میرا شوہر لڑائی پر گیا ہے، اگر اجازت ہو تو مین گھر مین چھوہارے کے درخت کی تصویر بنا لون، آپ نے اُسکو اس سے منع فرمایا" اس حدیث سے ممکن ہے کہ غیر ذی روح کی تصویر کی ممانعت پر کوئی صاحب استدلال کرین، لیکن یہ روایت متعدد وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے،

(۱) حدیث ابن عباس جسمین اسکی اجازت دیگئی ہے وہ اصح ہے، اور یہ اُسکے خلاف ہے،

(۲) اس حدیث سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ نفس درخت کی تصویر کشی کی آپنے ممانعت فرمائی، بلکہ خود روایت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپکی ممانعت کسی اور سبب پر مبنی تھی، ورنہ شوہر کے لڑائی کے جانے سے اور درخت کی تصویر کشی سے کیا مناسبت ہے، دو باتین معلوم ہوتی ہین، ایک یہ کہ یا تو وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ چونکہ شوہر موجود نہین اسلئے گذر اوقات کے لئے وہ اس پیشہ کو اختیار کرنا چاہتی ہے، یا بیکاری سے گھبرا کر اس شغل سے دل بہلانا چاہتی ہے، آپنے دونون میان بیوی کی ذاتی حالات کو جانکر اُسکو اس فعل سے مصلحۃً منع فرمایا،

(۳) لیکن اصلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث روایۃً صحیح نہین ہے، اسکا تیسرا راوی عفیر بن معدان ناقابل اعتبار ہے، میزان الاعتدال مین اسکے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی حسب ذیل رائین ہین،

ابوداؤد،	شیخ صالح ضعیف الحدیث
ابوحاتم،	یکثر عن سلیم بما لا اصل لہ
یحیی،	لیس بثقۃ۔ لیس بشیٔ
احمد بن حنبل،	منکر الحدیث، ضعیف

کسی نے اسکی توثیق نہین کی ہے، اس بنا پر مسئلہ تعادیر مین یہ حدیث کالعدم ہے،

سب سے اخیر مسئلہ یہ ہے کہ فوٹوگرافی کیا مصوری ہے؟ اور فوٹوگرافر پر کیا مصور کا اطلاق ہوگا اور کیا فوٹو کھنچوانا بھی داخل معصیت ہے؟ اس سے پہلے کہ مین آگے بڑھون ایک لطیفہ سنانا چاہتا ہون ہمارے ایک مخدوم جناب بابو نظام الدین صاحب رئیس امرتسر ہین، انکے گھر مین ایک فوٹو رکھا تھا، ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ گھر مین فوٹو رکھتے ہین، انھون نے کہا "یہ فوٹو نہین ہے فوٹو کے جواز کا فتویٰ ہے"، انھون نے نزدیک جاکر دیکھا تو اسمین حضرات ذیل مع عبا و قبا و عمامہ کے نظر آئے علامہ سید رشید رضا مصری، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا ابوالکلام، مولانا حبیب الرحمان خان شروانی، فقیر سید سلیمان،

موجودہ دنیائے اسلام کے تمام روشن خیال علماء کی (بشرطیکہ روشن خیالی منصب افتا کے خلاف نہو) رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فوٹوگرافی مصوری نہین ہے اور نہ فوٹو پر تصویر کا اطلاق ہوسکتا ہے اور یہی سبب ہے کہ مصر و مراکش و ایران و قسطنطنیہ کے تمام اکابر ارباب عمائم ہمکو کاغذی پیراہنون مین ہندوستان مین چلتے پھرتے نظر آتے ہین،

فوٹوگرافی درحقیقت عکاسی ہے جسطرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزون پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اسکو کوئی گناہ نہین سمجھتا، اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقابل صورت کا عکس اتر آتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائدار اور قائم نہین رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگاکر قائم کرلیا جاتا ہے ورنہ فوٹوگرافر مصور کی طرح اعضا کی تخلیق و تکوین نہین کرتا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوٹو عبادت کے کام مین نہین آتے تاہم احتیاط و تقویٰ اسی کا مقتضی ہے کہ بجائے پورے قد کے فوٹو کے مسلمان صرف آدھے دھڑ یعنی ہاف ٹون فوٹو کھنچیں اور کھنچوائین اور حقیقت مین انسان کی شناخت اور پہچان صرف اوپری کے دھڑ سے ہوتی ہے اور فوٹو سے یہی مقصود ہے ونسئل اللہ العصمۃ من الخطاء والزلل،

ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہین

(۳)

صوبۂ بہار

چھٹی صدی ہجری کے آخر مین محمد بختیار خلجی سب سے پہلے بہار و بنگال مین فاتحانہ داخل ہوا، تفصیل ہنین ملی لیکن طبقات ناصری اور دوسری تاریخون سے اتنا اجمالاً معلوم ہوتا ہے کہ بختیار خلجی نے اپنے مفتوحہ علاقون کے بعض شہرون مین متعدد مدرسے قائم کئے، بختیار خلجی قطب الدین ایبک کا معتمد امیر کبیر تھا، اسی بختیار کی فاتحانہ کوشش کی بدولت علاقہ بہار و بنگال مین شریعت اسلام کا نشر و ظہور ہوا، فرشتہ لکھتا ہے۔

"اولین کسے از شاہان اسلام کہ بآن نواحے رفتہ و شعار اسلام را دران حدود رواج دادہ، محمد بختیار خلجی است" (جلد۲)

بہار کی علمی و تعلیمی تاریخ گو تفصیل کے ساتھ اسوقت پیش ہنین کیجا سکتی، کیونکہ مجھے تفصیلات بہم نہین پہنچین، لیکن وہان کا موجودہ علمی و تعلیمی فروغ اسکے شاندار و درخشان ماضی کی بہت بڑی دلیل ہے، ایک زمانۂ دراز سے وہان تعلیم عام ہے، ہر دور مین علماے عظام گذرتے رہے، چنانچہ آج سے تقریباً چارسو برس پیشتر سلطان سلیم شاہ کے عہد حکومت مین شیخ علائی بانی فرقۂ مہدویہ اور علماے وقت مین جب مہدویت کی نسبت مناظرہ پیش آیا تو اسکے حکم ایک بہاری عالم شیخ طیب بدہن تھے انکے علاوہ ملا محب اللہ اور غلام یحیٰی اپنے عہد کے مشہور ترین اساتذہ گذرے ہین، عام تذکرون سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انکا سلسلۂ تلامذہ اور حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، یقینی و تصریحی طور پر معلوم ہنین کہ یہ جہان درس دیتے تھے وہ خاص مدرسہ تھا یا کوئی اور عمارت، بہرحال یہ مسلّم ہے کہ علم و فن کی اشاعت و ترویج مین

ان بزرگون کا بہت بڑا حصہ ہے، کتب درسیہ مین بھی جسقدر انکی تصنیفات کا ذخیرہ ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے،

علماے بہار مین سے متعدد اشخاص سلاطین مغلیہ کی طرف سے اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہوئے،

بادشاہ نامہ کا مصنف ملا عبدالحمید لاہوری علماے عہد شاہجہانی کے سلسلہ مین لکھتا ہے کہ

> ملا احمد سعید بوطنش از توابع صوبۂ بہار است، علوم عربیہ خصوصاً علم فقہ را دران نیک متتبع است نزد والد خود ملا سعد کہ از فضلاے آن دیار بود اندوختہ بدرگاہ گیتی پناہ آمد و بقلاوزی اختر سعود داخل بندگان عادت آئین اودیہ ... چندے بخدمت افتاے اردوے کیہان پوے داشتہ مامور است۔ (جلد دوم صفحہ ۳۵۰)

مولوی سراج الدین احمد متوطن فرید پور شاہ عالم بادشاہ کے استاد تھے، مصنف تذکرہ صبح گلشن مولوی امان علی ممتاز کے تذکرہ مین لکھتا ہے کہ

> ... مولوی سراج الدین احمد متوطن فرید پور کہ ابتداے سال شانزدہ کردہ از عظیم آباد است وابن مولوی سراج الدین احمد شاہ عالم عالی گوہر بادشاہ دہلی را استاد بود

بہار مین ہمیشہ یہ صورت رہی ہے کہ اکثر روسا و امرا علم و فن کی دولت لازوال سے بھی مالا مال ہوتے تھے، اور وہ ضروریات زندگی سے بے نیاز ہو کر اپنے کاشانون مین بیٹھے ہوئے تعلیم و تدریس کے ذریعہ سے علم و فن کی بہترین خدمات انجام دیتے تھے، اور جو امرا اہل علم نہ تھے وہ اپنی مدارانہ عزت برقرار رکھنے کے لئے علما و فضلا کو اپنے دامن دولت سے وابستہ رکھتے تھے، طلبا کے لئے وظائف اور جاگیرین مقرر کرتے تھے، اور وہ اس کار خیر کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ آج تک اس مقدس رسم کی یادگارین بہار مین موجود ہین،

بہار کے مشہور علمی قصبات و دیہات

یہان زمانۂ قدیم سے متعدد قصبے اور گاؤن علمی مرکز رہے ہین، جہان سے اس آخری عہد مین بھی

شد پیہ علما پیدا ہوئے، اس سلسلہ میں چند گاؤں کا تذکرہ ضروری ہے جو بہت مشہور و معروف ہیں،

بیٹہ ا یہاں متقدمین میں جناب شاہ شرف الدین احمد اور متاخرین میں مولوی غلام مجیب، مولوی

اظہار الدین اور مولوی لطف علی بڑے پایہ کے علما گذرے ہیں

سہسرام، مولوی سلیم اللہ اور شاہ کبیر الدین صاحب مشہور اشخاص تھے،

دفع رہائی، یہاں مولوی مفتی غلام قادر صاحب مشہور عالم تھے،

ڈیانواں یہاں مولانا مولوی شمس الحق صاحب محدث، مولوی حافظ نور احمد صاحب اور مولوی محمد زبیر

صاحب مشہور اہل علم و دولت تھے، اول الذکر وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان

بقدر بجا بجا فخر کرسکتا ہے، تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے، تحصیل حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر

مدنی، اور نجدی عرب طلبا آتے تھے، مرحوم نے فن حدیث میں سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی

جسکو دیکھکر عرب و عجم کی زبان سے بیساختہ صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی، التعلیق المغنی علی الدار قطنی بھی

مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے، آخر الذکر افسوس ہے کہ جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، معقولات اور

فلسفہ میں ہیچ خاص طور پر مہارت رکھتے تھے،

تمی الدین پور کا وطن مولانا لطف حسین مرحوم جو ہندوستان کے مشہور عالم اور طبقۂ اہلحدیث کے ایک

ممتاز سربرآوردہ رکن تھے،

نگرہسہ یہ زمانۂ قدیم سے علما و فضلا کا گہوارہ ہے، مولانا علیم اللہ، مولانا سلیم اللہ مولانا امان اللہ

مولانا مدین اللہ، مولانا ابراہیم، مولانا تصدق حسین خلاق، مولانا گلزار علی اور مولانا علیم الدین اسی کے

خاک سے اٹھے،

مولانا امین اللہ ابن یہ مختصرات میں مولانا جمال الدین بہاری، مطولات میں مولانا قائم الہ آبادی

لے تذکرہ روز روشن،

اور تفسیر و حدیث میں مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہوی کے شاگرد تھے انھوں نے میرزا ہد پر حاشیہ لکھا سلم الثبوت کی شرح لکھ رہے تھے کہ اسی اثنا میں وفات پائی، انکی ایک تصنیف قصیدۂ عظمی شایع ہو چکی ہے، اسمیں نعت و معجزات اور دیگر واقعات حیات طیبہ نبوی کو نظم کیا ہے، صحت، ترتیب اور اختصار بیان کا سررشتہ واں مصنف نے کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، زبان فارسی ہے اور وہ اسدرجہ بلند کہ مصنف کا اہل زبان ہونیکا دہوکا ہوتا ہے، ایرانی بھی اسکو پڑھکر جہومتے ہین، مطلع یہ ہے،

محذرات سراپردہ ہائے قرآنی

یہ دلبراند کہ دل می برند پنہانی

مولانا ابراہیم مرحوم انکی ایک تصنیف فارسی مین مجمی شرح دیوان متنبی مشہور و متداول کتاب ہے

مولانا تصدق حسین خلاق فارسی مین ید طولی رکہتے تھے، مذاق نہایت عمدہ اور لطیف تھا، ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہون،

ای زلف یار با منت این پیچ و تاب چیست	دل را سپردہ ام بتو دیگر عتاب چیست
آہستہ رو کہ سیر بہ بینیم جمال دوست	ای عمر تیز گام ترا این شتاب چیست
موئے سفید گشتہ و خلاق غافلی	صبح از افق دمیدہ دگر وقت خواب چیست

مولانا علیم الدین مرحوم جامع علوم و فنون تھے، سلم الافلاک انکی یادگار[۵] ہے،

نیموی یہ مولانا ظہیر احسن صاحب شوق مرحوم کا مولد و منشا ہے جو عربی، فارسی اور اردو نظم و نثر میں سرآمد روزگار تھے، متعدد مختصرات کو چھوڑ کر فن حدیث مین آثار السنن انکی ایک مطول تصنیف ہے، اسکا ایک حصہ چھپکر شایع ہو چکا ہے، دوسری جلد کے کچھ اجزا سنا ہے کہ موجود ہین، لیکن افسوس اخلاف مین کوئی اس قابل نہین کہ انکو ترتیب دیکر شایع کرنیکا فرض ادا کر سکے، یہ کتاب جس پایہ کی ہے اسکو کچھ اہل اللہ

---

[۵] یادگار وطن شوق نیموی،

بھی سمجھ سکتے ہیں، اُردو شاعری میں انکو ممتاز درجہ حاصل تھا، ایک دیوان اور ایک مشہور مثنوی "سوز و گداز" انکی یادگار رہے،

نیشی ۔ مولوی سعادت حسین صاحب مرحوم مدرس مدرسہ بہار، پور و مدرسہ عالیہ کلکتہ کا وطن،

گیلانی ۔ مولوی احسن صاحب منطقی کا مولد و منشا ہے،

سہسرام ۔ مولانا حافظ وحید الحق صاحب مرحوم کا وطن ہے۔ تلامذہ کی جماعت کثیرہ کے علاوہ آپکے علمی فیوض کی زندہ یادگار مدرسہ اسلامیہ بہار ہے، جو آج تک اس دیار و اطراف کے لئے سرچشمۂ علوم کا کام دیتا ہے، دوسرے عالم مولوی محمد احسن صاحب مرحوم بھی یہین کے تھے، جو زیادہ تر بہار کی خانقاہ محل مین مصروف درس و تدریس رہے،

لیہ ۔ مسکن مولانا مصطفے شبیر صاحب مدرس اعلی مدرسہ خانقاہ سہسرام، و مولانا محمد یعقوب صاحب ریاضی دان مدرس بہار،

رحیم آباد ۔ یہ مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم کا وطن ہے،

یہ تو جو کچھ تھا خاص صوبہ بہار مین تھا، لیکن بہار کے علمی فیوض بہار ہی تک محدود نہ تھے، وہان کے اکثر فضلا اپنے وطن سے باہر نکل کر دوسری جگہ کی علمی مجلسون کی بھی رونق بڑھاتے تھے، مثلاً اکثر اشخاص آرہ سے اور دہلی ابتدائی تعلیم کے لئے آئے اور آخر مین یہین اپنے اساتذہ کے مسند درس پر متمکن ہو گئے، ان مین ملا محب اللہ اور دہلی کے اس آخر زمانہ مین مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اہلِ آرہ ہی تھے، ثانی الذکر صوبۂ بہار کے ایک چھوٹے سے قصبہ سورجگڈھ کے رہنے والے تھے، انھون نے علم حدیث کی جو خدمت دہلی مین بیٹھکر کی، اس سے ہر شخص واقف ہے، آج ہندوستان کا کوئی گوشہ آپکے تلامذہ سے خالی نہین،

صوبہ بہار مین قدیم تعلیم کی جو کثرت تھی اور ہے، اس نسبت سے درحقیقت مخصوص بڑے مدرسون کا

علم مجھے کچھ بھی نہو سکا، تاہم چند مدرسون کا اجمالی حال معلوم ہوا ہے اور وہ یہ ہین،

مدرسہ داناپور

داناپور مین نواب آصف خان نے مسجد و مدرسہ کی بنیاد ڈالی، لیکن اُنکے عہد مین عمارت تکمیل کو نہ پہنچ سکی، نواب ہیبت جنگ نے اپنے عہد مین ان عمارتون کو مکمل کیا، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اپنی کتاب سیاحت نگار مین لکھتے ہین،

ان عمارتون کی خوبصورتی کو وہان کی کوئی دوسری عمارت نہین پہنچ سکتی،

مدرسہ خانقاہ پھلواری

صوبۂ بہار مین اس قصبہ کو جو پٹنہ سے ۶ یا ۷ میل پر واقع ہے، وہی درجہ حاصل ہے جو اودھ مین فرنگی محل کو، یہان کا سجادہ اور خانقاہ جب سے قائم ہے علوم ظاہری و باطنی کا مرکز ہے، یہ خاص خصوصیت اس خانقاہ کی ہے کہ یہان کے سجادہ نشین صاحب درس علما بھی تھے، جب جب ادھر سے مشہور علمار کا گذر ہوا ہے تو وہ یہان ضرور تشریف لائے ہین، مثلاً ملا بحرالعلوم جب بوہار (بنگال) تشریف لیگئے ہین، تو انھون نے یہان بھی قیام کیا، مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحی دہلوی بھی یہان تشریف لائے۔

بہار کا یہ فخر بھی قابل ذکر ہے کہ وہان کے علما ہندوستان کے اکثر علمی کارنامون مین شریک رہے ہین، چنانچہ فتاوی عالمگیری کے جمع و ترتیب مین بھی بہار کے ۴ عالم شریک تھے، ان مین سے ایک اسی پھلواری کے باشندہ تھے، اور دوسرے مونگیر کے۔

پھلواری کی خانقاہ مین علما و مدرسین ہمیشہ رہے، اور آج بھی رہتے ہین، وہان طلبا کو جاگیرین ملتی ہین، اور سلسلۂ تعلیم و تدریس برابر جاری رہتا ہے، بحمد اللہ کہ یہ سلسلہ آج تک کبھی منقطع نہوا،

مدرسہ پٹنہ

خاص شہر عظیم آباد مین ایک محلہ ہی مدرسۂ جد کے نام سے موسوم ہے، جسکی عمارت اب تک

واقع ہے، سلسلۂ عمارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتین دور تک پہنچی ہوئی تھین، موتی مسجد نہایت عمدہ ہے
یعنی نہایت خوبصورت ہے، دریائے گنگا کے کنارہ واقع ہے، مسجد نہایت وسیع ہے، آس پاس کی عمارتین
منہدم ہو گئی ہیں، تو بھی بلند رجا (؟) در و دیوار باقی ہیں لیکن اہل زمین کی موجودگی آثار باقیہ سے
زمین ہموار ہوتی جا رہی ہے، شاہان کا پتہ لگایا جا رہا ہے، اب قریب وجوار کے اہل محلہ اسکی زمین کو اپنے مکانون میں
شامل کرتے جاتے ہین جس سے چند دنون مین بقیہ آثار بھی مٹ جاینگے۔

مجھے کسی کتاب یا کتبہ سے تصریح معلوم ہو سکی، لیکن عظیم آباد کے بڑے بوڑھون کی زبانی یہ
روایت سننے مین آئی کہ ان عمارتون کا تعمیر کرنیوالا سیف خان نامی کوئی امیر تھا، اس نام کا ایک
صوبہ دار بہار و بنگال جس کا صدر مقام پٹنہ تھا، ضرور گذرا ہے، ممکن ہے اسی نے پٹنہ مین عمارتین
بنوائی ہون، ایک اور سیف خان صوبہ دار بھی جو بہت علم پرور تھا گذرا ہے، لیکن اسکی مدت اقامت
کم و بیش دو سال کی ہے، اس قلت مدت کی وجہ سے یہ نہین خیال ہو سکتا کہ یہ عمارتین اسی نے تعمیر
کرائی ہین کیونکہ اس سلسلۂ عمارت کی وسعت و شان کم از کم چھ سات سال کی مدت چاہتی ہے،

خاص پٹنہ کے محلہ صادقپور مین جو مشہور خاندان ہے وہ صرف علم و فن کے لئے مشہور ہے، اس خاندان
مین متعدد علمائے کبار پیدا ہوئے جنکی سوانحعمریان شایع ہو چکی ہین، اور جن سے اکثر اشخاص واقف ہو چکے ہین
اسلئے یہان پر مجھے تفصیل بیان کرنیکی کوئی ضرورت نہین، یہان کے ہر عالم نے درس و تدریس کا سلسلہ
برابر جاری رکھا، خاندان دولتمند تھا اسلئے بہت کچھ طلبا کی کفالت یہین سے ہوتی تھی، پٹنہ مین شمس العلما
مولوی سید صاحب ایک مشہور رئیس صاحب علم و فضل گذرے ہین، جنکا نام بھی ہمیشہ علمی دنیا مین وقعت کے
ساتھ لیا جائیگا،

آخری دور مین مولانا حکیم عبد الحمید صاحب، مولوی عبد الباری صاحب، مولوی کمال صاحب پھلواروی
مولانا عبد الحلیم صاحب صادقپوری یگانۂ روزگار فخر علم و فن تھے، اسوقت بھی اس شہر مین متعدد مدارس عربیہ قائم ہین،

بنگال

بہار کے تذکرہ مین یہ بتایا جاچکا ہے کہ محمد بختیار خلجی سب سے پہلا امیر ہے جو ان حدود کو فتح و مسخر کرسکا، اسکی فتوحات کی سرحد بنگال کے قدیم شہر ندیا تک وسیع تھی، بختیار نے قدیم شہر ندیا کی جگہ رنگ پور نامی شہر آباد کیا، اور وہان متعدد مسجد، مدرسے اور خانقاہین تعمیر کرائین، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"در سرحد بنگالہ در عوض شہر نودیا شہرے موسوم بہ رنگ پور بنا کردہ دارالملک خود ساخت و مساجد و خانقاہ و مدارس دران شہر و ولایت برسم اسلام برونق و رواج تمام تزین و محلی گردانید" (فرشتہ جلد دوم)

غیاث الدین صوبہ دار بنگال نے مسند نشین ہوتے ہی ایک مسجد، ایک مدرسہ اور ایک کاروان سرا لکھنوتی مین بنایا[1]۔

قریہ عمر پور مین ایک مقام ہے جسکا نام ابتک "در سباڑہ"[2] یعنی مدرسہ مشہور ہے اُسکے باقیماندہ در و دیوار پر ایک کتبہ ہے، جس سے اُسکی تعمیر عہد یوسف شاہی کی معلوم ہوتی ہے، اس کتبہ مین ایک مسجد کا بھی ذکر ہے جسکے آثار اب بالکل نہین ملتے، اثریات ہند کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مدرسہ کی عمارت سے ملحق تھی،

ایک مدرسہ بخشی پور مین بھی تھا جسکے باقی ماندہ نشانات کا نام ابتک مدرسہ ٹیبہ[3] ہے،

گور مین ایک وسیع عمارت کے آثار ساگر ڈگی کے شمالی کنارہ پر موجود ہین، جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ تھا، قیاس غالب یہ ہے کہ اس مدرسہ کا بانی حسین شاہ ہوگا، عمارت کے موجودہ آثار بتاتے ہین کہ یہ مدرسہ نہایت خوبصورت عظیم الشان اور وسیع ہوگا، جا بجا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے نشانات ملتے ہین، جس سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ عمارت گور کی دوسری قدیم عمارتون کی بہ نسبت زیادہ

[1]، [2]، [3] از کتاب پروفیسر ندرانا تھ لا،

بہ شان و شوکت اور عمدہ ہوگی،

خورشید جہان نامہ کے مصنف الٰہی بخش حسینی کے بیان سے گور محلہ عرف شہید یا گور شہید میں ریاض السلاطین کے مصنف غلام حسین کے مکان کے قریب بھی ایک مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، اس مدرسہ کے باقیماندہ عمارت پر کتبہ ملا ہے اس سے بانی کا نام حسین شاہ ظاہر ہوتا ہے، کتبہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے،

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے اطلبوا العلم ولوکان بالصین یہ مدرسہ عالیشان سلطان عظیم

سید السادات علاء الدنیا والدین ابوالمظفر حسین شاہ الملک الحسینی خلد اللہ ملکہ کے حکم سے یکم رمضان

۹۰۷ھ میں بنایا گیا،

گور کے ان دونوں مدرسوں کا تذکرہ نرندر ناتھ لا نے اپنی کتاب "ہندوستان کی علمی ترقی" میں کیا ہے، حاشیہ پر ربونشا صفحہ ۴۳ اور ۸۰ کا حوالہ دیا ہے، لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ دو مدرسے نہیں ہیں، در اصل ایک مدرسہ ہے اور چونکہ خورشید جہان نامہ کے مصنف نے اسکا پتہ دوسرا دیا ہے، اس سے دھوکا ہوا اور دو مختلف مدرسے سمجھ لئے گئے، یا یہ کہ پہلے مدرسہ کے بانی کا نام حسین شاہ جو قیاس کیا گیا ہے یہ غلط ہے، کسی دوسرے نے اسکو بنوایا ہو اس صورت میں البتہ یہ دو مدرسے ہو سکتے ہیں۔

ڈھاکہ

میر الامرا شائستہ خان، عالمگیر کا ماموں اور عہد شاہجہانی و عالمگیری کا ممتاز امیر، جو مختلف صوبوں کا ناظم رہا تھا، اور جہان جہان گیا، اس نے نیک یادگاریں چھوڑی ہیں، جسکی نسبت مصنف مآثر الامرا لکھتا ہے کہ

"آثار خیر از قسم سبیل رباط و مسجد و جسر (کہ پل کا بعرف آن رفتہ) در جا بجا بنگالہ سند و ساق گذاشتہ بسیار یادگار" صفحہ ۵۰۷، جلد دوم۔

اُس نے بیان ب دریا ایک مدرسہ مع مسجد بنوایا، یہ مدرسہ گذشتہ صدی کے نصف اول تک قائم تھا، کچھ دنوں ویران رہنے کے بعد اب مدرسہ کی عمارت ایڈن ہاسپٹل مین شامل کرلیگئی ہے، اسوقت صرف کنار دریا ایک گھاٹ اور مسجد باقی ہے، مسجد پر کتبہ بھی تھا، لیکن آتشزدگی سے خراب ہوگیا ہے، تاہم جسقدر حصہ پڑھا جاتا ہے وہ یہ ہے،

"الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین۔ امابعد آنکہ چون این مقام مجستہ فرجام بخیر خواہ فقرا ئیدا۔ بہمت حق جل و علا شائستہ خان امیر الامرا احداث نمودہ وقف شرعی کردہ کہ تمام محصول این بصرف تعمیر و وظیفہ خدمت مسجد و مستحقین و متوکلین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکام ذوی الاقتدار دامرا نا مدار این امیر خیر ستمر مستقر دارند کہ درین وقف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نماید ۔ ۔ ۔ ۔ حق محروم خواہد شد ۔ ۔ ۔ ۔ کردہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مستحقین ۔ ۔ ۔ ۔ شد سالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

حکیم مولوی حبیب الرحمن[1] صاحب ڈہاکہ تحریر فرماتے ہین کہ نواح ڈہاکہ کے مشہور بزرگ "شاہ نوری علیہ الرحمۃ" نے اپنی کتاب "کبریت احمر" مین تحریر فرمایا ہے کہ وہ اپنی ابتدا عمر مین روزانہ "مغ بازار" سے جو شہر سے تقریباً چار میل وکھن کی طرف مشہور گاؤن ہے اس مدرسہ مین پڑھنے کے لئے آتے تھے، یہ تقریباً ۱۱۲۰ھ کا واقعہ ہے، نیز حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میرے پاس "فتاویٰ خانیہ" کا ایک نسخہ موجود ہے، جسکو کسی طالبعلم نے ۱۱۳۲ھ مین اسی مدرسہ مین بیٹھکر نقل کیا تھا،

شائستہ خان کے نامکمل قلعہ سے کوئی دو فرلانگ پچھم ایک عظیم الشان مسجد ہے، جو خان محمد میردہ کی مسجد کہلاتی ہے، یہ عمارت دو منزلہ ہے، نیچے کے کمرے طلبا رکے لئے دار الاقامہ تھے، اور صحن مسجد کے شمالی جانب چارون طرف کھلے ہوئے وسیع اور ہوادار کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک موجود و مشہور ہین، مسجد مین حسب ذیل کتبہ منقوش ہے،

---

[1] جناب حکیم صاحب کا ممنون ہون کہ آپنے مدارس ڈہاکہ کی نقل کتبات بھیجکر میری مدد فرمائی ہے،

بعہد شاہ اہل ہمت و داد — کہ او بتقوا و شرع و دین داد
نسبے نساسے کہ باشد زیب اورنگ — خجے ماہیے کہ مہرش گشتہ معاد
دل صدق آشنائے حامی شرع — عباد اللہ قاضی کرد ارشاد
کہ از بہر عبادت خان محمد — کند مسجد بصدق خویش بنیاد
بفکر سال تاریخش چو رفتم — ندائے ہاتفی از غیب دررسید
سر کفر از بنائش رفت برباد — ز طاعت خانۂ اش تاریخ ایجاد

سنہ ۱۱۱۶ھ

اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے محمد اعظم کے نام پر ڈھاکہ میں ایک محلہ اعظم پورہ آباد ہے، اس محلہ کے بیرون میں ایک دومنزلہ مسجد ہے، اس مسجد کے بالائی حصہ میں شمالی جانب چند شاہت ہوادار اور وسیع کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک زبان زد عام ہیں، کتبہ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ تصوف وعلوم باطن کی مشق گاہ تھا، ممکن ہے کہ بعد کو علوم باطن کی جگہ علوم ظاہر نے لیلی ہو، اور اسی دن سے اُسکا نام مدرسہ مشہور ہوگیا ہو، کتبہ کی عبارت منظوم یہ ہے۔

عارف حق شناس فیض اللہ — ساخت مسجدے لوجہ الحق
باد بہر حصول عین یقین — عابدان را وسیلۂ اوثق
مسکن ذاکران صاحب شوق — مثل قصر بہشت پُر رونق
پے تاریخ آن عبادت گاہ — دردلم ریخت، معنی ابلق
انہ ما من کبیت اللہ — مسجد ... معمور الحق

سنہ ۱۱۶۰ھ

مرشد آباد

سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ علی وردی خان مرشد آبادی علوم وفنون کا شیدائی تھا، اُس لے

عظیم آباد سے متعدد علما، وفضلا کو مرشد آباد آنیکی دعوت دی اور انکے لیے گرانقدر وظائف مقرر کئے، جو علماء اسکی دعوت پر عظیم آباد سے مرشد آباد گئے، ان مین سے چند کے نام یہ ہین، میر محمد علی، حسین خان، علی ابراہیم خان اور حاجی محمد خان وغیرہ، ان لوگون مین اول الذکر ایک بہت بڑے کتبخانہ کے مالک تھے، جسمین دو ہزار مجلدات تھین،

مرشد آباد مین ایک عالیشان مدرسہ کٹرہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے، جسکی شاندار عمارت ابتک اپنے گذشتہ عہد عظمت کو یاد دلا رہی ہے، اس مدرسہ کا بانی جعفر خان تھا،

نرندرا ناتھ لا کی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے ایک مقام سیلاپور نامی مین اٹھارہوین صدی عیسوی کے آخر تک چند تعلیمی مقامات باقی رہ گئے تھے جنکو ہندوستان کے عہد ماضی کی علمی یادگار سمجھنا چاہیئے، ان مدرسون مین ہندو مسلمان دونون عربی اور فارسی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے تھے،

گو موجودہ زمانہ مین مسلمانان بنگال تعلیمی حیثیت سے کوئی اہمیت نہین رکھتے لیکن انکا عہد ماضی یقیناً اس حیثیت سے بہت شاندار ہے، مذکورہ بالا مدارس حکومت وامراء حکومت کے قائم کئے ہوئے تھے، لیکن وہان کے عام اشخاص و زمیندار بھی اپنے صوبہ کی تعلیمی ترقی مین بہت کچھ دلچسپی اور حصہ لیتے تھے، چنانچہ اسٹوارٹ اپنی تاریخ بنگال مین لکھتا ہے کہ بیر بھوم کے ایک بڑے زمیندار اسد اللہ نامی نے علوم وطلباء وعلماء کی خدمت واعانت کے لئے اپنی نصف جائداد وقف کردی

بوہار

علاقہ بردوان کے ایک گاؤن بوہار کے زمیندار اعظم منشی صدرالدین کی درخواست واصرار پر مولانا بحرالعلوم مرحوم وہان تشریف لیگئے[۲]، اور منشی صدرالدین نے خاص بوہار مین ایک مدرسہ مولانا ممدوح کے لئے قائم کیا، جسمین ایک عرصہ تک مولانا مشغول درس وتدریس رہے، غالباً یہ مدرسہ ۱۷۸۰ء کے

[۱] کتاب نرندرا ناتھ لا، ۲ء افغانستان اربعہ،

بعد قائم ہوا ہوگا، صحیح تاریخ بتا نہین معلوم ہو سکی، مولانا کی تنخواہ چار سو روپئے علاوہ سو شاگردون کا وظیفہ منشی صدر الدین نے مقرر کیا،

یہان مولانا کے مشہور شاگردون مین ایک شخص سید غلام مصطفیٰ بردوانی پیدا ہوئے جو کچھ دنون کے لئے ضلع اٹاوہ کے مفتی رہے، اور اسکے بعد اپنے حوالی وطن مین ضلع بیربھوم کے مفتی مقرر ہوئے یہ فارسی شاعری کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے،[۵] انکے دو شعر یہ ہین،

دی کہ حال قامتش جلوہ گر از نظر گذشت　　دل ز شکیب ماند ما نجان ز قرار در گذشت

عشق چہ آفت اور دہر گز از ان خبر نبود　　ہیچ مپرس سر گذشت برق بلا ز سر گذشت

(باقی)

الوالحسنات ندوی

۵ تذکرہ صبح گلشن

لی بان کا فلسفہ

از مولانا عبد السلام ندوی

ع بازگو از نجد و از یاران نجد۔

مدت کا بھولا ہوا کام آج پھر یاد آیا ہے، ناظرین از راہ عنایت آج سے ۷ نمبر پہلے کے

پرچے سلسلہ کے لئے اٹھالیں یعنی نمبر ۵ جلد سوم،

تعلیم نظام تمدن، نظام سیاست، نظام اخلاق، غرض نوع انسان کے تمام ممیزات و خصائص کا دار و مدار صرف تعلیم و تربیت پر ہے، لی بان کی تمام تصنیفات کا موضوع یہی چیزین ہین، اسلئے اُس نے موثرات نفس انسانی مین تعلیم کو نہایت اہم خیال کیا ہے، چنانچہ روح الاجتماع مین جہان تعلیم و تربیت پر بحث کی ہے، لکھتا ہے،

"اُس مین قوم کو جو تعلیم دیجاتی ہے، وہ ایک آئینہ ہے جسمین مستقبل کے عواقب و نتائج کا عکس نظر آتا ہے، اسی طرح جماعت کی روح بعض دوسری حیثیتون سے تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے بُرا یا بھلا اثر قبول کرتی ہے، اِسلئے ہمکو یہ جاننا ضروری ہے کہ مروج الوقت طریقۂ تعلیم و تربیت نے جماعت کی روح مین کس قسم کی استعداد پیدا کی ہے"

اس بنا پر اُس نے تعلیم و تربیت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جسکا نام "نفسیات تعلیم" ہے اور فرانس مین اسقدر مقبول ہوئی کہ ابتک اسکے اگیارہ ایڈیشن نکل چکے ہین، اس نے روح الاجتماع مین بھی تعلیم و تربیت پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، لیکن "سر تطور الامم" مین اُس نے تعلیم و تربیت پر کوئی مستقل فصل قائم نہین کی ہے، اُسکے متعلق ضمناً جو کچھ لکھ گیا ہے، وہ اسی روح الاجتماع کا

خلاصہ ہے، اسلئے ہم نے ریویو کے اس حصہ مین رُوح الاجتماع کے مباحث کو بھی شامل کرلیا ہے،

تعلیم کے متعلق اگرچہ مختلف حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہے لیکن اصولی مباحث حسب ذیل ہین،

(۱) ہر قوم، اور ہر فرقہ کا نظام تعلیم و طریقہ تربیت متحد ہونا چاہئیے یا مختلف؟

(۲) تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے کسی قوم کے نظام اخلاق، نظام سیاست، اور نظام تمدن مین انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہین؟

(۳) عام طور پر جو طریقہ تعلیم جاری ہے وہ قومی ترقی کے لئے مفید ہے یا مضر؟

(۴) اس وقت کس قوم کا طریقہ تعلیم بہتر اور قابل تقلید ہے؟

لیبان نے سر تطور الامم کے مقدمہ مین پہلے سوال کا جواب ان مختصر الفاظ مین دیا ہے،

"ابتک علم النفس جس حد تک پہنچ چکا ہے، اُس سے مختلف تجربون کے بعد یہ ثابت ہوا کہ نظام حکومت اور جو طریقہ تعلیم و تربیت چند افراد یا ایک قوم کے لئے مفید ہے وہ دوسرے افراد اور دوسری قوم کے لئے مضر ہے"

دوسرا سوال چونکہ "سر تطور الامم" کے موضوع سے خاص تعلق رکھتا ہے، اسلئے اُس نے اس کتاب مین جا بجا اُسکا جواب دیا ہے، لی بان کے نزدیک تعلیم و تربیت بلکہ دنیا کی کوئی چیز نظام اخلاق، نظام تمدن، اور نظام سیاست پر اثر نہین ڈال سکتی، یہ تمام چیزین ہر قوم کے مزاج عقلی کا مظہر بلکہ پرتو ہین، اور مزاج عقلی ایک موروثی چیز ہے، جسکو صرف وراثت ہی بدل سکتی ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

"مزاج عقلی کے اسی اختلاف کی بنا پر متمدن قومین اپنے تمدن و تہذیب کو غیر متمدن قومون مین منتقل نہین کر سکتین، جو لوگ دنیا مین صرف عقلی حکومت قائم کرنا چاہتے ہین، انکا خیال ہے کہ تعلیم اس مشکل کو حل کردیگی، تمام دنیا نے انکی رائے کو قبول کر لیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ مضر اور اس سے زیادہ بے اثر کوئی خیال نہین ہوسکتا، بے شبہہ ایک غیر متمدن آدمی اپنی فطری قوت حافظہ سے

یورپ کے تمام علوم و فنون پر حاوی ہو سکتا ہے، بے شبہہ ایک حبشی یا ایک جاپانی نہایت آسانی کے ساتھ بیرسٹری کی سند حاصل کر سکتا ہے، لیکن با این ہمہ آسپر ان علوم و فنون کا صرف سطحی رنگ پڑھ سکتا ہے، جس سے اسکا مزاج عقلی متاثر نہیں ہو سکتا، اسلئے یورپین دماغوں کے غور و فکر کا طریقہ، بالمخصوص یورپین اخلاق و عادات اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم بھی ان میں نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ وہ صرف وراثت ہی کے ذریعہ سے پیدا ہو سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک حبشی یا ایک جاپانی تمام ڈگریاں حاصل کرنیکے بعد بھی انسانی حیثیت سے ایک معمولی یورپین کی بھی ہمسری نہیں کر سکتا، وہ دس برس کی مدت میں اُن تمام علوم و فنون کو حاصل کر سکتا ہے جنکو ایک انگریز حاصل کر سکتا ہے لیکن وہ ہزار برس میں بھی عملی طور انگریز نہیں بن سکتا "

ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے :-

" یورپ نے اس تمدنی انقلاب میں تعلیم و تربیت اور نظام سیاست کے ذریعہ سے جو فائدہ اٹھانا چاہا ہے وہ بالکل ناکافی ہے، تمام تمدنی شاخوں کا مبدء اصلی قوم کا وہ مزاج عقلی ہوتا ہے جو مدتوں کے موروثی اثر سے پیدا ہو جاتا ہے، اور جب تک یہ مزاج نہ بدلجائے تمدنی شاخوں میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کیا جا سکتا، لیکن مزاج عقلی کو صرف زمانہ ہی بدل سکتا ہے، خود فاتح قومیں اس میں کوئی تغیر نہیں پیدا کر سکتیں، اس بنا پر جو لوگ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ان مراحل کو پھاندنا چاہتے ہیں وہ اس قوم کے نظام اخلاق کو پراگندہ اور اُسکے دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اور اسکو ایک ایسی سطح کی طرف لیجانا چاہتے ہیں جو پہلے سے بھی زیادہ پست ہے "

روح الاجتماع میں لکھتا ہے :-

" اس زمانہ میں عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ تعلیم اشخاص کے اندر ایک محسوس تغیر پیدا کر سکتی ہے، اور اسکا یقینی نتیجہ انکی اصلاح، بلکہ مساوات باہمی کی صورت میں ظاہر ہوگا،

بار بار کے اعادہ و تکرار سے یہ ایک نہایت مستحکم مذہب بنگیا ہے، اور جسطرح قدیم زمانہ مین کلیسا کے اقتدار کو ٹھیس لگانا مشکل تھا، اُسی طرح آج اس مذہب سے تعرض کرنا دشوار ہے۔

لیکن یہ خیال علم النفس اور تجربہ دونون کے مخالف ہے بہت سے اکابر فلسفہ خصوصاً ہربرٹ اسپنسر نے ثابت کردیا ہے کہ تعلیم نہ نوع انسان کی تہذیب و سعادت مین کوئی اضافہ کرسکتی، نہ اسکی موروثی فطرت اور جذبات کو بدل سکتی۔

بلکہ اگر طریقۂ تعلیم مین یہ خرابیان ہین تو وہ نہایت خطرناک نتائج پیدا کرسکتی ہے، چنانچہ اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ،

"تعلیم کی اشاعت سے جرائم کے میلان مین بہت کچھ ترقی ہوئی ہے، یا کم از کم تعلیم کے ایک مخصوص طریقہ نے اُسکو ترقی دی ہے، سوسائٹی کے سب سے بڑے دشمن انارکسٹ اسی گروہ مین پیدا ہوتے ہین، جس نے مدارس مین ڈگریان حاصل کی ہین، ایک مشہور جج کہتا ہے کہ "چار ہزار مجرمون مین تین ہزار تعلیم یافتہ، اور صرف ایک ہزار ناخواندہ لوگ ہوتے ہین"۔ آج سے پچاس سال پیشتر جرائم کی تعداد فی لاکھ نفر ۲۲۷ تھی، اور اب ترقی کرکے ۵۵۲ ہوگئی ہے، یعنی نیصدی ۱۳۳ کا اضافہ ہوگیا ہے، دوسرے ججون کی راے ہے کہ "زیادہ تر جرائم کی نشو و نما ان نوجوانون مین ہوئی ہے جنھون نے اپنے پیشہ کی تعلیم چھوڑکر جبری تعلیم حاصل کرنا شروع کی ہے"۔

لیکن با این ہمہ اُسکے نزدیک تعلیم بالکل بے اثر چیز بھی نہین، وہ اگرچہ نظام اخلاق پر کوئی مفید اثر نہین ڈالتی، تاہم انسان کو متعدد عملی قابلیتون کا مظہر بناسکتی ہے، اس لحاظ سے تعلیم و تربیت کے حسن و قبح، عیب و ہنر اور نفع و ضرر کا معیار صرف یہ ہے کہ "اس نے انسان کی قابلیت مین کسقدر اضافہ کیا" یہی معیار ہے جو تیسرے سوال کا خلاصہ ہے، اور لیبان نے نہایت تفصیل کے ساتھ اسکا جواب دیا ہے، اس جواب مین اگرچہ اس نے صرف فیٹرن نظام تعلیم کو پیش نظر رکھا ہے، تاہم انگلستان اور جرمنی کے

سوا یہی نظام تعلیم ہر جگہ قائم ہے، اسلئے وہ ہر ملک اور ہر قوم کی تعلیمی حالت پر منطبق ہوسکتا ہی خوش قسمتی سے یہان کو یہٹن طریقۂ تعلیم وتربیت پر بحث کرنیکے لئے نہایت مستند مواد اور کافی ذخیرہ ہاتھ آیا ہے، فرانس مین مشہور سائیکالوجسٹ پروفیسر ربیو کی زیر صدارت ایک کمیشن تعلیمی تحقیقات کے لئے بیٹھا تھا، جس نے اپنی رپورٹ چھ جلدون مین شایع کی ہے، اس قابل اعتماد رپورٹ کی بنا پر لیبان نے فرنچ طریقۂ تعلیم کی نسبت حسب ذیل راے قائم کی ہے،

(۱) فرنچ طریقۂ تعلیم انگریزی وجرمن طریقۂ تعلیم سے کم رتبہ ہے، وہان کی یونیورسٹیان علم مین اضافہ کرتی ہین، بخلاف اسکے پیرس یونیورسٹی فرانس کے زوال وانحطاط مین معین ہو رہی ہے،

(۲) یہان کا نصاب تعلیم ضخامت کے لحاظ سے بہت بڑا ہے،

(۳) نصاب تعلیم مین کتابون کا انتخاب نہایت لغو اصول پر کیا جاتا ہے،

(۴) پروفیسر عموماً وہ لوگ مقرر کئے جاتے ہین جو کتاب کے کیڑے ہوتے ہین، مگر خاص اس فن کے بہتر معلم نہین ہوتے،

(۵) ہر درجہ مین طلبار کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک استاد اُنکی نگرانی نہین کرسکتا،

(۶) تعلیم محض کتابی ہوتی ہے،

(۷) دماغی تعلیم وتربیت پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ جسمانی نشوونما ناممکن ہوجاتی ہے،

(۸) امتحان وانعام کے طریقے کچھ اچھے محرک نہین، انسے طلبا مین غرور وخودپسندی پیدا ہوتی ہے،

(۹) لیٹن، اور یونانی وغیرہ قدیم زبانون پر زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے جو محض بیکار ہے۔

(۱۰) امتحانون مین صرف کتابی معلومات کی جانچ ہوتی ہے، طلبہ کی اصل استعداد وقابلیت کا کوئی اندازہ نہین ہوتا،

سر تطور الامم" مین جہان لیبان قومون کے زوال وانحطاط پر بحث کی ہے، اجمالاً اسی خیال کا اعادہ

کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے :-

"اس حالت کا بدلنا سخت مشکل ہے، کیونکہ سب سے پہلے ہمکو اس افسوسناک لیٹن طریقہ تربیت کو بدلنا پڑیگا، جو ہمکو قوت استنباط اور ہمت سے (اگر ہم میں درانحالیکہ یہ جوہر موجود ہین) معرا کرکے ہمارے ملکۂ استقلال عقلی کو بالکل فنا کر دیتا ہے، کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوانون کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امتحانات مین گوئے سبقت لیجائین، اور یہ ایک ایسا بدترین مقصد ہے جسمین صرف قوت حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے، اور اسیکا یہ نتیجہ ہے کہ تمام قومی کامون کو صرف وہ لوگ انجام دیتے ہین جنمین تقلید کے سوا اور کوئی قابلیت نہین ہوتی، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ان کامون کو بہت کم ہاتھ لگاتے ہین جنمین ذاتی ہمت اور بیباکانہ جرأت کی ضرورت ہے،"

لیکن روح الاجتماع مین اس طریقہ تعلیم کے خطرناک نتائج پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اسکی اصلاح کا طریقہ بتایا ہے، اور متعدد ماہران تعلیم کی رائے سے اسکی تائید کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

" اس طریقہ تربیت سے لوگون کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب کا ازبر کرلینا، ذہانت کو ترقی دیتا ہے، اسلئے ابتدا سے لیکر انتہا تک کے طلبا کے لئے انھون نے اسکو بقدر استطاعت لازمی کردیا ہے، حالانکہ اس سے نہ قوائے عقلیہ کو نشو و نما حاصل ہوتی ہے، نہ عملی ملکہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ طالب العلم کی نگاہ مین اس تعلیم کا مقصد رٹ لینے کے سوا کچھ نہین ہوتا، موسیو ژول سیمان قدیم وزیر تعلیم فرماتے ہین کہ "اس طریقہ تعلیم مین طالب العلم کی کل کوششون کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد کرے کہ معلم ہر قسم کی غلطی سے محفوظ ہے جو سراسر ہماری کمزوری ہے،"

صرف یہی نہین کہ یہ طریقہ تعلیم غیر مفید ہے بلکہ اسکا سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ وہ طالب العلم کے تمام قوائے فطریہ کو افسردہ کردیتا ہے، اسلئے ایک کاریگر، کاریگر بننا پسند نہین کرتا، کاشتکار، زراعت کی طرف مائل نہین ہوتا، ان کامون کو چھوڑکر طبقۂ وسطی کے لئے صرف ایک علمی

میدان باقی رہجاتا ہے، یعنی سلطنت کے قصر وایوان"

حکومت کی یہی دریوزہ گری بعض اوقات شورش اور بغاوت کی صورت اختیار کرلیتی ہی کیونکہ

" جو حکومت اس جماعت کو تیار کرتی ہے وہ صرف چند کو ملازمت دیسکتی ہے، اور باقی لوگ بیکار رہجاتے ہین، یہی وہ لوگ ہین جو ہر قسم کی شورش اور بغاوت کے لئے تیار رہتے ہین، کیونکہ انسان جب اپنے علوم ومعارف کے لئے کوئی محل استعمال نہ پائیگا تولامحالہ اپنی ہی قوم سے بغاوت کریگا"

لی بان کے نزدیک اس نظام تعلیم کے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کی تمام کتابین درس سے خارج کردیجائین، امتحان کا یہ دماغ پاش طریقہ موقوف کردیا جائے، اور طلبا کو صرف عملی تعلیم دیجائے، کیونکہ جیساکہ موسیو ڈٹا بین نے لکھا ہے،

" خیالات صرف اپنے معمولی سولطبعی ہی مین پیدا ہوتے ہین، اور اُنکے بیج کو صرف وہ مختلف ومتعدد موثرات نشو ونما دیتے ہین، جو رسے ایک نوخیز طالبعلم کارخانون مین، کانون مین محکمون مین، اسپتالون مین، آلات وادوات کو دیکھکر اُن سے کام لیکر خریدارون اور مزدورون کے مجمع مین رہکر اور ان بری، بھلی، سستی، مہنگی چیزون کو بناکر روزمتاثر ہوتا ہے، یہی چھوٹے چھوٹے ذرّے جنکو آنکھ، کان، ناک اور ہاتھ بلاقصد چن لیتے ہین، جب نوجوان طالبعلم کے دل مین جمع ہوجاتے ہین، اور اُن کا خمیر پختہ ہوجاتا ہے، تو وہ اُسکو مفردات کی ترکیب اور مرکبات کی تحلیل کی طرف رہنمائی کرتے ہین، اور اقتصاد واختراع کا طریقہ سکھاتے ہین"؛

لیکن فرانس کی خاک ان ذرون کی ذرہ نوازیون سے بالکل محروم ہے، یہ طریقۂ تعلیم صرف انگلستان اور امریکہ مین جاری ہے، اسلئے وہان تاجر پیدا ہوتے ہین، صناع پیدا ہوتے ہین، سپہ سالار پیدا ہوتے ہین، غرض وہ تمام لوگ پیدا ہوتے ہین جو دنیا مین کامیاب زندگی بسر کرسکتے ہین، انگلستان چھپا ہی کی

دنیا کی کل صرف نظام اخلاق کی بل پر چلتی ہے، اسلئے وہ اُسی کے پرزون کو مستحکم کرتا ہے، اور دماغ کو بہت زیادہ طاقتور نہین بناتا، کیونکہ اسکا میدان نہایت تنگ ہے، اور اپنے جوہر صرف تصنیف وتالیف کے تاریک حجرے اور مطالعہ کی میز ہی پر دکہا سکتا ہے، چنانچہ ایک بار گیزو نے انگریزی مدارس کا معائنہ کیا تو اُس سے بعض پروفسرون نے کہا،

"مین طلبا کے روح کے اندر لوہا پگہلا کے ڈالنا چاہتا ہون"

لیبان پر اس جملے کا اسقدر اثر ہے کہ وہ نہایت حسرت سے پوچھتا ہے کہ

"کیا لیٹن قومون مین بھی ایسے پروفسر اور ایسا نظام تعلیم موجود ہے جو ایسا اعلیٰ خیال پیدا کر سکتا ہے"؟

کیونکہ اُسکو فرینچ مدارس کے در ودیوار کچھ جواب نہین دیتے، تاہم یہ خاموشی بھی ہمارے چوتھے سوال کا جواب ہے، کیونکہ ایسے موقع پر جہان فرانس کی مشہور "آریٹری" خاموش ہے، وہان ہندوستان کی زبان گنگ کیا بول سکتی ہے، اُسکے لئے صرف یہی فخر کافی ہے، کہ وہ اس سلطنت کی آغوشِ تربیت مین پل رہا ہے، جسکا نظام تعلیم تمام دنیا سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمام دنیا کے نظام تعلیم کو بہتر بنانا نہین چاہتی،
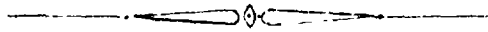
کلدانی تمدن

از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

مصر کے بعد کلدان کا درجہ ہے، اور یہ ان مختلف قومون کے مجموعہ کا نام ہے، جنکی آبادی دجلہ و فرات کی وادیون کے درمیان تھی،

الٰہیات: اشوریون کا خدائے اعظم اسور تھا، اسکے بعد چند او معبود تھے، جو دو صفون مین مرتب کئے جاتے تھے، پہلی صف مین چھ دیوتا تھے جنمین نصف مذکر اور نصف مونث تھے، انکے نام یہ ہین انو بیل، حیا (یہ دیوتا تھے) آننہ (بلوتون) بلت (مشتری) ملتہ (پنچون) (یہ دیویان ہتین) دوسری صف مین تین دیوتا تھے، جنکے نام یہ ہین، سین (قمر) شاماش (شمس) ایقا (ہوا) ان دوصفون کے بعد تیسری صف مین پانچ ستارے تھے جنکو یہ لوگ معبود کہتے تھے، انکے نام یہ ہین ثنیث (زحل) مردواخ (مشتری) نرغال (مریخ) ایشتار (زہرہ) نیبو (عطارد) انکے علاوہ چند اور دیوتا بھی تھے، مثلاً نسروخ (اسکا سر گدھ کا سا اور دو پر بناتے تھے) یین (اسکو انسان بناتے تھے لیکن اسکی پیٹھ مچھلی کی رکھتے تھے) وغیرہ[۳]

اسور جو بابل مین ایلو کہلاتا تھا، تین دیوتاؤن کا مصدر سمجھا جاتا تھا، چنانچہ انو، بیل (بعل) حیا، (نواح) جو بالترتیب رب الظلمۃ، ملک الارواح، اور عالم کے نام ہین، اسی سے مشتق ہین،[۳]

خیانت، کذب، خون ریزی، اور ظلم و ستم اس مذہب کے ضروری ارکان تھے، چنانچہ یہ لوگ

---

[۱] یہ صحیح نہین بلکہ مردواخ، مریخ کو کہتے ہین، دیکھو آدا ب اللغۃ العربیہ صفحہ ۱۰۲ جلد ۱، [۲] نجم الفرقان صفحہ ۲۰۷ جلد ۹

[۳] تاریخ الحضارۃ صفحہ ۲۹ جلد ۱،

جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے، تو لوٹ مار کرتے، شہرون مین آگ لگاتے، قیدیون کو ذبح کرتے اور انکی کھال کھینچتے، اور ان اعمال پر فخر کرتے تھے، چنانچہ اشوری بادشاہون کے جو کتبے دستیاب ہوئے ہین ان مین ان باتون کا نہایت فخارانہ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اسورنا زیرہابال کہتا ہے،

"مین نے بڑے شہر کے پھاٹک کے سامنے ایک دیوار بنائی ہے، اور روساے بغاوت کی کھال کھینچکر اُسکو منڈھا ہے، بعضون کو دیوار کی جڑ مین زندہ گاڑا ہے، بعضون کو دیوار پر لٹکا کر سولی دی ہے ستون کی اپنے سامنے کھال کھنچوائی ہے، اور اُسکا دیوار کا غلاف پہنایا ہے، اور انکے سرون اور جسمون کو تاج واکلیل کی صورت مین چنوا دیا ہے"

توکلا بالا زار کہتا ہے،

"مین نے بادشاہ کو اُسکے تخت گاہ مین قید کر دیا ہے، پھاٹکون کے سامنے جسمون کا ایک انبار لگایا ہے، تمام شہر برباد کر کے آگ کی نذر کئے ہین، اور اب ایسے ویران ہو گئے ہین کہ وہان اُلّو بولتا ہے"[1]

اشوریون مین نکاح کا طریقہ ہیرودوٹس کے قول کے مطابق یہ تھا کہ سال مین ایک مرتبہ لڑکیان جمع کیجاتی تھین، اور حسین لڑکیون کو فروخت کر کے انکی قیمت بدصورت لڑکیون کے سامان مین لگا دی جاتی تھی، ہیرودوٹس کے نزدیک یہ قانون تمام قوانین سے زیادہ مستحکم تھا،[2]

انہین مذہبی رسوم کی بنا پر علامہ فرید وجدی نے لکھا ہے کہ اشوریون کا مذہب مصریون سے کم رتبہ تھا، کیونکہ ان سے ایسی وحشیانہ حرکتین سرزد ہوئی تھین جو انکے دامن تمدن پر نہایت بدنما داغ تھین۔[3] البتہ حمورابی نے جو حضرت مسیح سے ۲۳۰۰ برس پہلے گذرا ہے، قدیم مذہب کی اصلاح کی اور ایک مکمل شریعت جو ۲۸۲ دفعات پر مشتمل تھی، چند پتھرون پر نقش کرائی، یہ کتاب صحائف قانونی مین سب سے پہلا صحیفہ ہے، اور اسمین نکاح، طلاق، تبنّی، وراثت وغیرہ کے قوانین ہین، اور ہر باب الگ

[1] تاریخ الحضارۃ صفحہ ۲۶ و ۲۷ جلد ۱، [2] ایضاً صفحہ ۲۹، [3] کنز العلوم صفحہ ۶۸،

رہن اور امانت کے متعلق اسمین جو شرائط مذکور ہین، انصاف یہ ہے کہ خود یورپ کی متمدن قومون مین بھی اس سے زیادہ نہین ہے[1]۔

فلکیات کلدان کے علم الفلک کی اگرچہ مسلمانون کو بہت کم اطلاع حاصل ہوئی تھی، اور جیسا کہ ابن صاعد نے طبقات الامم مین تصریح کی ہے کہ انکو کلدانیون کی صرف وہ تحقیقات معلوم ہین جنکا بطلیموس نے مجسطی مین ذکر کیا ہے، تاہم موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ کلدانی علم الفلک مصری علم الفلک سے بہت اعلیٰ تھا، اور تمام قومون مین منازل نجوم جاننے کے جو طریقے رائج تھے وہ سب اسی بابلی طریقہ سے ماخوذ تھے[2]،

بابلی کسوف (سورج گہن) کے صحیح اسباب بیان کرتے، اور خسوف (چاند گہن) کا ٹھیک حساب لگاتے تھے، چنانچہ انھون نے اس ضمن مین جو حساب لگایا ہے وہ موجودہ تحقیقات کے بہت قریب ہی[3]۔ منطقة البروج، ہفتہ کے سات دن، سال کے بارہ ماہ، دن کی ۲۴ گھنٹے، گھنٹہ کی ۶۰ منٹ، اور منٹ کی ۶۰ سکنڈ پر سب سے پہلے یہین تقسیم ہوئی تھی، کسی چیز کے طول کو دیکھکر پیمائش یا وزن کا اندازہ لگانا بھی یہین کا اختراع ہے[4]،

یہ لوگ آسمان کے تلے اوپر سات طبقے مانتے تھے، اور انکو تپقات (Tupqati) کہتے تھے، جس سے عربی اصطلاح طبقات بنی ہے، ہر طبقہ مین کواکب متحیرۂ خمسہ اور آفتاب یا ماہتاب مین سے ایک کو تسلیم کرتے تھے، اور اسکو اس طبقہ کا رب مانتے تھے، یہی خیال، یونان، سریان، اور عرب پہنچا، اور لوگون نے اسکے مطابق آسمان اور ستارون کی تقسیم کی، یہانتک کہ عربی مین فلک کا لفظ بھی کلدان ہی سے آیا جو آسمان کو (Pulukku) کہتے تھے[5]،

---

[1] العرب قبل الاسلام جلد ۱ ذکر دودمنہ حمورابی، [2] علم الفلک صفحہ ۱۲۱، [3] منجم العمران صفحہ ۲۸۶ جلد ۹، [4] تاریخ الحضا[...] صفحہ ۱۳۱، [5] علم الفلک صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶۔

ستارون کے طلوع وغروب سے آیندہ ہونے والے موسمی واقعات کے معلوم کرنیکا (جسکو یونانی مین اپاسیمہ یا اور عربی مین نوء کہتے ہین) یہان ایک خاص طریقہ تھا[1]، جس سے کلدانی کاہن آسمان اور سیارون کو دیکھکر اول وہلہ مین حالات معلوم کر لیتے تھے،

چونکہ یہ لوگ ستارون کو دیوتا مانتے تھے اور انکو انسان کی زندگی مین موثر سمجھتے تھے، اسلئے انکا خیال تھا کہ تمام آدمی کسی نہ کسی ستارہ کے طالع مین پیدا ہوتے ہین[2]،

عمرانیات | کلدانی تمدن، مصری تمدن کا معاصر ہے، چنانچہ یہ لوگ اپنے حریفون کی طرح، عمارت، تصویر، نقش، اور سنگتراشی جانتے تھے، ہاتھی دانت کی چیزین بناتے، شیشے اور بیٹین تیار کرتے کپڑے بنتے، اور ان پر کام بناتے تھے، تصویر کے فن مین نہایت ماہر تھے، اور حیوانات کی تصویر اسقدر عمدہ بناتے تھے کہ یونانی انکی تقلید کرتے تھے[3]،

فن تعمیر مین انکی چند عمارتین یادگار ہین جنمین فرات کا پل، محلات شاہی اور معلق باغات انکی صنعتگری کے وہ حیرت انگیز نتائج ہین جنکو لوگون نے عجائبات مین داخل کر لیا ہے، یہ باغ ستونون پر چھت قائم کرکے لگائے گئے ہین اور تلے اوپر قبون کی چند قطارین بنائی گئی ہین[4]،

بخت نصر کی عمارات مین بابل کا مینار نامشہور ہے، اور وہ اسکے متعلق ایک کتبہ مین لکھتا ہے،

"مین نے بورسیبا (نواح بابل) کے عجائب کی تجدید کی جسے تمام لوگ دیکھکر تعجب کرین، یہ دنیا مین سبعہ سیارہ کا معبد ہے، اسکو مین نے اسی طرح بنوایا ہے جیسے وہ پہلے بنا ہوا تھا"

یہ معبد بالکل مربع بنا ہوا ہے، اسمین نیچے اوپر سات برج ہین، اور ہر ایک کسی خاص سیارہ کے نام پر بنایا گیا ہے، اور اسپر اس سیارہ کا رنگ بھی دیا گیا ہے، چنانچہ اسکے رنگون کو اگر نیچے کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو ترتیب ذیل نظر آوینگے، زحل کا سیاہ، زہرہ کا سفید، مشتری کا ارغوانی، عطارد کا زرد،

---

[1] خلا صفحہ ۲۰، [2] تاریخ الحضارة صفحہ ۳۰ [3] ایضاً صفحہ ۳۱ و ۳۲، [4] ایضاً صفحہ ۲۸،

مریخ کا قرمزی، چاند کا روپہلا، آفتاب کا سنہرا، (تاریخ الحضارۃ صفحہ ۲۸)

قصر خرسا باد جسکو ۱۸۴۲ء مین موسیو بوتہا قنصل فرانس نے موصل مین دریافت کیا تھا، شاہ سراغون کا بنوایا ہوا ہے، اور اسکے دروازہ پر پتھر کے بیل بنے ہوئے ہین، (صفحہ ۲۳)

کلدانیون کے زمانہ مین بابل کو جو وسعت حاصل ہوئی اسکا اندازہ ہیرودوٹس کے بیان سے ہوسکتا ہے، اس نے ۴۶۰ ق م مین اس شہر کو دیکھا تھا، اسوقت اسکا رقبہ ۵۱۳ کیلومیٹر مربع تھا، جو پیرس سے سات گنا زیادہ ہے، (صفحہ ۲۷)

کلدانی کاشتکاری اور تجارت کرتے تھے، اور حمورابی کے زمانہ سے تجارت نے قانونی شکل اختیار کر لی تھی، چنانچہ اسی زمانہ سے چک اور معاہدہ کا رواج ہوا، حکومت کی طرف سے چیزون کا بہاؤ مقرر کیا گیا، مزدوری کا نرخ اور طبیبون کی فیس متعین کیگئی، ڈاک کا انتظام ہوا اور سب سے بڑھکر یہ کہ صنف نازک کو دفتر اور سرکاری محکمون مین جگہ دیگئی، (العرب قبل الاسلام صفحہ ۴۷ و ۴۸)

علوم و فنون | طب، نجوم، ہندسہ، سحر اور طلسمات مین کلدانی بہت مشہور تھے، اور انکے ہان ان علوم کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی تھی، چنانچہ نریبارا کے آثار مین ایک قدیم مدرسہ نکلا ہے جو تعلیم اطفال کے لئے مخصوص تھا، اسمین اینٹون پر لڑکون کے سبق لکھے ہوئے ہین، اور موجودہ تحقیقات کی رو سے وہ دنیا کا سب سے قدیم مدرسہ ہے، (العرب صفحہ ۴۸)

کلدانیون کے خط کا نام خط مسماری ہے، جو قدیم فارسی خط کے علاوہ اشوری، سوسی ہیدی کلدانی اور ارمنی کتابت مین استعمال ہوتا تھا اور اسقدر مشتبہ تھا کہ نہایت دقت سے پڑھا جاتا، کیونکہ اسمین الفاظ کے بجائے نشانات ہوتے ہین، جن سے بسا اوقات چند الفاظ مراد ہوتے ہین، (تاریخ الحضارۃ صفحہ ۲۴)

کلدانیون کی تحریرین کچی اینٹون پر کہود کر بعد مین پکائی جاتی تہین، چنانچہ موجودہ زمانہ مین اس قسم کی اینٹون کی ایک بڑی تعداد برآمد ہوئی ہے جنمین نصف کے قریب نحو اور لغت کی کتابین ہین،

ایجاد | کلدانیون کو دہوپ گھڑی کی ایجاد کا شرف حاصل ہے، (نجم العمران صفحہ ۲۸۶ جلد ۱)

مقالات

محمد تغلق کا طرز حکومت

از پروفیسر گارڈنر براؤن

(۱)

تاریخ ہند[1] اور بالخصوص قرون وسطیٰ کی تاریخ ہند کا مواد آج جس صورت مین موجود ہے، اسکے مطالعہ کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ جو واقعات و روایات سب سے زیادہ مشہور و متعارف ہین، انکی بنیاد سب سے زیادہ کمزور ہے، اُسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس تاریخ کا ماخذ تقریبًا تمتر مسلمانون ہی کی تاریخین ہین، ان کتب تاریخ کی دلکشی مین کلام نہین، لیکن ان مین جو واقعات مندرج ہین، وہ یکطرفہ بیانات سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، جنمین یا تو تلخ و ناگوار واقعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، یا کم از کم اُن لوگون کو بدنام کرنے کی کوشش کیگئی ہے، جو تاریخ نگار کے مربیون یا اُسکی پارٹی کے مخالف[2] تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جن اشخاص نے ابتداءً اس تاریخ کو مغربی زاویۂ نگاہ سے مرتب کیا، گو بالعموم انکی قابلیت مین شک نہین، تاہم اُن مین سے اکثر ایسے تھے جو مورخانہ تنقید و تحقیق کے اصول سے بیخبر، اور اس امر سے بیگانہ تھے کہ کسی واقعہ کے متعلق کسی خاص مصنف کی شہادت، کس درجہ کی اور کس حد تک قابل وثوق ہو سکتی ہے، ان حالات کے لحاظ سے ... مورخون کے نتائج پر زمانہ حال کے زیادہ سائنٹفک اصول اور متاخرین کی جدید

---

[1] ... ماخذ حسب ذیل مین:-

(۱) ... برنی، تاریخ فیروز شاہی، (۲) ابن بطوطہ، (۳) مسالک الابصار، (۴) شمس عفیف کی تاریخ فیروز شاہی

(۵) ... طبقات اکبری، (۶) عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ، (۷) قاسم فرشتہ،

تحقیقات کی روشنی میں وقتاً فوقتاً تبصرہ ہوتا رہے، اس طریقہ پر عمل کرنے سے بعض اوقات یہ نظر آجاتا ہے کہ مختلف افراد کو شیطان یا فرشتہ قرار دیدینے میں پہلوں نے عجلت سے کام لیا ہے،

اس کلیہ کی ایک مثال اس بین فرق میں نظر آتی ہے جو محمد تغلق اور اسکے جانشین فیروز شاہ کے متعلق تمام مورخوں نے قائم کیا ہے، فیروز شاہ ایک عیش کوش، کاہل، متعصب و تشدد پسند حاکم تھا، تاہم مورخین اسے بہترین فرمانروا قرار دیتے ہیں، بخلاف اسکے محمد تغلق محتاط و پاکباز، متقی، بردبار، اور اپنی رعایا کا خیرخواہ تھا، باایں ہمہ مورخین اسکی منقصت و عیب گیری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، فیروز شاہ وہ شخص ہے جو ایک معمر و معتمد وزیر کو محض اس جرم میں قتل کروا دیتا ہے کہ اس نے اپنے آقا کی نسل کے لئے تخت ایسے وقت پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی جبکہ اسکے علم کے مطابق خود فیروز شاہ کی وفات ہو چکی تھی، برایں ہمہ مورخین کی عدالت گاہ میں فیروز شاہ رفق و ملاطفت کا مجسمہ ہے، اسکے مقابلہ میں محمد تغلق وہ شخص ہے جو اپنی جان و تاج کے خلاف بغاوت کے سرغنہ کو نہ صرف معافی دیدیتا ہے، بلکہ اسے پھر اسکے منصب سابق پر بھی بحال کر دیتا ہے لیکن اسکی نسبت ہمیں "سفاک" کا لقب ہے، فیروز شاہ نے اپنی یادگار قائم کرنیکی ہوس میں ایسے موقع پر ایک شہر آباد کرنا چاہا، جہاں پانی کا قحط تھا، اس امید پر کہ مسلمانوں کے نفع کے لئے جو شہر تعمیر ہوگا وہاں خدا خود پانی کا سامان کر دیگا، محمد بن تغلق نے اس حقیقت کو ملحوظ رکھکر کہ خدا انہیں کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی [مدد] کرتے ہیں، قحط کے زمانہ میں کاشتکاروں کو کنوئیں کھودنے کی انتہائی ترغیب دی، اور جب انہیں کامیابی نہ ہوئی تو انہیں دوسرے مقامات میں منتقل ہونے میں کافی مدد دی، تاہم تاریخ کا فتویٰ یہ ہے کہ فیروز شاہ نہیں بلکہ محمد بن تغلق سودائی تھا،

فیروز شاہ کی نیکنامی و مقبولیت کا راز بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، تیمور کے حملہ نے جو تباہی کر دی تھی، اُسکا بالکل قدرتی اقتضا یہ تھا کہ اس سے قبل کے آخری مشہور سلطان دہلی کا دور حکومت خیر مترقبہ سمجھا جانے لگے، ایسی حالت میں یہ کسکو یاد رہ سکتا تھا کہ فیروز شاہ کے آخری ایام میں اجڑ[illegible]

کسقدر ضعیف ہوکر پراگندہ و منتشر ہو رہے تھے، لوگون کو تو صرف یہ یاد تھا کہ اس نے بہت سے محاصل معاف کردیئے تھے، انکو اس سے کیا بحث کہ اسکا اثر شاہی خزانہ عامرہ کی ابتری پر کیا پڑا، سب کے سب فتوحات فیروز شاہی کے خود نوشت مناقب پر ایمان بالغیب لے آئے،

لیکن محمد بن تغلق کی سیرت کا صحیح اندازہ کرنا بہ اول نظر دشوار معلوم ہوتا ہے، جنوبی ہند مین جو ضرب المثل مشہور ہے کہ تغلقون کے ملک مین ہرگز نہ رہو" اس سے صاف اسکے مخالفون کی تائید ہوتی ہے، معاصرانہ شہادتین علی العموم اسکی بیحد مخالف ہین، اور یورپین کی بھی تاریخون سے لیکر تاریخ کے مستند و ضخیم مجموعت تمام جملہ کتب تاریخ اسکو ایسا ناقص فرمانروا بتاتی ہین، جسکی نکتہ چینی کے لئے الفاظ کافی نہین ہو سکتے، نمونے کے طور پر ایک صاحب کا بیان ملاحظہ ہو، فرماتے ہین :-

"محمد بن تغلق ذاتی طور پر بہت قابل شخص تھا، لیکن حکمرانی کا بالکل نا اہل ثابت ہوا، اسکا عہد حکومت بہت سی فضول خرچیون اور دیوانہ وار منصوبون کے لئے ممتاز ہے، مثلاً یہ تجویزین کہ ناقص سکہ کو رواج دیا جائے، یا یہ کہ پایہ تخت بجائے دہلی کے دولت آباد کو بنایا جائے، یا یہ کہ چین و ایران کو فتح کیا جائے، بے ہنگام تعاقب اور بیرحمانہ محصول گیری بغاوتون کی باعث ہوئی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد صوبے ہاتھ سے نکل گئے اور دہلی کی شہنشاہی جسکی بنیادین اسکے ظلم و ستم نے ہلادی تھین، محض اسکے ابن عم و جانشین فیروز شاہ کی ہمت کے باعث مزید نصف صدی تک قائم رہ سکی"

ہم دیکھتے ہین کہ اس یکطرفہ تصویر سے ایک بھی مرتب تاریخ خالی نہین، یہانتک کہ محتاط و فہمیدہ الفنسٹن کے مثل کوئی اور تو اسپر بھی غور نہین کرتا، کہ معاملہ فہمی و تجربہ کاری کے ساتھ اس حماقت کا اجتماع ممکن نہین، تجربہ اکثر ہوتا رہا ہے کہ ایک شخص جو علمی یا دیگر حیثیات سے بلا کا ذہین ہے، لیکن انتظامات مین ناکارہ ثابت ہوا ہے، چنانچہ جیمس اول جو علم و فضل کے لحاظ سے دنیائے مسیحیت مین اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، یا لوئی شانزدہم جو گھڑی سازی مین یکتائے روزگار تھا، لیکن یہ دونون شخص خود اپنی ذات

اور اپنے جانشینون کے حق مین بلاے مبرم ثابت ہوے، لیکن محمد تغلق کے لئے یہی نہین کہا جاسکتا کہ وہ کوئی ماہر فن دستکار یا کتاب کا کیڑا تھا، جب تخت پر بٹھا دیا گیا تھا، وہ تخت نشینی سے پیشتر بہ حیثیت ایک سپاہی کے کافی ناموری پیدا کرچکا تھا، اور یہی معلوم ہے کہ اسوقت مشرق مین چھبیس ۲۶ برس تک کسی احمق کی حکمرانی کی برداشت نہین کیجاسکتی تھی، اسکے معاصرین نے اسکی بابت جو راے قائم کی تھی اسکے متعلق کوئی شک وشبہ نہین ہوسکتا، ذیل مین ہم اسکی تصویر کو جو اسکے تین معاصرون نے اپنے صفحات مین کھینچی ہے، صرف فیاضی وتشدد کے دو نمایان خط وخال کے حذف کر دینے کے بعد درج کرتے ہین،

"سلطان حسن صورت مین ممتاز تھا، اور ورزش جسمانی کی تمام صورتون مین طاق تھا، اسکی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی، خصوصاً خوشنویسی، فارسی ادب، وطب مین (کہ یہی تینون فن اس زمانہ مین متداول تھے) وہ خطاطی، و انشاپردازی مین ید طولیٰ رکھتا تھا، جسکا ثبوت اسکی برجستہ تقریرون سے نیز ان سرکاری مسودات سے ملتا تھا، جنہین وہ خود املا کرتا تھا، وہ قوی الحافظہ، دقیق النظر تھا، اور خوش اخلاق و بذلہ سنج، وہ پاکباز اور شراب نوشی سے محترز تھا، اپنے اعزہ سے محبت رکھتا تھا، اور اپنے قدیم آقا قطب الدین کے خاندان کے ساتھ وفاشعار رہتا، اس نے لوگون سے احکام اسلام کی تعمیل کرائی، وہ بذات خود بھی راسخ الاعتقاد وخدا ترس تھا، گو بعضون کے نزدیک وہ علمی مجالس مین جنہین وہ بقصد اشتیاق منعقد کراتا تھا، حکما و فلاسفہ کے خیال سے بہت زیادہ متاثر ہوتا تھا، وہ نہایت فیاض تھا، اور ہندوستان کے ان چند سلاطین مین تھا، جنھون نے اول اول ایک نظام قائم کیا ہے، وہ یہی نہین کہ اپنے اعمال سے معدلت گستری کے فرائض پوری احتیاط کے ساتھ انجام دلاتا تھا بلکہ خود اپنے خلاف بھی حکام عدالت کے فیصلون کے سامنے بکمال عجز وانکسار گردن جھکا دیتا تھا، وہ بلند نظر تھا، ہر شخص کے دل مین اسکا خوف واحترام تھا، اور بکثرت سلاطین کے ہان سے اسکے یہان آتے رہتے تھے۔"

اسقدر محاسن وکمالات کی جامعیت کی نظیر اور کن سلاطین کے ہان ملیگی، مسٹر

صرف ایک اور فرمانروا ملتا ہے، یعنی غازان خان جو تیرہوین صدی کے اواخر مین ایران کا تاجدار تھا، یہ امر بھی
قابل لحاظ ہے کہ منجملہ اُن تین معاصر مورخون کے جنکی شہادتون کی بنا پر تصویر بالا کھینچی گئی ہے، دو قطعًا اس فرمانروا کے
دشمن تھے، پھر ان تینون مین سے کسی کو بھی خوشامد سے کسی نفع کی توقع نہین ہو سکتی تھی، اسلئے کہ ان مین سے دو نے
تاریخ اسوقت لکھی ہے جب سلطان کی وفات ہو چکی تھی، (یعنی برنی اور صاحب مسالک) اور تیسرا ایک [illegible]
دور دراز ملک کا باشندہ تھا، جس نے ہندوستان کی شکل تک نہین دیکھی (یعنی ابن بطوطہ) غرض ان ماخذ اصلی سے
[illegible] جو سیرت پیش نظر کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی جاہل متعصب نہ تھا جو تاریک خیالی کو اپنا ہادی راہ
[illegible] کوئی مجنون نہ تھا جو دیوانگی کے ساتھ کام کرتا، کوئی مسرف نہ تھا جو رندی و عیش پرستی مین وقت گذارتا،
[illegible] کاہل و غافل نہ تھا جو امور سلطنت وزرا کے اوپر چھوڑ دیتا، بلکہ ایک سنجیدہ مزاج، خدا ترس، متقی
[illegible] تعلیم یافتہ اور دوسرون کا خیال رکھنے والا فرمانروا، اور ایک شجاع اور قابل سپاہی تھا، یہی
[illegible] ہے کہ منقصت و مذمت مین تمام مورخین ہم زبان ہین، گویا ایک ہی ذات مین وہ بہت بڑا با
[illegible] ہی پست شخص، نہایت بااخلاق اور نہایت ہی شقی، ایک معاملہ فہم و دانشمند مدبر اور نہایت
[illegible] سوال یہ ہے کہ کیا واقعی نقیضین کا اجتماع ہو گیا تھا، یا سلطان کو خوامخواہ بدنام کیا گیا ہے؟
[illegible] ہوگا اگر اس مسئلہ کے طے کرنے مین ہم اسی ماخذ اصلی کو پیش نظر رکھین، جسپر عمومًا متاخرین کی رائین
[illegible] یعنی وہ شہادت جو ضیاء الدین برنی کے قلم سے نکلی ہے، وہی واحد ہندوستانی معاصر مورخ ہے
[illegible] موجود ہے، اور سولھوین صدی کی تاریخی تالیفات نیز اسکے بعد کی تمام تاریخین ایک بڑی
[illegible] ہین، وہ بلند شہر کا باشندہ تھا، اسکے اہل خاندان علاؤالدین کے زمانہ مین ممتاز سرکاری خدمات
[illegible] محمد بن تغلق کی تخت نشینی کے وقت اسکا سن ۴۲ سال کا تھا، اسکے زمانہ مین وہ خود بھی ۱۷
[illegible] اور بقول خود ایک سے زاید بار الطاف خسروی کا بھی مورد رہا، اور سلطان
[illegible] ان حالات کی بنا پر اسے اس عہد حکومت کے واقعات سے پوری

اور گہری واقفیت کے مواقع حاصل تھے، لیکن برنی اگرچہ سلطان کے ذاتی اوصاف و محاسن انہین تصریحات کے ساتھ بیان کرتا ہے، جنکے ساتھ ایک معاصر کو بیان کرنا چاہیے تاہم اس نے اسکے عہد حکومت کی نہایت تاریک تصویر کھینچی ہے، مجنونانہ تجاویز کی کثرت، غیر منقطع سلسلۂ غدر و بغاوت، صوبون کا ایک ایک کرکے ہاتھ سے نکلنا، متعدد و ہولناک قحط، اور سب سے بڑھکر یہ کہ چُن چُن کے نیکون اور بڑون کا قتل ان تذکرون سے اسکے تاریخ حکومت کا ایک ایک صفحہ لبریز ہے، اس لحاظ سے سلطان کے فضائل ذاتی اور اسکی طرز حکومت کے درمیان تناقص، تاریخ کی مقدم ترین کتاب مین پایا جاتا ہے، اور متاخرین جو کچھ بھی چاہین کہین، ایک واقف الحال معاصر کی شہادت بہرحال قابل وقعت ہے،

اصل یہ ہے کہ ہندوستان مین جتنی تاریخین لکھی گئی ہین، تقریبًا ان سب مین تعصب و پاسداری کی جھلک نظر آتی ہے، جس سے حقیقت تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے، آجکل مذہبی گروہ بندی ہر شخص کو نظر آجاتی ہے، لیکن اگلے زمانہ مین تعصب ذاتی ہوتا تھا، اور عمومًا اسکی شکل غلط بیانی کی نہین بلکہ اخفاء حق کی ہوتی تھی، تعصب کی یہ شکل برنی کے صفحات مین کافی موجود ہے، بلکہ اتنا تو ہر سرسری ناظر کو فورًا ہی نظر آجاتا ہے کہ اس نے اپنے بیان کی ترتیب متعصبانہ رکھی ہے۔ برنی کا عام دستور یہ ہے کہ وہ واقعات کو سنہ وار درج کرتا جاتا ہے، لیکن محمد تغلق کے تذکرہ مین وہ اپنے اس عام قاعدہ کو علانیہ ترک کرکے اسے تین فصلون مین تقسیم کرتا ہے، فصل (۱) مین سلطان کے ذاتی فضائل کا بیان ہے، فصل (۲) مین اُن مجنونانہ تجاویز کا تذکرہ ہے، جو باعث زوال سلطنت ہوئین، فصل (۳) مین ان شورشون اور بغاوتون کا ذکر ہے جو سلطان کی بدانتظامی سے واقع ہوئین، یہ طرز ترتیب ممکن ہے کہ اس امر کی دلیل سمجھا جائے کہ برنی نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا، خوب سوچ سمجھ کے لکھا ہے، لیکن درحقیقت یہ طرز تحریر ایک فریقانہ وکیل کیلئے موزون ہے، لیکن ایک راستباز دخالی الذہن جامع واقعات کے کسی طرح شایان شان نہین، مزید غور سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ برنی نے کس کس مخالفانہ انداز سے واقعات کو کہین حذف کردیا ہے، کہین بیان

کیا ہے، کہین پردہ پوشی کی ہے، اور کہین رنگ آمیزی کی ہے، اپنی عام سنہ وار ترتیب کو ترک کردینے کا
اُسے خود اعتراف ہے، کہتا ہے کہ "مین نے واقعات کو انکی تاریخی ترتیب کے لحاظ سے درج نہین کیا ہے
اسلئے کہ جو لوگ سمجھنا چاہتے ہین اُنکے لئے یہ کچھ اہمیت نہین رکھتے" بیشک جو لوگ سمجھنا چاہتے ہین، یا
بہ الفاظ دیگر اُسکے متعصبانہ اقوال پر ایمان لے آنیکو تیار ہین، اُنہین اُسکی رنگ آمیزیون اور پردہ داریون
کی پروا نہوگی، لیکن جو لوگ اصل حقیقت کے متلاشی ہین، اُنہین یقیناً انکی پروا ہوگی،

جن واقعات کو برنی نے نظرانداز کردیا ہے گو وہ بجائے خود اہم ہین، تاہم چونکہ انکا ذکر برنی کے
صفحات مین نہین، اور اسلئے اُنکی تفصیل بے محل ہوگی، اس قسم کے عذرات قابل تسلیم ہوسکتے ہین کہ شمال
مین ہندو حکومتون کے از سر نو قیام اور جادار کی ہند و ریاست کو زیر حفاظت لے آنیکا ذکر برنی نے اسلئے
نہین کیا کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، تارما شیرین کے حملہ کے متعلق اس لئے ساکت ہے کہ وہ ایک
وفادار رعایائے سلطنت تھا، اسی طرح اس قطعۂ زمین کی جسپر اب بمبئی واقع ہے، تسخیر ہم فرض کرلین کہ نادرست ہے،
لیکن ان تمام تاویلات کے بعد بھی یہ کسی طرح سمجھ مین نہین آتا کہ اسکا سا خیرخواہ و وفادار سلطنت عہدہ دار اُن
واقعات کو بھی نظرانداز کرجائے، جن سے مخالفین کی نظرون مین صریحاً اُسکے آقا کی عظمت نکلتی ہے، مثلاً دو
نہایت سنگین بغاوتون کے کامیاب دفعیہ کا ذکر نہ کرنا، کانگڑا کے مشہور قلعہ کی تسخیر کو پی جانا، پیرم و کوکو کے
زبردست بحری قزاقون کی پامالی کو نظرانداز کرجانا، شاہان ایران و چین، خوارزم و جاوا کے پرشوکت
سفیرون کی حاضری دربار کو اُڑا جانا، یا متعدد اہم اصلاحات ملکی، مثلاً بیرونی مال پر محاصل مین تخفیف، سکۂ
زر کی اصلاح، نظام عدالت مین ترمیم وغیرہ۔ اس امر کی کوئی تاویل ہو ہی نہین سکتی کہ اس طرح کے واقعات
کو نظرانداز کردیا جائے، اور صرف اُنہین چیزون کو چُن لیا جائے، جن سے قطعاً توہین و منقصت نکلتی ہے!
یہ کہنا بالکل کافی نہین کہ "جو لوگ سمجھنا چاہتے ہین اُنکے لئے یہ واقعات چندان اہمیت نہین رکھتے"۔
برنی جو کچھ لکھتا ہے، احتیاط کے ساتھ لکھتا ہے، اسلئے اُسکے بیان مین براہ راست کسی کذب و

دروغ کی مثال بمشکل مل سکتی ہے، تاہم ایسی مثالین معدوم نہین، اور ایک کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے،
وہ کہتا ہے کہ سلطان کے مشیرون مین کثرت سے فلاسفہ و زنادقہ تھے، اور اس سلسلہ مین عبید شاعر کا نام
لیتا ہے، حالانکہ کچھ ہی اوپر خود برنی کا بیان ہے کہ حکومت سابقہ مین عبید بغاوت کے الزام مین قتل ہوچکا تھا،
اسے بجائے سہو ونسیان پر محمول کرنیکے اسکی عادت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے، کہ وہ بات کہتے ہوئے حق وصداقت
کی پروا نہین کرتا،

لیکن صریحی غلط بیانیون سے کہین زاید اور محذوفات سے کہین زیادہ خطرناک وہ مثالین ہین،
جنمین برنی نے رنگ آمیزی سے کام لیا ہے، یا واقعہ کا کوئی ایسا جزئیہ چھوڑ دیا ہے، جس سے اُسکی شکل
بالکل مسخ ہوگئی ہے، اسکی اس عادت کی ایک نمایان مثال یہ ہے کہ عین الملک کی بغاوت کے اسباب
وبواعث کے سلسلہ مین وہ لکھتا ہے کہ فلان فلان اشخاص نے سلطان کے تشدد کے خوف سے دہلی سے
بھاگ کر عین الملک کے بھائیون کے پاس پناہ لی، اسپر سلطان نے حکم دیا کہ وہ پابزنجیر سزا کے لئے لائے
جائین، اس جبر و شقاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اشخاص کے جدید امان دینے والون نے انکی حفاظت کا پورا
تہیہ کرلیا، اور کھلم کھلا بغاوت و غدر پر آمادہ ہوگئے، ایک سفاک و شقی القلب سلطان کے سامنے بیکس
مظلومون کی بے دست و پائی کی یہ کیسی عبرت انگیز تصویر ہے! اپنی جان کو خطرہ مین ڈالکر بیکسون اور مظلومون
کی شریفانہ حمایت کا کیسا پراثر نظارہ ہے، شقی القلب بادشاہ اور مظلوم رعایا کا یہ نظارہ تمام تاریخون مین
مشترک ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان شریف النفس ہمدردون کی صورت کسی اور مرقع مین نظر نہین آتی!

برنی اس سلسلہ مین ایک واقعہ اور صرف ایک واقعہ کو پی جاتا ہے، یعنی یہ نہین بتاتا کہ آخر یہ معزز بین
کیون اسقدر عتاب سلطانی سے خائف تھے، دوسرے مورخین نے جنہین اس امر پر زیادہ توجہ نہ تھی کہ اس
جزئیہ کے اظہار کا تمام سلسلۂ واقعات پر کیا اثر پڑیگا، اس راز سے پردہ اُٹھا دیا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ
یہ وہ زمانہ تھا، جب دریائے گنگ کے مغربی علاقون مین انتہائی شدت کا قحط تھا، یہانتک کہ انسان نے

انسان کو کھانا شروع کر دیا تھا، نہ صرف پنجاب کے غیر آباد ضلاع مین بلکہ خود پایۂ تخت کے مضافات مین،
سلطان اسوقت ایک دُور دراز مہم سے واپس آیا تھا، اور شدید علالت مین مبتلا تھا، تاہم اپنی پوری قوت و
مستعدی کے ساتھ اس قہر عظیم کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا، سچ یہ ہے کہ انیسوین صدی سے پیشتر ہندوستان
کی تاریخ مین اسقدر جامع و مکمل انتظامات کی کوئی مثال نہین ملتی، اس نے دُور دراز اضلاع مین جو انتظامات
کئے وہ مشہور ہین، لیکن خاص پایہ تخت مین جو کارروائیان کین وہ ذرا غیر معروف ہین، یہان اُس نے یہ
کیا کہ پورے شہر کی محققانہ مردم شماری کرائی، اور ہر محلہ اور ہر کوچہ کے باشندون کی مکمل فہرست تیار کرائی،
پھران آبادیون کو چھوٹے چھوٹے حلقون مین تقسیم کیا، اور انہین ایک ایک ذمہ دار افسر کے حوالہ کرکے یہ حکم
دیا کہ روزانہ وقت مقررہ پر ہر حلقہ کے ہر متنفس کو سرکاری ذخیرہ سے غذا پہنچ جایا کرے، اور اسمین بادشاہ کو
ایسا انہماک ہوا کہ مملکت کے دیگر کاروبار سے قطع نظر کرکے اُس نے ساری توجہ خلقت کو لقمۂ اجل ہونے
سے روکنے مین صرف کر دی، ایک طرف یہ انہماک تھا، دوسری جانب سررشتہ کے بعض اہلکارون کی
آتش ہوس مشتعل ہوئی، اور انھون نے عطایاے سرکاری مین تغلب و تصرف شروع کیا، خفیہ پولیس
عرصہ تک بیخبر نہ رہی، کچھ روز مین بعض مجرم گرفتار ہو کر کیفر کردار کو پہنچے، لیکن بعض بدکردار اپنی خوش قسمتی سے
نکل بھاگے، اور اودھ پہنچے، یہان عین الملک کے بھائیون نے جو مدت سے بغاوت کا منصوبہ باندھ
رہے تھے انہین ہاتھون ہاتھ لیا، اُنہین جاگیرین عطا کین، اور اپنے رفقا مین اُنکا نام لکھ لیا، یہ ہے
وہ مخصوص جزئیہ جسکے اظہار کے بعد واقعہ کی صورت کیا سے کیا ہو جاتی ہے، اور جسکے چھپانے سے برنی کی
نیت کا پتہ چل جاتا ہے، جو لوگ سمجھنا چاہتے ہین کیا اُنکے لئے یہ اہم ترین جزئیہ اہمیت نہین رکھتا۔

(باقی)

(یو، پی، ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل)

انجمن عمرخیام لندن

(ماخوذ از حواشی چہار مقالۂ نظامی عروضی مرتبہ علامہ عبدالوہاب قزوینی مطبوعہ گب میموریل لندن)

اشخاص کی یادگارین قائم کرنا رجال پرستی ہے، اور یہ چیز کم و بیش ہر قوم مین رہی ہے، اس سے ایکطرف قوم کے احساس کا ثبوت ملتا ہے، اور دوسری طرف حوصلہ مند طبیعتون کی ہمت افزائی ہوتی ہے، لیکن اب تک اسکا دائرہ محدود تھا، یعنی ہر قوم اپنے ہی قوم کے اکابر رجال کی یادگارین قائم کرتی تھی، مگر تمدن کے ارتقار نے اب اس تنگ دائرہ کو وسیع کر دیا ہے، اور دوسرون کے خزانۂ قومی کے لعل و جواہر بھی اب وقیع و قیمتی نظر آنے لگے ہین،

سات سو برس گذرے کہ حکیم عمر خیام نیشاپور کی خاک سے پیدا ہوا، اور وہین سپرد خاک بھی ہوا، لیکن آج یورپ نے اُسکی جتنی قدر و منزلت کی ہے اسکا اندازہ ذیل کے واقعات سے کرو۔

۱۸۵۹ء مین اڈورڈ فٹز جیرالڈ نے رباعیات عمر خیام کا بہترین ترجمہ انگریزی زبان مین شایع کیا، جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ زبان و طرز بیان کے حسن و لطافت مین اصل فارسی کے برابر ہے، انگلستان و امریکہ کی "ادبی دنیا" مین اس ترجمہ کی دہوم مچگئی، اور خیام کا انداز سخن اسدرجہ مقبول و مطبوع طبائع ہوا کہ "ادبیات عمری" نام ایک مخصوص طرز شعر و انشا عام طور پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا،

ادبائے انگلستان کی کوششین یہین ختم نہین ہوئین بلکہ ۱۸۹۲ء مین "ادبیات عمری" کی اشاعت و ترویج کیلئے خاص لندن مین انھون نے بطور یادگار "خیام کلب" قائم کیا، جسمین وہان کے علما، مصنفین، مشاہیر انشا پرداز اور بعض ارباب جراید و رسائل شریک ہوئے، اس موقع پر ایک نہایت دلچسپ رسم ادا کیگئی وہ یہ کہ فٹز جیرالڈ مترجم رباعیات خیام کی قبر پر "گل سرخ" کے دو درخت نصب کئے گئے، جنکے بیج ان درختون سے حاصل کئے گئے تھے جو نیشاپور مین خیام کے مقبرہ کے متصل ہین،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نیام کلب کے قیام سے کچھ برس پہلے مسٹر سمپسن کمیشن سرحد افغانستان کے ساتھ "اسٹر ییڈ لنڈن نیوز" کی طرف سے وقائع نگار خاص بنا کر ایران بھیجے گئے۔ مشرقی ایران میں جب یہ کمیشن نیشاپور پہنچا ہے تو ۱۸۸۴ء کا زمانہ تھا، اسی موقع پر مسٹر سمپسن نے یہ بیج حاصل کئے، انھوں نے دوران سفر میں اس واقعہ کی نسبت اپنے ایک دوست کو جو طویل خط لکھا ہے، اسکے مختلف حصے سننے کے قابل ہیں، مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"وفد جب مضافات نیشاپور میں پہنچا تو میں نے عمر خیام کے حالات لوگوں سے دریافت کئے، بڑی کوشش سے یہ دریافت کرنا چاہا کہ عمر خیام جس گھر میں رہتا تھا آیا اُسکے کچھ آثار باقی ہیں، معلوم ہوا کہ ایک مقبرہ کے سوا کوئی دوسرا نشان باقی نہیں ہے، کمیشن جب تک ایران میں رہا، اعلیحضرت شہنشاہ ایران کا مہمان تھا، اور اعلیحضرت کی طرف سے فراہمی اسباب ضروریات اور لوازم و حقوق میزبانی ادا کرنے کے لئے ایک شخص متعین تھا، جو حسن اتفاق سے بڑا فاضل و ادیب تھا، خیام کے اشعار اُسکو بکثرت یاد تھے، اور وہ اُسکے مقبرہ سے بھی خوب واقف تھا، اُس نے مجھسے وعدہ کیا کہ جب نیشاپور پہنچیں گے تو مقبرہ کی زیارت کے لئے چلیں گے۔

نیشاپور سے مقبرہ تک اور رستہ کے حالات،

جب میں نیشاپور پہنچا اور زیارت مقبرہ خیام کے لئے چلا تو رئیس وفد مسٹر پیٹر لیمسڈن بھی ساتھ ہو لئے، مقبرہ نیشاپور سے تقریباً دو میل جنوب میں واقع ہے، اثناء راہ میں دور سے ایک پرشوکت نیلا گنبد نظر آیا، مہماندار نے کہا کہ مقبرہ کی جگہ وہی ہے جوں جوں اُس سے قریب ہوتا جاتا تھا اُسکی عظمت و شوکت مجھپر زیادہ اثر ڈالتی جاتی تھی، میرے دل میں دفعتہً یہ خیالات پیدا ہوے کہ دیکھو خیام کے اہل وطن اُسکو کسقدر عزیز و محترم رکھتے ہیں، انھوں نے کیسی عالیشان عمارت اُسکی یادگار میں قائم کی ہے جو ہمیشہ اُسکی یاد تازہ رکھیگی، جب وہ اپنے وطن میں اسدرجہ محبوب و محترم ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل مغرب میں بھی اُسکی شہرت و عظمت سرعت کے ساتھ پھیل گئی، میں انہی خیالات میں تھا کہ گنبد تک ہم لوگ پہنچ گئے، اور وہاں یکایک یہ معلوم ہوا کہ میں جن اوہام میں مبتلا تھا وہ محض خبط تھے، کیونکہ یہ عالیشان گنبد ایک امام زادہ کا مقبرہ ہے جنکی عظمت اُنکے آبا و اجداد کی نسبت سے ہے،

عمر خیام کی ایسی قسمت کہاں جبکہ اسکی عظمت تو اسکی ذات سے وابستہ ہے"

یہاں پر مسٹر سمپسن امام زادہ صاحب کے کچھ حالات لکھکر آگے لکھتے ہیں:-

" مقبرۂ امام زادہ کے حوالی میں ایک وسیع قبرستان ہے، جہاں لوگ قدیم زمانہ سے مردوں کو دفن کرتے آتے ہیں، عمر خیام بھی اسی قطعۂ عام میں داخل ہے، میں اس خیال سے امام زادہ کے اضافی وانتسابی اوصاف کا بھی بہت شکر گذار ہوا کہ انکی بدولت آج تک عمر خیام کا نام و نشان تو باقی ہے، بلا سے اُنکے ذاتی اوصاف کچھ نہیں

ہملوگ جب صحن مقبرہ میں داخل ہوئے، تو جس جگہ امام زادہ کا مقبرہ ہے، ہمارا رہنما وہاں سے بائیں جانب مڑا، اور ایک گوشہ کی قبر کی طرف اشارہ سے اس نے بتایا کہ خیام کی یہی قبر ہے۔ میں نے دیکھا کہ اسکی چھت بالکل ناہموار ہے، تین محرابوں کی عمارت ہے، چھت اور دیوار گچکاری کی ہوئی ہے لیکن گچ جا بجا سے کچھ اُدھڑ اُدھڑ گئی ہے"

مسٹر موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

عمر خیام کی قبر سے بالکل متصل "گل سرخ" کے کئی درخت ہیں، اگرچہ موسم گل گذر چکا ہے، لیکن ان درختوں پر چند خوشنما گل مجھے مل گئے، میں نے انکو توڑ لیا، اور انہی درختوں کی پتیوں میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں، میری خواہش ہے کہ انگلستان میں انکی کاشت کیجائے، غالباً جو تحفہ میں پرستاران خیام کے لئے بھیج رہا ہوں وہ مناسب و بہترین ثابت ہوگا، اور احتمال قوی یہ ہے کہ یہ پھول اسی جنس کے ہیں جنہیں باوقات فکر و نظم اشعار عمر خیام اپنے آگے رکھتا تھا"

مسٹر موصوف کی اس خواہش کے مطابق لندن کے مشہور "کیو باغ[۵]" میں یہ بیج ڈالے گئے اور اُن سے درخت اُگے، سنہ ۱۸۹۲ء میں جب "خیام کلب" قائم کیا گیا تو انہی درختوں کی دو قلمیں لیکر اڈورڈ فٹز جیرالڈ مترجم رباعیات خیام کی قبر کے سرہانے لگائی گئیں، اور وہاں پر ایک کتبہ بھی نصب کیا گیا جسپر یہ عبارت ہے،

" گل سرخ کے یہ درخت جنکی کیو باغ میں پرورش کیگئی اور جنکے بیج ولیم سمپسن عمر خیام کے مقبرہ واقع

---

[۵] لندن کا مشہور عالم باغ جہاں تمام دنیا کے اصناف نباتات مہیا کئے گئے ہیں،

نیشاپور سے لائے تھے، ہواخواہان او، وڈاکٹر جیرالڈ کے ہاتھوں انجمن عمر خیام کی طرف سے نصب کئے گئے، اسی دن ۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو اس موقع پر بہت سی مناسب مقام نظمیں بھی جنکو اعضاء انجمن لکھ لائے تھے پڑھی گئیں، اور انتہائی جوش و مسرت کے ساتھ خیام کی متعدد رباعیاں ترانہ کے انداز سے پڑھی گئیں، منجملہ انکے چند یہ ہیں،

ہفتاد و دو ملتند در دین کم و بیش	از ملتہا عشق تو دارم در کیش
چہ کفر چہ اسلام چہ طاعت چہ گناہ	مقصود توئی، بہانہ بردار از پیش

ہین صبح دمید و دامن شب شد چاک	برخیز و صبوح کن، چرائی غمناک
مے نوش دلا کہ صبح بسیار دمد	او روئے بما کردہ و ما روئے بخاک

سنت مکن و فرض بقیہ حق بگذار	وان لقمہ کہ داری زکسان باز مدار
غیبت مکن و مجوئے کس را آزار	ہم وعدۂ آن جہان منم بادہ بیار

اے دل تو بہ اسرار معما نرسی	در نکتۂ زیرکان دانا نہ رسی
اینجا بمے و جام بہشتی می ساز	کانجا کہ بہشت است رسی یا نرسی

ابوالحسنات ندوی

تلخیص و تبصرہ

قوتِ حافظہ

چند سال پیشتر تک ہمارے انگریزی مدارس میں سب سے زیادہ زور قوت حافظہ پر دیا جاتا تھا اور تمام دیگر ذہنی قوی سے قطع نظر کر کے امتحانات میں صرف اسی کی جانچ کی جاتی تھی۔ "فلان سنہ مین کیا کیا واقعات ہوئے؟" "جنگ پانی پت کے دس سال کے بعد کون سا اہم واقعہ پیش آیا؟" "سلاطین ہند کے نام بقید سنہ جلوس و وفات تحریر کرو۔" "جاپان کے مشہور شہر کون کون ہین؟" اس طرح کے سوالات سے امتحانات کے پرچے لبریز ہوتے تھے، لیکن اب جب سے ڈائرکٹ میتھڈ (براہ راست طریقۂ تعلیم) نکلا ہے حافظہ کی جانب سے انگریزی اسکولون اور کالجون مین ایک عام بے التفاتی شروع ہو گئی ہے، اس مسئلہ پر حال مین انڈین ایجوکیشن کے ایک مضمون نگار کا خیال رجوع ہوا ہے، اور "مدارس مین حافظہ کی تربیت" کے عنوان سے اس نے اسکے مختلف پہلوؤن پر نظر کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"گذشتہ زمانہ مین حافظہ کو ایک ایسا عمل ذہنی سمجھا جاتا تھا، جسے جسم کی حالت سے کوئی تعلق نہین لیکن اب عضویات و نفسیات دو جدید علوم کی ترقی نے ثابت کر دیا ہے کہ حافظہ کا عام جسمانی صحت سے خاص تعلق ہے، تندرستی اگر اچھی ہے تو حافظہ بھی اچھا ہوگا، اس عمل ذہنی مین دماغ کے ساتھ تمام اعضائے جسم اعصاب و عضلات وغیرہ کی شرکت ہوتی ہے، یا جیسا کہ ایک ماہر عضویات نے کہا ہے، حافظہ کا مستقر محض دماغ نہین بلکہ تمام آلات حواس و عضلات ہین،

اسکو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ حافظہ بمقابلہ بیماری کے تندرستی کی حالت مین بہتر ہوتا ہے، اور بمقابلہ شام کے جب جسم و دماغ خستہ ہوتے ہین، صبح زیادہ کام کرتا ہے،

جب جسم ودماغ تازہ ہوتے ہین۔۔۔۔۔۔

پس اچھے حافظہ کی سب سے پہلی شرط اچھی صحت ہے، تقویت حافظہ کے لئے گولیان معجون عرق جنہین طلبہ اس ذوق وشوق سے خرید کرتے ہین، انکا اثر صرف اسقدر ہوتا ہے کہ خریدارون کی جیب ہلکی کردیتے ہین، ان مکاریون سے خبردار رہنا چاہیئے، جو اپنی قوت حافظہ کو اچھا رکھنا چاہتا ہے، یعنی جو بات اپنے ذہن مین محفوظ رکھے، اور جب چاہے اُسے مستحضر کرسکے، اسکے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مفید غذا کھائے، تازہ ہوا مین ورزش کرے، اور جسم کو صاف، تندرست اور ورزشی رکھے:

مضمون نگار نے حافظہ کی تین قسمین بیان کی ہین، حسّی، عقلی اور تخیّلی، بچپن مین حافظہ صرف حسّی ہوتا ہے، یعنی ذہن کے سامنے جس ترتیب سے کوئی واقعہ آتا ہے، بغیر کسی عقلی تعلق کے وہ بجنسہ اسی طرح اُسے رٹ لیتا ہے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسمین کوئی عقلی ترتیب پیدا ہو، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ تخیّل مین کسی گذشتہ واقعہ کی پوری تصویر آجائے،

حافظہ کی ترقی وتقویت کے لئے اصول ذیل بتائے گئے ہین:-

(۱) **صحیح مشاہدہ**، جو شے پوری طرح تجربہ یا مشاہدہ مین نہین ہے کسی عرصہ تک ذہن مین محفوظ نہین رہ سکتی، نصاب مدارس مین اسباق بیانیہ (object lessons) اور مطالعۂ فطرت، (نیچراسٹڈی) کے مضامین اسی غرض سے رکھے جاتے ہین کہ قوائے مشاہدہ کا نشوونما ہو۔

(۲) **صحیح تعقّل**، لیکن مشاہدہ کے پورے سامان فراہم ہونا بھی لاحاصل ہین، تاوقتیکہ شے زیرمشاہدہ پوری طرح ذہن کی گرفت مین نہ آجائے،

(۳) **حسن ترتیب**، واقعات کے محفوظ رہنے مین انکی خوش ترتیبی کو بھی بہت دخل ہوتا ہے، جو واقعات باہم بالکل غیرمربوط ہوتے ہین، اُنکے محفوظ رکھنے مین ذہن کو سخت دشواری پیش آتی ہے، بخلاف اُسکے مربوط، منضبط اور مرتب واقعات بآسانی ذہن مین رہجاتے ہین۔

(۴) **اعادہ و تکرار،** حافظ کو سب سے زیادہ مدد اعادہ و تکرار سے ملتی ہے، کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی غیر دلچسپ ہو، اگر بکثرت و تواتر ذہن کے سامنے پیش ہوتا رہے تو از خود منقش ہو جائیگا،

مضمون نگار کے ان مجوزہ طریقون کے مفید ہونے مین کلام نہین، لیکن ان پر ایک اور عنصر کا اضافہ بھی ضروری ہے، اور وہ جذبہ انگیزی ہے، جن واقعات سے جذبات کو وابستگی ہوتی ہے، انکا نقش ذہن مین بمقابلہ دیگر واقعات کے بہت زیادہ گہرا اور پائدار ہوتا ہے،

اسلام اور دنیاے جدید

لالہ لاجپت رائے نے جو ایک مدت دراز سے مغربی ممالک مین مقیم ہین، حال مین ایک طویل مراسلہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات مین شایع کرایا ہے جسمین اپنے اہل وطن کو ملکی معاملات مین متعدد مشورے دیئے ہین، اس ضمن مین (مسلمانان ہند کو مخاطب کرکے) حسب ذیل تحریر فرماتے ہین:-

ایک عرض اپنے مسلمان ہموطنون سے بھی ہے، مجھے اپنی سیاحی کے زمانہ مین جس امر نے سب سے زیادہ تکلیف دی، وہ نہایت گہری جہالت و تعصب ہے، جو اسلام و ممالک اسلامیہ کے متعلق امریکہ مین قائم ہے، امریکہ مین آپکو چین، جاپان، ہندوستان ہر ملک کے کچھ ہمدرد ملجائینگے، لیکن جسکا ایک بھی ہمدرد نہ ملیگا وہ اسلام اور اقوام اسلامیہ ہین، مین نے اپنی پنج سالہ مدت سیاحت مین ایک متنفس بھی ایسا نہین پایا جسکی زبان سے مسلمانون کی بابت کلمۂ خیر نکلا ہو، بدقسمتی سے ایک مرتبہ مجھے ایک مسلمان دوست کے ہمراہ ایک جلسہ مین شرکت کا اتفاق ہوا جسمین مستقبل ٹرکی پر بحث ہو رہی تھی، ترکون کی حمایت مین ایک ترک نے تقریر کی، لیکن اُسکے جواب مین جو تقریرین ہوئین اُنسے ٹرکی کے خلاف اسقدر تعصب و منافرت کا اظہار ہوتا تھا، کہ مجھے ضبط کرنا مشکل ہوگیا، ترکون کے وکیل نے اسقدر بے محل تقریر کی کہ خود اُسکی طرف سے نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے، ترک اسوقت

بے انتہا بدنام ہین، پس مسلمانون کے وکیل کو اپنی تقریر مین خاص طور پر اعتقادات و مصالح کو پیش نظر رکھنا تھا تاکہ سامعین کو کچھ تو ہمدردی ہوتی، خاتمۂ بحث پر میرے حسب مشورہ میرے رفیق نے تقریر کی، اور کسیقدر کامیاب رہا، لیکن تنہا اُسکی آواز نقارخانہ مین طوطی کی آواز تھی،

ہندوستان کے مسلمان لیڈرون پر مذہبی، قومی، و ذاتی حیثیت سے یہ فرض ہے کہ دنیا کے تمام اہم ممالک مین اپنے قابل نمایندہ رکھین، اور اس فرض پر اُنہین فوری توجہ کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ فرض تمام ہندوستانیون کا ہے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہون کہ اسلام کی نیکنامی پر حرف نہ آنے دین، اور جو حقوق دوسرے مذاہب و ملل کی جماعات طلب کررہی ہین اُنہین کا مطالبہ ممالک اسلامیہ کے لئے بھی کرین، لیکن ظاہر ہے کہ اُسکی اصلی ذمہ داری خود مسلمانون پر ہے، اور یہ فرض اُنکی فوری توجہ کا محتاج ہے، وہ اگر اسوقت اُسکی جانب سے بے اعتنائی کرتے ہین تو اُنہین اپنی غفلت کے مہلک نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے"

خاتمہ پر لالہ صاحب موصوف التجا کرتے ہین :-

"میری شخصیت سے آپ قطع نظر کیجئے، اور میرے معروضات پر غور کیجئے کہ یہ بجائے خود کیا وزن رکھتے ہین"

زنانہ لباس اور اخلاق و صحت

عموماً لباس سے مقصود یہ سمجھا جاتا تھا کہ گرمی و سردی سے امن رہے، اسپنسر نے اس کلیہ سے اختلاف کرکے اسکی اصل غرض آرائش و خودنمائی بیان کی، اسپنسر کے فلسفیانہ نظریہ کی زبردست تائید یورپ کا موجودہ زنانہ لباس کررہا ہے، مشرق کی پردہ دار "مستورات" جسم کو لباس کے "پردہ" مین رکھنا چاہتی ہین، لیکن مغرب کی پردہ در خواتین چہرہ کے ساتھ روز بروز جسم کو بھی بے پردہ کرتی جاتی ہین، نوبت یہانتک پہنچگئی ہے کہ بعض حلقون مین اسکی کوشش ہورہی ہے کہ اس روزافزون بیحیائی کو

قانونِ حکومت کی مدد سے روکا جائے،

حال مین لندن کے ایک علمی رسالہ پاپولر سائنس سفٹنگز کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی ہے، اس سلسلہ مین وہ ڈاکٹر تھراک مارٹن کا حسب ذیل بیان شایع کرتا ہے:-

"نوعمر لڑکیان جو میرے مطب مین موسم سرما مین آتی ہین، انکی بڑی تعداد بغیر کسی مجبوری کے محض اپنی خوشی سے نیم برہنہ حالت مین ہوتی ہے، جب مین ان نوعمرون کو جاڑون کی ٹھنڈی ہوا مین سرکون پر ننگی گردنون کے ساتھ دیکھتا ہون تو اپنے ذہن مین اندازہ کرنے لگتا ہون کہ انکی کتنی بڑی تعداد اپنے تئین مرض دق کے لئے تیار کر رہی ہے۔

.... وغیرہ متعدد امراض حلق وگردن کے اعصاب مین ہوا لگتے رہنے سے پیدا ہو جاتے ہین، اور زیر ناف پچھلے حصۂ جسم کے ناکافی لباس سے نقرالدم و دیگر امراض اٹھ کھڑے ہوتے ہین،"

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:-

"ہمارے جو سپاہی گولون اور گولیون کی بارش سے واپس آتے ہین، ہم انکا خیر مقدم کرنے کو تیار رہتے ہین، مگر کیا وطن مین ہم اُن کا ایک شدید تر خطرہ سے سامنا کرائین گے؟ یہ خطرہ ہر وہ عورت ہے جو اپنے گھر کو چھوڑ کر ایک نیم برہنہ حالت مین جلسۂ دعوت یا رقص مین شرکت کرتی ہے، مردون کے طبایع ان چیزون سے متاثر ہوگئے ہین، کیا ہم انکی زبان سے یہ کہلانا چاہتے ہین کہ نیک چلنی کی کوشش بیسود ہے، درآنحالیکہ ہماری خواتین کا لباس جامۂ تہذیب سے باہر ہوتا ہے"

یہی مضمون نگار آگے چل کر اپنے چشمدید واقعات بیان کرتا ہے:-

گذشتہ ہفتہ مین ایک شب کو مین ایک تھیٹر کا مشہور تماشہ دیکھنے گیا، ہم سے اگلی قطار مین ایک خاتون تشریف رکھتی تھین، جنکے بال تازہ ترین فیشن کے مطابق نہایت حسن وخوبی سے آراستہ تھے، اور ان چمکتے ہوئے سیاہ بالون مین ایک کنگھی گھسی ہوئی تھی جسمین ہیرے جڑے ہوئے تھے، ہم لوگ

یعنی پچھلی قطار والون کے لئے صرف یہی کنگھی لباس کی نیابت کر رہی تھی،

"یہ خاتون بلند و بالا تھین، ایسی کہ انکے شانے کرسی کی پشت سے بقدر ۶ انچ یا زاید کے اوپر نکلے ہوئے تھے، لیکن ان شانون اور ہاتھون پر کپڑے کی ایک چٹ تک نہ تھی گویا پیچھے سے دیکھنے والون کے لئے اس خاتون کا جسم بالکل برہنہ تھا، اور اسکا اثر کسقدر شرمناک تھا!"

دوسرا مشاہدہ :-

"شادمانی نیم کے جلسۂ رقص مین مین نے ایک نوجوان خاتون کو دیکھا جسکی عمر ۱۸ سال سے زاید نہ تھی، اسکا چہرہ خوبصورت و معصومانہ تھا، لیکن لباس ایسا تھا جو بجز ایک زن بازاری کے دوسری کسی کا نہین ہو سکتا، اسکا سایہ صرف ٹخنہ تک تھا، . . . . بالائی لباس کا سامنے کا حصہ تو غنیمت تھا لیکن دونون پہلو بالکل عریان تھے، او پشت کی جانب سے اس نازنین کا سارا جسم کمر سے لیکر گردن تک کپڑون کے بار سے ایسا آزاد تھا کہ گویا وہ خاتون حمام مین ہے۔"

یہ وبا ہندوستان مین بھی سرایت کرتی جاتی ہے، اور یورپین تمدن کی وسعت و ترقی کے ساتھ ساتھ اسمین بھی ترقی ہوتے رہنا لازمی ہے۔ ایسی حالت مین مسلمان جدید التعلیم خواتین کی حالت کس درجہ دردناک ہوگی، لاہور کی بعض جدید التعلیم خواتین کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ انکی بہتر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے انداز و لباس سے کم از کم "ایک بہ حیثیت کرسچین عورت" معلوم ہون، افسوس! یورپ کے ظاہری تمدن کی ہم تقلید کرنا چاہتے ہین تو اسکے متعلق وہان کے خود مصلحین اور ارباب فکر کے خیالات بھی سن لینا چاہئین۔

جدید تحقیقات کی ترقی کے ساتھ کرۂ ارض کی عمر بھی زیادہ ثابت ہوتی جاتی ہے، پہلے یورپ کا خیال تھا کہ زمین کو وجود مین آئے ہوئے سات آٹھ ہزار سال سے زیادہ نہین ہوئے، انیسوین صدی کے آخر مین محققین نے فیصلہ کیا کہ زمین کی عمر کئی لاکھ سال کی ہوچکی ہے، تازہ ترین تحقیقات یہ ہے کہ اسکو پیدا ہوئے آٹھ کرور اور پندرہ کرور سال کے درمیان زمانہ گذر چکا ہے،

مسٹر میلک، فیلو رائل سوسائٹی نے حال مین ایک آلہ ایسا ایجاد کیا ہے جس سے یہ پیمائش ہوجاتی ہے کہ نباتات مین دن کے کس حصہ مین کتنی نمو ہوتی رہتی ہے، لندن کے مشہور عجائب خانۂ نباتات کیوگارڈنز مین اس آلہ کی مدد سے جو متعدد تجربات کئے گئے، اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ درختون مین سب سے زیادہ نمو صبح سے دوپہر تک ہوتی ہے اور دوپہر کے بعد سے یہی نہین کہ نمو نہین ہوتی بلکہ انقباض پیدا ہونے لگتا ہے، توقع ہے کہ اس آلہ کے اختراع سے گورنمنٹ کا محکمۂ "جنگلات" خاص نفع حاصل کریگا،

۱۵- ستمبر سے نیویارک (امریکہ) مین ایک عالمگیر زنانہ طبی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہو رہے ہین جو غالبًا ۳۰- اکتوبر کو ختم ہون، اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ طبقۂ نسوان کی صحت اور انکی اخلاقی حالت سے متعلق جملہ مسائل پر غور و بحث کیجائے، اسکے دروازے ہر ملک و ملت کی طبابت پیشہ خواتین کے لئے کھلے ہوئے ہین، چنانچہ بعض دعوت نامے ہندوستان بھی آئے تھے، مہمانون کے مصارف داعیان کانفرنس کے ذمہ تھے-

---

انڈین میوزک کانفرنس (انجمن موسیقی ہند) کے سکریٹری نے سر الگزنڈر میکنزی پرنسپل رائل اکاڈمی

آف میوزک (لندن) کی خدمت مین ایک باضابطہ تحریک اس امر کی پیش کی ہے کہ لندن یا پیرس مین ایک عالمگیر میوزک کانفرنس منعقد کیجاے، جسمین تمام دنیا کے مشاہیر علما، وماہرین فن موسیقی کا اجتماع ہو اور جسمین مختلف اقوام وممالک کی موسیقیون پر علمی مباحث ومذاکرات ہون؛ اسکی شرکت کے لئے چالیس منتخب افراد ہندوستان سے بھیجے جانا تجویز ہوے اور کانفرنس کے مصارف کا تخمینہ ۲۵ ہزار پونڈ قرار پایا ہے، داخلہ کے لئے ٹکٹ خرید کرنا ہونگے، اور اندازہ کیا گیا ہے کہ ٹکٹون کی مجموعی فروخت ۱۰ ہزار پونڈ سے کسی طرح کم نہین ہوسکتی۔

اوائل ستمبر مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) امریکن اورنیٹل سوسائٹی، فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی، اور اٹلی کی مجلس مشرقی کے منتخب نائبین اور مستشرقین کی کانفرنس لندن مین سر چارلس لائل کی زیر صدارت اس غرض سے منعقد ہوئی کہ اتحادئین نے مشرق مین جو جدید فتوحات حاصل کئے ہین، ان علاقون کی تاریخی، لسانی، واثری تحقیقات کے ذرائع وتدابیر پر غور کیا جائے، کانفرنس کا اجلاس چار روز تک رہا، اور متعدد تجاویز منظور ہوئین، ضمناً بعض مسائل ہندوستان ومشرق بعیدہ کے متعلق بھی طے پائے، مشہور مستشرق پروفیسر ریوی اور مسٹر ٹامس اور مسٹر ڈوس کی ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر ہوئی کہ بدھ ازم کے متعلق معلومات کا ایک مبسوط قاموس تیار کرے، اثری تحقیقات کے لئے ایک وفد کا بلخ ومضافات بلخ جانا قرار پایا، مصر اور مقبوضات ٹرکی کی اثری تحقیقات پر خاص طور سے زور دیا گیا، اور برٹش اکاڈمی کی جانب سے صلح کانفرنس کی خدمت مین عرضداشت پیش کیگئی کہ ٹرکی کے ساتھ جو صلحنامہ مرتب ہو، اسمین اس قسم کے دفعات بھی ضرور رکھے جائین جنکے لحاظ سے علماء اتحادئین کو وہان اثری تحقیقات کی پوری آزادی ہو،

ہندوستان کے مختلف مقامات مین ماہرین سائنس اس امر کے تجربات کررہے ہین کہ دیوارون مین اگر خول رکھا جائے اور انکے اندر برقی پنکھون سے ہوا کو حرکت ہوتی رہے تو مکانات کس حد تک گرمی کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہین -

---

پروفیسر فیسنڈین نے حال مین زمین دوز دآبدوز ٹیلیفون ایجاد کیا ہے اسکے ذریعہ سے خشکی و تری کے دور و دراز مقامات تک بلاتکلف آواز پہنچائی جاسکتی ہے، بعض وحشی قبائل مین ابتک یہ ملکہ پایا جاتا ہے کہ وہ زمین پر کان لگا کر بہت دور سے دشمن کی آمد نیز دوسرے اقسام کی آوازین سُن سکتے ہین، پروفیسر موصوف نے اسی ملکہ کو پیش نظر رکھکر علمی تجربات کئے اور بالآخر اس آلہ کا اختراع کیا،

ابتک یہ سمجھا جاتا تہا کہ مکھیون کو رنگ سے خاص تعلق ہے، بعض بعض الوان کی جانب اُن کی کشش زیادہ ہوتی ہے اور بعض کی جانب کم، مگر ڈاکٹر اد، سی، لاج کے تازہ تجربات اسکی تردید کرتے ہیں ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ روشنی کی کمی یا زیادتی، اور رنگون کے اختلاف سے مکھیان مطلق متاثر نہین ہوتین وہ سب سے زیادہ اپنی قوت شامہ کے تابع ہوتی ہین، اور مختلف اشیا کی بو وخوشبو اُنہین اپنی جانب کھینچتی ہے -

---

مسٹر رابرٹ میکلا گلن نے ایک عظیم الشان دیوہیکل ہوائی جہاز کا نقشہ تیار کیا ہے جو طیارون کی تاریخ مین ایک جدید باب کا اضافہ کرتا ہے، یہ جہاز ۸۰۰ فٹ طویل اور ۲۰۰ فٹ عریض ہوگا، اسمین ۹ انجن کام کرینگے، اور اُسکا رقبہ ایک لاکہ فٹ مربع کا ہوگا، اُسپر ایک ہزار مسافر ایک وقت مین سفر کرسکین گے، اور انگلستان وامریکہ کی درمیانی مسافت کو جو بحر اقیانوس (اٹلانٹک) کے چہ ہزار میل پر مشتمل ہے، یہ ۴۸ گہنٹہ مین طے کریگا!

ادبیات

زندانیون کا وداعِ رمضان

(۱)

از سید حسرت موہانی

الوداع اے ماہِ رُمضان[1] الوداع الوداع اے مونسِ ہجران الوداع

تجھ سے روشن تھا سرا دلکشِ جان اے چراغِ نورِ ایمان الوداع

اے زمانِ رحمتِ حق، الفراق اے محبِ اہلِ عصیان الوداع

اے نشانِ شانِ صبر و فقر و عشق شاہدِ عشاقِ حیران الوداع

لذت افطار و اے لطفِ سحر تم مین تھا عیشِ فراوان الوداع

عین راحت تجھ سے تھی تکلیفِ قید اے انیسِ اہلِ زندان الوداع

قدر جانی کچھ نہ تیری اے عزیز تجھ سے حسرت ہی پشیمان الوداع

(۲)

محترم محمد علی جوہر (سابق اڈیٹر کامریڈ)

الوداع اے ماہِ رمضان الوداع بہترین غمگساران الوداع

تجھ مین اُترا آخری پیغامِ حق تو ہی تھا شایانِ قرآن الوداع

جوش پر تھا بحرِ رحمت اندنون اے زمانِ عفوِ عصیان الوداع

---

[1] رُمضان، بسکون المیم صحیح نہین، فارسی شعراء نے ہمیشہ بفتح میم استعمال کیا ہے، لیکن قید خانہ مین ہمارے زندانی شعراء پر جو سخت پابندیان عاید تھین ہم ان پسند مناسب نہین سمجھتے کہ قید خانہ سے باہر ایک لفظی پابندی کا بار اور ان پر اضافہ کرین

الفراق اے ہم جلیسِ صائمین | مونسِ شب زندہ داراں الوداع
آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل | پردہ دارِ دردِ پنہاں الوداع
قیدِ تنہائی کی رونق تجھسے تھی | اے شریکِ بزمِ زنداں الوداع
غنچہاے دل شگفتہ تجھسے تھے | اے بہارِ باغ ایماں الوداع
دور کردی تونے ظلمت قید کی | تجھسے ہر شب تھا چراغاں الوداع
سونپنا تھا تجکو زادِ آخرت، | ہوسکا پر کچھ نہ ساماں الوداع
کاروانِ خیر و برکت چلدیا | رہ گئے سب دین ایماں الوداع
شدتِ غم سے زباں گو بند ہے | تو ہی کہدے چشم گریاں الوداع

پولٹیکل گداگری

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے

بہت آزمایا ہے غیروں کو تونے | مگر آج ہے وقت خود آزمائی
نہیں تجکو تاریخ سے آگہی کیا؟ | خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جسکو اپنے لہو سے | مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

"مرا از شکستن چناں عار نابد
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

باب التقریظ والانتقاد

دیوانِ غالب

مصححہ مولوی ابوالبیان سید حامد حسین صاحب بیدل شاہجہانپوری، مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور

تقطیع ۲۶×۲۰ کاغذ سفید دیسی، قیمت عہ

مرزا **غالب** کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک مین اُنکے دیوان کے متعدد اڈیشن شایع ہو چکے ہین، اور اب تک شایع ہو رہے ہین، صحت کے لحاظ سے تو سب سے بہتر وہ نسخہ ہے جو خود مرزا مرحوم کی تصحیح و اہتمام سے دوسری دفعہ چھپا تھا، مرزا نے خود اپنے ہاتھ سے اُسکی کاپیان تک درست کی تھین جیسا کہ دیباچہ مین اُسکا بہ تخصیص ذکر کیا ہے،

ہمارے ملک کے نوجوان اٹھارہ بیس برس سے **غالب** کی قدر پہچاننے لگے ہین، اور روز بروز اُنکے دیوان کے عمدہ اڈیشن کی مانگ ملک مین بڑھتی جاتی ہے، چند سال ہوئے کہ سید راس مسعود کے زیر ہدایت مطبع نظامی بداون سے اہتمام کے ساتھ اُسکا ایک اڈیشن شایع ہوا، کاغذ اور کتابت کی عمدگی مین کلام نہین، لیکن خط جلی اور تقطیع غیر موزون رہی، مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، انجمن ترقی اُردو کی طرف سے نہایت کوشش کے ساتھ اسکا ایک صحیح اور عمدہ نسخہ تیار کر رہے تھے، مرحوم نے اُسکے لئے بڑی محنت اٹھائی تھی، ایک دیباچہ لکھا تھا، جس مین غالب کی شاعری اور فلسفہ پر عمدہ خیالات مرتب کئے تھے، اسی اثنا مین ہمارے دوست مولانا عبدالسلام ندوی کو بھوپال کے سرکاری کتبخانہ مین غالب کا پورا دیوان بلا انتخاب مل گیا، جسکو خود غالب نے بھوپال کے ایک رئیس کو شاید ہدیۃً بھیجا تھا، مرحوم ڈاکٹر بجنوری کا ارادہ تھا جیسا کہ وہ مجھسے کہتے تھے کہ وہ اس دیوان کا فوٹو بعینہ اپنے نسخہ کے اخیر مین شایع کرینگے لیکن

افسوس کہ ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند، امید تھی کہ انکے احباب اور انجمن ترقی اُردو مرحوم کی یادگار مین اس نسخہ کو چھاپکر شایع کر دیگی، لیکن مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی زبانی یہ سن کر افسوس ہوا کہ مرحوم کی یہ محنت وکاوش ریاستون کی پولیٹکل کشمکش مین ضایع ہونا چاہتی ہے،

سبکو معلوم ہے کہ غالب کی زبان قدرے نامانوس ہے، فارسی ترکیبون کی پیچیدگی خیالات کی بلندی، مضامین کی ندرت کے سبب سے انکا دیوان عام اہل مطابع کی دماغی دسترس سے باہر ہے اس بنا پر اُن کا دیوان بکثرت چھپنے کے باوجود بکثرت غلط چھپا ہے، ہان سید حسرت موہانی نے تصحیح دیوان غالب مین جو سنہ ۱۹۱۶ء مین چوتھی دفعہ چھپا ہے، تقریباً بہت کچھ صحت کا لحاظ رکھا ہے۔

زیر تنقید نسخہ، دیوان غالب اسی سال لاہور کے مطبع مفید عام سے شایع ہوا ہے، اسکے مصحح ہمارے دوست مولوی ابوالبیان سید حامد حسین بیدل شاہجہانپوری ہین، سید بیدل فارسی اور عربی کے ماہر ہین اور شاعری مین داغ مرحوم کے شاگرد ہین، ابھی ہین علامہ شبلی مرحوم کی صحبتون مین وہ سالہا سال شریک رہے ہین، علامہ مرحوم نے دستۂ گل مین جو یہ قطعہ لکھا ہے

ہرزہ چندیم بافتن و پیش کسان عرضہ دادن نہ پسندیدۂ عاقل باشد
من ہم این کار نمی خواستم از دل اما چہ توان کرد چو فرمودۂ بیدل باشد

اس بیدل سے یہی بزرگ مراد ہین۔

سید بیدل نے اس نسخہ مین دو باتین خاص طور سے اضافہ کی ہین، ایک یہ کہ تمام منظومات پر نمبر لگا دیئے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مین ۲۲۵ غزلین ہین، متفرق غزلون کے اشعار کو آخر مین ایک شمار کر لیا ہے، قصائد چار ہین، قطعات گیارہ ہین، متفرق نظمین سات ہین، رباعیاں سولہ ہین، دوسری بات یہ کی ہے کہ غالب مین فارسی اضافات اور ترکیبین بکثرت ہین، دقت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ چونکہ اضافتون کو نشان وقف بنا کر علحدہ نہین کیا گیا ہے، اس بنا پر اول بلحاظ

لوگ پڑھنے مین غلطی کرتے ہین، مصحح نے یہ کیا ہے کہ ہر فقرہ کو وقف کا نشان لگا کر الگ کر دیا ہے، یہ التزام پوری کتاب مین خصوصیت کے ساتھ نباہا گیا ہے،

تصحیح اغلاط مین مصحح نے خاص طور پر کوشش کی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مطبع نے اصلاح سنگ کا اہتمام شاید اچھا نہین کیا، اس بنا پر مصلح سنگ کے حرف گیر نے سخت مظالم کئے ہین، اور اسکے علامات کتاب مین جا بجا نمایان ہین، اس بنا پر گو یہ نسخہ عام بازاری نسخون سے بہتر اور عمدہ ہے، کاغذ دبیز ... ہے، خط صاف ہے، اغلاط بھی نسبتہ کم ہین، تاہم وہ اس داغ سے بتمامہ پاک نہین، ہم نے کسیقدر تعمق سے اس نسخہ کو پڑھا، اور اسکے اغلاط پر نشان لگائے، اور انکو اسلئے ذیل مین لکھتے ہین تاکہ آیندہ ... انکی درستی کیجائے،

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا　　　یہ زمرد بھی حرف دم افعی ہوا

حرف کے بجائے "حریف" چاہیئے،

وان تا جگر کہ ساحل دریای خون آب　　　اس رہگذر مین جلوۂ گل آگے گرد تھا

... ہے، وہ نہین، بلکہ آب ہے،

... یا کیجئے بیداد کاوشہاے مژگان کو — "مژگان" کو کے بجائے "مژگان" کا لکھنا چاہیئے،

اس قطعہ مین ایک "کہ" زاید ہے،

... تلف، تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا — "بھی" کی جگہ "ہی" چاہیئے،

... دشت وفا کا نہ پوچھ سال — حال کا "سال" ہو گیا ہے۔

... اس ... کرہ کپڑے کی قیمت غالب — کپڑون کی اس گرانی کے زمانہ مین "قیمت" کا سبب تھا، ... قیمت ... لکھا ہے،

... خرابی ... بیلی کون ہے — "خرابیہاے" چاہیئے۔

ع بات کرنے کرمین لب نشۂ تقدیر بھی تھا۔ "تقدیر" کے بجائے "تقریر"

ع کیا کہون بیماریٔ غم کی فراغت کا بیان۔ شرح حسرت موہانی مین بھی اس مصرع مین "کیا کہون" چھپا ہے لیکن بظاہر "کیا کرون" چاہیئے۔

ع عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا۔ "عافیت" چاہیئے۔

ع سبزۂ گل کہان سے آئے ہین۔ "سبزۂ وگل" چاہیئے۔

ع ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگین کے نکیرین۔ "نہ بھاگین گے"

ع زور بازار جانفشاری۔ "روزبازار" صحیح ہے،

ع اے شوق! یان اجازتِ تسلیم و ہوش ہے۔ "تسلیم ہوش" چاہیئے۔

ع نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے۔ اکثر نسخون مین سوز چھپا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "شور" ہے، یعنی "بزم شادمانی" سرور و سوزان یل ہین، اور اوپر کے شعرون مین سوز کے مناسب کوئی بات نہین ہے،

ان چند اغلاط کے علاوہ شاید ایک دو غلطیان اور باقی ہون، ہمکو امید ہے کہ شائقین اس نسخہ کو خرید کر عام تجارتی مطابع کو اردو ادب کی خدمت کا حوصلہ دلائین گے۔

نور اللغات

اُردو زبان کا ایک ضخیم لغت جو زیر تصنیف ہے

از مولوی احسن اللہ خان ثاقب پروفیسر گوالیار کالج

مولوی نور الحسن صاحب نیر بی۔ اے، ال، ال، بی (ہردوئی، اودھ) خلف اکبر حضرت کاکوروی علیہ الرحمہ ایک مدت سے اُردو زبان کا ایک ضخیم لغت تالیف کر رہے ہین، اسکا ایک ...

حصہ چھپکر شایع ہوا ہے، جو سفید کاغذ کی بڑی تقطیع پر خوبصورت چھاپا گیا ہے، اُردو زبان کے ایک مستند لغت کی ضرورت سے شاید کسیکو انکار ہو گا، لغت کی جلد اول جو تمام ہو چکی ہے، اور جلد ثانی جو زیر ترتیب ہے، دونون مین نے دیکھی ہین، اور مین بلا مبالغہ کہتا ہون کہ کتاب نہایت محنت اور قابلیت سے تالیف کیگئی ہے، اور استعجاب کیون ہو، آخر حضرت نیر کس یگانۂ روزگار کے خلف الرشید ہین،

نور اللغات اُسی ہونے پر تالیف کیجا رہی ہے، جس محنت و دیرکاوش سے ناتمام امیر اللغات تالیف کیگئی، اگر یہ لغت مکمل ہوگیا، تو اردو زبان کو پھر کسی دوسری کتاب کی اس موضوع پر ضرورت باقی نہ رہیگی،

اس لغت کی خصوصیات حسب ذیل ہین:-

(۱) اس کتاب مین پہلے الفاظ اور اسکے بعد محاورات بہ ترتیب حروف تہجی درج کئے ہین،

(۲) فارسی اور عربی کی وہ ترکیبین، مقولے اور مثلین جو اردو زبان مین استعمال ہوتی ہین اور جو اردو زبان کا لازمی جزو ہوگئی ہین، مع پہلوے استعمال درج کی ہین،

[illegible] اور محاورات کی نسبت موٴلف نے زبان کا لحاظ رکھا ہے،

[illegible] الفاظ جو زبان پر رائج اور اُردو اخبارات مین مستعمل ہین مع معانی کے لکھدیئے ہین،

[illegible] امکان یہ کوشش کی ہے کہ اردو کے مستند شعراء اور مشہور نثر نگارون کے کلام سے [illegible] دکھایا جائے،

[illegible] فارسی جو سند ہوکر دوسرے معنون مین مستعمل ہین مع اصل معانی اور اُردو مین [illegible] لکھے گئے ہین،

[illegible] کے متعلق اختلاف کی صورت مین سند لکھدی ہے، فضول مباحث سے اجتناب کیا ہے،

۸ - محاورات مین لکھنؤ اور دہلی دونون مقامات کو داخل کیا ہے.

۹ - عوام کی زبان اور بیگمات کی بول چال کے متعلق خاص اشارہ کردیا ہے،

۱۰ - جو محاورات واحد اور جمع دونون مین بغیر کسی معنوی اختلاف کے بولے جاتے ہین اُنکو صرف واحد مین لکھا ہے، بصورت اختلاف دونون کے تحت مین لکھا ہے، مثلاً بات بنانا، باتین بنانا۔

۱۱ - جن محاورات کے منفی اور مثبت کے استعمال مین کوئی خاص پہلو پیدا ہوجاتا ہے، اُنکو علیحدہ علیحدہ قائم کیا ہے ورنہ صورت اثبات کے ساتھ لکھدیا ہے،

۱۲ - علم ادب کے وہ نکات جنکا تعلق لغت سے ہے حسب ضرورت لکھدیئے ہین،

۱۳ - الفاظ مترادفہ کا نازک فرق ظاہر کردیا ہے، جیسے بول چال، محاورہ، مثل،

۱۴ - وہ انگریزی الفاظ جو اکثر زبانون پر آگئے اور اخبارات مین پائے جاتے ہین لغت مین داخل کردیئے ہین اور اُنکی تذکیر و تانیث بھی لکھدی ہے،

قابل ستائش یہ امر ہے کہ جناب مولف تنہا اسوقت تک اس کام کو انجام دے رہے ہین، ملک کو ایسے مولف اور ایسی تالیف کی قدر کرنا لازمی ہے، ارباب ہم کو چاہیئے کہ جہانتک ہوسکے تکمیل کتاب اور مصارف طبع و اشاعت مین اُنکا ہاتھ بٹائین وہ بہت کچھ اس تالیف پر خرچ کر رہے ہین، اگر یہ کام ہزارون روپئے کے خرچ سے انجام پاسکتا ہے، ہمارے والیان ملک کو جو اُردو کے قدر دان ہین ضرور ہے کہ ایسی گرانبہا تالیف کے لئے اپنی ہمت کا اظہار فرمائین تاکہ ملک کے لئے ایک سرمایۂ ناز لغت تالیف و مرتب ہوجائے، جسکی ازبس ضرورت ہے، اور جو امیر اللغات کے ناتمام رہجانے سے غیر مکمل پڑا ہوا ہے،

مطبوعاتِ جدیدہ

اہل القبلہ، یہ مختصر سا رسالہ جسکا حجم ۴۸ صفحات ہیں، مولوی عبدالغفور صاحب عابدی حیدرآبادی نے تالیف کیا ہے، اس رسالہ مین قرآن وسنت اور فقہ وتصوف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل قبلہ یعنی مسلمانون کے کسی فرقہ کو کافر کہنا صحیح نہین ہے، مولف نے فقہ کی کتابون کے اقتباسات اچھے جمع کئے ہین، پتہ :- ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب مہتم دیاکسین ڈپو سرکارعالی حیدرآباد دکن، قیمت ۶ر،

نوحۂ زندگی، مولوی راشدالخیری صاحب کا ایک جدید افسانہ جسمین پردرد طریقہ سے بیواؤن کی حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اورعفت ثانی کی خوبیان دکھائی گئی ہین، کاش مرادفات کا استعمال کچھ کم کیا جاتا، مصنف کا ہرافسانہ اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتا ہے، پتہ: دفتر تمدن مٹیا محل دہلی قیمت ۱۲ر

جذباتِ اوج، جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی کے اخلاقی، ادبی، اور طبعی نظمون کا پہلا مجموعہ، حجم ۵۶ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، پتہ: دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین، گجرات، پنجاب، قیمت ۸ر،

صریف الاقلام، فی نبوت آدم علیہ السلام، اخبارات مین یہ بحث چھڑی تھی کہ حضرت آدمؑ نبی تھے یا نہین، جناب مولانا عبدالاول صاحب جونپوری نے آٹھ صفحے کے رسالہ مین "۴۲ کتابون" کے حوالون سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ نبی تھے، ہمکو اس مسئلہ سے نفیاً یا اثباتاً کوئی بحث نہین ہے لیکن کاش مولانا موصوف یہ اصول تسلیم کرلیتے کہ دلائل کی کمیت مفید نہین بلکہ کیفیت مفید ہوتی ہے، عقاید کا ثبوت صرف قرآن مجید اور سنت متواترہ سے ہوتا ہے، عقیدۃ العوام اور نورالظلام وغیرہ سے نہین [illegible] پیدا ہوا تھے دلیل، برہان کا کام دیسکتا ہے، صرف پہلا حوالہ البتہ قابل لحاظ ہے [illegible] محنت رائگان ہے، پہلے حوالہ مین درمنثور سے ابن ابی [illegible] مطلب [illegible]

بہتر ہوتا اگر رسالہ کے بقیہ صفحات مین اُنکے اسناد سے بحث کیجاتی، رسالہ مصنف سے شاید مفت مل سکے،

نقیب، یہ رسالہ بدایون سے ماہوار شایع ہوتا ہے، اسکے چھ سات پرچے نظر سے گذر چکے ہین، اس رسالہ کا اصلی موضوع سخن سنجیدہ لیکن لطیف ظریفانہ عبارت مین ہر قسم کے علمی، اصلاحی، اور سیاسی خیالات کا ادا کرنا ہے، ہمکو یہ کہنے مین باک نہین کہ اُسکے اکثر مضامین اس صنف خاص مین بیحد کامیاب ہوئے ہین، چونکہ ظرافت پھر ظرافت ہے، اسلئے مضمون نگار اصحاب ستم ظریفی سے جعلی نامون کے پردہ مین ظاہر ہوتے ہین، تاہم سید محفوظ علی صاحب اور سلطان حیدر صاحب جوش تو اُس جعلی جالی مین چھپ نہین سکتے، یہ طرز نگارش ادبیات کی ایک خاص صنف ہے، اور اُسکے لئے اب تک ملک مین کوئی خاص رسالہ نہ تھا، اگر سائنس وغیرہ چھوڑکر صرف اسی ایک چیز کو نقیب لیلے تو اُمید ہی کہ خاطر خواہ کامیاب ہوگا، ٹھوس واقعیت اور لطیف وسیال تخیل پہلو بہ پہلو زیب نہین دیتے، پتہ:۔ دفتر نقیب، بدایون، ضخامت ۴۸ صفحے، قیمت قسم اول للعہ، قسم دوم ۸؍

دستور۔ شیرکوٹ ضلع بجنور سے ایک اردو اخبار چند مہینون سے اس نام سے شایع ہونا شروع ہوا ہے، جناب مولوی مظہر الدین صاحب جو اس سے پہلے متعدد اخبارون مین اڈیٹری کے فرائض انجام دیچکے ہین اُسکے ایڈیٹر ہین، ہفتہ مین دو بار بڑی تقطیع کے سفید کاغذ پر آٹھ صفحات مین شایع ہوتا ہے، مضامین اور اُنکی ترتیب عمدہ ہوتی ہے، اسلامی جذبات کی تحریک و تفریح مولوی صاحب کے قلم کے خصوصیات مین ہے، لیکن مقالات افتتاحیہ کی محض خطابی انشاپردازی کو اخبارات کیلئے ہم موزون نہین سمجھتے ہین، قیمت چھ روپیہ سے،

جلد چہارم　　　نومبر ۱۹۱۹ء صفر ۱۳۳۸ھ　　　عدد پنجم

مضامین

تصحیح: اکتوبر کے پرچہ مین مضمون تصاویر مین ہاٹ ٹون کے بجائے بسٹ پڑھئے، شذرات صفحہ ۲۴۲ مین جرت کے بجائے کاٹھیا وار۔

شذرات

آیندہ ایسٹر کی تعطیل مین غالباً ۱۰ برس کے بعد ندوۃ العلماء کا جلسہ صوبہ بہار مین منعقد ہوگا، پہلا جلسہ صوبہ کے دار الحکومت پٹنہ مین ہوا تھا۔ اور اس سال صوبہ کے ایک اور ممتاز اور قدیم ترین شہر گیا مین ہوگا، یہ شہر دنیا کے سب سے زیادہ کثیر التعداد مذاہب مین سے ایک کا (بودھ) معبد اعظم ہے اور مسلمانون کی بھی تاریخ گذشتہ اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اسکی عظمت مسلّم ہے، پٹنہ کا اجلاس کثرت شرکاء تعداد علماء، اور افراط جوش وخروش واعانت مالی کے لحاظ سے یادگار تھا، امید ہے کہ گیا کے مسلمان اولوالعزم اپنے صوبہ کی پچھلی تاریخ کے نام کو داغ نہ لگائین گے، اس صوبہ مین علما کی تعداد بہت زیادہ ہے توقع ہے کہ جلسۂ گیا مین اجلاس پٹنہ سے شملون اور عمامون کی تعداد کمتر نظر نہ آئے گی۔

اگست ۱۹ء کے معارف نمبر ۲ مین ایک مضمون تناسخ پر شائع ہوا تھا، مضمون نگار نے اُس مین یہ فارسی شعر بھی اپنے استدلال مین نقل کیا تھا،

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام ہفتصد ہفتاد قالب دیدہ ام

اور اسکو مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کی طرف منسوب کیا تھا معارف نے اسپر جو تبصرہ لکھا تھا اُس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ اس انتساب کو وہ بھی تسلیم کرتا ہے اسپر سب سے پہلے ایک ستمبر کے "ویزرک" نے ٹوکا، اسکے بعد ڈاکٹر اقبال نے اس غلطی پر متنبہ کیا، اور دونون صاحبون نے لکھا کہ گو یہ شعر مولانا رومی کی طرف منسوب ہے مگر انکی مثنوی مین نہین، چنانچہ مجھے خود بھی اسکی کاوش ہوئی، اور مثنوی مین

یہ شعر نہ ملا، مثنوی کا ایک نسخہ مطبوعۂ ایران ہے، جسکے آخر مین اشعار کی فہرست ہے اُس مین بھی یہ شعر موجود نہین، اس بنا پر اس شہرت عام کی علانیہ تغلیط کی جاتی ہے، یہ شعر مولانا رومی کا نہین،

•

گذشتہ اکتوبر کے پرچہ مین ضمناً بسلسلۂ تنقید دیوان غالب اُس نسخہ کا ذکر آگیا تھا جو بھوپال مین دستیاب ہوا تھا اور جسکو مرحوم ڈاکٹر بجنوری اپنے مقدمہ کے ساتھ شایع کرنا چاہتے تھے اور جو انکی ناگہانی موت سے ناتمام رہ گیا، اور اسپر معارف نے افسوس ظاہر کیا تھا،

چند روز ہوئے کہ ہمارے محترم دوست مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے ناظم تعلیمات بھوپال کا ایک مفصل خط آیا اور جسکو پڑھکر بڑی خوشی ہوئی کہ دیوان مذکور نہایت خوبی کے ساتھ جناب مفتی صاحب کے زیر اہتمام تحشیہ چھپ رہا ہے، آٹھ صفحے چھپے ہوئے اُنھون نے بھیجے بھی ہین، اور یہ دیکھکر اور زیادہ مسرت ہوئی کہ لکھائی چھپائی کاغذ ہر حیثیت سے قابل تعریف ہے، مفتی صاحب یقین دلاتے ہین کہ دو مہینے مین یہ نسخہ شایقین کے ہاتھون مین پہنچ جائے گا، اشاعت کے تمام مصارف جناب نواب زادہ حمید اللہ خان بہادر بی اے اپنی طرف سے ادا کررہے ہین، اس عظیم الشان خدمت ادبی پر ہم اس علم پرور ریاست اور اسکے ارکان کو مبارکباد دیتے ہین۔

مفتی صاحب کا مفصل خط جس سے دیوان کے طریقۂ تدوین و تحشیہ و طبع کی کیفیت معلوم ہوگی آئندہ اشاعت مین شایع ہوگا،

یونیورسٹیون کا رئیس چانسلر ہوتا ہے، جو ہر سال علمی کاروبار انجام دینے کے لئے اپنے بجائے ایک وائیس چانسلر (نائب امیر جامعہ) مقرر کرتا ہے۔ یونیورسٹی کی روح رواں یہی وائیس چانسلر ہوتا ہے، اور عملاً اسکی شخصیت سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے، میسور یونیورسٹی ملک کی ایک جدید

ہونہار یونیورسٹی ہے، ماہ گذشتہ مین اسکا سالانہ جلسہ (کانوکیشن) تھا، چانسلر (مہاراجہ میسور) نے وائس چانسلر سر عبد الرحیم جج ہائی کورٹ مدراس کو مقرر کیا اور خطبہ صدارت انہین نے ارشاد فرمایا اس ایڈرس مین اگرچہ حکیمانہ عمق نہ تھا، تاہم اس طرح کے خطبات کا جو عام معیار قائم ہے اس سے یہ خطبہ فروتر بھی نہ تھا۔ کسی مسلمان کا اس منصب پر فائز ہونا بجائے خود ایک نادر واقعہ ہے اور پھر ایک ہندو ریاست مین تو یہ اپنی نوعیت کا بالکل پہلا تجربہ تھا، اس تجربہ کی کامیابی سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوگیا کہ مسلمانون مین ان خدمات جلیلہ کی انجام دہی کا بالکل قحط نہین۔

آغاز نومبر مین پونہ مین اورینٹیل کانفرنس کا جو اجلاس منعقد ہوا اسکے لئے کلکتہ یونیورسٹی اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے ایک ایک نمایندہ طلب کیا گیا تھا، دونون کا قرعۂ انتخاب ڈاکٹر عبد اللہ المامون سہروردی پر پڑا، ہمسایہ اقوام کے مقابلہ مین مسلمانون کا علمی تنزل ہے اسکے لحاظ سے ایسے مواقع پر کسی مسلمان کا نام سننے سے مسرت کے ساتھ ہی حیرت بھی ہوتی ہے۔

انگلستان کا مشہور و معروف اخبار ٹائمز اپنا ایک ہفتہ وار علمی ضمیمہ بھی شائع کرتا ہے، اسکا موضوع تمام تر علمی ہے، اس مین صرف مطبوعات جدیدہ کی فہرست ہوتی ہے، ان مین جو قابل تذکرہ و تبصرہ ہوتے ہین انکی حسب حیثیت ان پر ریویو ہوتے ہین، صیغۂ مراسلات مین علمی مسائل پر بحث ہوتی ہے اور مقالہ افتتاحیہ مین اکثر کسی مشہور ادیب پر نقد و تبصرہ ہوتا ہے، ان چیزون کے سوا پالیٹکس وغیرہ پر ایک حرف بھی نہین ہوتا، اور سالانہ قیمت انگلستان کے لئے ۱۱ شلنگ اور بیرونجات کے لئے ۱۳ شلنگ ہے، جنگ نے اسکی اشاعت کو شدید نقصان پہنچایا، یہانتک کہ اسکے خریدارون کی تعداد مین بقدر ایک ثلث کے کمی ہوگئی، بااینہمہ جانتے ہو کہ اسکے خریدار

تعداد کیا ہے؟ واسکے لئے کسی قیاس کی حاجت نہین، لٹریری ٹائمز خود ہر ہفتہ اپنے قدرشناسون کی

تعداد چھاپتا رہتا ہے حال کی چند اشاعتون سے متعلق اعداد ملاحظہ ہون :-

۱۷ جولائی ۱۹ء	۳۲۰۵۹	۳۱ جولائی ۱۹ء	۳۲۴۷۸
۷ اگست ؍؍	۳۲۰۸۰	۴ ستمبر ؍؍	۲۹۴۸۰
۱۴ اگست ؍؍	۳۱۲۶۸		

اردو مین اب تک متعدد پرچے خالص علم و ادب کی خدمت کے لئے نکل چکے ہین جن مین سے

بعض (مثلاً تہذیب الاخلاق، والندوہ) کی رہنما سید احمد خان و شبلی کی شخصیتین رہ چکی ہین، بہتر

ہوگا اگر ان سب کے خریدارون کی مجموعی تعداد کو اکیلے لٹریری ٹائمز کے حلقۂ اشاعت کے سامنے

رکھکر آفتاب اور چراغ کی روشنی کا مقابلہ کیا جائے!

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ، انگلستان مین اپنی نوعیت کا تنہا پرچہ نہین۔ اتھینیم، لٹریری ورلڈ وغیرہ

متعدد پرچے اور بھی نکلتے ہین، جنکے مقاصد اس سے تقریباً متحد ہین، اور مختلف علوم، فلسفہ، تاریخ،

ریاضیات، کیمیا، نباتات، فلکیات وغیرہ کے جو مخصوص جراید و رسائل نکلتے رہتے ہین، انکا شمار بھی کچھ

کم نہین۔ پھر خود ٹائمز ہی کے دفتر سے تعلیم و تربیت، انجینیری، اور تجارت سے متعلق جو مستقل ہفتہ وار

ضمیمے شایع ہوتے رہتے ہین، وہ علحدہ ہین۔ لیکن ان سب حالات کے باوجود بھی اسکے علمی ضمیمہ

کی جو تعداد فروخت ہے اوپر گزر چکی، اسکے مقابلہ مین اول تو اردو مین علم و زبان کی خدمت

کرنے والے ہین کتنے، لیکن دو ایک پرچے جو یہ ولولہ لیکر نکلتے بھی ہین، انکی یہ حالت رہتی ہے کہ

اگر ان کی اشاعت تو کیا، اگر "دست غیب" کا سہارا نہ ہو تو محض خریدارون کے بھروسہ پر پرچہ

کی چند روزہ زندگی بھی دشوار ہو جائے!

لندن مین دو سال سے ایک درسگاہ اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز کے نام سے قایم ہے، مقصد قیام یہ ہے کہ اہل مغرب، مشرقی علوم والسنہ سے واقفیت حاصل کرین۔ سرڈینسن راس اس درسگاہ کے ڈایرکٹر ہین۔ حال مین انہون نے ایک تقریر کی، اس سے معلوم ہوا کہ سال گذشتہ اسکول مین ۳۰۰ طلبہ تھے۔ اسکول مین گو تقریباً تمام مشرقی زبانون کی تعلیم کا انتظام ہے، لیکن جو عام رُجحان زبان عربی سے متعلق ہے، وہ اور کسی زبان سے نہین، چنانچہ طلبہ کی سب سے بڑی تعداد یعنی ۵۴ نے یہی زبان اختیار کی تھی۔ اساتذہ کی تعداد ۲۸ ہے، انکے علاوہ ۲۰ زاید اساتذہ بھی ہین، جو باضابطہ ملازم نہین مگر بوقت ضرورت کام کرنے کو تیار رہتے ہین۔ درسگاہ سے متعلق مشرقی علوم وفنون کا ایک کتبخانہ بھی ہے جسے ہر طرح پر مکمل وجامع بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ارسٹاٹیلین سوسائٹی جو "معلم اول" ارسطو کے نام کے انتساب سے قائم ہے، اسوقت انگلستان مین فلسفہ کی ممتازترین انجمن ہے، اسکے ارکان عموماً صرف مشاہیر فن ہین، اور اسکی مجلسون مین محض دقیق فلسفیانہ مباحث پر گفتگو ہوتی ہے، جو باہر والون کے لئے اکثر قابل فہم بھی نہین ہوتی۔ حال مین سوسائٹی مذکور کے ایک اجلاس مین موضوع بحث یہ عنوان قرار پایا "سر رابندر ناتھ ٹیگو شاعر وفلسفی"، ڈرہم یونیورسٹی کے پرنسپل جیونس نے اس عنوان پر ایک مفصل خطبہ ارشاد [illegible] اور ارکان بزم نے ٹیگور کی فلسفیانہ تعلیمات پر دیر تک بحث کی، خود ٹیگور نے معلوم نہین خبر کو کن جذبات کے ساتھ سنا، لیکن ٹیگور کے ہموطنون کے دلون مین اسکا یہ غیر معمولی [illegible] فخر ومسرت کے جسقدر جذبات بھی پیدا کرے بجا ہے، ارض ہند کی فلسفیانہ شہرت [illegible] زمانہ مین مسلّم تھی، ٹیگور کے ہوتے ہوئے کون اس عظمت کو مردود کہہ سکتا ہے؟

امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی ییل یونیورسٹی ہے چند روز ہوئے اسے ایک معطی مسٹر اسٹرلنگ
کی وصیت کے مطابق ۳۶ لاکھ پونڈ (چار کرور نوے لاکھ روپیہ) کا ترکہ حاصل ہوا ہے! مغربی یونیورسٹیوں
کے لئے یہ عطیہ اپنی نوعیت میں نادر نہیں، انہیں اس قسم کے عطایا برابر حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اس
"فیض روح القدس" سے اگر ان میں "اعجاز مسیحائی" پیدا ہو گیا ہو تو نیم مردہ ہندوستان کو حسرت
نہ ہونا چاہئے۔ فیضی و ابوالفضل کی تلاش اسوقت تک بیسود ہے، جب تک کوئی اکبر نہ ہو۔

وسط اکتوبر میں صوبہ کی جو کانفرنسیں سہارنپور میں منعقد ہوئیں، ان میں ایک ہندی کانفرنس
بھی تھی۔ اسکی زندگی کا یہ پہلا سال نہیں۔ اس سے پیشتر بھی وہ اسی صوبہ کے مختلف شہروں میں منعقد
ہو چکی ہے، اس دعوی کے ساتھ کہ ہندی ملک کی عام زبان ہے۔ سنتے ہیں کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں
کا بھی دعوی اردو سے متعلق تھا، اور صوبہ ہذا اردو کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن شاید مدت ہوئی وقت
کی عدالت سے یہ دعوی "عدم پیروی" میں خارج ہو گیا۔

مقالات

تاریخ وفات نبوی

اہل عرب مین جہان عدم تعلیم کے سبب سے اور بہت سے نقائص تھے، وہان ایک یہ بھی تہاکہ کسی واقعہ کی تاریخ (روز) بیان کرنے مین وہ تساہل اور مسامحت کرتے تھے، اگر یہ بیان کرنا ہوکہ مہینہ کی دسؔ تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا تو اسکو یون اداکرتے تھے کہ "فلان مہینہ کی دس راتین گذری ہین کہ یہ واقعہ ہوا، اگر ۲۵ تاریخ کو ایک واقعہ پیش آیا تو کہتے تھے کہ "مہینہ مین پانچ دن باقی تھے جب یہ ہوا" عربی مہینے خالص قمری مہینے تھے، یعنی انکا مدار محض رویت ہلال پر تہا، اسلئے اواخر ماہ کی تاریخ مین انکو قیاس وگمان سے کام لینا پڑتا تہا، یا پورے ۳۰ دن کا مہینہ مان کر وہ یہ کہتے ہون، بہرحال اس طرز بیان کا یہ اثر ہوا کہ تاریخون کی تعیین مین تفاوت اور اختلاف پیدا ہوگیا،

منجملہ اُن اختلافات کے ایک وفات نبوی کی تاریخ کا مسئلہ بھی ہے، سیرت نبوی مین یہ بحث جہان آیا ہے، مین نے حاشیہ مین ایک خاص تاریخ بدلائل متعین کی ہے، اور وہ یکم ربیع الاول ہے لیکن مدار بحث صرف روایت ہے، اصول فلکی سے مین نے اسلئے کام نہین لیا کہ عربی قمری مہینون کی بنیاد محض رویت پر ہے، جسکے لئے اصول فلکی بیکار ہین، بہرحال چونکہ مین یہ چاہتا ہون کہ اس واقعہ کی ہر طریق سے تحقیق ہوجائے، اور ایک مسلم و مستند تاریخ بدلائل متعین کردیجائے، اس بنا پر مناسب سمجہا ہے کہ مین خود اپنا بیان اور نیز بعض اُن ریاضی دان فضلاء کی تحریرین جو میرے استفسار کے جواب مین موصول ہوئی ہین، ارباب علم کے حلقہ مین پیش کرون تاکہ دوسرے اصحاب بھی جو روایتہً یا از روئے اصول فلکیات اس باب مین مجھے مشورہ دیسکتے ہون وہ مستفید فرمائین،

آنحضرت صلعم کی ابتداے مرض کے دن، مدت علالت، اور تاریخ وفات کی تعیین مین روایات مختلف ہین، امور مختلف فیہ سے پہلے اُن امور کو بتا دینا چاہیئے جنپر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جنپر گویا تمام محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے، اور وہ یہ ہین (۱) سال وفات ۱۱ھ ہے، (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا، (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی، (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے۔ اس بناپر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہوجائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات پائی، تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کیجا سکتی ہے، حضرت عائشہ کے گھر بروایت صحیح آٹھ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے، اور یہین وفات پائی، اسلئے ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے، عام روایات کے نزدیک مدت پانچ دن اور چار ہین، اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے، اسلئے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ نے دوسری ازداج کے حجرون مین بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہارشنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخ وفات کی تعیین مین راویون کا اختلاف ہے، کتب حدیث کا تمامتر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی کوئی روایت مجھکو احادیث مین نہین ملسکی، ارباب سیر کے ہان تین روایتین ہیں، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول، اور ۱۲ ربیع الاول، ان تینون روایتون مین باہم ترجیح دینے کے لئے اصول روایت ودرایت دونون سے کام لینا ہے، روایتہً دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کے واسطہ سے مروی ہے، (طبری صفحہ ۱۸۱۵) اس روایت کو اکثر متقدم مورخون نے (مثلاً یعقوبی ومسعودی وغیرہ نے) قبول کیا ہے، لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونون راوی دروغگو اور غیر معتبر ہین، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد وطبری نے نقل کی ہے، مگر وفات کے بیان مین واقدی کی مشہور ترین روایت جسکو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے، وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے،

البتہ بیہقی نے دلائل مین بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے، (نور النبراس لابن سید الناس، وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسے بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف مین اسی روایت کو اقرب الی الحق لکہا ہے، (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے، کیونکہ دو باتین یقینی طور پر ثابت ہین، روز وفات دوشنبہ کا دن تہا، (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذیحجہ سنہ ۱۰ھ کی نوین تاریخ کو جمعہ کا دن تہا، (صحاح قصہ حجۃ الوداع صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تک حساب لگاؤ، ذیحجہ، محرم، صفر، ان تینون مہینون کو خواہ ۲۹، ۲۹ لو خواہ ۳۰، ۳۰، ۳۰، خواہ بعض ۲۹ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہین پڑ سکتا، اسلئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے، دوم ربیع الاول کے حساب سے اسوقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے، جب تینون مہینے ۲۹ کے ہون، اور یہ گو قدیم اہل ہیئت کے نزدیک جائز ہے لیکن جدید علم ہیئت مین یہ وقوع مئی کے بعد کے مہینون مین ممکن ہے اور یہ مہینے یقیناً مئی سے پہلے کے ہین، اب صرف تیسری صورت رہ گئی جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے اس حالت مین یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے ۔

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذیحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول مین اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہوسکتا ہے،

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذیحجہ محرم اور صفر سب ۳۰ کے ہون	۶	۱۳	۰
۲	ذیحجہ محرم اور صفر سب ۲۹ کے ہون	۲	۹	۱۰

۳	ذیحجہ ۲۹، محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ ۲۹، محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	۰
۷	ذیحجہ ۳۰، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	۰
۸	ذیحجہ ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہون	-	۱۴	۰

ان مفروضہ تاریخون مین سے ۶، ۷، ۸، ۱۳، ۹، ۱۴، ۱۵، خارج از بحث ہین کہ علاوہ اور وجوہ کے انکی تائید مین کوئی روایت ہنین، رہ گئین یکم اور دوم تاریخین، دوم تاریخ صرف ایک صورت مین پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے، یکم تاریخ تین صورتون مین واقع ہوسکتی ہے اور تینون کثیر الوقوع ہین، اور روایات ثقات انکی تائید مین ہین، اسلئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہے، اس حساب مین فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے، جسپر اسلامی قمری مہینون کی بنیاد ہے، اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اسپر خدشات وارد ہوسکتے ہون،

کتب تفسیر مین تحت آیت الیوم اکملت لکم دینکم حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ) سے روز وفات تک ۸۱ دن ہین (دیکھو ابن جریر، ابن کثیر، بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ سے لیکر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹، اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیکر جو ہماری مفروضہ صورت ہے، پورے ۸۱ دن ہوتے ہین، ابونعیم نے بھی دلائل مین بسند یکم ربیع الاول تاریخ وفات نقل کی ہے (صفحہ ۱۴۶)

جناب مولانا محمد عبدالواسع صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

سال قمری کی صحیح تعداد (۳۵۴٫۳۶۷۰۶۴۴) دن ہین، اسلئے سال قمری کبھی (۳۵۴) دن کا اور کبھی (۳۵۵) کا ہوتا ہے، غرہ ذیحجہ سنہ ۱ھ سے سلخ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ تک ۱۳۲۷ سال قمری ہوتے ہین جنکی تعداد ایام حسب ذیل ہے (۱۳۲۷ × ۳۵۴٫۳۶۷۰۶۴۴) = ۴۷۰۲۴۵٫۰۹۴۴۵۸۸ دن کے یعنی وقت تولید ہلال ذیحجہ سنہ ۱ھ سے وقت تولید ہلال ذیحجہ ۱۳۳۷ھ تک (۴۷۰۲۴۵) دن ۲ گھنٹے ۱۶ منٹ ہوتے ہین،

ناٹیکل المینک ۱۹۱۹ء کے معائنہ سے واضح ہے کہ شہر گرینوچ مین تولید ہلال ذیحجہ ۱۳۳۷ھ ۲۶ اگست روز سہ شنبہ کو بعد ظہر ۳ بجکر ۳۴ منٹ پر ہوئی، اور چونکہ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کا طول بلد شرقی ۴۰، ۱۱ ہے لہذا مکہ معظمہ کے نصف النہار کا وقت گرینوچ کے وقت مین ۲ گھنٹہ ۴۱ منٹ جمع کرنے سے حاصل ہوگا، اسلئے ہلال ذیحجہ ۱۳۳۷ھ کی تولید مکہ معظمہ مین ۲۶ اگست ۱۹۱۹ء روز سہ شنبہ کو بعد ظہر ۶ بجکر ۱۵ منٹ پر ہوئی، اور بحالت صفائی مطلع اسی دن شام کو رویت ہوگئی ہوگی۔

ان امور کے دریافت ہوجانے کے بعد ظاہر ہے کہ ۲۹ ذیقعدہ روز سہ شنبہ وقت ۶ بجے ۱۵ منٹ بعد ظہر سے ۴۷۰۲۴۵ دن ۲ گھنٹے ۱۶ منٹ یعنی ۶۷۱۷۷ ہفتے ۶ دن ۲ گھنٹے ۱۶ منٹ قبل مکہ معظمہ مین تولید ہلال ذیحجہ سنہ ۱ھ ہوئی ہوگی، اور چونکہ سلخ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ روز سہ شنبہ ہے اسلئے ان ہفتون کا شمار اگر اخیر سے کیا جاے تو ہر ہفتہ چہار شنبہ سے شروع اور سہ شنبہ پر ختم ہوتا ہے، اس حساب سے ذیحجہ سنہ ۱ھ روز چہار شنبہ اور غرہ ذیحجہ سنہ ۱ھ روز پنجشنبہ ہوگا، اور مکہ معظمہ مین تولید ہلال ذیحجہ سنہ ۱ھ ۲۹ ذیقعدہ روز چہار شنبہ کو بعد ظہر ۲ بجکر ۵۹ منٹ پر ہوئی تھی، لیکن حرکت قمری کے بعض انتظامات اور اوضاع فلکی کے تغیرات کی بنا پر ممکن ہے کہ تولید ہلال وقت مقررہ سے دو تین گھنٹے قبل یا بعد

گھنٹے بعد ہوئی ہو، تطابق تاریخہائے قمری وشمسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ روز چہارشنبہ کو ۲۶ فروری سنہ ۶۳۲ء تھی، اور چونکہ چاند کے دورۂ قانونی کی مدت زمین کی دائرۃ البروج پر آفتاب سے قریب وبعید ہونے کی وجہ سے کم وبیش ہوتی رہتی ہے، لہذا حرکات نیرین کے حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ ۲۹ دن ۱۳ گھنٹے ۲۳ منٹ کا اور ماہ محرم سنہ ۱۱ھ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۰ منٹ کا اور ماہ صفر سنہ ۱۱ھ ۲۹ دن ۱۱ گھنٹے ۵۰ منٹ کا تھا،

(ڈگری)
مکہ معظمہ کا عرض البلد شمالی ۲۱ درجہ ۲۸ منٹ، اور طول البلد شرقی ۴۰ درجہ ۱۵، اور مدینہ منورہ کا عرض البلد شمالی ۲۴ درجہ ۲۸ دقیقہ اور طول البلد شرقی ۳۹ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے، لہذا ۲۶ فروری سنہ ۶۳۲ء روز چہارشنبہ کو آفتاب کا غروب شرعی مکہ معظمہ میں بعد ظہر ۶ بجکر ۴۴ منٹ پر، اور مدینہ منورہ میں بعد ظہر ۶ بجکر ۳۹ منٹ پر ہوا تھا، یعنی مدینہ منورہ میں مکہ معظمہ سے ۵ منٹ پہلے غروب آفتاب ہوا تھا،

بیانات سابقہ پر غور کرنے سے شمار ایام شہور ذی الحجہ ومحرم وصفر کی دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں،

(۱) ہلال ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کی تولید حسب وقت محسوبہ ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ روز چہارشنبہ کو بعد ظہر ۳ بجکر ۵۹ منٹ پر بحساب وقت نصف النہار مکہ معظمہ ہوئی تھی، اس صورت میں اسی روز شام کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بعد غروب آفتاب ہلال نظر آیا ہوگا، اور روز پنجشنبہ غرہ ذی الحجہ قرار دیا گیا ہوگا اور حجۃ الوداع جمعہ کے دن ہوا ہوگا، پھر اس تولید کے ۲۹ دن ۱۳ گھنٹے ۲۳ منٹ بعد ۳۰ ذی الحجہ روز جمعہ کو قبل ظہر ۵ بجکر ۲۲ منٹ پر تولید ہلال محرم ہوئی تھی، لہذا ان مقامات مقدسہ میں ۳۰ ذی الحجہ کی شام کو ہلال نظر آیا ہوگا، اور روز شنبہ غرہ محرم سنہ ۱۱ھ قرار پایا ہوگا، پھر اس تولید کے ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۰ منٹ بعد ۲۹ محرم سنہ ۱۱ھ روز شنبہ کو بعد ظہر ۵ بجکر ۵ منٹ پر تولید ہلال صفر ہوئی تھی، چونکہ اس روز مکہ معظمہ میں آفتاب کا غروب شرعی بعد ظہر ۶ بجکر ۲ منٹ پر اور مدینہ منورہ میں بعد ظہر ۶ بجکر ۲ منٹ پر ہے، اسلئے اسی روز بعد غروب رویت ہلال صفر نہ ہوئی ہوگی، اور روز یکشنبہ یکم صفر قرار پایا ہوگا، پھر اس تولید کے ۲۹ دن ۱۱ گھنٹے ۵۰ منٹ بعد ۳۰ صفر

روز دوشنبہ قبل ظہر ۵ بجکر ۹ ۴ منٹ پر تولید ہلال ہوئی تھی، اس وجہ سے اسی دن شام کو ہلال ربیع الاول نظر آیا ہوگا، اور روز سہ شنبہ غرہ ربیع الاول قرار دیا گیا ہوگا،

(۲) ہلال ذیحجہ سنہ کے تولید وقت محسوبہ سے دو گھنٹے ۷ ۴ منٹ بعد ۲۹ ذیقعدہ روز چہارشنبہ کو بعد ظہر ۲ بجکر ۴ ۴ منٹ پر ہوئی، اس صورت مین مدینہ منورہ مین چہارشنبہ ۲۹ ذیقعدہ کی بجاے پنجشنبہ ۳۰ ذیقعدہ کو رویت ہلال ہوئی ہوگی، اور جمعہ کو غرۂ ذیحجہ قرار پایا ہوگا، اور مکہ معظمہ مین چہارشنبہ کو رویت ہلال ہوئی ہوگی، اور پنجشنبہ غرہ ذیحجہ ہوگا پھر حسب بیان سابق مکہ معظمہ مین ۳۰ ذیحجہ روز جمعہ کو اور مدینہ منورہ مین ۲۹ ذیحجہ روز جمعہ کو قبل ظہر ۸ بجکر ۱ منٹ پر تولید ہلال محرم ہوئی، اور دونون مقامات پر شنبہ کو یکم محرم قرار پایا، اور ۲۹ محرم روز شنبہ کو بعد ظہر ۸ بجکر ۲۰ ۴ منٹ پر تولید ہلال ہوئی، او رشب ہو جانے کی وجہ سے رویت ۳۰ محرم روز یکشنبہ کو ہوئی، اور غرہ صفر روز دوشنبہ قرار دیا گیا، پھر ۲۹ صفر روز دوشنبہ کو قبل ظہر ۹ بجکر ۶ ۳ منٹ پر تولید ہوئی، اور دونون مقامات مین غرہ ربیع الاول روز سہ شنبہ قرار پایا۔

پہلی صورت مین مدینہ منورہ مین غرۂ ذیحجہ روز پنجشنبہ ۳۰ ذیحجہ روز جمعہ غرہ محرم روز شنبہ ۲۹ محرم روز شنبہ غرہ صفر روز یکشنبہ ۳۰ صفر روز دوشنبہ غرہ ربیع الاول روز سہ شنبہ واقع ہوتا ہے،

دوسری صورت مین بخلاف مکہ معظمہ مدینہ منورہ مین غرہ ذیحجہ روز جمعہ ۲۹ ذیحجہ روز جمعہ غرہ محرم روز شنبہ ۳۰ محرم روز یکشنبہ غرہ صفر روز دوشنبہ ۲۹ صفر روز دوشنبہ غرۂ ربیع الاول روز سہ شنبہ قرار پاتا ہے ان دونون صورتون مین مدینہ منورہ مین یہ تینون مہینے ۲۹، ۲۹ دن کے ہرگز نہین ہوسکتے، ان دونون صورتون کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی حسب ذیل ہے،

(۳) مدینہ منورہ مین حسب صورت دوم ہلال ذیحجہ سنہ کی رویت پنجشنبہ کو ہوئی ہو، اور جمعہ غرہ ذیحجہ قرار پایا ہو، اور ۲۹ ذیحجہ روز جمعہ کو وہان مطلع ابرآلود ہو اور رویت نہو سکی ہو اسلئے ذیحجہ ۳۰ روز کا شمار کیا گیا ہو، اور غرہ محرم روز یکشنبہ قرار پایا ہو، اور یکشنبہ ۲۹ محرم کو بھی مطلع برابر رہا ہو، لہذا محرم بھی

۳۰ روز کا شمار ہوا ہو، اس طرح غرہ صفر روز سہ شنبہ ہو، پھر اواخر صفر میں بھی مطلع برابر ہو، اور صفر بھی
۳۰ روز کا شمار ہوا ہو، اس بنا پر غرہ ربیع الاول روز پنجشنبہ ہوگا، اس صورت میں مدینہ منورہ میں غرہ
ذیحجہ روز جمعہ ۳۰ ذیحجہ روز شنبہ یکم محرم روز یکشنبہ ۳۰ محرم روز دوشنبہ یکم صفر روز سہ شنبہ اور ۳۰ صفر
روز چہارشنبہ یکم ربیع الاول روز پنجشنبہ واقع ہوتا ہے،

اس صورت کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حج سے فارغ
ہوکر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوے ہونگے تو لوگون کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ مکہ معظمہ مین چہارشنبہ کو رویت
ہلال ذیحجہ ہوئی تھی، اسلئے مدینہ منورہ مین بھی تاریخ بدل گئی ہوگی، اور جمعہ کا دن ۳۰ ذیحجہ شمار کیا گیا ہوگا
کیونکہ تمام فقہا و محدثین کا اسپر اجماع ہے کہ رمضان المبارک اور شوال کے علاوہ ہر مہینہ کی رویت
مین اختلاف مطالع کی وجہ سے اختلاف یوم رویت کا اعتبار کرنا چاہیئے، اور ہر جگہ وہین کی رویت
کے اعتبار سے شمار تاریخ ہوگا، البتہ ہلال رمضان اور شوال کی رویت مین حنفیہ اسکے مخالف ہین
وہ بھی اس وجہ سے نہین کہ روز رویت مین اختلاف نہین ہوتا، بلکہ اس وجہ سے کہ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ
مین رویت نکرہ واقع ہوئی ہے، لہذا مطلق رویت پر خواہ کہین ہو صوم و افطار کا مدار ہوگا، ان
وجوہ سے مدینہ منورہ مین تاریخ نہ بدلی گئی ہوگی، اور ۲۹ ذیحجہ روز شنبہ قرار پایا ہوگا۔

اس صورت کو محض اس بنا پر رد کر دینا کہ متواتر تین ماہ تک آخر مہینے مین ابر رہنا مستبعد ہے،
سخت غلطی ہے، کیونکہ ایسی صورت ہندوستان کے ان مقامات مین بھی کثیر الوقوع ہے جو سمندر سے
دور دراز فاصلہ پر واقع ہین، چنانچہ ممالک متحدہ اور بھوپال اور حیدرآباد دکن مین بار ہا ہم نے خود
اسکا مشاہدہ کیا ہے، اور مدینہ منورہ تو بحر قلزم سے بہت قریب ہے، اسلئے وہان اس صورت کا
وقوع بہ نسبت مقامات متذکرہ کے زیادہ اکثری ہوگا، اور وہان کے آنے والون کے بیانات سے بھی
اسکی تائید ہوتی ہے، اور وہ بیان کرتے ہین کہ مدینہ منورہ مین موسم گرما مین بھی چوتھے پانچوین روز ابر آیا کرتا

ان وجوہ سے یہ صورت کسی طرح سابقہ دونوں صورتون سے مرجوح نہین ہے، اس صورت مین تو کوئی مہینہ بھی ۲۹ دن کا نہین ہو سکتا ۔

ان تمہیدی بیانات کے بعد اب اصل مسئلہ تعیین تاریخ وصال انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق کیجاتی ہے، اور اس تحقیق مین حسب ذیل دو مسلمہ امور ملحوظ رکھے جاتے ہین ۔

(۱) حجۃ الوداع بالاجماع روز جمعہ کو ہوا تھا،

(۲) بالاجماع انحضرت صلعم نے ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مین بروز دوشنبہ وصال فرمایا، سیرۃ محمدیہ، سیرۃ حلبی، سیرۃ ابن ہشام، روضۃ الاحباب وغیرہ کتب سیر کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ رحلت کے متعلق حسب ذیل روایات ہین،

(۱) غرہ ربیع الاول (۲) دوم ربیع الاول (۳) ۱۲ ربیع الاول (۴) ۱۵ ربیع الاول، لہذا ضرور نہین تاریخون مین سے کوئی تاریخ آپکے وصال کی تاریخ ہوگی، تینون صورتون مین سے کسی صورت کی بنا پر بھی روز دوشنبہ نہ غرہ ربیع الاول واقع ہوتا ہے، نہ دوم نہ پانزدہم ربیع الاول، اسلئے یہ تینون تاریخین تاریخ وصال نہین ہو سکتین، اب صرف ۱۲ ربیع الاول باقی رہی، اور اکثر محدثین وعلماء سیر و محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے نیز تعامل ناس اور علماء حرمین شریفین بھی اسی کا موید ہے، اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی جذب القلوب مین صرف یہی تاریخ لکھی ہے، اسلئے لامحالہ یہ باور کرنا چاہیئے کہ انحضرت صلعم نے ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ کو عالم ظاہر سے رحلت فرمائی، ورنہ تمام صحیح روایتون کی تغلیط اور اجماع مرکب کا انکار لازم آتا ہے جو بالاتفاق جائز نہین، اور روز دوشنبہ کو ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ صورت اول و دوم کی بنا پر نہین واقع ہو سکتی، البتہ صورت سوم کی بنا پر غرہ ربیع الاول روز پنجشنبہ، ہشتم ربیع الاول روز پنجشنبہ، نہم روز جمعہ، دہم روز شنبہ، یازدہم روز یکشنبہ، دوازدہم ربیع الاول روز دوشنبہ تھی، اسلئے ضرور صورت سوم ہی اس زمانہ مین واقع ہوئی تھی اور مکہ معظمہ مین یکم ذیحجہ روز پنجشنبہ، مدینہ منورہ مین روز جمعہ تھی، اور بمصداق حدیث شریف فان غم علیکم

فاکملوا عدۃ ثلثین یوماً، مدینہ منورہ میں تینوں مہینے ذیحجہ، محرم، صفر، ۳۰، ۳۰ دن کے شمار گئے تھے۔

جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب وکیل سرکار پٹیالہ فیروزپور

دوشنبہ کے دن ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی پہلی تاریخ ذیحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں میں سے دو مہینے ۲۹، ۲۹ دن کے ایک مہینہ ۳۰ دن کا لیا جاوے تو ہو سکتی ہے، اس صورت میں علمی نقص اتنا ہی ہوگا کہ اہل ہیئت کی تاریخ یکم ربیع الاول سے دو روز پہلے ربیع الاول کا غرہ ماننا پڑیگا، حالانکہ عام طور پر رویت کے لحاظ سے قمری تاریخ اہل ہیئت کی تاریخ سے ایک روز بعد تو ہو جاتی ہے مگر دو روز پہلے کبھی نہیں ہوتی۔ پس اگر اہل ہیئت کے خلاف کی پروا نہ ہو تو آپ یکم یا ۸ لے سکتے ہیں، اہل ہیئت کے حساب سے ثابت ہے کہ ماہ صفر سنہ ۱۱ھ کی پہلی تاریخ دوشنبہ کے دن تھی، منگل کے دن ۲۶ مئی سنہ ۶۳۲ء کو صفر سنہ ۱۱ھ کی ۳۰ تاریخ تھی اسلئے ۲۷ مئی سنہ ۶۳۲ء کو بدھ کے دن یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہونی ضروری تھی،

اہل ہیئت کے حساب سے ثابت ہے کہ ۲۵ مئی سنہ ۶۳۲ء کو دوشنبہ کے دن اجتماع نیرین ہوا تھا، ۲۶ مئی سنہ ۶۳۲ء کو منگل کے دن مدینہ منورہ کے وقت نصف النہار سے پہلے آفتاب اور چاند میں اس قدر فاصلہ سے زیادہ بعد ہو چکا تھا کہ جسقدر بعد چاند اور سورج میں ہلال نظر آنے کے لئے ہونا ضروری تھا، اسلئے ۲۷ مئی سنہ ۶۳۲ء کو بدھ (چہارشنبہ) کے دن یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کے ہونے میں کچھ شک نہیں، بدھ کی پہلی کے حساب سے دوشنبہ کے دن ۶ ربیع الاول اور ۱۳ ربیع الاول آتی ہے، ۶ کی نسبت ۱۳ ربیع الاول اسلئے زیادہ قابل قبول ہے کہ ۱۳ ربیع الاول ۱۲ ربیع الاول مشہور عام سے قریب ترین تاریخ ہے، ایک تاریخ کا اختلاف کچھ اتنا بڑا اختلاف نہیں معلوم ہوتا، خصوصاً جب یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ۹ ذیحجہ جمعہ کو اصل قرار دیکر ذیحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں کو ۲۹، ۲۹ کا لیا جائے، یا ۳۰، ۳۰ کا لیا جائے، یا بعض کو

۲۹ کا بعض کو ۳۰ کا تو کسی صورت میں بھی دوشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول نہیں ہو سکتی، ۱۳ ہو سکتی ہے تو لوگوں کو ۱۳ کے صحیح ماننے میں کچھ شک نہوگا۔

میں نے ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کا غرہ چہارشنبہ کے دن ہونا اجتماع نیرین کے وقت سے حساب کرکے استخراج کیا ہے، جو ماہ صفر سنہ ۱۱ھ میں ہلال ربیع الاول سے دو روز پہلے ہوا تھا، میں نے تاریخ ولادت حساب کرکے نہیں لیا ہے، ہاں ۲۱۰ سالہ دور قمری کے مطابق اسکی پڑتال ضروری ہے، اس سے بھی چہارشنبہ کے دن سنہ ۱۱ھ کے ربیع الاول کا غرہ صحیح ثابت ہوا، دور قمری ۲۱۰ کے مطابق اہل حساب کے نزدیک ۲۱۰ سال قمری کے بعد ہر ایک قمری اتنے ہی دن کا ہوتا ہے جتنے دن کا ۲۱۰ سال پہلے ہوتا تھا اور وہ قمری مہینہ ہفتہ کے دنوں میں سے اسی دن کو شروع ہوتا ہے جس دن کو ۲۱۰ سال پہلے شروع ہوا تھا، اسی دور ۲۱۰ سال کے مطابق دورہائے مندرجہ ذیل میں ربیع الاول کا غرہ چہارشنبہ کے دن صحیح آتا ہے۔

سنہ ۲۲۱ھ - ۲۳ فروری سنہ ۸۳۶ء - سنہ ۴۳۱ھ - ۲۱ نومبر سنہ ۱۰۳۹ء - سنہ ۶۴۱ھ - ۹ اگست سنہ ۱۲۴۳ء

سنہ ۸۵۱ھ - ۱۰ مئی سنہ ۱۴۴۷ء - سنہ ۱۰۶۱ھ - ۱۲ فروری سنہ ۱۶۵۱ء - سنہ ۱۲۷۱ھ - ۲۲ نومبر سنہ ۱۸۵۴ء

مگر دوشنبہ کے دن یکم یا ۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہونے کا کسی حسابی قاعدہ سے ثبوت نہیں ملتا، سلیمان التیمی جو دوشنبہ کے دن ۲ ربیع الاول فرماتے ہیں، ان کے حساب سے چار مہینے ذیقعدہ سے صفر تک متواتر ۲۹، ۲۹ دن کے ہوتے ہیں، اگر آپ روایتی تاریخ لینا چاہتے ہیں تو جن روایتوں میں یکم یا ۸ ربیع ان میں سے جسکو مناسب خیال فرمائیں پسند فرمالیں، اس صورت میں ذیحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں میں سے ایک ۳۰ کا اور دو ۲۹، ۲۹ کے ہوتے ہیں، اسلئے متواتر تین مہینے ۲۹-۲۹ یا ۳۰-۳۰ دن کے ہونے میں جو خرابی خیال فرماتے ہیں وہ بھی نہیں رہیگی، اسلئے سہیلی کا قول دوشنبہ کے دن یکم ربیع الاول ہونے کا دوشنبہ کے دن قول سے بہتر ہے، ۱۲ ربیع الاول مشہور تاریخ کے مطابق دوشنبہ کے دن کسی طرح سے بھی نہو سکتا، اور حساب سے ۱۳ ربیع الاول دوشنبہ ہونا ثابت کرکے تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاول ہی صحیح قرار دیئے جانے میں نہ مسلمانوں کو کوئی اعتراض ہو سکتا ہے نہ مخالفین اسلام

مسئلہ زر

(۱)

از جناب مقبول احمد صاحب [illegible]

(محترم مضمون نگار نے اس فن کی کتابوں کا ایک مدت تک مطالعہ کیا ہے اور وہ ان
مسائل میں عالمانہ حیثیت رکھتے ہیں، لیکن چونکہ ابھی ہماری زبان میں ان مسائل کے ادا
کرنے کے لئے الفاظ پیدا نہیں ہوئے، اسلئے شاید ناظرین کو اسکی عبارت نامانوس معلوم ہو لیکن
یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ادبی مضامین تو علمی تفریح و دماغی کام کے ہوتے ہیں مگر یہ خاص
"پیٹ" کا مسئلہ ہے، اگر شکم سیری نہیں تو دماغ کیا خاک کام کرے گا)

قانون ارتقاء کے مطابق روپیہ کو بھی مثل دوسری چیزوں کے مختلف مدارج ترقی طے کرنا
پڑا ہے اور یہ اسکی موجودہ صورت انسان کے تاریخی ارتقاء کا نمونہ ہے، اسکی قدیم سرگذشت
دلچسپ ہے جس وقت انسان اپنی ابتدائی حالت میں تھا اور ضروریات زندگی کے لئے بہت
[illegible] یاد محتاج تھا [illegible] آگ کے واسطے شکار کئے ہوئے جانور اور درختوں کے پھل ستر پوشی
کے لیے [illegible] کافی تھی اس وقت روپیہ کا کام کھال اور چمڑے سے لیتا تھا اور وہی
[illegible] دوسرے دور ترقی میں جب انسان چراگاہوں میں [illegible] لگا تو ذریعہ مبادلہ مویشی
[illegible] قرار پائے بعض اوقات زیور، ہاتھی دانت، غلہ، تیل، تمباکو، خشک مچھلی،
[illegible] اور قرص چائے سے روپیہ کا کام لیا اور یہ سب [illegible] اوقات مختلف ذریعہ مبادلہ قرار پائے
[illegible] انسانی ضرورتوں میں اضافہ ہوا اور خواہشیں بڑھنے لگیں تو "مبادلہ جنس بالجنس"
(BARTER) کی مشکلات روزمرہ کے کاروبار میں سد راہ ہونے لگیں ان مشکلات کا ذکر بھی

اس مضمون کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے "مبادلہ جنس بالجنس" کے تین اہم مشکلات ہیں

(۱) عدم مطابقت ضروریات، (۲) فقدان معیار نرخ (۳) دقت تسہیم اشیاء،

(۱) عدم مطابقت ضروریات، ایسے دو شخصون کا ملنا دشوار ہوتا تھا جنکی اشیاے مبادلہ ایک دوسرے کی ضرورتون کی کفیل ہوجائین، مثلاً ایک درزی کے پاس ایک کوٹ ہے اور اسکو جوتے کی ضرورت ہے، ایسے شخص کی تلاش مین دقت ہوگی جس کو جوتے کے علاوہ کرنے کی ضرورت ہو اور اسی کے ساتھ کوٹ بھی خریدنا چاہتا ہو،

(۲) نقدانِ معیارِ نرخ، دوسری دقت یہ تھی کہ اشیا کا باہم مبادلہ کس نرخ سے کیا جائے. مثلاً اگر اسی درزی کو کوٹ کے معاوضہ مین روٹی یا گھوڑے کی ضرورت ہوتی اور اسکو دوسرا شخص روٹی اور گھوڑا دینے والا مل بھی جاتا تو یہ دقت پیش آتی تھی کہ انکے تبادلہ کا نرخ کس حساب سے مقرر کیا جائے کتنی روٹیان اسکو کوٹ کے معاوضہ مین ملنا چاہئے یقین یا کے کوٹ وہ گھوڑا خریدنے کے واسطے دیتا، ہر مرتبہ مختلف اشیاء کے لئے مختلف معیار قیمت قائم کرنے کے لئے قائم کرنا پڑتے تھے اور نہ کوئی باضابطہ نرخ نامہ تھا نہ قیمت مروجہ،

(۳) دقتِ تسہیم اشیاء، اشیائی مبادلہ کی تقسیم مین دقت پیش آتی تھی، بعض اشیاء کے حصہ ہو سکتے ہین، جیسے گہی، کپڑا وغیرہ، جانور اور سلے ہوئے کپڑون کی تقسیم غیر ممکن ہے، اگر کوٹ تقسیم کیا جائے تو اسکی قیمت کیا باقی رہے گی اور گھوڑے کی تقسیم کا تو خیال ہی بیکار ہے، ان دقتون کو محسوس کر کے انسان نے ایسی چیز تلاش کی جو ہر چیز کے مبادلہ مین بآسانی قبول کر لیجائے اور وہ سونا اور چاندی تھی، مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ بہ اختلاف زمانہ مختلف اشیاء آلہ مبادلہ قرار پاتی رہین، اسلئے کسی خاص چیز پر روپیہ یا زر کا اطلاق نہین ہوسکتا ہے، جیسا کہ عام طور پر سونے اور چاندی کے سکونکی بابت خیال کیا جاتا ہے، یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زر کیا ہے، روپیہ کی تعریف

ہین، باہم ماہرین فن ہین بہت اختلاف ہے، اور ہر شخص نے اپنے نظریہ کو مدنظر رکھکر اسکی تعریف کی ہے، ہم امریکہ کے مشہور و ممتاز ماہر اقتصادیات واکر کی تعریف کو واضح اور جامع سمجھکر درج کرتے ہین

وہ شے جو ادائے قرضہ و ادائے قیمت اشیاء کے لئے بلا رکاوٹ دست بدست کسی ملک کے باشندون مین منتقل ہوتی رہتی ہے، اور جو بالحاظ "چالِ چلن" واعتبار ادا کنندہ قبول کی جاتی ہے اور جسکے لینے والے کا ارادہ اپنی طرف سے سوائے ادائے قرضہ وادائے قیمت اشیاء اور کسی کام مین نہ صرف کرنے کا، نہ استعمال کرنے کا، نہ فائدہ اٹھانے کا ہو، روپیہ یا زر کہلاتی ہے، ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ انسان نے ایسی چیز تلاش کی جو مبادلہ مین بآسانی قبول کرلیجائے اور مبادلۂ جنس بالجنس کی زحمت نہ باقی رہے، اور وہ سونا اور چاندی تھی (سونے، چاندی یا اور کسی دھات کا سکہ زرِ قلنرا تی کہلاتا ہے) اب ہم یہ بیان کرتے ہین کہ ایسی چیز کے کیا خواص ہونا چاہئین اور کیا سونا چاندی اس معیار پر پورا اوترتا ہے، ایسی چیز کے سات خواص مقرر کئے گئے ہین اور وہ حسب ذیل ہین

(۱) قدر ذاتی پہلی خاصیت یہ ہے کہ اس مین قدر ذاتی موجود ہوتا کہ وہ آلہ مبادلہ[1]، معیار قدر[2] و خزینۃ القدر[3] ہوسکے، جس چیز مین قدر ذاتی ہوگی اسکی مانگ بہت ہوگی وہ بآسانی مبادلہ مین قبول کیجائیگی گذشتہ چالیس صدی سے سونے اور چاندی کی مانگ اقوام و ممالک متمدنہ مین رہتی ہے، اسلئے ان مین قدر ذاتی موجود ہے، اور بآسانی مبادلہ مین قبول کیجاتی ہین، اور اپنی قدر ذاتی کی وجہ سے نہ حکماً و جبراً آلہ مبادلہ معیار قدر، و خزینۃ القدر قرار پائی ہے۔

(۲) ثبات قدر۔ دوسری خاصیت یہ ہونا چاہیئے کہ اسمین ثبات قدر ہو، زر قلنراتی کی قدر لازمی طور پر اسکی رسد کے تناسب سے نہین گھٹتی بڑھتی ہے، اگرچہ یہ ضروری ہے کہ جو شے مستقل ہو وہ خود قیمتی ہو، بدقت دستیاب ہوتی ہو، اور اسکے حصول مین قریب قریب اتنا ہی صرف ہوجاتا ہو جسقدر کہ اسکی قیمت

---

[1] [2] [3] انکی تفصیل افعال زر کی بحث مین آئیگی۔

مبادلہ ہے، سونے مین یہ خصوصیات بدرجۂ اولیٰ موجود ہین، سونے کی قیمت مین رسد کی وجہ سے کمی بیشی ہوئی ہے لیکن ایسی نہین ہوئی کہ اسکی قیمت مبادلہ ہی مین فرق سوائے دو موقعون کے ہوا ہو، پہلا موقع وہ تہا جب امریکہ مین سولہوین صدی مین کان سے سونا نکالا گیا، اور دوسرا موقع ۱۸۴۹ء مین کیلیفورنیا کی کان سے سونا نکلنے کا تہا، ان دونون موقعون پر جو کمی بیشی سونے کی قیمت مین ہوئی، اسکا سبب یہ تہا کہ ان وقتون مین سونے کی مقدار دنیا مین نسبتہً کم موجود تھی بین بعد مین اگرچہ رسد زیادہ ہوئی مگر بازار مین قیمت مبادلہ پر اسقدر اثر نہین ہوا، کیونکہ موجودہ مقدار کا تناسب فراہم شدہ مقدار کے مقابلہ مین کم نہ تہا، ثبات قیمت کے واسطے یہ نہایت ضروری شرط ہے کہ اسکی رسد مین غیر معمولی کمی بیشی نہو، سونے مین ثبات قیمت اسلئے ہی کہ ہر سال اسکی مقدار مین کثیر اضافہ نہین ہوسکتا ہے، اور موجودہ مقدار مین بوجہ دیرپا ہونیکے کمی نہین ہوتی ہے۔

(۳) **یک جنسی و سہام پذیری** - یک جنسی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک تولہ خالص سونے کی قیمت مبادلہ جو کیلیفورنیا کی کان سے نکلا ہے، جنوبی افریقہ اور ہندوستان کی نکلی ہوئی ایک تولہ خالص سونے کے برابر ہو، اور مختلف کانون کا نکلا ہوا خالص سونا اگر ملا دیا جاے تو بھی اسکی قیمت مبادلہ مین کوئی فرق نہ آئے

سہام پذیری سے یہ مراد ہے کہ اگر ایک تولہ سونے کے لئے کئی حصہ کئے جائین تو ہر حصہ کی ثمن باعتبار وزن کم و بیش ہوگی، اور جسوقت یہ سب حصے گلا کر ملا دیئے جائین اور ایک ہو جائین تو ایک ہی تولہ سونا ہو اور ثمن بھی وہی رہے، اگر کسی اور قیمتی چیز کے حصے کئے جائین جیسے کہ ہیرا تو ہر ٹکڑے کی قیمت گہٹتی جائیگی، اور سب ملکر اصل ہیرے کی قیمت کے برابر نہوگی، اور نہ سب ملکر ایک ہیرا ہوگا۔

(۴) **لازوالی** - جو شے زر کے مصرف مین آسکے اسکا دیرپا ہونا لازمی ہے، غلہ مین گھن لگ جاتا ہے کافور اڑجاتا ہے، لوہے کو زنگ کہا جاتا ہے، لیکن سونا عرصہ تک ایک حالت پر رہتا ہے۔

(باقی آیندہ)

ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہین

(۴)

مدارس دکن

ہندوستان کے جس گوشہ مین مسلمانون کا قدم پہنچا اور اسلامی حکومتین سایہ گستر ہوئین، تاریخ شاہد ہے کہ اس کا ذرہ ذرہ علمی ترقیون کے آب و تاب سے چمک اٹھا ابتک مین نے شمالی ہند کے مدارس و مکاتب کے حالات لکھے جس سے ہر شخص پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے لئے کیسی زبردست کوششین کی ہین، اب مین جنوبی ہند کی طرف متوجہ ہوتا ہون اور وہان کی تعلیمی ترقیو نکے متعلق جو کچھ بھی تاریخی معلومات فراہم ہو سکے ان کو پیش کرتا ہون،

بدر

یہ مدرسہ نہ صرف دکن کی عمارات و آثار قدیمہ بلکہ ہندوستان کی علمی تاریخ مین ہمیشہ عظمت کیساتھ یاد کیا گیا ہے اس مدرسہ کا بانی محمد شاہ بہمنی کا مشہور علم پرور وزیر خواجہ جہان محمود گاوان ہے، مدرسہ کی عمارت اب تک قائم ہے اور سیاحان عالم کے لئے مایۂ عبرت ہے، گو اسکے بعض حصے منہدم و شکستہ ہین لیکن اسکی شان و شوکت وسعت و استحکام کی پوری ہیئت آج بھی دیکھنے والے کو بیک نظر معلوم ہوجاتی ہے، یہ مدرسہ فراز کوہ پر قائم کیا گیا تھا عمارت کا طول شرقاً و غرباً (۵۷) اور عرض شمالاً و جنوباً (۵۵) گز ہے مدرسہ کے سامنے دو بلند مینار تھے جن مین سے ایک مینار ابھی تک موجود ہے، اسکی بلندی سو فٹ کی ہے صحن مدرسہ مین مسجد تھی، اور ہر چہار طرف مسلسل وسیع حجرے طلبہ و علما کی اقامت کے لئے بنے ہوے تھے جو طلبا مدرسے مین رہتے تھے اُنکے مصارف

قیام وطعام وقف سے دیئے جاتے تھے، مدرسہ کیلئے دور سے نلون کے ذریعہ سے آبرسانی کا سامان کیا گیا تھا، الغرض تمام ہندوستان مین اس سے زیادہ عظیم الشان اور وسیع سلسلۂ عمارت درسگاہ کے لئے کبھی اور کسی دور مین نہین بنا،

محمود گاوان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسکی وفات کے بعد اسکے مکان سے بروایت حدیقۃ الاقالیم مصنفہ میر تقی حسن بلگرامی پینتیس ہزار کتابین مختلف علوم وفنون کی نکلین، مدرسہ بیدر کی تاریخ بنا اس عہد کے ایک شاعر سامی نے آیت ربنا تقبل منا سے نکالی اور اسکو اس طرح ایک رباعی مین جگہ دی ہے،

این مدرسہ رفیع محمود بنا ۔۔۔ چون کعبہ شدہ است قبلۂ اہل صفا

آثار قبول بین کہ شد تاریخش ۔۔۔ از آیت ربنا تقبل منا

گلبرگہ

احمد شاہ بہمنی نے اپنے پیر سید محمود گیسو دراز کے لئے گلبرگہ کے مضافات مین کسی مقام ایک مدرسہ قائم کیا صحیح طور پر مقام کی تعین نہین ہلی نرندرا ناتھ لا نے اپنی کتاب مین اس مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے اور سنہ بنا ۸۲۲ھ لکھا ہے، چونکہ احمد شاہ بہمنی پیر مذکور رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اسلئے روایت کا صحیح و درست ہونا ممکن ہے مگر یہ ضرور ہے کہ یہ مدرسہ خانقاہی مدرسون کے انداز پر ہوگا،

گولکنڈہ

مصنف آثار خیر بحوالہ تاریخ ہند شمس العلما مولوی ذکا اللہ لکھتا ہے کہ ابراہیم قطب شاہ گولکنڈہ نے اپنے دار الخلافت مین کئی مدرسے تعمیر کرائے تھے،

چہار مینار (حیدرآباد)

محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ نے خاص حیدرآباد مین متعدد مدرسے قائم کئے تاریخ ۔۔۔

معلوم ہوتا ہے کہ چہار مینار کا سال بنا ۹۹۸ھ ہے، اسمین ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، تھیونوٹ سیاح نے اپنے سفرنامہ مین اُسکے حالات لکھے ہین اور اُسکی بڑی تعریف کی ہے،

قطب شاہ علوم و فنون کا مربی اور اشاعت تعلیم کا بہت بڑا حامی تھا، تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے حدود مملکت مین بکثرت مدارس قائم کئے، ایک یورپین مصنف تھاٹرل اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ

اُس نے جنوبی ہند مین ابتدائی مدارس بکثرت قائم کئے، لڑکے ان مدارس مین بھیجے جاتے ہین اور نرکل سے چینی کاغذ پر لکھتے ہین، یہ بہت چکنے مگر صفائی مین یورپین کاغذ سے کمرتبہ ہوتے ہین،

مدارس یتامیٰ

محمود شاہ جو خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف فرمانروا گذرا ہے، اس نے اپنے حدود مملکت مین یتامیٰ کے لئے بکثرت مدرسے قائم کئے، تعلیم کے لئے مشہور مدرسین کو جمع کیا، تمام اخراجات تعلیم شاہی خزانہ سے دیتے تھے، یہ بہت بڑا شائق علوم اور عالم دوست بادشاہ گذرا ہے، وہ خود بھی بڑا لائق اور فلسفہ و حکمت مین ماہر تھا، اسی بنا پر علمائے اُسکو "ارسطو" کا لقب دیا تھا، چھوٹے چھوٹے شہرون مین بھی اُسکی مملکت کے تمام مقامات مین جہان مدارس یتامیٰ قائم تھے یہ ہین:

بیدر، قندھار، ایلچپور، دولت آباد، چاول، داہل، کھنبر،

جیسا فرشتہ لکھتا ہے،

محدثان اخبار حضرت نبوی صلعم در شہرہائے مذکورہ مدارس وظائف مقرر کردہ و در تعظیم ایشان کوشید، و نابینایان را مشاہرہ دادہ تفقد حال ایشان می کرد،

بیجاپور

تاریخ دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے زمانہ مین آثار شریف اور جامع مسجد بیجاپور مین دو دو مدرسے عربی ایک فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے لئے جاری تھے، یہان غریب طلبار کو کھانا اور جیب خرچ کے لئے ماہوار فی کس ایک ایک ہون ملتا تھا، اختتام سال پر ذی الحجہ کے مہینہ مین امتحان ہوتا تھا، امتحان کے بعد انعامات تقسیم ہوتے تھے، اور فارغ التحصیل طلبار کو حسب قابلیت واستعداد سرکاری نوکریان ملتی تھین،

انکے علاوہ تمام ممالک محروسہ کی بڑی مسجدون مین مدرسے قائم تھے، جنمین طلبار کے اخراجات کی کفالت حکومت کی طرف سے کیجاتی تھی، (آثار خیر)

احمد نگر

برہان نظام شاہ نے شیعی مذہب قبول کیا، اور ترویج شیعیت کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے منجملہ انکے ایک مدرسہ اثنا عشری کا قیام بھی ہے، جسکی عمارت اُس نے خاص قلعۂ احمد نگر کے مقابل بنوائی تھی، اُسکے قریب ایک لنگر خانہ بنام لنگر دوازدہ امام قائم کیا، اور اس مدرسہ و لنگر خانہ کے مصارف کے لئے متعدد گاؤن جونپور، سنور، اسیاپور وغیرہ وقف کئے۔

مصنف آثار خیر کا بیان[1] ہے کہ نظام شاہ نے احمد نگر مین ایک اور مدرسہ بغداد نامی قائم کیا تھا،

برہان پور

دریاے تاپتی کے ساحل پر ایک مدرسہ واقع تھا، سلاطین خاندیس مین سے کوئی سلطان اُس مدرسہ کا بانی ہوا ہے، نام کی تصریح نہین مل سکی، اور سنٹرل انڈیا کے مصنف نے سنہ ۱۸۲۰ء مین اس

---

[1] مصنف نے بیان ساتھ اس مسجد کا بھی ذکر کیا ہے جو شاہ حسین نظام شاہ کے عہد مین عمارت بغداد کے متصل قاضی بیگ طہرانی کے زیر اہتمام تیار ہوئی تھا، حاشیہ پر حوالہ فرشتہ کا دیا ہے، بے شبہہ فرشتہ مین بغداد نامی عمارت واقعہ قلعہ احمد نگر کا ذکر تو ہے لیکن مجھے اسکی تصریح نہین ملی کہ اسمین مدرسہ بھی

مدرسہ کے آثار کو دیکھا تھا اور اُسکا تذکرہ بہت شاندار الفاظ مین کیا ہے ،

دولت آباد

یہ مدرسہ بھی سلاطین خاندیس مین سے کیسکی علمی و تعلیمی دلچسپیون کا نتیجہ ہے افسوس ہی کہ اسکے علم پرور بانی کے نام کی تصریح مجھکو نہ مل سکی، شیخ ضیاء الدین، اور شیخ برہان الدین اس مدرسہ کے مدرسین تھے

مدرسہ مدراس

نواب والاجاہ (مدراس) نے مولانا بحر العلوم کی شہرت سنکر انکو اپنے ہان بلوایا، علم پرستی کا جذبہ دیکھیے کہ جب مولانا مدراس کے قریب پہنچے تو اپنے ارکان خاندان، اعیان دولت اور وزراء و امراء کو استقبال کے لئے بھیجا، مولانا جب دربار مین پہنچے تو خود تخت سے اُتر پڑا اور مولانا کو اُسپر جگہ دی، والاجاہ نے محل شاہی سے متصل ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کر کے مولانا کو صدر مدرس مقرر کیا جسمین مدت تک مولانا مشغول تعلیم و تدریس رہے، شمالی ہند مولانا کو بحر العلوم کے لقب سے جانتا ہے مگر جنوبی ہند بالخصوص علاقہ مدراس صرف اس لقب سے پہچانتا ہے جو والاجاہ نے دیا تھا یعنی ملک العلماء،

مدارس مالوہ

سلطان محمود خلجی حکومت مالوہ کا مشہور و معروف فرمانروا ہے، جو بہترین مدبر و ناظم حکومت ہونیکے علاوہ علوم و فنون کا شائق، تعلیم کا دلدادہ، علماء و فضلاء کا پرستار، اور طلباء علوم کا ملجا و ماوی تھا، یہ ۸۳۹ھ مین سریر آرائے حکومت ہوا، اُس نے اپنے حدود حکومت مین بکثرت مدارس و مکاتب قائم کئے، علماء و فضلاء کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا، اور اُنکی ہر طرح ہمت افزائی کی جس سے اس ملک مین علم و فن کی یہ گرم بازاری ہوئی کہ ملک مالوہ یونان ثانی کہلانے لگا، مصنف ماثر رحیمی لکھتا ہی؛

> چون سلطنت باو قرار گرفت در تربیت علما و فضلا کوشید و مدارس ساختہ زر باطراف و اکناف عالم فرستاد، و مستعدان را طلب داشت و بالجملہ بلاد مالوہ در زمان او یونان ثانی گشت،

(ماثر رحیمی [illegible])

سلطان محمود نے جب ۸۴۶ھ مین چتوڑ کی طرف لشکر آرائی کی ہے تو ان اطراف مین بکثرت مدارس و مساجد قائم کئے ہین، ماثر رحیمی مین لکھا ہے،

وبجائے بتخانہای چتوڑ بنضت نمودند از آب یہم عبور نمودہ بتخانہائے آنولائت راخراب نمودہ مساجد و مدارس ساختند (جلد اصفحہ ۱۳۲)

اسی سنہ مین اس مہم سے واپس آکر خاص پائیگاہ دولت مالوہ، شادی آباد (منڈو) مین سلطان محمود نے جامع مسجد ہوشنگشاہی کے مقابل ایک بہت عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے، ماثر رحیمی ان الفاظ مین تذکرہ کرتا ہے،

وسلطان محمود بشادی آباد آمد در ذی الحجہ سال مذکور مدرسہ و منارہ ہفت منظر در محاذی مسجد جامع ہوشنگشاہی طرح نمود، (صفحہ ۱۳۴)

سارنگ پور

محمود خلجی کا بنوایا ہوا ایک مدرسہ سارنگ پور مین بھی تھا، اُسکی شکستہ عمارت کے آثار اب تک باقی ہین، کتبہ بھی تھا، جسکا پتھر ٹوٹ گیا، اور بیچ کی عبارت تلف ہوگئی جسقدر باقی ہے وہ یہ ہے،

بناء ہذا المدرسہ فی عہد السلطان الاعظم معین الدنیا والدین محمود شاہ الخلجی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ ۔ فی محل ملک مداریخان، الثانی والعشرین من شہر ربیع الاول سنۃ سبع وتسعین وثمان مائۃ (آثار خیر)

اسی محمود خلجی کے بیٹے سلطان غیاث الدین کو عورتون کی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی، اُس نے دربار عام کی طرح اپنے محل سرا مین بھی ایک شاہی دربار قائم کیا تھا جسمین عورتین ان تمام مناصب کے فرائض انجام دیتی تھین جو مرد انجام دیتے ہین، جیسے امیر الامرائی، وزارت، وکالت، سرجامہ داری اور خزانہ داری وغیرہ، لیکن ان چیزون کو چھوڑ کر خاص طور پر قابل تذکرہ چیزین یہ ہین جنکا بیان فرشتہ ان الفاظ مین کرتا ہے،

و ہمچنین کنیزان را صناعت و ہنرہا کہ در جہان شایع و متعارف است بیاموخت، چنانچہ بعضی را رقاصی و خوانندگی و سازندہ و مزبارگی تعلیم فرمودہ و بعضی بازیگری و آہنگری و محمل بافی و تیرگری و کمان گری و کوزہ گری و جامہ بافی و خیاطی و ترکش دوزی و کفش دوزی و نجاری و کشتی گیری و شعبدہ بازی و تمام ہنرہا کہ تفصیل آن موجب تطویل است یاد داد،

اسی طرح اُس نے عورتوں کی ایک فوج بھی مرتب کی اور اُنکو فن سپہگری کی ضروری تعلیم دی، فرشتہ لکھتا ہے

کہ پانصد کنیز ترک را لباس مردان پوشانیدہ تیراندازی و نیزہ دری بیاموخت و ایشان سپاہ ترک نامیدہ در میمنہ خود جاے دادی تا نیزہا در دست گرفتہ ترکش بر میان بستہ بایستندو پانصد کنیز حبشی را نیز لباس زنان برآوردہ تفنگ اندازی و شمشیر بازی تعلیم کردہ بہ یسرہ با یشان حوالہ نمود،

غرض اسطرح عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اُس نے اتنے سامان بہم پہنچائے اور اتنی عورتیں جمع کیں کہ ایک اچھا خاصہ عورتوں کا شہر ہی آباد ہوگیا، اُسکے محلسرا مین بہت سی عورتین حافظات قرآن تہین، بعض کتابون مین انکی تعداد ستر ہے، لیکن فرشتہ ایکہزار لکھتا ہے،

و ہزار کنیزک حافظ قرآن مجید در حرم داشت با یشان فرمودہ کہ ہنگام تغیر لباس باتفاق قرآن مجید ختم کردہ بردمی دمیدہ باشند،

لیکن یہ جو کچھ تہا اسکا محرک انسانیت کے شریک کار صنف لطیف کی تعلیم و تربیت کا خیال تہا کیونکہ وہ سمجہتا تہا کہ اگر یہ طبقہ جاہل اور معطل رکہا جائے تو انسانی ترقی کسی طرح تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی ورنہ سلطان اپنی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے ایک شب زندہ دار زاہد خشک اور رضا ترین بادشاہ تہا، فرشتہ لکھتا ہے،

چون یک پاس از شب ماندے کمر بر بندگی جہان آفرین بستہ با داے لوازم عبادت پرداختے وجبین عجز وانکسار بر زمین نیاز سودہ مطالب مآرب خود از درگاہ احدیت دریوزہ کردے و با اہل حرم نیز مبالغہ فرمودہ بود کہ جہت نماز تہجد اورا بیدار کردہ باشند وعندالاحتیاج آب بر روے اُو می پاشیدہ باشند واگر در خواب گران باشد بزور بجنبانند واگر بان ہم بیدار نشود دستش گرفتہ برخیزانند و نیز بانزدیکان فرمودہ بود کہ در وقت عشرت ومشغولی بسخنان دنیا ہر چہ کہ اسم کفن بزنہادہ بودند بنظرش می آوردند تا متنبہ شدہ عبرت گرفتہ از مجلس برمیخواست، وتجدید وضو کردہ باستغفار وتوبہ وانابت می پرداخت ودر مجلس اُو اصلا نامشروع وانچہ غم آورد می گفتند وبمسکرات ہرگز رغبت نمی نمود،

غور کرو اس طرز زندگی کا انسان کس درجہ زاہد مزاج اور خدا ترس ہوگا آج ان اخلاق کا سچے انسان بادشاہون مین توکیا گداؤن مین بھی ہزار دو ہزار مین ایک آدھ ہی ملسکتا ہے،

ظفر آباد

سلطان غیاث الدین خلجی نے ایک مدرسہ ظفر آباد تعلیہ مین تعمیر کرایا تھا، جو سلطان محمود ثانی کے عہد حکومت تک قائم تھا، (آثار خیر)

صوبہ مالوہ کی اسلامی تعلیمی یادگارون مین اجین کا مدرسہ بھی قابل ذکر ہے، جسکے بانی کی تصریح نہین مل سکی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت گذشتہ صدی تک باقی تھی، مصنف تزک[1] افغانی اُس کی نسبت لکھتا ہے کہ

میان ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا اسکے حجرات جو ابتک باقی ہین ان مین راقم نے بیل بندھے ہوے دیکھے اور مدرسہ سے ملحق مسجد مین گھانس بھری ہوئی پائی، (آثار خیر)

---

[1] ۱۲۹۰ھ کی تالیف ہے،

مدارس ملتان واچہ

مدرسہ فیروزی

اچہ میں اس نام کا ایک مدرسہ تھا، یہ معلوم نہیں کہ اسکا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا اتنا معلوم ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں یعنی چھٹی صدی میں یہ مدرسہ موجود تھا، چنانچہ مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے کہ اس مدرسہ کا انتظام و انصرام ناصر الدین نے ۶۲۴ھ میں میرے سپرد کیا اُسکے الفاظ یہ ہیں،

"درین سال (یعنی اربع وعشرین وستمائۃ) در ماہ ذی الحجہ مدرسہ فیروزی اچہ حوالہ این داعی شد، (صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)

اسی ناصر الدین قباچہ نے جو ایک طویل مدت تک قطب الدین ایبک کی طرف سے مملکت ملتان واچہ کا والی رہا، اپنے ایام حکومت میں جب مولانا قطب الدین کاشانی وارد ملتان ہوے تو ایک مدرسہ قائم کیا جس میں مدتوں تک مولانا مشغول تعلیم وتدریس رہے، فرشتہ لکھتا ہے،

چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماورا النہر بملتان رسیدہ شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرا ے با مدرسہ براے او بنا نمود، ومولانا کہ علامۂ روزگار بود ند با مداد وران مدرسہ نماز گزاردہ بدرس گفتن بہ پرداخت، (فرشتہ ذکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی)

سلاطین ملتان میں سے حسین شاہ لنگا علوم وفنون کا بہت بڑا مربی گذرا ہے، مصنفین وارباب فضل وکمال کا سرپرست ومددگار تھا، ہمیشہ مالی اعانت اور مناصب ووظائف سے اُن کی ہمت افزائی وقدر کیا کرتا تھا، جسکے باعث اُسکے عہد وحکومت میں فضلاء وارباب علم وفن کی بڑی کثرت وجمعیت ہوگئی تھی اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد وپیش کی حکومتوں میں ممتاز تھا، شاہ حسین لنگا نے متعدد مدرسے قائم کئے جنمیں ممتاز ومشہور اساتذہ وقت مشغول درس وتعلیم رہتے تھے۔

یہ واقعہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ اس نے اپنا ایک معتمد خاص گجرات اسلئے بھیجا تھا کہ وہاں کی عمارتون کی نسبت تفصیلی اطلاع بہم پہنچائے، جب اس معتمد نے یہ اطلاع دی کہ شاہ حسین بازین ہمہ دولت، گجرات جیسی عمارتین نہین بنوا سکتا تو اس سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا لیکن وزیر سلطنت نے یہ کہکر تسلی دی کہ اگر گجرات کو اپنی عمارتون پر ناز ہے تو ملتان کو اپنے علم و فن پر فخر ہے فرشتہ لکھتا ہے،

چون قاضی از گجرات بملتان آمدہ بعد از ادائے رسالت خواست کہ شمۂ از خوبیہائے منازل شاہان گجرات معروض دارد پس گفت کہ زبان در بیان توصیف آن عمارات لال است لیکن گستاخی نمودہ بعرض میرسانم کہ اگر محصول یکسالہ تمام مملکت ملتان بتعمیر مثل قصرے ازان قصور خرچ شود معلوم نیست کہ باتمام رسد سلطان از شنیدن این سخن مغموم و محزون گشت، عماد الملک تولک کہ شغل وزارت باو تفویض بود قدم جرات پیش نہادہ معروض داشت کہ بقاے ملک تا قیامت مقرون باد، سبب حزن معلوم نیست، گفت باعث حزن اینست کہ لفظ شاہی برمن اطلاق نمودہ اند و از معنی شاہی محرومم، و باوجود آن حشر من روز قیامت بہ بادشاہان خواہد بود، عماد الملک تولک گفت، خاطر شاہ ازین رہگذر مکدر و ملول نباشد زیرا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر مملکتے را بفضیلتے مخصوص ساختہ کہ آن در مملکت دیگر عزیز و محترم است، مملکت گجرات و دکن و مالوہ و بنگالہ اگرچہ زرخیز است و اسباب تنعم آنجا بر وجہ احسن می شود اما مملکت ملتان مردم خیز است چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند والحمد للہ والمنۃ کہ از طبقہ علیہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین ذکریا قدس اللہ سرہ چندکس در ملتان حاضر اند و از طبقۂ علما مثل مولانا فتح اللہ شاگرد مولانا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود این عزیزان افتخار کنند (جلد دوم ذکر سلطان حسین لنگا)

مدارس کشمیر

سلطان سکندر جسکا سال وفات ۸۱۹ھ ہے، کشمیر کا وہ علم پرور بادشاہ گذرا ہے، جسکے زمانہ مین ملک کشمیر علمی شان و شکوہ مین عراق و خراسان کا ہمسر بنگیا تھا، بادشاہ کی علمی قدردانی و فیاضی نے اطراف و اکناف عالم کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا جسکا لازمی نتیجہ کشمیر کی تعلیمی و علمی ترقی تھا، افسوس ہے کوئی مفصل تاریخ پیش نظر نہین، جس سے تفصیلات حاصل کیجا سکین، البتہ فرشتہ نے اجمالاً یہ لکھا ہے اور شہادت کے لیے یہ اجمال کافی ہے،

"سلطان سکندر بمرتبہ سخاوت داشت کہ از شنیدن آوازۂ آن دانشمندان عراق و خراسان و ماوراء النہر بملازمتش آمدند و علم و فضل و اسلام در مملکت کشمیر رواج تمام پیدا کرد و مملکت رشک عراق و خراسان گردید

تا از جملہ علماء سید محمد نام عالمے را کہ سرآمد روزگار بود بسبب تعلیم می نمود و آداب دین از وے می آموخت" (صفحہ ۳۴۱ جلد دوم ذکر سکندر)

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ مین تخت نشین حکومت ہوا، اس نے اپنے حسن تدبیر و مساعی جمیلہ سے سارے ملک کو ہر نوع کی دولت ترقی سے مالا مال کر دیا، کشمیر مین حکومت کی طرف سے تاریخ نویسی کا ایک محکمہ قائم تھا چنانچہ سلطان زین العابدین کے زمانہ مین ایک ہندو مصنف کے قلم سے کشمیر کی مفصل تاریخ راج ترنگنی اسی محکمہ کے زیر اہتمام مرتب ہوئی، سلطان زین العابدین نے ایک محکمہ ترجمہ کا بھی قائم کیا تھا، چنانچہ آئین اکبری کی تاریخ میں لکھا ہے کہ

"سلطان (زین العابدین) [illegible] ... وفرزانگان [illegible]

[illegible] (جلد دوم)

[illegible] بہت کچھ [illegible] کہ سکتا ہے [illegible]

بادشاہ اشاعت تعلیم جیسی ضروری شئے کو نظر انداز کر گیا ہو اور اسکے لئے اس نے کوئی کوشش نہ کی ہو،

حسین چک شاہ کشمیر نے سنہ ۹۷۰ھ مین ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا اور بڑے بڑے علما و فضلا کو جمع کر کے اشاعت علوم و فنون کی بڑی کوشش کی، یہ علم پرور بادشاہ اپنا زیادہ وقت علما و صلحا کی خدمت مین گذارتا تھا، جو مدرسہ اُس نے قائم کیا اُسکے مصارف اور علما کی اعانت کیلئے ایک پرگنہ زین پور نامی متعین کر دیا، فرشتہ لکھتا ہے،

"وحسین چک مدرسہ بنا نمودہ با علما و صلحا آنجا صحبت میداشت و پرگنہ زین پور را جاگیر این طائفہ مقرر کرد" (جلد دوم ذکر حسین شاہ کشمیر)

اکبری عہد حکومت مین شہنشاہ اکبر کی طرف سے حسین خان والی کشمیر مقرر ہوا، حسین خان علوم و فنون کا مربی و سرپرست تھا، اُس نے وہان متعدد مدرسے قائم کئے، اچھے اچھے اساتذۂ فن کو جمع کیا اور علما اور طلب کے مصارف کے لئے ایک پرگنہ اسیاپور وقف کیا، (ماثر رحیمی)

مدارس گجرات

اسلامی عہد حکومت مین گجرات کی علمی و تعلیمی ترقیان بھی مخصوص حیثیت رکھتی ہین، یہان مدارس اور تعلیم گاہین بکثرت تھین، اور اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ یہان کے فرمانروا اکثر علم دوست و علم پرور گذرے،

مدرسہ سیف خان

مرأۃ احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جسکا لقب سیف خان تھا احمد آباد مین قلعہ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان و خوش منظر مدرسہ تعمیر کرایا، سال تعمیر ۱۰۳۲ھ تھا،

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرم الدین خان الملقب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے احمد آباد مین ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا جسکی تعمیر مین ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپئے صرف ہوئے تھے، تعمیر کا آغاز ۱۱۰۳ھ

انجام سنہ ۱۱۱۱ھ مین ہوا، متصل دو دکانون کے علاوہ دو گاؤن بھی وقف تھے، اس مدرسہ کے مشہور مدرس مولانا نور الدین گجراتی تھے،[۱]

مدرسہ سرخیز

سرخیز مین جہان شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ[۲] تھا، مزار کی عمارتین محمد شاہ نے تعمیر کی تہین، اور غالبًا مدرسہ کی عمارت بھی، محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہد حکومت مین فقیہ احمد العرب کاجھولی اس مدرسہ کے اساتذہ مین بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے،

مدرسہ وجیہ الدین

احمد آباد مین علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ[۳] سب سے زیادہ مشہور ہے، اس مدرسہ مین طلباء کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریبًا ۶۵ سال تک علامۂ ممدوح نے یہین تعلیم دی اور بعد وفات یہین پیوند زمین ہوئے، انکے بعد انکے فرزند رشید مولانا عبد اللہ جانشین ہوئے، صادق خان نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت مزید توسیع کی جسمین طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا،

مدرسہ نہر والہ

شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل نہر والہ مین ایک مدرسہ[۴] تھا جسمین مولانا تاج الدین کے فرزند رشید محمد بن تاج درس دیتے تھے، ان دونون بزرگون کا شمار اس زمانہ کے مشہور اساتذہ مین تھا،

مدرسہ تالاب خان سرور

احمد آباد مین خان سرور نام ایک تالاب بہت ہی خوش منظر سیرگاہ تھا، اسکے گرد و پیش عالیشان عمارتین تھین جمین ایک مدرسہ[۵] بھی تھا، یہ معلوم نہین اسکا بانی کون تھا اور کس سنہ مین اسکی بنا ہوئی، اس مدرسہ کے مدرسین مین ایک نام مولانا قاسم بن محمد گجراتی کا ملتا ہے جو قطب الدین احمد شاہ کے زمانہ مین تھے،

---

[۱] تذکرۃ الہندی [۲] یاد ایام [۳] ایضًا [۴] ایضًا [۵] ایضًا،

مدرسہ عثمان پور

سابرمتی کے کنارہ ایک گاؤن تھا جسکو اُسکے بانی شیخ عثمان ہندی ؒ ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا، شیخ عثمان نے وہان ایک مدرسہ[۱] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لئے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کئے جنمین سے یہ قابل ذکر ہے کہ طلبا کی تعلیم کے لئے شاہی کتبخانہ کی تمام کتابین حاصل کرکے وقف کردین،

مدارس سورت

سید محمد بن عبداللہ العید روس کے مزار کے پاس حاجی زاہد بیگ نے بزمانہ تولیت شیخ جعفر صادق ۱۰۴۱ھ مین ایک مدرسہ[۲] تعمیر کیا جسمین زمانہ دراز تک علوم و فنون کی تعلیم ہوتی رہی،

سورت مین مرجان شامی کی مسجد ہمیشہ مدرسہ کا کام دیتی رہی، نواب ظفریاب خان نے اپنے زمانہ مین مدرسہ[۳] کے واسطے ایک خاص عمارت تیار کی جسکی تکمیل حاجی میان نواب ممدوح کے پوتے کے وقت مین ہوئی،

عالمگیر نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کی ترقی کے لئے طرح طرح کی کوششین کین، مسٹر کین اپنی تاریخ مغل امپائر مین لکھتے ہین کہ

"اورنگ زیب نے زراعت کو بیحد ترقی دی اور اپنے حدود حکومت مین بیشمار مدارس و مکاتب قائم کئے"

عالمگیر تعلیم عام کا بیحد شائق تھا، چنانچہ اس نے ہرطرف مدارس قائم کرنیکے علاوہ جہان جہان معلمین و علماء تھے اُنکے لئے بکثرت مدد معاش کی رقمین بطور وظائف تعلیمی مقرر کین چنانچہ مصنف مآثر عالمگیری لکھتا ہے،

در جمیع بلاد و قصبات این کشور وسیع فضلا و مدرسان را بوظائف لائقہ از روزانہ و املاک موظف ساختہ

برائی طلبۂ علوم وجوہ معیشت درخور حالت و استعداد مقرر فرمودہ بودند۔ (صفحہ ۵۲۹)

اسی عالمگیر نے گجرات کے بوہرون کی تعلیم کے لئے وہان تعلیم کو لازمی و جبری قرار دیا، اسکے لئے بہترین اساتذہ مقرر کئے، ماہوار امتحانات کا طریقہ ایجاد کیا جسکے نتائج کی اطلاع اسکو برابر دیجاتی تھی۔

لی بان کا فلسفہ

از مولانا عبد السلام ندوی

(نظام اخلاق)

جماعت کے خصوصیات نفسانی اور انکے علل و اسباب سے قوم کا موروثی نظام اخلاق بالکل متاثر نہیں ہوتا، بلکہ قوم پر جو موثرات جماعت مین ایک نہایت قوی موثر ہے، چنانچہ ہر شہر اور ہر ملک کی جماعتون مین جو اختلاف ہوتا ہے، وہ انہی قومی خصوصیات کے اختلاف کا نتیجہ ہے، جماعت جن موثرات قریبہ سے متاثر ہوتی ہے اُن مین قومی الف و عادت کا بہت بڑا حصہ شامل ہوتا ہے، ہر ملک کا قوام عموماً اسپیکرون کی سحر بیانی سے پامال کیا جاتا ہے، لیکن قدیم عرب اس سے نسبتہً بہت زیادہ متاثر ہوتا تھا، اور جدید فرانس اب بھی خطیبون کے اشارہ چشم و ابرو پر حرکت کرتا ہے، کیونکہ آتش بیانی ان دونون ملکون کا قومی مایۂ خمیر ہے، پس قوم کا نظام اخلاق اور اسکا سلسلۂ علل و اسباب جماعت سے بالکل مختلف ہے، اور اسکے علل و اسباب پر جن مختلف حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہے وہ حسب ذیل ہین،

(۱) یہ نظام اخلاق کیونکر پیدا ہوتا ہے؟

(۲) اسمین تغیر و انقلاب ہو سکتا ہے یا نہین؟

(۳) اگر تغیر ہو سکتا ہے تو اسکے اسباب کیا ہین؟

(۴) اخلاق پر تمدن کا اثر پڑتا ہے یا نہین؟

قومی نظام اخلاق کیونکر پیدا ہوتا ہے لیبان نے قومی نظام اخلاق کی تولید کے تین سبب بتائے ہین،

(۱) آباء و اجداد یعنی گذشتہ سلسلۂ خاندان کا اثر،

(۲) مان باپ کا اثر،

(۳) ملک، جغرافیانہ حدود و آب و ہوا، اور گرد و پیش کی چیزون کا اثر،

اگرچہ

"بعض لوگون نے اُن تمام اسباب مین اسی تیسرے سبب کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے"

لیکن بیبان کا ذاتی خیال یہ ہے کہ

" وہ ان تمام موثرات مین سب سے کم درجہ کا موثر ہے، ملک، آب و ہوا، اور ان تمام مادی اور روحانی چیزون کا اثر جو انکے تحت مین داخل ہین، انسان کی تمام زندگی بالخصوص زمانۂ تربیت پذیری مین بہت کم نمایان ہوتا ہے، البتہ انکا مستقل اثر اسوقت ظاہر ہوتا ہے، جب ایک ہی قسم کی آب و ہوا مین انسان کی متعدد نسلین گذر جاتی ہین"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قومی نظام اخلاق کی تولید کا سب سے زیادہ موثر سبب خاندانی اثر ہے اور آب و ہوا اور جغرافیانہ حالات

"کا اثر درحقیقت سلسلہ خاندان ہی کے ذریعہ سے انسان کے رگ و پے مین سرایت کرتا ہے ورنہ وہ بذات خود کوئی اہم چیز نہین، اس لحاظ سے انسان اپنی عملی زندگی مین صرف اپنی قوم کا فرزند ہوتا ہے"

کسی علت کے ضعف و قوت کا صحیح معیار یہ ہے کہ یہ پتہ لگایا جائے کہ وہ کن چیزون پر اثر کرتی ہے اور کیونکر کرتی ہے؟ اگر اسکا اثر صرف ضعیف چیزون تک محدود رہتا ہے، اور قوی چیزین اُس سے متاثر نہین ہوتین تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسمین خود کوئی غیر معمولی طاقت نہین، اس معیار کے رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ آب و ہوا کا اثر ایک نہایت ضعیف چیز ہے، اور وہ صرف ایک طفل نوزائیدہ کو متاثر کر سکتا ہے یعنی

"جو قومین اپنے دور تکوین مین ہوتی ہین اُن پر اُنکا اثر نہایت شدت کے ساتھ پڑتا ہے"۔

کیونکہ،

اس اختلاط کے ذریعہ سے اُنکے قدیم اخلاق بالکل برباد ہو جاتے ہین، اور جدید اخلاق کی

نشو ونما اور استحکام کے لئے راستہ صاف ہوجاتا ہے، اسلئے اس خالی زمین پر آب وہوا اور جغرافیانہ حالات کا اثر نہایت آسانی کے ساتھ پڑجاتا ہے"

بیسکن

"جو قومین قدیم اور موروثی اخلاق کی مالک ہین، ان پر اسکا مطلق اثر نہین ہوتا"

ماں باپ کا اثر ایک متوسط درجہ کا موثر ہے، وہ گذشتہ خاندان اور آب وہوا دونون کے اثر کو جذب کرتا ہے، اور اسکو خون کے ذریعہ سے انسان کی رگون مین پہنچاتا ہے،

نظام اخلاق مین تغیر ہوسکتا ہے یا نہین؟ لیبان کے نزدیک ہر قوم کا نظام اخلاق اسیقدر مستقل استحکم اور پائدار ہے جسقدر اسکا رنگ روپ ڈیل ڈول اور خال وخط، لیکن باینہمہ تغیر پذیری کی صلاحیت موجود ہے، اس بنا پر لیبان کو بھی اسقدر تسلیم کرنا پڑا کہ

"یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قوم کے نفسانی اخلاق مین تغیر وتبدل کی سرے سے صلاحیت ہی نہین، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قوم کی جسمانی ترکیب، رنگ وروپ، ڈیل ڈول، اور خال وخط کی طرح وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتے ہین، اور اسی پائداری کی بنا پر کسی قوم کا نظام اخلاق مدتون کے بعد بدلتا ہے"

یعنی

"جس طرح مرور زمانہ اور قانون توارث کے تغیرات زمانی کے ساتھ خصائص جسمانی مین تغیر وتبدل کی صلاحیت موجود ہے، بعینہ اسی طرح ان اخلاق مین بھی تغیر وتبدل کی صلاحیت موجود ہی اور نظام اخلاق کی یہی تغیر پذیری عقلی انقلاب کا سب سے بڑا سبب ہے، اگر صرف قدیم اصول ہمیشہ قائم رہتے تو دنیا مین تمدن کو ترقی نہ ہوتی"

اس اخلاقی انقلاب کے علل واسباب کی تحدید لیبان نے حسب ذیل کی ہے،

(۱) ضروریات زندگی،

(۲) آب و ہوا اور جغرافیانہ حالات کا اثر،

(۳) علوم و فنون، صنعت و حرفت، تعلیم و تربیت، اور عقاید و مذاہب کی ترقی،

لیبان نے ان تمام موثرات پر ایک مستقل کتاب میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، لیکن اس کتاب میں چند مخصوص اسباب پر اکتفا کیا ہے، لیبان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا تمدن صرف وہ ہے جسکی

"بنیاد صرف ایک یا دو اساسی اصول پر قائم ہوتی ہے"

اور تاریخ حیثیت سے

"قرون وسطیٰ کی زندگی صرف دو اصول پر قائم تھی مذہب اور امرار کی سیادت"

اس زمانہ کے تمام تمدنی عناصر میں انہی دونوں کی جھلک نظر آتی ہے،

"لیکن جب یورپ کے دماغ پر یونانی اور رومانی دور جدید نے اثر ڈالنا شروع کیا تو عام قومی زندگی میں انقلاب پیدا ہونے لگے، اسکے بعد مذہب قدیمہ کی قوت بالکل فنا ہو گئی، اور نقل کی جگہ عقل نے لیلی، اب تمدن نے ایک نیا قالب اختیار کیا اور مذہب کے تمام ارکان متزلزل ہو گئے"

اس زمانہ میں

"خدا نظام حکومت اور مذاہب سب کے سب گوشہ نشین ہو گئے ہیں"

اور ضروریات زندگی نے اخلاقی اور تمدنی زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے کیونکہ

"تمدن جدید نے انسانی ضروریات کو غیر معمولی طور پر وسیع کر دیا ہے، اور انکے پورا کرنے کے بہت کم اسباب مہیا کئے ہیں، اسلئے دونون سے رضا و تسلیم کا مادہ بالکل زائل ہو گیا ہے"

لیکن ابھی تک صرف حرکت ہی حرکت ہے، سکون کا نام و نشان نہیں، تمدن کا ستون جنبش میں ہے لیکن کسی نقطہ پر نہیں ٹھہرتا، کیونکہ

"قدیم اصول جو تمدن کا ماخذ تھے اپنی نشوونما قوت کو کھو چکے ہیں، اور جدید اصول کو ابتک

ثبات، استحکام حاصل نہین ہوا ہے "

اشتراکیت نے بے شبہ ایک مذہبی قوت اختیار کرلی ہے اور

" اس زمانہ مین سوشیالسٹ فرقہ کے سوا کسی گروہ کا عقیدہ پختہ اور صحیح نہین ہے "

لیکن لیبان کے نزدیک وہ

" قوم کو انحطاط کے غار اور استبداد کے مناظر شنیعہ کی طرف لیجاتی ہے "

تاہم اشتراکیت کا خیال ضروریات زندگی ہی نے پیدا کیا ہے، اسلئے اس زمانہ مین جو انقلاب ہوا ہے وہ صرف ضروریات زندگی کا نتیجہ ہے، مذہب بالکل دست شل ہو گیا ہے، اور اب وہ ایک بے اثر چیز ہے، لوگ یورپ کا سفر کرتے ہین کہ بدل جائین اور یورپ خود امنڈا ہوا چلا آتا ہے کہ تمام دنیا کو بدلدے لیکن لیبان کے نزدیک

" اخلاقی حیثیت سے جغرافیانہ حالات کی بے اثری خود یورپین تمدن سے ظاہر ہوتی ہے ایک مدت سے ہمکو مشرقی قومون کے ساتھ اختلاط حاصل ہے، لیکن ہمارے تمدن نے اُن پر مطلق اثر نہین کیا × × مادی اور مقامی حیثیت سے بھی اسکا اثر بہت کم پڑتا ہے،

تاہم یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا قدیم اصول سے بالکل آزاد ہو گئی ہے، کیونکہ

" اگرچہ ہر قدیم اصول کا نام بدل جاتا ہے، اور دلون کے اندر سے اُنکی آواز بازگشت نہین آتی تاہم قلوب پر اُنکا اثر قائم رہتا ہے "

اس بنا پر نظام اخلاق بدلنے کے بعد بھی حقیقی طور پر نہین بدلتا، کیونکہ

" مذہبی اور سیاسی انقلابات کے زمانے مین تمام قوم (اگرچہ) ان عجیب و غریب اوصاف کا مظہر بن جاتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا قومی نظام اخلاق بالکل بدل گیا ہے اور اسکے افکار و خیالات نے عظیم الشان انقلاب کی صورت اختیار کرلی ہے، لیکن جب آندھی تھم جاتی ہے

توصاف نظر آتا ہے کہ یہ محض عارضی تغیر تھا جو دم کے دم مین فنا ہو گیا"

آج بھی اساسی اخلاق مین کوئی تغیر نہین پیدا ہوا کیونکہ قدیم نظام اخلاق ہمیشہ قائم رہتا ہے اور صرف

" ان اخلاق کے مظاہر بدل جاتے ہین"

چنانچہ قدیم مذہبی جوش و خروش نے اب فوضویت، اور حریت کی صورت اختیار کر لی ہے،

فن تاریخ | لیبان فن تاریخ سے ہر موقع پر سخت بیزاری ظاہر کرتا ہے ایک جگہ لکھتا ہے،

" مین تاریخی کتابون سے شدت کے ساتھ احتراز کرتا ہون کیونکہ وہ فائدہ کم پہونچاتی ہین اور گمراہ زیادہ کرتی ہین"

اس بیزاری کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ کی نگاہ عموماً چھلکون پر پڑکر رہ جاتی ہے مغز تک سرایت نہین کرتی اسلئے وہ عموماً غلطیان کرتی ہے، تاریخ صرف دنیا کے انقلابات کی ایک داستان ہے، اسکو علانیہ نظر آتا ہے کہ،

"بہت سی قومون نے اپنے تمدنی عناصر بدل دیئے ہین، اور اپنے قدیم مذہب، قدیم سیاست اور قدیم زبان کے بجائے، جدید مذہب، جدید سیاست، اور جدید زبان کو اختیار کر لیا ہے، بعض قومین اپنے آبا و اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب، بودھ مذہب یا مذہب اسلام کے دائرے مین داخل ہو گئی ہین، بعض قومون نے اپنی زبان بالکل بدل دی ہے، اور بعض قومون نے اپنے نظام سیاست اور فنون لطیفہ کو بالکل دوسرے قالب مین ڈھال لیا ہے۔

اسلئے وہ اس داستان کو نہایت مزے لے لیکر بیان کرتی ہے لیکن ہر موقع پر

"تاریخ نے ان انقلابات کی روایت مین اپنی قدیم فطری غلطی کا اعادہ کیا ہے"

ورنہ اگر وہ چھلکے کے اندر دیکھتی تو اسکو نظر آتا کہ

"صرف ان تمام چیزوں کے نام بدل گئے ہیں حقیقت نہیں بدلی ہے، الفاظ کی تہ میں جو معنے تھے وہ اب تک زندہ ہیں، اور اُن میں بہت دنوں کے بعد تغیر پیدا ہوگا"

دنیا میں جو تغیرات پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ دریا کی موج کی طرح تنہا نہیں ہو جاتے بلکہ ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہیں، اور

"تمدن کی تاریخ درحقیقت انہی تدریجی تغیرات سے مرتب ہوتی ہے اور اگر ہمکو یہ نظر آتا ہے کہ وہ دفعۃً نہایت وسیع پیمانے پر پیدا ہوگئے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم اول اور اخیر کی کڑیوں کو پیش نظر رکھتے ہیں اور بیچ کے انقلابات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یا صرف آخری کڑی کو دیکھتے ہیں"

لیکن یہ خطرناک عادت ہمکو صرف تاریخ نے سکھائی ہے، دنیا کی ہر چیز بتدریج پیدا ہوتی ہے، بتدریج ترقی کرتی ہے اور بتدریج اپنی آخری منزل تک پہونچ جاتی ہے، لیکن تاریخ کی نگاہ اسی آخری نقطے پر پڑتی ہے کیونکہ

"تمام مورخین کا فطری مذاق اشیاء کی تفصیل بیان کرنا ہے اسلئے وہ ہر ایجاد کو کسی نہ کسی نام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ تمام بڑی بڑی ایجادیں جنھوں نے کرۂ ارضی کی ہیئت کو بدل دیا کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں، مطبع، بارود، اسٹیم، اور تار کے موجدوں کا نام کسکو معلوم ہے؟ اس بنا پر جو شخص ان ایجادات کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کرے گا، اُسکو معلوم ہوگا کہ وہ درحقیقت بہت سی گذشتہ دماغ پاشیوں کا نتیجہ ہیں، اور آخر موجد اس عمارت کا صرف ایک "بلند کنگرہ" ہے"

لیکن ایک طرف تو وہ اس عمارت کے طول و عرض کو سمیٹ کر ایک "بلند کنگرہ" میں محدود کر دیتی ہے، دوسری طرف وہ ایک نقطے کو اسقدر وسیع کرتی ہے کہ وہ پھیل کر ایک مستقل دائرہ

بن جاتا ہے، مثلاً وہ قوموں کی عروج و زوال کی داستان سے ہزاروں صفحے رنگ دیتی ہے لیکن اگر اسکو معلوم ہوتا کہ دنیا کا گورکھ دھندا صرف نظام اخلاق کے بننے اور بگڑنے سے بنتا اور بگڑتا ہے تو اُسکی حقیقت صرف اس استفہامیہ جملے کا

"تاریخ جس نے بہت سے مجلدات کو بھر دیا ہے وہ بہت سے صفحات کے مجموعے کا نام ہے۔

یا درحقیقت یہ کورے صفحے ہیں؟"

مختصر جواب ہوتی،

تاریخ اگرچہ بعض موقعوں پر افسانہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، اسلئے وہ ہر زمانے میں نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، لیکن درحقیقت ہر زمانے کی تاریخ اسی زمانے کے ساتھ مخصوص ہے اور آئندہ زمانہ اُس سے بالکل بے نیاز ہے، مثلاً فنون لطیفہ عموماً قوم کے جذبات و خیالات کا آئینہ ہوتا ہے قدیم زمانے میں جب مذہب اپنی اصلی طاقت کے ساتھ قائم تھا تو قوم کی تمام اختراعی قوت، مذہبی عمارتوں اور مذہبی تصویروں کی پیکر آرائی میں صرف ہوتی تھی، اسلئے اس زمانے کا فنون لطیفہ، مذہبی خیالات کا ترجمان تھا، آج مادی ضروریات، یعنی تجارت، اور صنعت و حرفت کی گرم بازاری ہے، اسلئے

"ہمارے زمانے کا اصلی فن تعمیر وہ ہے جو ہمارے سامنے پنج منزلہ عمارتوں، پانی کی نہروں بڑے بڑے پلوں اور ریلوے لائنوں کا ڈھانچہ کھڑا کر دیتا ہے"

لیکن آئندہ زمانے میں جب یہ ضرورتیں بدل جائیں گی تو فنون لطیفہ بھی دوسرے قالب میں جلوہ گر ہوں گے اور تمام صناعیاں اس زمانے کے جذبات و خیالات کے مخالف ہونگے اسلئے،

"دور جدید کے مکانات اور عہد قدیم کے گرجے دونوں زمانہ آئندہ کے انجنیر کو یکساں نظر آئیں گے"

یہی وجہ ہے کہ ایک زمانہ کو دوسرے زمانے پر قیاس کرنا عظیم الشان تاریخی غلطی ہے یہی نکتہ ہے جسکو علامہ ابن خلدون نے ان الفاظ مین بیان کیا ہے،

ومن الغلط الخفی فی التاریخ الذهول عن تبدل الاحوال فی الامم والاجیال تبدل الاعصار ومرور الایام وهو داء دوی شدید الخفاء اذ لا یقع الا بعد احقاب مستطاولة فلا یکاد یتفطن له الا الآحاد من اهل الخلیقة،

اور تاریخ کی سب سے مخفی غلطی قومون کے اُن حالات کے نظرانداز کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو زمانے کی تغیر و تبدل سے بدلتے رہتے ہین، یہ نہایت مخفی مرض ہے کیونکہ وہ ایک طویل زمانے کے بعد پیدا ہوتا ہے اسلئے صرف مخصوص لوگ اسکا پتہ پاتے ہین

بہرحال لیبان کے نزدیک تاریخ، نہایت کوتہ نظر، ژولیدہ بیان، مختصر گو، بیہودہ سرا، اور جامد چیز ہے اسلئے وہ قومون کے حالات کا پتہ صرف اُنکے کارنامون کے ذریعہ سے لگاتا ہے، اسکے لئے اگرچہ تمام تمدنی عناصر کارآمد ہوسکتے ہین، لیکن اسکے نزدیک فنون لطیفہ یا مخصوص فن عمارت قومون کے جذبات خیالات کی نہایت صحیح ترجمانی کرتا ہے، کیونکہ

"پتھر کی کتابین تمام دنیا کی کتابون سے زیادہ صاف، واضح، اور آسان ہین، اور انکی زبان کبھی دروغ بیانی سے آلودہ نہین ہوتی"

اسلئے اُس نے

"مشرقی تمدن پر جو کچھ لکھا ہے اس مین فنون لطیفہ کو خاص طور پر اہمیت دی ہے"

اور اس کتاب مین بھی اس موضوع پر دو طویل فصلین وقف کردی ہین،

انگلستان کے علمی رسائل

مولوی عبد الماجد صاحب بی۔اے

اُردو کے تو دو ہی ایک علمی رسالون کو اپنی زندگی قائم رکھنا دشوار ہے لیکن یورپ کے ہر ملک مین علم و فن کی ہر شاخ سے متعلق اس کثرت سے سہ ماہی، ماہانہ، وہفتہ وار مطبوعات نکلتے رہتے ہین، کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک مختصر تعلیم یافتہ آبادی مین یہ انبار کثیر کیونکر جذب ہو جاتا ہے، تمام یورپ کے علمی رسائل کے تذکرہ کے لئے تو ایک سے زائد ضخیم مجلدات کی حاجت ہوگی، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس صحبت مین صرف انگلستان کے چند علمی جرائد پر ایک اجمالی نظر کی جائے۔

یورپ مین تقسیم عمل کا جو قانون جاری ہے، اسکے لحاظ سے انگلستان مین یہ ایک نادر واقعہ ہے کہ ایک ہی پرچہ جملہ علمی عنوانات کو اپنا موضوع قرار دے۔ عام قاعدہ یہ ہے، کہ ہر علم و فن بلکہ اسکے اصناف ماتحت تک اپنے جداگانہ جرائد و رسائل رکھتے ہین، فلسفہ، نفسیات، اخلاقیات، اقتصادیات، تعلیمات، طبعیات، کیمیائیات، ریاضیات، فلکیات، طب، ادب، شاعری، موسیقی، ان مین سے ہر فن سے متعلق مخصوص و مستقل متعدد جرائد شائع ہوتے ہین،

فلسفہ ایک دقیق و خشک بحث سمجھا جاتا ہے، جس سے عام ناظرین کو دلچسپی نہین ہو سکتی، لیکن ذیل مین چند اُن رسائل کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے، جو محض فلسفہ و متعلقات فلسفہ اپنا موضوع رکھتے ہین، اور جن مین عام ناظرین کے مذاق کا ایک حرف بھی نہین ہوتا۔

(۱) مائنڈ (Mind) فلسفہ و متعلقات فلسفہ کا یہ انگلستان مین نہایت قدیم و معزز سہ ماہی رسالہ ہے، حجم سوا سو ڈیڑھ سو صفحہ کے درمیان رہتا ہے۔ فرائض ادارت مشاہیر فلاسفہ برطانیہ کی ایک مجلس کے

سپر، مین اچیف ایڈیٹر مشہور فلسفی مصنف پروفیسر اسٹاوٹ ہین اجنکے چار مددگارون کے نام بھی سرورق پر درج ۔ ہتے ہین، فلسفیانہ مقالات، مباحثہ و مناظرہ، انتقادات وغیرہ ہوتے ہین۔ یہ رسالہ مسلسل ۲۰ سال سے نکل رہا ہے، اور اس سے پیشتر بھی چند سال تک نکل چکا ہے،

(۲) ہبرٹ جرنل (Hilbert Journal) یہ بھی سہ ماہی رسالہ ہے جسکی ضخامت عموماً دوسو صفحہ کی ہوتی ہے، اس مین خالص فلسفہ کے ساتھ مذہبی وکلامی مباحث بھی ہوتے ہین۔ یورپ وامریکہ مین اسکی خاص وقعت ہے۔ مجلس ادارت مین سر الیور لاج جیسے مشاہیر فن شامل ہین، ایڈیٹر ڈاکٹر جیکس اور اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر ڈاسن کس ہین۔ اسکی عمر ۱۰ سال کی ہے،

(۳) برٹش جرنل آف سائکالوجی (British Journal of Psychology) اس رسالہ کا موضوع مخصوص نفسیات کے مباحث ہین۔ اسکا حجم تقریباً ڈیڑھ سو صفحہ کا ہوتا ہے، تقطیع عام رسالون سے بڑی اور چوڑی ہوتی ہے۔ اسکے مضامین علے العموم اسقدر دقیق ہوتے ہین کہ بجز ان لوگون کے جنھون نے نفسیات مین کمال وتبحر پیدا کرلیا ہے، عام فلسفیانہ مذاق کے ناظرین بھی اسے اپنی فہم سے ارفع پاتے ہین۔ یہ نوسال سے نکل رہا ہے، اسکے ایڈیٹوریل اسٹاف مین جسکی فہرست سرورق پر درج رہتی ہے، علاوہ چیف ایڈیٹر کے ۵ اشخاص کام کرتے ہین!

(۴) انٹرنیشنل جرنل آف ایتھکس (International Journal of Ethics) یہ بھی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اسکا موضوع اخلاقیات ہے۔ پروفیسر سیورنڈ اور اخلاقیئین کی ایک جماعت کے ہاتھ مین اسکی عنان ادارت ہے۔ ۲۰ سال سے نکل رہا ہے۔

(۵) فلاسوفیکل ریویو (Philosophical Review) اسکا موضوع بھی مثل مائنڈ کے عام فلسفہ ہے۔ یہ ۲۰ سال سے شائع ہورہا ہے،

(۶) جرنل آف منٹل سائنس (Journal of Mental Science) یہ بھی سہ ماہی

رسالہ ہے، اس کا حجم کم و بیش ننو صفحہ کا ہوتا ہے اسکا موضوع نفسیات طبیہ ہے چار کاملین فن اسکے ایڈیٹر ہین۔ امراض نفسی و اختلال حواس وغیرہ سے متعلق اس مین قابل قدر مضامین ہوتے ہین۔ یہ شاید اپنی نوعیت مین سب سے قدیم رسالہ ہے۔ اب اسکی عمر ۶۵ سال کی ہے۔

(۷) برین (Brain) اس مین نفسی مسائل پر تمام ترطبی و تشریحی نقطہ نظر سے بحث ہوتی ہے اسکے مضامین اطبا کے لئے خاص طور پر مفید و دلچسپ ہوتے ہین۔ اسکی مجلس ادارت سات ارکان پر شامل رہتی ہے۔ اسکا حجم کچھ کم ننو صفحہ رہتا ہے، یہ اپنی زندگی کے ۴۲ سال پورے کرچکا ہے۔

(۸) سوشیالوجیکل ریویو (Sociological Review) اسکا موضوع اجتماعیات ہے۔ پروفیسر اے، جے، ٹامسن اسکے ایڈیٹر ہین۔

(۹) پازیٹویسٹ ریویو (Positivist Review) انیسوین صدی کے وسط مین فرانس مین ایک مشہور فلسفی آگسٹ کومٹ ہوا ہے جس نے اپنے نظام فلسفہ کا نام پازیٹیوزم رکھا اور اسکے مقلدین پازیٹویسٹ کہلاتے ہین، یہ ماہوار رسالہ انگلستان کی پازیٹویسٹ جماعت نکالتی ہے، اس مین کومٹ کے اصول و تعلیمات کی مطابقت مین مختلف عنوانات پر مباحث ہوتے ہین۔

(۱۰) پروسیڈنگس آف ارسٹاٹیلین سوسائٹی (Proceedings of Aristotelian Society) ارسٹاٹیلین سوسایٹی (جمعیت ارسطالیسی) کے نام سے تقریباً ۴۰ سال سے لنڈن مین فلسفہ کی ایک ممتاز انجمن قایم ہے۔ اس مین ہر ماہ کسی اہم فلسفیانہ عنوان پر مباحثہ ہوتا ہے، اور انجمن کی روئداد مین اسی کی کارروائیان شائع ہوتی رہتی ہین۔

فلسفیانہ پرچون کی یہ کوئی مکمل فہرست نہین، صرف چند کے نام درج کئے گئے، انکے علاوہ اور بھی متعدد پرچے انہین مقاصد کے ساتھ نکلتے ہین، پھر امریکہ سے جو کثیر التعداد فلسفیانہ رسائل نکلتے ہین انکی خریداری بھی ایک بڑی حد تک انگلستان کی خالص انگریزی دان جماعت کرتی ہے، اس سے

قیاس یہ ہوتا ہے کہ انگریزی قوم خاص طور پر فلسفہ پسند و حکمت سنج ہے، جو اس کثرت سے فلسفیانہ پرچون کی سرپرستی کرتی ہے، لیکن واقعہ اسکے بالکل برعکس ہے۔ انگلستان مین گو بعض حکما، نہایت جلیل القدر گذرے ہین، لیکن انگریزی قوم کو من حیث القوم فلسفہ و حکمت سے مطلق مس نہین۔ اسکے اصلی مذاق کی شے تجارت و سیاست ہے۔ یہ صرف ایک محدود طبقہ ہے جو ان پرچون کی اتنی قدردانی کرتا ہے۔

بکثرت ماہوار و ہفتہ وار پرچے ایسے بھی شائع ہوتے ہین جنکا مقصد تمامتر خریداران کتب اور مصنفین و ناشرین کے مابین درمیانی واسطہ کا کام دینا ہوتا ہے۔ عام خبرون سے انہین مطلق تعلق نہین ہوتا ان مین صرف وہی خبرین شائع ہوتی ہین، جو مصنفین، ناشرین (پبلشرز) اور کتابون سے تعلق ہوتی ہین۔ اس نوعیت کے چند پرچون کے نام یہ ہین :-

(۱) ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ (Times Literary Supplement) مشہور اخبار لنڈن ٹائمس کا یہ ہفتہ وار علمی ضمیمہ ہے۔ اخباری تقطیع پر اسکا حجم ۱۰ - ۱۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور ہر صفحہ مین چار کالم ہوتے ہین، اس مین ہر ہفتہ مطبوعات جدیدہ کی مکمل فہرست فن وار ہوتی ہے، اور حسب حیثیت سب پر مفصل یا مختصر ریویو ہوتے ہین۔ اہم ترین مطبوعات پر ریویو بعض اوقات تین تین چار چار کالم تک کے ہوتے ہین، ادنی مطبوعات کا اعلان سطر دو سطر مین کر دیا جاتا ہے صیغہ مراسلات مین علمی مباحث ہوتے ہین، اسکے انتقادات علی العموم نہایت دلچسپ اور بجائے خود ایک مستقل ادبی حیثیت رکھتے ہین یہ پرچہ ۱۰ سال سے نکل رہا ہے اور اسکی موجودہ اشاعت باوجود نقصانات جنگ کے ۲۰ - ۳۲ ہزار سے اوپر ہے!

(۲) اتھینیم (Athenaeum) ٹائمس کے علمی ضمیمہ کے بعد یہی پرچہ سب سے زیادہ باوقعت سمجھا جاتا ہے۔ اسکا حجم عموماً ۴۰ صفحہ کا ہوتا ہے، ہفتہ وار ہے۔ فن وار فہرست کتب اور انتقادات کے علاوہ اس مین سائنس، فنون لطیفہ، موسیقی، اور ڈراما کے اصولی مباحث پر مقالات

ہوتے ہین، اور صیغہ مراسلات ہین علمی و ادبی عنوانات پر مباحثہ و مناظرہ،

(۳) لٹریری ورلڈ (Literary world) یہ ۱۴-۱۵ صفحہ کا ماہوار پرچہ ہوتا ہے۔ اس مین تمام تر کتابون پر ریویو ہوتے ہین خصوصاً ناولون اور افسانون پر، اسکی قدامت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسوقت اسکی جلد کا نمبر ۸۵ ہے،

(۴) نوٹس اینڈ کویریز (Notes and Queries) یہ اپنی نوعیت مین ایک بالکل نئی قسم کا ماہوار رسالہ ہے حجم ۲۵-۳۰ صفحہ کا ہوتا ہے، اسکے دو حصہ ہوتے ہین، ایک نوٹس کا ہوتا ہے اس مین انگریزی کی قدیم و نادر کتابون سے متعلق نوٹ ہوتے ہین، دوسرا حصہ استفسارات و جوابات کا ہوتا ہے، ایک شخص دریافت کرتا ہے کہ فلان کتاب کا مصنف کون تھا؟ دوسرا سوال کرتا ہے کہ فلان اقتباس کس کتاب کا ہے؟ تیسرا پوچھتا ہے کہ فلان شاعر کی قبر کہان ہے؟ غرض اس طرح مصنفین اور کتابون کے متعلق انواع و اقسام کے بیشمار استفسارات ہوتے ہین، اور آگے چل کر انکے جوابات ملتے ہین ۱۲ سال سے شائع ہو رہا ہے۔

(۵) آتھر (Author) اسکے لفظی معنی "مصنف" کے ہین۔ ماہوار پرچہ ہے، اس مین عموماً اس قسم کے مضامین ہوتے ہین جو تجارتی و قانونی حیثیت سے مصنفین و ناشرین کے کام آسکتے ہین، مثلاً کاپی رائٹ سے متعلق جو قوانین ہین، انکی تشریح و توضیح قانون لایبل سے مصنفین کا تعلق، ناشرین کے حقوق وغیرہ

(۶) لٹریری گائڈ (Literary guide) یہ ۱۵-۱۶ صفحہ کے حجم کا ماہوار پرچہ ہے انجمن عقلیین کے آرگن ہونے کے لحاظ سے اگرچہ اسکا دائرہ محدود ہے تاہم اس مین بھی بکثرت کتابون پر ریویو مصنفین کے حالات، اور انکے معتقدات اور عقلیت، پر بحث ہوتی ہے۔ ۲۵ سال سے یہ شائع ہو رہا ہے

مقاصد بالا کیساتھ متعدد اور پرچے بھی شائع ہوتے ہین، یہان صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے، مختص الفن پرچون مین تعلیمی پرچون کو خاص اہمیت ہے۔ ان مین سے ایک آدھ کا ذکر ضروری ہے،

(۱) ٹائمس ایجوکیشنل سپلمنٹ (Times Educational Supplement) علمی ضمیمہ

کے علاوہ ٹائمس کے دفتر سے ایک ہفتہ وار تعلیمی ضمیمہ بھی نکلتا ہے۔ یہ مخصوص تعلیمی مضامین اور خبرون سے لبریز ہوتا ہے۔ تین چار مستقل مقالات کے علاوہ، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ کے نظامات تعلیم پر مفصل تبصرہ ہوتا ہی، تمام مشہور یونیورسٹیون، کالجون، اور اسکولون سے متعلق معلومات ہوتے ہین، ایک کالم ڈیڑھ کالم بالالتزام ہندوستان کے مسائل تعلیم کیلئے وقف رہتا ہے، ہفتہ کی تمام تعلیمی مطبوعات پر نقد ہوتا ہے، صیغۂ مراسلات مین تعلیمی مسائل پر رد و قدح ہوتی ہے۔ دور حاضرہ کے مشہور ماہرین فن کے اصول پر علحدہ نقد و تبصرہ ہوتا ہے۔ غرض اسکے ناظرین صرف اسی کے بل پر گویا ہر ہفتہ ایک تعلیمی دائرۃ المعارف انسائیکلوپیڈیا کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہین حجم بڑی اخباری تقطیع پر ۲۰ صفحہ کا ہوتا ہے۔ ۱۰ سال سے شائع ہو رہا ہے

(۲) جرنل آف ایجوکیشن (Journal of Education) چھوٹی اخباری تقطیع پر ۷۰-۸۰ صفحہ کا ماہانہ رسالہ ہے گو اس صفحات کا کافی حصہ اشتہارات کی نذر ہوجاتا ہے۔ تعلیمی مقالات کے علاوہ اس مین تعلیمی خبرین اور مطبوعات تعلیمی پر ریویو ہوتے ہین۔ جلد کا نمبر ۵۱ ہے۔

(۳) ایجوکیشن (Education) یہ ۱۴-۱۵ صفحہ کا ہفتہ وار اخبار ہے اس مین مقالات برائے نام ہوتے ہین البتہ برطانیہ کے مدارس سے متعلق جزئی خبرین تک ہوتی ہین۔ اسکی حیثیت سرکاری گزٹ سے ملتی جلتی ہے جو لوگ برطانیہ کے سررشتہ تعلیم مین منسلک ہین انکے لئے خاص طور پر مفید ہے ۴۴ سال سے نکل رہا ہے

اس سرسری تبصرہ سے کسی قدر اندازہ ہوا ہوگا کہ انگریزی اور اردو پبلک مین علمی رسائل کے لحاظ سے کیا تناسب ہی۔ تقریباً ہر علمی پرچہ ماہرین فن کی ایک جماعت کے ساتھ مین ہی اور ہر عنوان پر وہی شخص قلم اٹھانیکا مجاز ہوتا ہے جو مخصوص اس بحث سے متعلق کافی غور و مطالعہ کرچکا ہے۔ مضمون نگارون کو معقول معاوضہ ملتا ہے اعلی کتبخانون اور دیگر ذرائع سے انکے کام مین انتہائی سہولتین پیدا کیجاتی ہین۔

ہندوستان مین ابھی یہ چیزین خواب و خیال معلوم ہوتی ہین کیا کبھی اس خواب کی تعبیر پوری ہو سکے گی؟

محمد تغلق کا طرزِ حکومت

(۲)

از پروفیسر گارڈنر براؤن

لیکن محض برنی کی فروگذاشتون اور تعصبات کا ذکر کرنا کافی نہین، سلطان کے عہدِ حکومت اور سیرت کی تاریخ تکمل نہین ہوسکتی، تاوقتیکہ ان مسائل خمسہ پر ایک نظر نہ کی جائے جنکی بنا پر اسکا عہدِ حکومت سب سے زیادہ بدنام ہے، گو اس مضمون مین سب پر تفصیل کے ساتھ نظر کرنا ناممکن ہے، ترتیب زمانی کے لحاظ سے سب سے پہلے دوآب مین ٹکس کا مسئلہ ہے، اور اسکے متعلق دو لفظ کافی ہین، دوآب ملک کا سب سے زیادہ مرفہ الحال علاقہ تہا، اور جیسا کہ علاؤ الدین کے زمانہ مین ثابت ہوچکا تہا، بآسانی موجودہ ٹکس سے زیادہ برداشت کرسکتا تہا، جدید ٹکس ہرگز زائد نہ تہا، بلکہ بعد کو جو ٹکس لگایا گیا، اسکے مقابلہ مین ہلکا ہی تہا، البتہ سوء اتفاق سے اسکے بعد ہی اس عہدِ حکومت کا پہلا قحط پڑگیا، اس سے مخالفین کو موقع ہاتھ آگیا، کہ جو شے امساک باران کا نتیجہ تھی اُسے جدید ٹکس کی جانب منسوب کردین،

بادشاہ کی دوسری غلطی جو بقول برنی سلطنت کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئی، یہ تھی کہ دیوگیر کو دارالحکومت بنایا گیا، اور دہلی کی خلقت کو وہان منتقل کیا گیا، بادشاہ کی اس کارروائی کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ کے جغرافیہ سیاسی کی تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے، تغلق خاندان کے دو ابتدائی فرمانرواؤن کی سلطنت تین متفرق حصون پر مشتمل تھی، ایک حصہ مین ندی گنگا، پنجاب کے میدان جنکی مغربی حد لاہور تھی، اور وادی سندھ کی ایک چیٹ جسکے جنوب مین ملتان تہا، شامل تھے، دوسرا حصہ جو اس سے نسبتہ چھوٹا مگر کافی وسیع رقبہ اور گنجان آبادی کا تہا، اسمین خاندیش کا مشرقی علاقہ برار، حیدرآباد،

اور احاطہ مدراس کے ساحل مشرقی کی چیلیں شامل تہین، تیسرا حصہ شمالی گجرات کے اس علاقہ کا نام تہا جسکا نقی خلیج کمبات ہے، یہ گو پہلے دونوں حصوں سے بہت چھوٹا تہا، تاہم اس لحاظ سے ممتاز تہا کہ اُسکے بندرگاہ بیرونی تجارت کے مرکز تھے، ان متفرق حصون کے درمیانی رابطہ کا کام دینے والی وہ پتلی سی چپٹ تھی جو گوالیار سے دہار تک اور پھر وہان سے مغرب وجنوب تک پہیلی ہوئی تھی، مگر یہ چپٹ گویا عبارت ان چہ تلعون سے تھی جو مضافات اجین کے ایک قطعہ کو چھوڑ کر باقی تمام سڑک کی حفاظت کے لئے جابجا قائم تھے، سلطان کے عہد کے آغاز ہی مین دو وجوہ سے نہین برنی پہ جاتا ہے سلطنت کا مرکز ثقل ہٹ چکا تہا، پہلی وجہ یہ تھی کہ منلون کی صد سالہ یلغار نیز ایک زبردست سیلاب ہے جس نے دریاؤن کے رُخ پھیر دیئے، اور ہزارہا اشخاص کو بے خانمان کردیا، پنجاب کی اہمیت اب بہت گہٹ گئی تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ جنوب کا جدید علاقہ موسومہ دکن، مگر جسمین دکن کے علاوہ بھی بہت کچھ شامل تہا، حال مین حاصل ہوا تہا، اس جدید علاقہ کی نوعیت شمالی ہند سے بالکل جدا گانہ تھی پھر ہنوز پوری طرح تسلط بھی نہین ہوا تہا، بلکہ اسکی جنوبی سرحد پر مخالف یا نیم مخالف حکومتین موجود تہین، اسلیے اسکا نظم ونسق ایک دشوار مسئلہ تہا، اور اس عہد حکومت مین اسکے حل کرنے کی تین مختلف کوششین کی گئین، جنمین سے پہلی اور زمانہ قبل سے تعلق رکھنے والی یہ تھی کہ جدید صوبجات کو سلطان کی نگرانی مین رکھا جاسے، اور دیوگیر کو جو دہلی کے مقابلہ مین مرکز سلطنت سے قریب تر اور موقع خطرات کے متصل تہا دوسرا پایہ تخت قرار دیا جائے، اس تجویز کی پوری تفصیلات آج موجود نہین ہین، تاہم جو کچھ موجود مین اُن سے ظاہر ہے کہ سلطان کے زمانہ قیام دکن مین وزیر کو بحیثیت نائب السلطنت کے شمال مین پورے شاہانہ اختیارات حاصل ہونگے، اور اگرچہ دونون پایہ تخت ایک دوسرے سے بہت بعید فاصلہ پر تھے تاہم عملاً اس حالت مین بھی سرکاری ڈاک اور قاصدون کی خوش انتظامی کی بنا پر دونون مقامات کے مین نامہ وپیام کچھ دشوار امر نہ تہا، بعد کو ایسے حالات پیش آئے جنکی تفصیل یہان غیر ضروری ہے

جنکی بنا پر یہ قصد قوت سے فعل مین نہ آسکا، تاہم اسمین کوئی شک نہین کہ ابتداءً ایک اہم صعب کا یہ ایک معقول حل تھا،

اس اسکیم کی تہ مین جو اصل اسباب تھے، انہین چھوڑکر مورخین اپنی ساری توجہ اسپر صرف کرنے لگے ہین کہ اس تجویز پر عملدرآمد کن طریقون سے کیا گیا، اور اس بحث مین اُلجھ کر وہ اسے بھی نظرانداز کرجاتے ہین کہ اس تجویز پر دو مختلف دور گذرے ہین، پہلا دور یہ تھا کہ تقریباً ۱۳۲۷ء مین دفاتر سرکاری اور ضروری عملہ دیوگیر منتقل کئے گئے، دوسرا دور جو کئی سال بعد شروع ہوا یہ تھا کہ آبادی کے دوسرے طبقات کو وہان منتقل کرایا گیا، اور سلطان کی بدنامی کی یہی سب سے بڑی بنیاد ہے لیکن سلطان نے دہلی مین جو عظیم الشان تعمیرات کرائین، اور ابن بطوطہ نے شہر کی مرفہ الحالی کی جو کیفیت بیان کی ہے، اسکے بعد برنی کی اس روایت پر کون یقین کرسکتا ہے کہ شہر مین ایک کتا، ایک بلی تک باقی نہ رہ گئی، اور دوسرے شہرون سے جو لوگ لاکر یہان آباد کئے گئے، ان مین سے کچھ تو مرگئے اور باقی اپنے اپنے وطن کو واپس چلے گئے، یہ الفاظ ایک متعصب گواہ کے ہین جنہین مشرقی مبالغہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اغلب یہ ہے کہ دہلی مین یہ نئی آبادی پنجاب کے سیلاب، ترما شیرین کے متواتر حملون، اور پہلے قحط کی بنا پر پیدا ہوگئی ہو، لیکن اس ضمنی قیاس سے قطع نظر کرکے اصل مسئلہ پر توجہ کرنا چاہیئے، جب ضرورت یہ درپیش تھی کہ ایک مخالف ملک مین جدید پایہ تخت کو آباد کیا جاے تو اس مقصد کے لئے اس مقام سے بہتر کہان کے اشخاص کا انتخاب ہوسکتا تھا جنکی آبادی نہایت گنجان تھی، اور برابر بڑھتی جاتی تھی، پایہ تخت کی تبدیلی کوئی انوکھا واقعہ نہ تھا، امبر، فتحپور سکری، چتور، مانڈو یہ تمام نظیرین موجود ہین، اور اس سے بھی بہتر نظیرین ایران سے مل سکتی ہین، چنانچہ دیوگیر کے واقعہ سے دس ہی سال پیشتر شاہ ذوارس الجیتو خان نے ایک جدید شہر سلطانیہ آباد کیا تھا اور تبریز کے کاریگرون کو وہان منتقل کیا تھا،

رہا یہ کہ اس انتقال مکانی کے لئے تدابیر کیا اختیار کیگئیں، سو اسکے متعلق لغو روایات بعد کو گڑھ لئے گئے، اور افواہ کی حیثیت سے مشہور ہوتے رہے، لیکن مستند واقعات اُنکی تائید نہین کرتے، تارکان وطن کو جو چیزین چھوڑنا پڑتی تھین اُنکے لئے انہین فیاضانہ معاوضہ ملتا تھا، زاد راہ و مصارف سفر کے لئے انہین معقول رقمین ملتی تھین، اور نو تعمیر دخوش قطع شہر مین وارد ہونے پر انعامات و معافیان دیجاتی تھین یہ سچ ہے کہ کچھ لوگ راستہ مین وفات پا گئے، کچھ لوگون نے پھر دہلی کو مراجعت چاہی، اور اکثرون کو صعوبات سفر اور ایک اجنبی و نامانوس شہر کا قیام ناگوار تھا، لیکن ان لوگون کے ساتھ اسقدر رعایات کے باوجود ہندوستان مین یہ کبھی بھی دستور نہین رہا ہے کہ ضروریات سلطنت کے مقابلہ مین افراد رعایا کی خواہشون کو لازماً پامال کیا جائے، اسلئے برنی جب حمایت جمہور مین غربا کے مصائب کا مبالغہ آمیز بیان کرتا ہے تو ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ اسکے ساتھ ہوجاتی ہے،

اسکے عہد کے واقعات مین ایک نہایت مشتبہ اور اسلئے دلچسپ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے چاندی کے سکے کے بجائے پیتل کے فرضی سکہ کا رواج دیا تھا، اسکو مشتبہ مین اسلئے کہتا ہون کہ نہ صرف ہندوستانی مورخین اسکے سمجھنے سے عاجز رہے ہین، بلکہ اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ ہمعصر مصنفین، ابن بطوطہ و صاحب مسالک الابصار، جو ایسے واقعات پر خاص نظر رکھتے ہین ان امور کا بالکل ذکر ہی نہین کرتے، برنی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ پیتل کا سکہ سرکاری سکہ کی حیثیت سے چلایا گیا، اسپر ہر ہندو نے جعلی سکہ بنا بنا کر انہین کو محاصل سرکاری مین دینا شروع کیا اور اس سے سرکار کو سخت خسارہ ہوا، انکی قیمت برابر گھٹتی رہی، تا آنکہ انکی منسوخی کا فرمان جاری ہوا، در خزانہ عامرہ پر شش بدبار ڈال کے سرکار نے اصلی و جعلی سب سکے خود خرید کر لئے، اس روایت کے جزئیات خلاف قرینہ و قیاس معلوم ہوتے ہین، ان سے قطع نظر کرکے ان دو اصلی سوالون پر غور کرنا چاہیئے، یہ سکے کیون جاری کئے گئے تھے، اور انکے چلن مین ناکامی کیون ہوئی؟

پہلے سوال کے جواب مین مورخین ہند کے عجیب مہمل بیانات ہین، برنی کہتا ہے کہ سلطان کے مصارف نے خزانہ خالی کردیا تھا۔ حالانکہ پیشتر خود اُسکے خلاف کہہ چکا ہے، فرشتہ کہتا ہے کہ سلطان کو جو ملک گیری کی ہوس تھی اُسکے لئے روپیہ کی ضرورت تھی، بدایونی کا بیان ہے کہ انتقال پایۂ تخت سے خزانہ پر سخت بار پڑا تھا، حال کے مورخین انہین اسباب کا اعادہ کرتے رہتے ہین، مثلاً انتقال پایۂ تخت سلطان کا ایک مجنونانہ فعل تھا، یہ بے شبہ ممکن ہے کہ پہلے قحط کے ساتھ سب سے اول نے مل کر حاصل سرکاری مین کمی، اور اسلئے خزانہ سرکاری پر بار پیدا کیا ہو، لیکن اتنی بڑی کارروائی کے لئے یہ معمولی اسباب کافی نہین ہوسکتے۔

واقعہ یہ ہے کہ خود محمد تغلق، یا مشیران سلطنت مین سے کوئی شخص سکہ جات کے معاملات مین ایک عدیم النظیر ماہر فن کی حیثیت رکھتا تھا، جو اس فرضی سکہ کے اجرا سے پیشتر مسئلۂ زر مین چار اہم و عظیم الشان اصلاحات کرچکا تھا، اسلئے یہ قیاس مین نہین آتا کہ اس نے اُسکا اجرا ناواقفیت یا ہوس کی بنا پر کیا ہو، پھر تین ہی برس پیشتر ایران مین فرضی سکہ کے چلن کو نہایت سخت ناکامی ہوچکی تھی اسلئے یہان اُسکا اجرا تاوقتیکہ کوئی شدید ضرورت اُسکی مقتضی نہوتی، بالکل بعید از قیاس ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ سلطان کو اپنی اس اسکیم کی کامیابی کے لئے سخت کاوش تھی، کیونکہ ایران [illegible] ایران و چین کے زر قرطاس کی طرح کلمات تخویف و تہدید نہین درج تھے تاہم محمد تغلق [illegible] واسطہ دلا دلا کر اپنی رعایا سے اپیل کیا کہ اس سکہ کو چاندی کے مساوی خیال کیا جائے [illegible] الفاظ سے اصل مسئلہ کا حل ہوجاتا ہے، سالہا سال سے دنیا مین چاندی کا ذخیرہ گھٹتا جاتا [illegible] اسکا احساس سلطنت دہلی کو اسوقت ناگزیر تھا، جب ایک وسیع علاقہ نیا نیا قبضہ میں [illegible] وہان کے لئے بہ کثرت جدید سکون کی ضرورت تھی، قرون وسطی مین چاندی کی مقدار دنیا میں [illegible] رہ گئی تھی کہ بعض معمولی ضروریات زر کے لئے کافی تھی، اور کہین معمول عام کے خلاف پیدا [illegible]

مصرف مین کوئی تغیر یا اسکے ذخیرہ مین کچھ کمی ہوجاتی تو سکون کا قحط ہوجاتا تھا، تاریخ سے ثابت ہے کہ اسوقت یہ دونون اسباب واقع ہوئے تھے، یعنی ایک طرف تو ٹرنسیلوینیا، سیکسنی، واسپین مین ذخیرۂ نقرہ کی کمی واقع ہوگئی تھی، اور دوسری طرف اکثر مغربی اور مشرقی ممالک مین تعیش و تزئین کی افراط سے چاندی کی بڑی مقدار، زیورات وغیرہ کی صنعت مین منتقل ہوگئی تھی، چنانچہ انگلستان، مصر، جاپان، فلانڈرز، ایران واسکاٹ لینڈ جیسے دور دور دراز ممالک کی تاریخ قانون و مالیات مین اسکے شواہد اس وقت ملتے ہین جسوقت کہ سلطان، چاندی کے قائم مقام کی تلاش مین مصروف تھا، یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اس نے قرطاس کو کیون نہ رواج دیا، جو چین مین صدیون سے چل رہا تھا اور جاپان مین اسی زمانہ مین شروع ہوا تھا، ممکن ہے کہ ایسی نئی بات کرنے پر وہ آمادہ نہ ہوسکا ہو، یا آب وہوا کے اثر سے کاغذ کے خراب ہوجانے کا اسے اندیشہ ہوا ہو، یا اسکی طباعت کے لئے ٹائپ کے جو بلاک لازمی ہوتی ہین وہ مہیا نہو سکے ہون، لیکن سب سے زیادہ قرین قیاس یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ ایران مین دستور سنہ ۱۲۹۴ھ ہی مین ناکام ثابت ہوچکا تھا اور اسکی عام شہرت ہوگئی تھی، اس شق کے خارج ہوجانیکے بعد پیتل کا سکہ ڈھالنے مین کوئی عیب نہین رہجاتا تھا، اور چونکہ اس زمانہ مین روپیہ کو وزن کرکے اور اسکے پرکھنے کا عام دستور تھا اسلئے پیتل کا انتخاب سب سے بہتر ہوا۔

یہ اسکیم اگر اس دور جہالت مین ناکام رہی تو اس مین حیرت کی کوئی بات نہین حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اسے کسی حد تک بھی کامیابی کیونکر ہوئی، پورے تین برس تک یہ سکے چلتے رہے، جب جاکر کہین ناکامی کے علامات ظاہر ہوئے، برنی کی روایت کہ ہر ہندو کا گھر ٹکسال بنگیا، سخت مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے، اسلئے کہ ایک تو یہ سکے نہایت سبک و نازک ہوتے تھے، دوسرے یہ کہ جعلی سکہ بنانے کے مجرمون کی سزا کا کہین ذکر نہین، جعل کا رواج غالباً دکن کے علاقون مین البتہ پڑا جہان بہمنی فرمانروایون کو بے چل کر اس انکشاف نے سخت نقصان پہنچایا، کہ ہر سنار کو سکہ ڈھالنے کا حق حاصل ہے، لیکن جعلی سکون سے

کہین بڑھ چڑھکر یہ غضب ہوا کہ صوبجات بعیدہ کے مہاجنون نے جتنے سونے اور چاندی کے سکے مل سکے سب کو خرید کر لینا شروع کیا، اور اس سے بیرونی تجارت مین خوامخواہ خلل پڑگیا، قیمتی دہاتون کے ذخیرہ مین اس سے جو کمی پڑگئی، کچھ اس نے، اور کچھ اس امر نے کہ چاندی کے سکے زیادہ مقدار مین ڈھلنا موقوف ہوگئے تھے، قدرتی طور پر جدید فرضی سکون کی قیمت بہت گرادی، سلطان نے غایت دیانت اور معاملات مالی کے اصول شناسی سے حسب عادت فوراً زر فرضی کو منسوخ کرکے پیتل کے تمام سکے واپس خرید لئے، یہ کاروائی پُرمصارف ضرور ثابت ہوئی، لیکن اس سے تلبیس زر کا سد باب ہوگیا، اور ساکھ ایسی قائم ہوگئی کہ ابن بطوطہ جس نے دو ہی سال کے بعد اس ملک کی سیاحت کی، اس امر کی طرف اشارہ تک نہین کرتا، اس سارے معاملہ پر نظر کرنیکے بعد فیصلہ یہ کرنا پڑتا ہے کہ ایک اہم دشواری کا یہ ایک معقول حل تھا، یہ ناکام رہا، مگر کوئی دوسری صورت بھی تو کامیابی کی نہین ہوسکتی تھی،

اسکے بعد تسخیر خراسان کا نمبر آتا ہے، جسپر برنی و متاخرین اسقدر مضحکہ کرتے ہین کہ سلطان کا خیال واقعی ایسا ہی مہمل اور نرالا تھا، جیسا کہ ان مورخین کا بیان ہے، گذشتہ فاتحین اسلام، محمود غزنوی و شہاب الدین غوری کے تحت مین شمالی ہند اور خراسان دونون تھے، خود علاؤالدین کی جو دہلی کا آخری زبردست فرمانروا تھا، یہی تمنا تھی، شیر شاہ جو خاندان تغلق کے مقابلہ مین کہین کم مقدرت رکھتا تھا اسکے حوصلے تو اس سے کہین بڑھ چڑھ کر تھے، درانحالیکہ شیر شاہ کی دیوانگی و حماقت کا کوئی بھی مدعی نہین، پھر کیا چودھوین صدی مین یہ ارادہ ناممکن العمل تھا؟ ایران کی قوت ابوسعید کے تنزل پذیر زمانہ مین ٹوٹ چکی تھی، اسکا بڑا حامی امیر شابان جو پچھلے حملہ آورون کے مقابلہ مین سپر کا کام دیتا رہا، دنیا سے رخصت ہوچکا تھا، اسکی شمالی و مغربی سرحدون پر جو دو سلطنتین تھین وہ ایسی مخالف تھین کہ بجز مال غنیمت مین حصہ لگانے کے انگلی تک نہ اٹھاتین، ان مین سے ایک یعنی خاندان چغتائی کا تاجدار ترما شیرین خود ایک سے زاید بار حملۂ خراسان کی تیاری کرچکا تھا، اور اسوقت محمد تغلق کا حلیف تھا، دوسرا

سلطان مصر تھا، جو عراق کی سرحد پر دانت لگائے ہوئے تھا، اُسکے خوف سے بہت سی ایرانی فوج وہین رُکی ہوئی تھی، اور محمد تغلق نے اُسکے پاس بھی سفیر بھیجا، یہ منصوبہ عملاً حملہ کی شکل مین آنے کے کہانتک قریب پہنچگیا تھا، اسکا اندازہ خود سلطان کے طرز عمل سے ہوسکتا ہے، اُس نے خراسان کے امراء اور سرداروں کو بڑے تحائف بھیجے اور رشوتین دین، اُنکے معنی صرف یہی تھے کہ حملہ کا ارادہ عنقریب تھا، ورنہ اگر مستقبل بعید کے لئے یہ منصوبہ ہوتا تو اسوقت یہ تمام چیزین قطعاً لاحاصل تھین، اسی طرح فوج کی بھرتی بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ارادہ عین وقت پر ملتوی کیا گیا، گو یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ کرنے مین کچھ تاخیر ہوئی ہو،

مگر یہ منصوبہ آخر ادھورا کیون رہا؟ برنی اُسکے اسباب کو یا تو قصداً پی جاتا ہے، اور یا چونکہ ہندوستان کے باہر کے حالات سے قطعاً ناواقف ہے، اسلئے بیان کر ہی نہین سکتا، اور دوسرے ہندوستانی مصنفین بھی اسی کی طرح خاموش ہین، خوش قسمتی سے بعض دوسرے ذرائع موجود ہین، اور ان سے ہم یہ سمجھ سکتے ہین کہ اس کامیاب ہونے والی تجویز کے ادھورے رہجانے کے غالباً یہ تین اسباب ہوئے،

(۱) اولاً سلطان مصر کا شرکت سے انکار، اور شاہ ابوسعید سے اُسکے مراسم اتحاد کی تجدید،

(۲) ثانیاً چین کی غیر متوقع مداخلت جو ترما شیرین کو ایک سرکش ماتحت اور شورش انگیز ہمسایہ کی حیثیت سے دیکھتا تھا، اور جسے اُسکے اقتدار مین اضافہ قدرۃً ناگوار ہوا، یہ مداخلت اس شکل مین ظاہر ہوئی کہ ابوسعید کے والد متوفی کو خطاب عطا کیا، یہ عطاے خطاب چین کے طرز عمل کے لحاظ سے خاص طور پر اہم و معنی خیز تھا،

(۳) تیسرا اور سب سے قطعی سبب یہ ہوا کہ ترما شیرین کو جو چار سال سے سرحد خراسان پر حملہ کی شرکت کے انتظار مین تھا، خود اسی کے سرکش امراء نے معزول کر دیا، ان اتحادیون کے ٹوٹ

جانے کے بعد محمد تغلق کی یہ کمال عقلمندی تھی کہ تن تنہا اس مہم عظیم سے دست بردار ہوگیا،

لیکن اگر یہ منصوبہ سلطان دہلی کے بساط سے بڑھکر تہا، تو تسخیر چین کا خیال تو یقیناً مجنونانہ کہا جائیگا؟ بیشک یہ خیال مجنونانہ تہا اگر اسکے معنی یہ تھے کہ ہمالیہ و تبت کا سفر اختیار کرکے پیکن کے دروازون پر حصول فتح کی امید کیجاتی، لیکن اصل یہ ہے کہ سلطان پر جتنے الزامات لگائے جاتے ہین وہ ان مین سب سے زیادہ نامنصفانہ ہے، اسلئے کہ اسکی بنیاد ضعیف ترین شہادت پر ہے، نیز تعلقات خارجہ کی ایسی ناواقفیت پر جسکا مجرم محمد تغلق ہرگز نہین ہوسکتا، در اصل مہم کا اصل کا مقصود بالکل متعین تہا، یعنی ایک ہمسایہ پہاڑی کی ریاست کی تسخیر جو شاید ایک مبہم طور پر اپنے تئین چین کے زیر اقتدار کہتی تھی، اس مہم کا تعلق سال گذشتہ کی تسخیر کانگڑا سے تہا، اور ممکن ہے کہ اسی کا ایک جزو ہو، اس امر کے یقین کرنے کے کافی وجوہ ہین کہ جس ضلع پر فوجکشی ہوئی تھی وہ وہی ہے جو آج کانو کے نام سے موسوم ہے، اور مدعا یہ تہا کہ دہلی کے اقتدار کو ہمالیہ کی قریب ترین ریاست تک وسیع کیاجا

یہ مہم پوری طرح کامیاب رہی، اور اسکا مقصود حاصل ہوگیا، گو برنی اس تصریح کو نظرانداز کرجاتا ہے اسکے بعد جیسا کہ ایک دوسرے مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے مصیبت کی صورت یون پیدا ہوئی کہ فوج کا ایک دستہ اپنے افسرون کے احکام کے برخلاف سرحد کے پار بڑھتا ہوا چلا گیا، اور غالباً مان سرور جہیل کے مضافات مین گہر گیا، اتنے مین شدید بارش ہونے لگی، اور اس کوہستانی بارش نے افواج سلطانی کو انتہائی مصائب مین مبتلا کردیا۔ تاریخ قدیم ان واقعات سے لبریز ہے، کہ موجودہ یورپین نظام حرب سے پیشتر جب کبھی بھی اچانک بارش ہوئی، شمالی ہند کی افواج ہمیشہ ایک بلائے ناگہانی مین مبتلا ہوگئی ہین، اور محکمہ حفظان صحت کی بدانتظامیون نے ہمیشہ وبائین پیدا کردی ہین سپاہیون کی طرح حریص افسرون نے بھی رخصت کی درخواستین دے دیکر دہلی کو مراجعت شروع کی راستہ مین ان خستہ وخراب، ملول وعلیل، منتشر و بے سروسامان مسافرون پر پہاڑی جرگون نے

حملے شروع کر دیئے، ان افسوسناک حالات نے عموماً مورخین کے تخیلہ کو اتنا موثر کیا کہ وہ یہ ذکر کرنا بھول گئے، کہ علاقہ کا الحاق بہرصورت دہلی سے ہوگیا، اور یہ تخلیہ محض عارضی تھا، متلون مزاج پبلک مقصود اصلی کی کامیابی کو نہیں دیکھتی، اور محض نا اہل افسروں کے سبب سے جو مصیبتیں پیش آئیں ان کا الزام سلطان کے سر رکھتی ہے،

اس عہد کی بغاوتوں پر بحث کرنا ضروری نہ تھا، اسلئے کہ جیسے سب کی حکومتوں میں بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں، اُنکے عہد میں بھی ہوئیں، فرق صرف اتنا رہا کہ سلطان نے باغیوں کے سرداروں کے ساتھ عموماً نرمی کا برتاؤ کیا، لیکن برنی حسب عادت یہاں بھی سلطان کے خلاف زہر اُگلنے میں کمی نہیں کرتا۔

لیکن برنی کے تعصبات اور رنگ آمیزیوں کی تنقیح سے اگرچہ سلطان کی سیرت وطرز عمل کے متعلق صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے، تاہم اس سے یہ نہیں کھل سکتا کہ آخر سلطان کے طرز عمل کے خلاف اسقدر برہمی پیدا کیوں ہوئی؟ برنی کے تعصب و آزردگی کے یہ تین اسباب آسانی سے ہو سکتے تھے، یا یہ کہ برنی کا وطن جس علاقہ کا مرکز تھا، وہاں کی بغاوت فرو کرنے میں ممکن ہے کہ خود برنی کو ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچا ہو، یا یہ کہ اپنی ترفع و ترقی کی کوششوں میں ناکامی رہی ہو، یا یہ کہ سلطان کا روز افزوں انحطاط دیکھکر اُسکے قلب کو سخت صدمہ ہوا ہو، مگر یہ تینوں احتمال اسلئے باطل ہیں کہ اول الذکر کا نفیۃً یا اثباتاً ثبوت نہیں، دوسرے سبب کے متعلق صرف ایک اشارہ ملتا ہے مگر اس سے سلطان ہی کی غلطی ثابت ہوتی ہے، تیسرے احتمال کی تردید خود برنی کا ہلکا لہجہ کر رہا ہے،

اسکا اصلی سبب ایک اور گہرے مسئلہ میں پوشیدہ ہے، جسپر عموماً مورخین کی نظر نہونے سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا بہت کچھ حصہ ناقابل فہم ہوگیا ہے، التمش سے لیکر اورنگ زیب تک انتظام سلطنت کے دو بالکل مختلف اصول رہے ہیں، ایک گروہ، حکومت اور نظم ونسق میں احکام قرآنی

اور آنکا خلفاء راشدین کا متبع تہا، دوسرا فرقہ اسطرف گیا کہ بالفاظ علاؤالدین" مین ضرورت وقت اور فلاح سلطنت کے حق مین جوکچھ مناسب پاتا ہون، اُسی پرعمل کرتا ہون، خواہ وہ شرع کے موافق ہو یا نہو، اور اپنا انصاف خدا کے اوپر چھوڑتا ہون" مورخین عموماً فرقۂ اول سے تعلق رکہنے والے ہوئے ہین، اسلئے انکی معدلت گاہ مین سلاطین کی اصلی اہلیت اور طریق عمل سے بالکل قطع نظر کرکے انکی مدح و ذم کا معیار تمامتر یہی امر قرار پاجاتا ہے کہ کون بادشاہ کس حدتک خود انکے فرقہ کی موافقت مین ہے جن سلاطین کی مداحی ہوتی ہے، وہ وہی ہوتے ہین جو متشرع مگر نااہل، خوش عقیدہ مگر ناکامیاب ثابت ہوچکے ہین، مثلاً ناصرالدین محمود جو تمامتر بلبن کا ساختہ پرداختہ تہا، اور جو دن بھر قرآن کی کتابت کرتا رہتا تہا، یا فیروزشاہ تغلق، جسکے تشرع نے سلطنت کی بنیادین متزلزل کردین کوئی حکمران خواہ کتنا ہی قابل ہوتا اور خواہ کتنی ہی کامیابیان حاصل کرتا، اگر وہ اصول ثانی الذکر کی پیروی کرتا اور علماء کی جانب سے بے اعتنائی کرتا، تو اسکی ہرتجویز اور ہر کارروائی کی مخالفت کیجاتی، اسکے خلاف بغاوتین کیجاتین، اُسے بدنام کیاجاتا، یا کم ازکم یہ کہ اُسکی ہجو ملیح کیجاتی، التمش بت شکن کی تحسین کیجاتی ہے، مگر اس نے رضیہ کو جو اپنا جائز جانشین مقرر کیا، اُسکی مخالفت کیگئی، اور اُسکی حکمرانی کو غدر و بغاوت کے سلسلہ نامتناہی سے ناممکن کردیا گیا، علاؤالدین نے مغلون کی مدافعت مین کارنمایان انجام دیئے، حدود سلطنت کی توسیع کی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہندوؤن سے مخالفت رکہی، اس بنا پر اُسے یقیناً مدح و تحسین کا مورد ہونا چاہئے تہا لیکن تاریخون مین اُسکی حکومت کے بیان کا سب سے بڑا جزو اسکے اصول نظم و نسق پر نکتہ چینی سے لبریز ہوتا ہے، اور تو اور اکبر تک باوجود اپنے کارنامون کے سخت و درشت نکتہ چینون سے محفوظ نہین۔
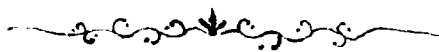
(باقی)

تلخیص و تبصرہ

ہندو مذہب اور بت پرستی

مہا مہوا پدھیا پنڈت گنگا ناتھ جھا، ایم اے، ڈی لٹ سے ناظرین معارف روشناس ہو چکے ہین، حال مین انھون نے ایک مضمون ہندوستان ریویو (الہ آباد) مین ہندو مذہب اور بت پرستی کے عنوان سے تحریر کیا ہے، جسمین وہ فرماتے ہین کہ ہندو مذہب کے شعبۂ عبادات کا اصل اصول بت پرستی ہے، یعنی پتھر اور دہات کی بنی ہوئی مورتون کی پرستش، لیکن یہ ایک ایسی پست طرز عبادت ہے کہ ہر شخص کو اس پر حیرت ہوتی ہے، کہ ہندو مذہب نے جسکے ہان اعلی سے اعلی فلسفہ اور حکمت موجود ہے، ایسی جاہلانہ رسم کو کیونکر فرض قرار دیا، مخالفین اسپر سخت سے سخت اعتراض کرتے ہین، اور موافقین مین سے بھی اکثر نے صاف صاف یہی کہدیا کہ بت پرستی ہندو مذہب کا جزو نہین ہے چینیی، کبیر داس، بابا نانک، دیانند سرسوتی، راجہ رام موہن رائے، ان سبکو مغز اسی مین نظر آیا کہ سرے سے اس طریق عبادت ہی سے انکار کر دین حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بت پرستی ہندو مذہب کا جزو لاینفک ہے،

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ہندو مذہب کی تعریف کیا ہے؟ یا یہ کہ ہندو کا اطلاق کس شخص پر ہوسکیگا پنڈت جی کہتے ہین کہ ہندو مذہب کا خاصۂ امتیازی اسکی ہمہ گیری ہے، یعنی اسکے تحت مین تقریباً ہر قسم کے عقاید شامل ہوسکتے ہین، دنیا کے تمام مذاہب اپنا ایک مخصوص نظام معتقدات رکھتے ہین، جسکے کسی جزو سے انکار کرنا اس مذہب سے خارج ہو جانا ہے، لیکن ہندوؤن کے ہان کوئی ضابطۂ معتقدات نہین ہر وہ شخص جو وحی والہام کا قائل ہے، ہندو ہے، عام اس سے کہ وہ دنیا کی کسی کتاب کو بھی الہامی سمجھے، ہندوؤن کے مشہور فرقہ مماسانے جس نے بدھ مذہب کے مقابلہ مین ہندو مذہب کی زندگی قائم رکھی تو

ہندو کے لئے خالق کائنات پر ایمان رکھنے کی قید اڑادی، اور پوران کے تعلیم کئے ہوے دیوتاؤن کے وجود سے انکار کردیا، ہندو مذہب دنیا کے ہر مذاق طبیعت اور ہر صلاحیت دماغ کی مطابقت کرنا چاہتا ہے، اور اسلئے اُس نے اپنے لئے نہ کوئی خاص "کلمہ" رکہا ہے اور نہ کوئی ضابطہ معتقدات،

اس اصل الاصول کو ملحوظ رکہنے کے بعد یہ لازمی تہا کہ ہندو مذہب اپنے ہان کا طریق عبادت ایسا رکہے جو عامۃ الناس کی سطح دماغی کے بالکل مطابق ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ مقابلہ ایک ہستی مطلق کی پرستش کے جو زمان و مکان کے قیود سے آزاد ہو، ایک جسم مرئی و محسوس کی عبادت کرنا عام نفوس کے لئے کسقدر آسان ہے!

ہندو مذہب کی اصلی تعلیم تعدد الٰہ کی ہرگز نہین، رگ وید مین متعدد اشلوک ایسے ہین جنمین یہ کہا گیا کہ تمام مختلف دیوتا ایک ذات واحد کے مظاہر ہین، اس کثرت کے عقب مین ایک وحدت جلوہ گر ہے اس ہستی کا نام وید کی اصطلاح مین پرجاپتی ہے، جسکے لفظی معنی "رب العالمین" کے ہین، اور جو عالم و مافی العالم کی خالق ہے، توحید خالص کے لئے اتنا بتادینا کافی تہا، لیکن وید نے ایک قدم اس سے بھی آگے بڑہایا اور کہا کہ وہ ہستی مطلق ہر قسم کے اضافیات وقیود سے اسقدر بالاتر ہے کہ اسے کسی اسم تک سے موسوم نہین کرسکتے،

لیکن ایسی ہستی کا تصور جو انسانی ادراک و احساس کی گرفت سے باہر ہو، کتنے اشخاص کے امکان مین ہے؟ اور اگر اسی ہستی مطلق کی عبادت فرض قرار دیدیجاتی، تو کون شخص دل سے اسکی عبادت پر قادر ہوتا، اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہندو مذہب نے اپنے پیرووُن کے سامنے مطلق کو مقید کی شکل مین پیش کیا، عبادت مین اگر دل شریک ہے تو ناگزیر ہے، کہ پہلے ذہن یکسوئی کے ساتھ تصور قائم کرسکے؛ لیکن یہ تصور جمانے اور ذہن مین یکسوئی پیدا کرنے کی سب سے آسان وقابل عمل شکل یہ ہے کہ آنکھون کے سامنے کوئی محسوس، مادی جسم موجود ہو، یہ جسم خدا ہرگز نہین ہوتا، البتہ مظہر خدا ہوتا ہے، شان خدا کائنات کے

ہر ذرہ میں جلوہ گر ہستی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ مورت میں نہو، پس پجاری مورت میں خدا کا جلوہ دیکھتا ہے اور اسکی وساطت سے حقیقی و نادیدہ خدا تک پہنچنا چاہتا ہے،

آخر میں پنڈت جی لکھتے ہیں:-

"بت پرستی درحقیقت مظہر پرستی کے مرادف ہے، اور مظہر پرستی سے ہمارا کون سا شعبۂ حیات خالی ہے؟ خود زبان بجز مظہر پرستی کے اور کیا ہے؟ (یعنی لفظ بول کر ہم اسکا معنی یا مدلول مراد لیتے ہیں) کتابوں کے ذخیرہ کو ہم کتبخانہ سے موسوم کرتے ہیں، حالانکہ کتاب اور کتبخانہ ایک چیز نہیں، . . . ٹھیک اسی طرح خدا کی مورت محض اسکی ایک آسان مظہر ہوتی ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم بآسانی پرستش کرسکیں، اور تصور جما سکیں، اسلئے کہ بمقابلہ ایک تصور مجرد کے ایک مادی شے پر ذہن کو یکسو رکھنا بدرجہا آسان ہے، اگر ہندو مذہب فلسفیانہ حقیقت پرزور دیکر تصور مجرد کی پرستش پر اصرار کرتا رہتا تو اسکی اصلی خصوصیت یعنی ہمہ گیری کا خاتمہ تھا، اور وہ بجائے عالمگیر مذہب ہونے کے محدودے چند کا مذہب رہجاتا جو ویدانت کا دقیق و عظیم الشان فلسفہ توحید سمجھ سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جاہلون کو بت پرستی کی اجازت دیدینے سے انکی جہالت قائم رہتی ہے اور اصل حقیقت سے وہ گمراہ رہتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں کہ پجاری کو اسکی تعلیم دیجاتی ہے، کہ بت خدا ہے بلکہ وہ جانتا رہتا ہے کہ یہ محض اسکی شبیہ یا مورت ہے، اب اگر اس شخص کو غیر متشکل ہستی مطلق کی تعلیم دیکر اسے بتون کی پوجا سے باز رکھا جائے تو وہ مخبوط ہوکر رہجائیگا، اور گو وہ ناقص طرز پرستش ترک کردیگا، لیکن اسکے معاوضہ میں اسکی روح کس شے سے تسکین حاصل کریگی؟ "غیر متشکل ہستی مطلق یقیناً اسکے ذہن کی گرفت سے باہر ہے، پھر آخر نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ اسکی روحانی زندگی کا یکسر خاتمہ ہوجائیگا، اور سارا بار معصیت ان بزرگ کے سر رہیگا جو اسے ہستی مطلق کا فلسفہ سمجھانا چاہتے تھے

ایسے ہی موقع کے لئے سری کرشن کا یہ ارشاد ہے:-

"جو حقیقت کامل سے واقف ہے اُسے ان لوگون کا عقیدہ متزلزل نہ کرنا چاہیئے جو حقیقت ناقص ہی سے واقف ہین"

معارف: لیکن کیا بت پرستی کے بغیر عوام کے سطح دماغی کے مطابق کوئی اور سادہ حقیقت نہین ہوسکتی، اور کیا یہ صحیح نہین ہے کہ عوام اہل ہند ان مادی صورتون مین پہنسکر اصل ہستی مطلق کو بہلا بیٹھے ہین، کیا ہندوبت سے باہر ناقص العقل عوام کا وجود نہین، اور وہ اپنے سادہ غیر مادی اعتقاد سے مطمئن نہین ہین؟

ایک زنانہ ملک

قدیم تاریخون مین اس قسم کی متعدد روایات ملتی ہین کہ فلان ملک کی آبادی تمامتر طبقۂ نسوان پر مشتمل تھی، لیکن عمہ مامورخون نے ان روایات وحکایات کو ہمیشہ پایۂ استناد سے ساقط سمجھا اور انہین تاریخی واقعات وحقائق کا درجہ شاید کبھی نصیب نہین ہوا، مگر حال مین انگلستان کے ایک سائنٹفک رسالہ پاپولر سائنس سفتگر نے ایک مستند سائنس دان کے حوالہ سے اس قالب مین پھر روح ڈالنے کی کوشش کی ہے،

رسالہ مذکور لکھتا ہے کہ ڈاکٹر الگزنڈر ہملٹن رائس، ایک معتبر سیاح اور علم الاقوام کے محقق ہین، وہ بیان کرتے ہین کہ امریکہ مین دریاے امیزن کے بالائی کنارون کے آس پاس جو قبیلہ آباد ہے وہ بھی امیزن ہی کے نام سے موسوم ہے، اس قبیلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین تمامتر عورتون کی آبادی ہے، اور یہ اس عہد قدیم کی زندہ یادگار رہے جسے سائنس کی اصطلاح مین "دورامومت" سے تعبیر کرتے ہین،

اس مملکت کی فرمانروا ایک ملکہ ہے، اور جملہ امور سلطنت زنانہ ہاتھون ہی سے انجام پاتے ہین، یہ عورتین فن سپہگری مین طاق ہین، اور پولیس اور فوج کے کل فرائض مردانہ وار انجام دیتی ہین مردون کا داخلہ اس سرزمین پر قطعاً ممنوع ہے، البتہ سال کے ایک مخصوص مہینہ مئی یا جون مین اُنکے داخلہ کی

اجازت ہوتی ہے، لیکن اسوقت بھی اذن عام نہین ہوتا، بلکہ جتنے مرد داخل ہونیکے خواہشمند ہوتے ہین اُن مین سے ایک محدود تعداد کا انتخاب خود ملکہ کرتی ہے، اور انتخاب کا معیار انکی صحت اور قوی کی مضبوطی ہوتی ہے، جونہی مدت معینہ ختم ہوتی ہے تمام افراد کو سرحد ملک سے خارج کردیئے جاتے ہین اور انکی جو اولادین ہوتی ہین ان مین سے لڑکیان زندہ رکھی جاتی ہین اور لڑکے قتل کردیئے جاتے ہین، یا اگر انکے والد دوسرے سال آکر نہین لیجانا چاہین تو انکے حوالہ کردیئے جاتے ہین، آگے چل کر ڈاکٹر موصوف لکھتے ہین،

"اگر یہ موقت شوہر اپنے فرائض معلومہ و مدت معینہ کے خاتمہ پر واپس جانے سے انکار کرین یا کہین چھپ رہنا چاہین تو سخت بیدردی کے ساتھ قتل کردیئے جاتے ہین، یہ عورتین جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے، اعلیٰ درجہ کی سپاہی ہوتی ہین، انکے نشانے غضب کے ہوتے ہین، تیراندازی اور برچھیو نکے استعمال مین کمال رکھتی ہین اور انکی برچھیان زہر مین بجھی ہوتی ہین"

ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ یہ عورتین غیر معمولی حسن و جمال سے آراستہ ہوتی ہین، لیکن انکی جو تصاویر رسالہ مذکور مین شائع ہوتی ہین انسے اس بیان کی تصدیق نہین ہوتی، اور ساتھ ہی مضبوط جسم و جثہ کی بھی ہوتی ہین، انکی موجودہ ملکہ ایک جنگجو اور مردانہ سیرت کی فرمانروا ہے جو مرد کے سایہ سے بھی بھاگتی ہے،

زمانہ گذشتہ مین ہمسایہ قبائل نے نازنینون کی اس آبادی پر بار بار حملے کئے، لیکن یہ نازنین اپنی تحفظ آزادی کے لئے اس پامردی سے لڑین کہ حملہ آورون کو ہر بار ناکام ہونا پڑا، نتیجہ یہ ہے کہ اب ان علاقون مین ایسا سکون و امن ہے جو متمدن دنیا کے خواب و خیال مین نہین آسکتا، نہ یہ لوگ کسی پر فوج کشی کرتے ہین نہ کوئی ان پر حملہ کا قصد کرتا ہے،

باہر کی عورتین بھی اس ملک مین آباد ہوجانا اور "حقوق شہریت" حاصل کرلینے مین کامیاب ہوسکتی ہین بشرطیکہ وہ اس ملک کے ضوابط و قوانین کی پابندی کا عہد کرین،

نواے دل

[illegible] نواب علی ایم۔ اے بڑودہ کالج

سنتا ہے کون جہان مین کوئی ماجراے دل
یا رب کہان چلے گئے دردآشناے دل

مانا کہ اب کرینگے نہ فریاد برملا
کوہ الم سے آئیگی لیکن صداے دل

منکر جو درد دل کے ہین جو زور و شور سے
خلوت مین کس سے کہتے ہین وہ مدعاے دل

ہر ذرہ کائنات کا گویاے حال ہے
سمجھا نہ اُسکو خاک بھی کوئی سواے دل

مجبوریان ہین لائین جو نہ تاب اختیار کا
اے حسن یار کیا ہے سراسر خطاے دل؟

واقف ہوا ہو لذت ادراک سے تو خیر
احساس حسن ہو تو یہ ہے ارتقاے دل

ترتیب کائنات ہے آئینہ حسن کا
وہ کون شے تھی جسکو وہ رکھنی بجاے دل

تھا قلب سادہ چاہیئے "قلب سلیم" ہو
وہ ابتداے دل تھی یہی انتہاے دل

امیدوار ہین نظر لطف یار کے
ہے منحصر اسی پہ فناو بقاے دل

اے علم وہ "حجاب" ہو نواب کے لئے
جن جن کے جس سے جلوہ نما ہو صفاے دل

اخبار علمیہ

دنیا مین اب تک پیام رسانی کا سب سے تیز ذریعہ تار خیال کیا جاتا تھا، لیکن حال مین جب ایک طیارہ لندن سے میڈرڈ (اسپین) کے لئے روانہ ہوا اور اسکی روانگی کی اطلاع تار کے ذریعہ سے کیگئی تو تار ۵½ گھنٹہ مین پہنچا، حالانکہ طیارہ اس سے تین گھنٹہ پیشتر یعنی ۲½ گھنٹہ ہی مین پہنچ گیا تھا،

جزیرہ نما ملایا مین ایک گوند اس قسم کا دریافت ہوا ہے جسمین زہر کا جزو دس سے بیس فی صدی تک موجود ہے، یہ اپنی نوعیت مین پہلی چیز ہے،

ڈاکٹر مرسیر اسوقت انگلستان مین امراض عصبی و دماغی کے نہایت ممتاز ماہر تھے، جنون و متعلقات جنون پر انکی متعدد تصانیف ہین، الٰہیات پر بھی وہ بعض اہم تصانیف کے مصنف تھے، انکا ایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۱۲ء مین انھون نے "نیولاجک" (جدید منطق) کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی، جسمین ارسطو، مل، ہیگل، وغیرہ کے متعارف نظامات منطق پر اعتراضات کی بھرمار کرکے انھون نے اپنا ایک جدید نظام منطق پیش کیا، اسپر علمی حلقون مین ایک غلغلہ برپا ہوگیا، اور اب تک علمی رسائل مین برابر بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا، ڈاکٹر موصوف نے دفعۃً ستمبر گذشتہ مین وفات پائی، انکی وفات سے انگلستان کی بزم علمی کا ایک رکن رکین اٹھ گیا،

نظام شمسی یعنی آفتاب مع اپنے متعلقہ ثوابت و سیارہ کے چارون طرف سے ہیولا (ضباب) سے محصور ہے، حال مین اسکے قطر کا اندازہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ ہیولا کے بعض ٹکڑے ایک دوسرے سے

اس مسافت کے مقابلہ میں دس ہزار گنے فاصلہ پر ہیں، جتنی آفتاب اور کرۂ ارض کے درمیان ہے اور یہ مسافت تقریباً ۹½ کروڑ میل ہے، اسی حساب سے نظام شمسی کا قطر ۹۲۵۰۰۰۰۰ میل × ۰۰۰۰ قرار پایا ہے یعنی تقریباً ۹۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میل !! -

---

پچھلے دنون لندن مین یورپ و امریکا کی مشہور مشرقی مجالس کی جو متحدہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور جسکی خبر انعقاد پچھلے معارف مین درج ہو چکی ہے، اسمین امریکا کے پروفیسر کلے نے بیان کیا کہ مشرقی مسائل مین امریکہ مدت تک جرمنی کا دست نگر رہ چکا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ امریکی علما اس غلامی سے آزادی حاصل کرین، چنانچہ گذشتہ ڈیڑھ برس مین پچیس ۲۵ ایسے امریکی علما تیار ہو گئے مین جو ایشیا کے متعلق ہر قسم کی اعلے تحقیقات کا کام کرسکتے ہین، امریکی قوم چاہتی ہے کہ مشرقی مسائل مین خود اسی مین محققین پیدا ہون، جو اپنے قلم سے کتب لغات مرتب کرین، فلسطین جو مسائل مشرقیہ کی تحقیقات کے لئے امریکی درسگاہ (امریکن اسکول آف اورینٹل ریسرچ) قائم تھی، اور جنگ کے باعث بند ہو گئی تھی، اور اب از سر نو کھل رہی ہے، اور اسی مقصد کے لئے جو انگریزی درسگاہ وسیع پیمانہ پر کھلنے والی ہے، اُسکے ساتھ شریک ہو کر کام کریگی،

برطانیہ کی مشہور سائنٹفک مجلس برٹش ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس (جیسا کہ معارف مین پہلے ہو چکا ہے) بمقام پورنموتھ ستمبر کے دوسرے ہفتہ مین منعقد ہوا، حاضرین کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تھی، صدر سر چارلس پارسن تھے، جو ایک مشہور انجینیر ہین، اور طبیعیات، کیمیائیات، تعلیمات وغیرہ ہر شعبہ کا ایک علٰحدہ صدر تھا، خطبات صدارت کے علاوہ تمام مباحث مین بھی اصلی زور سائنس کے مسائل متعلقہ جنگ پر تھا، بعض مقتدر علمی رسائل نے اسپر سخت تاسف کا اظہار کیا ہے،

طویل العمری کی سب سے حیرت انگیز مثال اسوقت امریکہ مین ملی ہے، کنٹکی کے کوہستانی علاقہ مین ایک ایک شخص جان شل ہے جسکی عمر کا مسئلہ آجکل نیشنل جیوگرفیکل سوسائٹی کے زیر تحقیقات ہے یہ شخص خود اپنی زبان سے اپنی عمر ۱۱۸ سال بیان کرتا ہے، مگر ایک ہمسایہ جو ۹۰ سال سے متجاوز ہے اُسکا بیان ہے کہ شل کی عمر ۱۳۰ سے کم نہین، اور اسکے ثبوت مین وہ کہتا ہے کہ اس نے بارہا شل کے نام کی ایک ٹکس کی رسید دیکھی ہے، جسپر ۱۸۰۹ء درج ہے، امریکہ مین ٹکس دہندہ کی عمر کم از کم ۲۱ سال ہونا چاہیئے، پس اگر اسوقت شل کی عمر ۲۱ ہی سال کی تھی تو اب اسکی عمر ۱۳۱ کی ہوتی ہے، شل کے قوی ابتک غیر معمولی طور پر اچھے ہین، وہ روزانہ کئی میل پیدل چلتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ ۲۰ ۲۰ میل روزانہ کی مسافت بلا تکان کرتا ہے، بندوق کا نشانہ ابتک خوب لگا لیتا ہے، اور بصارت ایسی اچھی ہے کہ گویا اسکی عمر ہنوز ۵۰ سال سے زاید نہین، باریک سے باریک تحریر پڑھ لیتا ہے، طرز زندگی اسکی بالکل سادہ ہے، اور اسی کو وہ اپنی طویل العمری کا سبب قرار دیتا ہے، دوائین کبھی استعمال نہین کرتا، شہد اور مچھلی کافی مقدار مین کہاتا ہے، مدت العمر مین یکے بعد دیگرے اس نے تین شادیان کی ہین، تیسری بیوی ابھی زندہ ہے، گیارہ اولادین ہین، اور پوتے، نواسے، پرپوتے اور پرنواسے شمار مین کئی سو ہین۔

مشہور مکتشف سر جے، سی، بوس، ۲۰ اکتوبر کو یورپ روانہ ہوئے، روانگی سے قبل اخبار بنگالی کے ایک نمایندہ سے انھون نے اس سفر کے مقصد پر حسب ذیل گفتگو کی:-

مین سفر مغرب ان اکتشافات کے سلسلہ مین کر رہا ہون جو ہماری معتبر کوششون نے کئے ہین، سردست مین انگلستان جا رہا ہون، اور ممکن ہے کہ وہان سے دیگر ممالک کا سفر اختیار کردن، یہ اکتشافات کل تک ناممکن خیال کئے جاتے تھے اسلئے کہ انہین حدود اورک کے

خارج خیال کیا جاتا تھا، لیکن اب وہ ان آلات کی وساطت سے حاصل ہوگئے جو حدود ادراک کے اندر ہین، یہ اکتشافات تمام تر ہندوستان ہی کی ملک ہین، ڈھائی ہزار سال سے زاید ہوا کہ اس وقت بھی اکتشافات اہل ہند کو معلوم تھے، انقلاب زمانہ سے وہ ذہن سے نکل گئے، اور اب وہ قعر معدومیت سے پھر برآمد ہو رہے ہین، محنت اور محض محنت سے وہ پھر حاصل ہو سکتے ہین اسلئے محنت اور مسلسل محنت لازمی ہے، یہ اکتشافات ہندوستان کو دنیاے علم مین پھر اسی مرتبہ پر لے آئین گے جو اُسے ۲۵ صدیون پیشتر حاصل تھا۔"

"کیا یہ اکتشافات حیات نباتی سے متعلق ہین؟"

"نہین، انکا تعلق عام زندگی سے ہے، یہ ان واقعات سے متعلق ہین جو ابتک نامعلوم ولاینحل تھے۔"

باب التقریظ والانتقاد

منطق جدید

منطق استخراجی واستقرائی، مرتبہ میر عالم علیخان بی اے، بی ای ال۔ مطبوعہ انیٹو دکن پریس، افضل گنج حیدرآباد، حجم ۳۴۵، قیمت عہ؍

اردو مین اگرچہ منطق پر متعدد رسالے موجود ہین جنمین مولانا نذیر احمد کا رسالہ مبادی الحکمۃ باوجود مختصر ہونے کے بھی خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہے تاہم ایک علمی زبان مین ایک ہی موضوع پر جس کثرت سے کتابین ہوتی ہین اسکے لحاظ سے اردو کی سطح ابتک پست ہے، میر عالم علیخان صاحب کی یہ کوشش یقیناً ہر پہلو سے لائق ستائش ہے کہ انھون نے اس ضروری بحث پر قلم اٹھایا،

منطق قدیم وجدید دونون کا ماخذ اصلی اگرچہ ارسطو ہی ہے تاہم دیگر علوم جدیدہ کی طرح منطق جدیدہ کی طرح منطق جدید بھی بعض حیثیات سے منطق قدیم سے بہت آگے بڑھ گئی ہے، استقرار، طرق استقرار، تمثیل، تنویع، مغالطہ، یہ سب منطق جدید کے اہم عنوانات ہین، حالانکہ منطق قدیم کی عام ومتداول کتابین انکے ذکر سے تقریباً خاموش ہین، اسی طرح مباحث قیاس کی بھی ترتیب وتعبیر بہت کچھ بدل گئی ہے،

پنجاب یونیورسٹی نے کئی سال ہوئے منطق استخراجی ومنطق استقرائی کے نام سے دو رسالے ترجمہ کرائے تھے، لیکن ضرورت اسکی تھی کہ منطق کے دونون شعبون، استخراج (قیاس) واستقرار پر یکجا نظر کیجائے، چنانچہ زیر نظر کتاب مین یہی کیا گیا ہے،

کتاب دیباچہ اور چار حصون مین منقسم ہے، دیباچہ مین تمہیدی مسائل، مثلاً موضوع منطق اور منطق ودیگر علوم کے تعلقات کا ذکر ہے، حصہ اول استخراج سے متعلق ہے، جسکے تحت مین حد، اقسام حدود،

قضیہ، اقسام قضایا، استدلال، اقسام استدلال، قیاس، اور اقسام و قواعد قیاس وغیرہ کا بیان ہے، حصۂ دوم استقرار پر ہے، جسکے ذیل مین مفہوم استقرار، استقرار ناقص و صحیح، طرق استقرار وغیرہ پر مباحث ہین، حصۂ سوم مین مغالطات پر نظر کیگئی ہے، اور حصہ چہارم مین مختصر تاریخ منطق بیان کیگئی ہے

یہ ترتیب مضامین و تقسیم ابواب و فصول انگریزی کی عام کتب درسی کے بالکل مطابق ہے، البتہ تاریخ منطق کا عنوان عام انگریزی کتب مین نہین ملتا، یہ ہمارے اردو مولف کا ایک مفید اضافہ ہے البتہ بعض دوسرے ضروری عنوانات رہ گئے ہین، مثلاً استقرار کے بعض ضمنی مباحث یا فصل چہارم مین بعض ضروری عنوانات،

مسائل کی توضیح و تشریح مین مؤلف نے اپنے ماخذ کی نہایت احتیاط سے پابندی کی، اسلئے لغزشون کا احتمال نہین رہا، البتہ بہتر ہوتا اگر مثالون مین مولف اپنی قوت اجتہاد سے زیادہ کام لیتے یعنی بجاے انگریزی کتابون کی فرسودہ و پامال مثالون کے نقل کر دینے کے عموماً اپنے گرد و پیش کے حالات و مشاہدات سے مثالین اخذ کرے۔

مصطلحات مین مولف نے پنجاب یونیورسٹی کی کتب مذکورہ بالا کا زیادہ تر تتبع کیا ہے مگر ان مین بکثرت مصطلحات ایسی ہین، جن سے صحیح تر مصطلحات ہمارے ہان پیشتر سے موجود ہین، قدیم اصطلاح کو ترک کرنا بیشک کوئی معصیت نہین، لیکن ایسا صرف اسی وقت کرنا چاہیئے جب اسکی کوئی خاص ضرورت ہو، اور جدید اصطلاح قدیم کے مقابلہ مین بہتر ہو، ذیل مین انگریزی الفاظ کیساتھ چند مصطلحات مندرجۂ کتاب درج کئے جاتے ہین، اور انکے مقابل وہ مصطلحات ہین جو قدیم سے ہمارے ہان موجود ہین، مولف صاحب کو اگر ان سے اتفاق ہو تو امید ہے کہ طبع ثانی مین انکا لحاظ رکھین گے،

انگریزی لفظ	اصطلاح مندرجہ کتاب	اصطلاح قدیم
Term	لفظ	حد

Hypothesis	افتراض	تقدیر
Observation	معائنہ	مشاہدہ
Discrimination	قوت تفریقی	امتیاز
Generalization	قوت جنسی	تعمیم
Method of Agreement	قاعدہ موافقت	طریق طرد
" Difference	قاعدہ اختلاف	طریق عکس
Double method of Agreement	طریقہ الملف عف	طریق طرد با تکرار
Method of Residues	طریقہ ما باقی	طریق طرح
" " Concomitant variation	طریقہ قران التبدیل	طریق اختلاف الصف با صف
Analogy	قرینہ	تمثیل
Explanation	تفسیر	توجیہ
Classification	اصطفاف	تنویع

اس طرح کی مثالین بکثرت ملتی ہین،

افسوس ہے کہ مولف نے جو احتیاط نفس مسائل کی تشریح مین برتی ہے، اسکی عشر عشیر بھی صحت زبان کے متعلق ملحوظ نہین رکھی ہے، یہ صحیح ہے کہ منطق کی کتاب ادب وانشا کی تعلیم کے لئے نہین ہوتی، تاہم جس زبان مین کتاب لکھی جاے اسکی صحت تو بہرحال ملحوظ رکھنا چاہیئے، بہتر ہوگا کہ آیندہ اڈیشن پر کسی زبان دان شخص سے نظر ثانی کرا لی جائے،

اس قسم کی کتابون مین ایک ضروری شے فرہنگ مصطلحات ہوتی ہے، اس کتاب مین اسکا موجود نہونا ایک افسوسناک فروگذاشت ہے،

آخر مین جو تاریخ علم منطق بیان کیگئی ہے وہ مختلف حیثیات سے ناقص و نامکمل ہے، اول تو اس فن کا آغاز طالیس (تھیلز) سے کرنا صحیح نہین، دوسرے لاک، ہیوم وغیرہ کو جس بنا پر ائمۂ منطق مین شمار کیا گیا ہے، اسکے لحاظ سے ہر مشہور فلسفی کو امام منطق بھی قرار دینا چاہیئے، پھر تاریخ کا خاتمہ مل پر قطعیت کے ساتھ کردیا گیا ہے، حالانکہ کینٹ و ہیگل نے اپنا جو نظام منطق قائم کیا اور جسے Sigwart اور Bosanquet وغیرہ نے ضخیم مجلدات کی شکل مین پیش کیا ہے، وہ ایک ذرہ بھی مل سے ماخوذ نہین، تازہ ترین نظام منطق جسکا نام ڈاکٹر مرسیر نے "نیولاجک" رکھا ہے اُسکا بھی مختصر تذکرہ ضروری تھا،

بااین ہمہ کتاب بہ حیثیت مجموعی اب بھی قابل قدر ہے، مولف صاحب کی سعی مستحق داد ہے کتاب نہ صرف طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے، بلکہ غیر انگریزی دان عام ناظرین بھی جو مغربی منطق سے واقف ہونا چاہتے ہین اُنکی تشفی ایک بڑی حد تک اس کتاب سے ہو سکتی ہے، جناب مولف اپنی پہلی کوشش مین جب اسقدر کامیاب رہے تو اُمید ہے کہ اُنکی آیندہ کوششین اس سے کہین زیادہ کامیاب ثابت ہونگی،
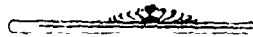
مطبوعات جدیدہ

تفسیر قرآن، مولوی شائق احمد صاحب عثمانی بھاگلپوری جنھون نے ایک سال پہلے پارۂ عم کی اردو تفسیر لکھکر شایع کی تھی، امسال اُنھون نے انتیسوین پارہ کی تفسیر شایع کی ہے، انکا ارادہ ہے کہ اسی طرح بتدریج وہ پوری تفسیر لکھکر اختتام کو پہنچا ئینگے، وہ لفظی و فقہی و ادبی اور دیگر متعلقہ تحقیقات سے قطع نظر کرکے نفس آیت کے مطلب کو موثر و دلنشین طریقۂ عبارت مین لوگون کو سمجھانا چاہتے ہین اور غالباً اسی لئے انھون نے اپنی تفسیر مین الٹی قطع مسافت یعنی ۳۰ سے یکم کی طرف شروع کی ہے کہ ابتدائی سورتون مین احکام و مطالب عالیہ کی تحقیقات زیادہ ہین، اور آخری پارے نسبتہً زیادہ تر محض عقاید و اخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہین،

تفسیر کا یہ دوسرا حصہ بھی اپنے مقصد مین پورا کامیاب ہوا ہے، لیکن گذشتہ حصہ مین جو بات تھی وہ اسمین نہین، سورتون کے موضوع مقرر کرنے مین کچھ اور تامل کرنا چاہیئے تھا، آیات کے تسلسل بیان دکھانے مین کہین کہین رشتہ ٹوٹ گیا ہے، تاہم عام مسلمانون کے قرآن مجید سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہم اس تفسیر کو بہتر ذریعہ سمجھتے ہین،

ایک بات پر ہم اپنے دوست کو ٹوکین گے، عام دنیاوی کتابون کی تقلید مین قرآن مجید کی تفسیر مبارک کو نسانون کی نذر و ہدیہ سے پاک رکھنا چاہیئے تھا ہر بات مین رسم زمانہ کی پیروی مناسب نہین،

ضخامت ۲۲۰، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ سفید معمولی قیمت ۶؎ پتہ: دفتر تفسیر قرآن، مونگیر (بہار)

تعلیم الانشا، اس کتاب کے مولف ہمارے دوست مولوی حکیم نجم الہدیٰ صاحب ندوی اسسٹنٹ ماسٹر پٹنہ کالیجیٹ اسکول ہین، اس کتاب کا اصل موضوع یہ ہے کہ مدارس انگریزی کے طلبہ کو اردو مضمون نگاری کے

اصول وطرق مشق بتائے جائین، شروع مین مضمون نگاری کے اصول اور اسکی مختلف تقسیمات واصناف لکہکر مختلف اصناف کے نمونے دیئے ہین اور یہ بتایا ہو کہ ہر صنف کے مضمون کے لئے کسقدر اجزا ضروری ہین اور کیونکر اسپر مضمون لکہنا چاہیئے، مضامین زیادہ تر مستند اشخاص اور معتبر رسائل سے انتخاب کئے ہین اور کہین کہین خود مولف کے قلم نے بھی اپنے نتائج افکار پیش کئے ہین، زبان صاف، وسہل اور طرز عبارت سادہ ہے، البتہ کہین کہین زبان کے مسامحات موجود ہین، آخر مین مشق کے عنوانات دیئے ہین اور کلکتہ یونیورسٹی کے گذشتہ امتحانات کے سوالات مضمون نگاری کا ضمیمہ شامل کردیا ہے، بحیثیت مجموعی ہم طلبائے نوآموز اور نوشائقین مضمون نگاری کو اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہین، لکہائی چہپائی متوسط، کاغذ معمولی، ضخامت ۱۶۵، قیمت ۱۲ ر، پتہ: بانکی پور، محلہ رمنہ، سید نجیب اشرف،

ضمیمۂ اعجاز عشق، مولوی محمد عبدالرحمٰن صاحب شاطر آنریری پریسیڈنسی مجسٹریٹ مدراس نے اعجاز عشق کے نام سے ایک قصیدہ ۱۳۲۲ھ مین لکہا تہا، اسکا قافیہ بہار و مدار تہا، اسوقت اس قصیدہ مین ۲۸۸ شعر تھے، دوسری اشاعت مین ۲۰۴ اور تیسری مین ۶۸۵ ہوگئے، آخری اشاعت کے آٹھ برس بعد اب اسی قافیہ مین قصیدۂ مذکور کا ضمیمہ لکہا ہے، جسمین ۲۸۷ شعر ہین، اعجاز عشق پر ملک کے بہترین اکابر نے مثلاً مولانا حالی، مولانا شبلی، ڈاکٹر اقبال وغیرہ نے عمدہ تقریظین لکھی ہتین جنہین شاعر کے فلسفیانہ خیالات اور شاعرانہ جذبات کی داد دی تھی، یہ ضمیمہ بھی اسی داد کے قابل ہے قصیدہ کا اصلی موضوع یہ ہو کہ مختلف جدید فلسفیانہ خیالات کو اشعار مین ادا کیا جائے، فلسفہ اور شاعری اپنی بر دیگر کو یکجا کرنا کسقدر مشکل کام ہو لیکن بحر ہند کے ساحل جنوبی مین جسکا نام مدراس ہے یہ کام آسانی سے انجام پایا ہو، بااین ہمہ زبان پیچیدہ نہین، اور ترکیبون مین الجہاؤ نہین لیکن امید ہو کہ آئندہ سے شاطر اپنی شاعرانہ شطرنج کے لئے کوئی نئی بساط بچہائینگے ورنہ آٹھ نو سو اشعار مین قوافی کا اعادہ و تکرار مطالب ومعانی کے اعادہ و تکرار پر مجبور کریگا اور اگر اس مجبوری کو چہپانیکی کوشش کیجائیگی تو بے مزگی پیدا ہوگی ضخامت ۸۱ قیمت ۴ر، امیر محل، مدراس

مجلد چہارم ماہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۹ء عدد ششم

مضامین

شذرات

جیسا کہ آغاز سال مین طے ہوچکا تھا، دسمبر کی ششماہی پر معارف کی چوتھی جلد ختم ہوتی ہے، جنوری ۱۹۲۰ء سے پانچوین جلد شروع ہوگی، اس جلد پر مضمون مسئلہ ترک کے علاوہ اور تمام مسلسل مضامین ختم ہوتے ہین، لیکن مضمون مذکور چونکہ کسیقدر طویل ہے، اور پہلے نمبر مین اسکا بہت کم ٹکڑہ آسکا، اِسلئے مجبوراً پانچوین جلد مین بھی اسکا سلسلہ جائیگا،

سیرۃ نبوی جلد دوم، ۳۰۰ صفحہ تک چھپ چکی، ابھی ۱۰۰ صفحے اور باقی ہین، سرورق کیلئے کاغذ با وجود تلاش اتبک بہم نہ پہنچ سکا، لکھائی چھپائی کاغذ ہر چیز مین یہ جلد انشاءاللہ جلد دل سے چھپا یہ اور مطبع معارف کا ایک کارنامہ ہوگی،

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز مؤلفہ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی دارالمصنفین سے شائع ہوگئی، مولانا نے اس کتاب مین حضرت عمر ثانی کے حالات اور مجددانہ کارنامون کے ... محاسن و معائب کو نہایت موشگافی کے ساتھ واضح کردیا ہے، اور بنو امیہ کے زوال ... ایک خاص باب مین تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،

آج ہم اپنے ناظرین کو ندوۃ العلماء کے ایک اور مایۂ ناز فرزند مولوی حکیم سید عبدالعلی ...

روشناس کرتے ہین، یہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے فرزند رشید ہین انھون نے عربی علوم کی تکمیل دارالعلوم اور مدرسین دارالعلوم سے کی، حدیث کی تکمیل مدرسہ دیوبند مین جاکر کی، اپنے والد بزرگوار سے طب کی تعلیم حاصل کی، اور ان تمام مراحل کے بعد انگریزی شروع کی، در اصل مین بھی وہ شاخ اختیار کی جو نسبتہً مشکل تھی یعنی سائنس، بالآخر چند سال کی محنت کے بعد گذشتہ سال انھون نے کیننگ کالج سے بی ایس سی کی سند حاصل کی، اور نہ صرف سند کا غازی بلکہ الحمد اللہ وہ ذوقی فضل و کمال بھی حاصل ہوا جو درانتہ بھی انکو ملنا چاہیئے تھا۔

قدیم و جدید فلسفہ و حکمت کی آمیزش نے ان مین ایک نیا جوہر پیدا کر دیا ہے کیمسٹری اور خصوصاً نباتات (علم نباتات) سے زیادہ دلچسپی ہے، اور انکی خواہش ہے کہ وہ آیندہ اپنے لئے مسلسل تحقیقات کی راہ اختیار کرین جسکے لئے اول تو خود ہندوستان مین، اور ثانیاً مسلمانون مین بہت کم سامان موجود ہے، عربون کی کیمسٹری اور جدید کیمسٹری مین باہمی موازنہ و مقابلہ کے لئے وہ مواد فراہم کر رہی ہین، مگر افسوس کہ کتابین ناپید اور جنکے پاس ہین وہ کیمیا کے رسالہ کو آلۂ زرسازی سمجھکر گنج قارون کی طرح چھپائے ہوئے ہین، اس واقعہ کا مجھے ذاتی علم ہے،

ہم بہ کمال اظہار بھی بمسرت کرتے ہین کہ وہ اپنے مقالات حکمیہ سے معارف کو بھی بہرہ مند کرنا چاہتے ہین اور اسکے لئے بطور ضمانت رسالۂ نباتات پر ایک ریویو لکھکر بھیجا ہے جو آیندہ نمبر مین شائع ہوگا۔

ہندوستان کی مشرقی کانفرنس یا مجلس مستشرقین کا پہلا اجلاس حسب اطلاع سابق ۵، ۶، ۷ نومبر کو پونہ مین منعقد ہوا، حاضرین کی تعداد آٹھ نوسو کے قریب تھی جو ایک خشک علمی جلسہ کے لئے بسا غنیمت ہے، سب مختلف صوبون اور ریاستون کے نمایندے شریک تھے، لیکن اس وسیع تعداد مین

مسلمانون کا شمار ۲۴ یا ۲۵ سے زیادہ نہ تہا، حالانکہ مجلس کی فہرست مین عربی اور فارسی زبان کے متعلق تحقیقات کا عنوان بھی تہا، اور ان شرکا مین بھی زیادہ تر وہ لوگ تھے جو مجلس کی زبان یعنی انگریزی سے ناآشنا تھے،

زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمیدانم

صیغۂ عربی و فارسی کے صدر ڈاکٹر صلاح الدین خدابخش (پٹنہ) تھے، پانچ مضامین اس مین پڑہے گئے جنمین سب سے بہتر مضمون ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم اے (الفنسٹن کالج بمبئی) کا تہا کاش وہ اردو ہوکر معارف کے حصہ مین آتا،

"سالہا زان شدہ ام بر در میخانہ مقیم تا مگر جرعہ فشاند لب جانان بر من
گر شد صحبت دیرین من از یاد برفت اے نسیم سحری یاد دہش عہد قدیم"

پہلے اجلاس کا افتتاح گورنر بمبئی نے کیا، شرکا مین زیادہ تعداد احاطۂ بمبئی کی تھی، اسکے بعد مدراس، پھر بنگال، پھر صوبہ متحدہ کی تھی، سنو سے اوپر مضامین مجلس مین پڑھنے کے لئے موصول ہوئے تھے جنمین زیادہ تر ہندوستان قدیم (قبل از فتح اسلام) کے متعلق تاریخی و لسانی و اثری و مذہبی تحقیقات تھی، جلسہ کی صدارت پنجاب کے ایک مستشرق انگریز ڈاکٹر وولنر نے کی، اور سر بھنڈارکر منتخب صدر کی طرف سے انکے صاحبزادہ نے انکا خطبۂ افتتاحیہ پڑھکر سنایا، جنمین مستشرقین یورپ کے کارنامون پر ایک ناقدانہ تبصرہ تہا، مجلس کے تمام مباحث ۱۲ شعبون مین منقسم تھے، ہر شعبہ کے لئے الگ الگ ۱۲ صدر منتخب ہوئے تھے، ان مختلف شعبون مین جس قسم کے مضامین پیش کئے گئے انکا اندازہ عنوانات ذیل سے ہوگا،

(۱) مغربی ہند کی قدیم بحری تجارت،

(۲) سنسکرت حروف تہجی کی تاریخ،

(۳) شنکراچاریہ اور ارسطو کے نظامات منطق کا موازنہ اور انکا باہمی تعلق،

(۴) اکبر اور اسکے عہد کے سنسکرت سے فارسی مین تراجم،

(۵) گوتم بدھ کا مسلک توحید،

(۶) جنوبی ہند کے غارون کے کتبات،

(۷) ایران قدیم مین سائنس،

(۸) بودھ کا فلسفۂ فنا،

(۹) اپنشد کے اصول تعلیم و تربیت،

(۱۰) ہند قدیم کی موسیقی،

(۱۱) قدیم ہندوستانی صنعت و حرفت مین حکومت کی مداخلت،

(۱۲) فارسی زبان مین یاے مجہول،

(۱۳) راون کا لنکا،

(۱۴) شاہنامہ اور مہابھارت کی عجیب مماثلت،

آیندہ سال یہ مجلس کلکتہ مین منعقد ہوگی،

نہ صرف بنگال بلکہ ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر ٹیگور کے قلم نے تقریباً یورپ، امریکا، اور جاپان کو مسخر کرلیا ہے، لیکن یہ حاشیۂ وہم مین بھی نہ تھا کہ یہ "تیغ ہندی" مصر و عرب کو بھی فتح کریگی، لیکن ایک علم دوست کی اطلاع ہے کہ مصر مین ٹیگور کی گیتانجلی کا ترجمہ عربی مین ہوگیا ہے، اور کتاب چھپکر شایع ہورہی ہے، لیکن ابھی ہندوستان نہین پہنچی ہے، وکہین عربی جیو ہار دن کی

شیرینی کے عاشقون کو اس مشکر مندی کی مٹھاس کہانتک پسند آتی ہے،

یورپ کے عظیم الشان اور ہیبت ناک تجربے توہم نے بیسیون دیکھے اور سُنے ہین لیکن ایک لطیف اور نازک تجربہ بھی سن لینا چاہیئے، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیم کے تمامتر کارنامے اب عورتون کے ہاتھ سے انجام پائین گے، یہ تو واقعہ ہے کہ تربیت اولاد کا بڑا حصہ انہین کے نرم و نازک ہاتھون سے انجام پاتا ہے، اسلئے مناسب ہے کہ آیندہ سے دنیا کی تعلیم کا کام بھی وہی انجام دین کہ انکی مہربان و نرم خو طبیعت اس فرض کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکتی ہے،

پچاس برس پہلے انگلستان کے ہر پانچ ابتدائی مدارس مین سے چار مردون کے اور ایک عورتون کے ہاتھ مین تھا، ۱۸۹۱ء مین دونون کی تعداد برابر ہوگئی، مگر ۱۹۰۷ء مین ہر چار مدرسون مین تین مدرسے عورتون کے ہاتھ مین آگئے، اسوقت تمام جزائر برطانیہ مین معلمات کی تعداد ۲۰ ہزار اور معلمون کی چار ہزار تھی، موجودہ زمانہ جنگ مین مردون کو جو جنگی مصروفیت ہی اُسنے اس تعداد کو اور زیادہ بڑھا دیا ہوگا۔

ہماری عادت نہین کہ معترضون کے ساتھ دست و گریبان ہون، گو بعض اوقات ایسے تند و تیز لہجون مین حملے ہوئے ہین کہ سلیم الطبع سے سلیم الطبع انسان مین بھی تھوڑی دیر کے لئے جوش پیدا ہوجاتا ہی لیکن ہم اس پرانی فارسی ضرب المثل کو یاد کرکے خاموش ہوجاتے ہین جسمین یہ تعلیم کی گئی ہے کہ بعض اصناف انسانی کے لئے خاموشی ہی جواب ہے"

چند مہینے ہوئے کہ آگرہ کے ایک "نسوانی الخواص" ادبی رسالہ مین دیباچہ شعر العجم پر ایک تنقید ایک مسلمان کے قلم سے شایع ہوئی تھی، بیچارہ نے چار پانچ برس ہوئے، اس مضمون کو الگ رسالہ کی صورت مین حیدرآباد سے شایع کیا تھا، لیکن جب وسیع ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی اسکو اپنی تحقیق کی داد نہین ملی تو اردو کے جمہ [illegible] مین گردا [illegible] لیکن گنبد شاہجہانی کی عدالت گاہ سے جو آواز آئی وہ بھی ہمارے دوست نے سنی۔

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

رسالہ **الناظر** مین ایک مولوی صاحب نے **الفاروق** پر نقد لکھکر اپنے زور بازو کی نمائش کی ہی تمہید سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوتِ رستمانہ دس بارہ برس کی محنت و درزش مین حاصل ہوئی ہی لیکن سوال یہ ہے کہ اس علمی دنگل کے پہلوان نے اپنے زور و قوت کو اسلامی تمدن کی عمارت کے بنانے مین صرف کیا ہے یا ڈہانے مین؟ حریفانِ اسلام کی شکست اس سے مقصود ہے یا شماتت؟ اور اسکا فیصلہ ہمارے بزرگ محبّ اسلام کو صبحِ امید کے صفحۂ معاصر ہی مین نظر آیا ہوگا۔

تمام مباحث کو چھوڑ کر ناقد نے بالفعل صرف جزیہ اور حقوق الذمیین کو لیا ہے اور جدید اصول تصنیف کے مطابق الفاروق کے نقد مین یہ وسعت پیدا کی ہے کہ مصنف نے ان دو مسئلون کی نسبت رسائل، الفاروق اور سیرۃ النعمان مین جہان جہان جو کچھ لکھا ہے ان سب پر دستِ تطاول دراز کیا ہی جمع کر دیا ہے تاکہ میدان صاف ہے

اصل مسئلہ کے متعلق ناقد نے جو موشگافیان کی ہین انکا ماحصل یہ ہی کہ مصنف نے جا بجا یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیون کے متعلق جو بظاہر بعض سخت احکام نافذ کئے ہین وہ مختص الحال ہین اور یہ تعمیم صرف متاخرین کی تنگی نظر ہے، ناقد نے دکھایا ہی کہ نہین یہ تعمیم قدیم کتاب مین یعنی کتاب الخراج مین بھی موجود ہے اس وجود سے انکار نہین لیکن کیا تخصیص کی روایتین ناقد کو اس کتاب مین نہین ملین؟ اور ایسی صورت مین اصول روایت و درایت انکو کام مین لانا چاہیئے تھا یا نہین،

لیکن ناقد صاحب سے ہمارا صرف ایک سوال ہی از راہِ عنایت اپنی وسعت علم اور عمق تحقیق کے صدقے ان احکام کو اصلاً قرآن مجید اور صحیح حدیث سے مؤید و ثابت کر کے ۷۰ کروڑ مسلمانون کو بہرہ مند فرمائین کہ انکا یہ احسان عظیم تاقیامت یادگار رہیگا،

مصنف مرحوم چونکہ غالی حنفی تھے اسلئے آزادی تحقیق کے باوجود وہ ائمۂ احناف کے اقوال کو بھی سند مانتے تھے، لیکن اب میدان تحقیق زیادہ فراخ اور وسیع ہے،

مقالات

شعر الہند کا ایک صفحہ

واعظ[1]

از مولانا عبد السلام ندوی

واعظ، زاہد، صوفی، فقیہ، ملّا تو ہمیشہ لوگون کو وعظ و پند کے ذریعہ سے شریعت کے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کیا کرتے ہین، لیکن انکے علاوہ قدیم زمانہ مین سلطنت کی طرف سے محکمۂ احتساب قائم تھا، جسکا مقصد یہ تھا کہ کسی شخص کا قدم حدود شریعت سے ہٹنے نپائے، اسلئے محتسب قانوناً ہر شخص کی نگرانی کر سکتا تھا، اور اسکو شراب خواری، بدکاری، اور عیاشی سے روک سکتا تھا، اس بنا پر جو لوگ رندانہ زندگی بسر کرتے تھے وہ ان لوگون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور جوش انتقام مین اُنکے عیوب کی پردہ دری کرتے تھے شاعری کی تمام اصناف مین غزل کا سنگ بنیاد رندی اور ہوسناکی پر رکھا گیا، اسلئے اس قسم کے تمام رندانہ خیالات غزل کا عنصر بنگئے، اور محتسب، واعظ، زاہد، صوفی، ملّا، فقیہ، مدرس، غرض ہر وہ شخص جو اس مقصد مین خلل انداز ہوسکتا تھا، ہمارے شعرار کا حریف مقابل بن گیا، اور اُنھون نے اسکو ہر حیثیت سے مورد نفرین قرار دیا، چنانچہ سعدی، حافظ، اور خیام کے کلام کا انتخاب کیا جائے تو ان لوگون کی ہجو و مذمت مین دفتر کا دفتر طیار ہوسکتا ہے،

فارسی شاعری کے تتبع مین اُردو شعرا نے بھی ان بزرگون کو ابتدا ہی سے اپنے تیر ملامت کا نشانہ بنایا، اور ہر محفل مین ان کی پگڑیان اُچھالین، لیکن انکے ساتھ انکا سلوک ہر زمانے مین مختلف رہا، ہمارے قدما نے ان غریبون کو جس لب و لہجہ کے ساتھ مخاطب کیا، وہ نہایت گستاخانہ، فحاشانہ اور سوقیانہ تھا،

---

[1] یہ مضمون بالکل جامع و مکمل نہین ہے۔

شیخ شرف الدین مضمون فرماتے ہین،

میکدہ مین گر سراپا فعل نامعقول ہے ۔۔۔ مدرسہ دیکھا تو وان بھی فاعل ...[1] ہے

شاہ مبارک آبرو کہتے ہین،

شیخ خرقہ مین جب مراقب ہو ۔۔۔ گربہ مسکین سی چوہے کا خون ہے

میر و مرزا نے تو ان لوگون کو نہایت ہی بازاری لہجہ مین مخاطب کیا ہے، چنانچہ میر صاحب فرماتے ہین

ایسا ہو کہ شیخ دغا دیوے ہمنشین ۔۔۔ اللہ جانے کرے ہے کوئی آدم اختلاط

شیخ کی سی ہی شکل ہی شیطان ۔۔۔ جسپہ شب ...[2] ہوتا ہے

تو شملہ جو رکھتا ہے نہ رہے دگرنہ ۔۔۔ ضرورت ہی کیا شیخ دم اک دجب کی

حد سے زیادہ واعظ یہ کودنا اُچھلنا ۔۔۔ کاہے کو جانتے ہین ہم ای خر اب بندھارہ

بن عصا شیخ ایک قدم نہ رکھے ۔۔۔ راہ چلتا نہین یہ خر بے چوب

کچھ کم نہین ہین شعبدہ بازون سے میگسار ۔۔۔ دارو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا

بین واہی تیری واعظ مسجد ہی مین منڈوانا ۔۔۔ پر کیا کرون ساتھ اپنے حجام ہین کتنا

لوگون بین اسلام کے ہوتا شہرت اس رسوائی کی ۔۔۔ شیخ کو بھیر اگدہے چڑھا کر تک ادر مدینہ مین

ہزار شانہ و مسواک غسل شیخ کرے ۔۔۔ ہمارے عندیے مین تو ہی وہ خبیث و پلیت

سودا کہتے ہین۔ -

ریش کو شملے ست بن باندھی تری چھوڑون ہتی نہ ۔۔۔ ہاتھ آیا ہے مرے مضمون عالی محتسب

پھر جو نکلے میکدہ کی راہ تو پیچھے پڑے ۔۔۔ بیت یہ سکھلا لگا دونگا دفالی محتسب

تیرے غرانے کو سودا لادے کب خاطر کے بیچ ۔۔۔ تجھکو وہ سمجھے ہی ...[3] شیر قالی محتسب

---

[1] مفعول [2] احتلام [3] پشم۔

یان فقط بجتی ہے ڈہول کہ دخل کہانیکا ہنین | مت دکہا ساتھ اپنی پاے خلق شیخ اتنا نہ کود

کیا اکہاڑیگا ۔ ۔ ۔ بہلا دیکہین تو یہ شیخ | رندون کو دسرا ہی جو ریش اپنی پکڑ کر

ناس دانی کو چھپا شیخ مبادا کوئی | اسمین نکہنی چھپا کر تجہے غافل بہر دے

شیخ وہ رشتہ ہے زنار ہمارا جس نے | پہاڑ ڈالی ہے ترے سبحہ کے ہر دانے کی

ہمارے متاخرین شعرا نے واعظون اور زاہدون کے متعلق نہایت لطیف مضامین پیدا کئے ہین، لیکن میر و مرزا کے یہان رعایت لفظی کے سوا اور کسی قسم کی لطافت کا پتہ نہین چلتا، مثلاً میر صاحب فرماتے ہین،

سوا اسکے تری داڑہی مین ہی کیا اے شیخ | کہ جو کوئی تجہے دیکہے سو ریشخند کرے

مجہ مست کو کیا نسبت ای میر مسائل سے | منہ شیخ کا مسجد مین مین رکہکے مسل ڈالا

سودا کہتے ہین،

سچ مین دنیا تو ہم چھوڑ ینگے لیکن زاہدا | چھوڑنا تیری طرح داڑہی کا مشکل ہوئیگا

جو حد ریش کے رکہنے سے مین سخن پوچھا | ہر ایک بات مین زاہد کے شاخسانہ تہا

اسی سے واعظ احمق کو پیست فطرت جان | ہوا ہے چڑہ کے یہ منبر پہ خوامخواہ بلند

میر حسن کہتے ہین،

شیخ پر اسکے جرم کا رکہہ بوجہہ | اور پیا کر حسن شراب کے گھونٹ

پہر وہ جو کچہہ کہے تو بکنے دے | بڑ بڑاتے ہین لادنے مین اونٹ

کہنے پہ شیخ کے کچہہ مت مست ہوش رکہہ تو | بیفائدہ بکے ہے وہ تو الاغ جل کر

میر درد نے اگرچہ واعظ و شیخ کے متعلق اکثر لطیف مضامین پیدا کئے ہین، شلاً

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو | دامن نچوڑ دین تو فرشتے وضو کرین

آتے ہین دام مین کب خورشید رو کسی کے | اے شیخ یہ نہین ہین تسبیح کے سے ثمسے

محتسب آج تو میخانہ میں تیرے ہاتھوں دل نہ تھا کوئی کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا

تاہم وہ بھی زمانہ کے اقتضاء سے بالکل بچ نہ سکے، اور انکی زبان سے بھی ایک گستاخانہ شعر نکل ہی گیا۔

زاہد خشک بھی کوئی سخت ہی خر دلمغ ہے جنے کہ بہت اُسے پر ہوا وہ آدمی

البتہ اگر میر سوز کے دیوان کے انتخاب پر اعتماد کیا جا سکے تو اُنھوں نے اس قسم کی مبتذل روش

اختیار نہیں کی، اور اپنے سیدھے سادھے لہجہ میں شیخ سے بھی خطاب کیا،

یہ ننگ دنام مبارک ہے تجھے ای شیخ نچنٹہ نہ ننگ سے اپنی ہی وادر نہ نام سے کام

سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو بے اختیار رکھہ اُٹھے اسلام کچھ نہیں

خون سے اپنے وضو کرکے قدم آگے رکھہ شیخ کعبہ نہ سمجھ ہے یہ صنم خانۂ عشق

زاہدوں اور واعظوں کے متعلق میر حسن، سراج الدین علیخان آرزو، اور جرات نے اگرچہ بعض

لطیف، سادہ اور صاف اشعار لکھے، مثلاً میر حسن کہتے ہیں،

شیخ تو نیک و بد دختر رز کیا جانے وہ بچاری تو ترے پاس نہ آئی نہ گئی

آرزو کہتے ہیں،

میخانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

جرات فرماتے ہیں،

دیکھتا تو بھی جو اے شیخ تو مائل ہوتا آج آیا تھا وہ ایسی ہی طرحداری سے

شیخ جی ہم تو ہیں نادان یہ بات آنے دو ہم بھی پوچھیں گے ہوئی آپکی دانائی کیا

تاہم قدما کی روش مصحفی کے زمانہ تک قائم رہی، چنانچہ وہ کسی قدر متانت کے ساتھ فرماتے ہیں،

دستار و شملہ شیخ کا ہے خوف کی جگہ نکلا ہے یہ ستارۂ دمدار کی طرح

ناسخ پہلا شخص ہے جس نے قدما کی طرز میں انقلاب پیدا کیا، الفاظ، محاورات اور زبان کے

علاوہ ہجوگوئی جو قدما کا عام شعار بنگئی تھی، ناسخ نے اُسکو مٹا دیا، اکثر فحاشانہ اور سوقیانہ مضامین جو قدما، کے بیان پائے جاتے تھے، ناسخ نے انکو بالکل چھوڑ دیا، واعظ، زاہد اور محتسب کے ساتھ قدما رکا یہ فحاشانہ طرز خطاب اسی عام کلیہ کے تحت مین داخل تہا، اس بنا پر جب ناسخ نے اس قسم کے مضامین کو متروک قرار دیا تو خود بخود اسکی اصلاح ہوگئی، لیکن ناسخ کی طبیعت مین فطرۃً شوخی ظرافت کا مادہ نہ تہا، اسلئے انھون نے اس فرقہ کے ساتھ کبھی ہنس کر گفتگو نہین کی، یہی وجہ ہے کہ اُنکے دیوان مین اس قسم کے رندانہ اشعار بہت کم پائے جاتے ہین، چنانچہ مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات مین لکہتے ہین،

شیخ صاحب کے کلام مین نمک ظرافت کا چھینٹا کم ہے، چنانچہ زاہد اور ناصح جو شعراے اردو و فارسی کے لئے ہر جگہ رونقِ محفل ہین، یہ اُن سے بھی ہنس کر دل نہین بہلاتے، اور اگر اتفاقاً ہے تو ایسا ہے کہ وہ ہنسنا زہر خند معلوم ہوتا ہے،

حرص سے زاہد یہ کہتا ہی جو گرجائینگے دانت ۔۔۔ کیا کشادہ پھر رزق اپنا دہان ہو جائیگا

دیکھیو ناسخ سرِ شیخ معمم کی طرف ۔۔۔ کیا کلس مسواک کا ہے گنبدِ دستار پر

زاہدا کیا مضان مین مین پڑہون خاک نماز ۔۔۔ سوے قبلہ تو خنازیر کھڑے رہتے ہین

واہ کیا پیر مغان کا ہے تصرف میکشو ۔۔۔ محتسب کا اب سحن تکیہ ہی مل مل ہوگیا

عابد و زاہد چلے جاتے ہین پیتا ہی شراب ۔۔۔ اتنو ناسخ زور رندلاابالی ہوگیا

اہل تزویر سے اسد رجہ ہی نفرت مجھکو ۔۔۔ کہ مجھے قافیۂ زور سے کچھ کام نہین،

اس بنا پر ناسخ نے بذات خود ان مضامین مین کوئی جدت، ندرت، اور لطافت نہین پیدا کی خواجہ آتش نے بے شبہہ بالکل عاشقانہ اور رندانہ رنگ اختیار کیا، اور واعظ اور زاہد سے اسی طریقہ سے خطاب کیا جس طرح ایک رندلاابالی کرسکتا ہے،

اے فلک کچھ تو اثر حسنِ عمل کا ہوتا ۔۔۔ شیشہ اک رات تو قاضی کی بغل مین ہوتا

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنم سے ۔۔۔ سمندر موج مارے گر نچوڑوں پاٹ دامن کا

شرفِ کعبہ کو کعبہ مبارک ہم تو اے آتش ۔۔۔ بتوں کے گھر رہنے کو جانتے ہیں دیر برہمن ہیں

زاہدانِ خشک کو کیفیتِ دنیا نہیں ۔۔۔ ساغرِ گل سے ہوئی کسدن چمن میں خدمت

رکھتے ہیں اہلِ مدرسہ بھی عشق یار سے ۔۔۔ سمجھے ہوئے ہیں ردے کتابی کتاب کو

خواجہ آتش کے ایک شاگرد آغا حجو شرف نے ناسخ کی حد سے بھی آگے قدم بڑھایا، اور جو الفاظ شریعت اور اخلاق کے خلاف تھے انکو بالکل متروک قرار دیا، اور بت، صنم، کلیسا، بتخانہ، برہمن، ناقوس، زنار، زاہد، واعظ، ناصح، شیخ، پیرمغان، مغبچہ، ساقی، رند، مینا، جام، ساغر، شیشہ، قلقل، شراب، مینا وغیرہ الفاظ بالکل چھوڑ دیئے[۲] .. جسکا اثر خصوصیت کے ساتھ مضامین غزل پر پڑا اور اس قسم کے رندانہ خیالات جنکو شعرا عموماً واعظون اور زاہدون کے متعلق ظاہر کرتے تھے بالکل معدوم ہوگئے، لیکن یہ اصلاح صرف شرف ہی تک محدود رہی، عام طور پر شعرا نے اسکا تتبع نہین کیا تاہم جسقدر زمانہ گذرتا گیا واعظون اور زاہدون کے ساتھ شعرا کا لب ولہجہ بدلتا گیا اور ان مضامین مین متانت اور لطافت آتی گئی، چنانچہ اسکا اندازہ شعرائے دہلی کے کلام سے ہوسکتا ہے

مومن خان فرماتے ہین،

سوائے محتسب اسکے کہ اپنے دل کی صورت ہے ۔۔۔ سزاوارِ شکستن کونسی تقصیر شیشے کی

داغ سے میرے جہنم کو مثال ۔۔۔ توبھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

غالب نے اس سے بھی زیادہ لطافتین پیدا کین، مثلاً جب زاہد لوگون کو جنت کی ترغیب دیتا ہے تو ہمارے شعرا جنت کی ہجو کرتے ہین، اور اسکو خاکِ میخانہ اور کوے جانان کی گرد راہ کے برابر بھی نہین قرار دیتے، لیکن غالب جنت کی ہجو نہین کرتا، بلکہ اسکو کہین تو ایک حقیقی چیز قرار دیتا ہے اور اسکے تمام گل و ریحان اور حور و غلمان کے وجود کو اسی طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح زاہد نے بیان کیا تھا

لیکن باوجود اس تہذیب و متانت کے کہتا ہے،

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا　　وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

اور کہیں اسکو بالکل بے حقیقت قرار دیتا ہے، تاہم دلوں پر اُسکا جو وجدانگیز اثر ہے اس سے انکار نہیں کرتا،

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن　　دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

ہمارے شعراء شرابِ طہور پر شرابِ انگور کو تفضیلت دیتے ہیں، لیکن غالبؔ اس میں صرف یہ

عیب نکالتا ہے

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو　　کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

زاہد جنت کے شہد کے لالچ سے شراب نہیں پیتا، غالب اسکو نہایت لطیف طریقہ سے شہد سے

نفرت دلا کر شراب پلاتا ہے،

کیوں رد قدح کرے ہے زاہد　　مے ہے یہ مگس کی قے نہیں

شہد کوئی قابلِ نفرت چیز نہیں ہے لیکن قے بہرحال قابلِ نفرت ہے، اور شہد مکھی کے منھ

ہی سے نکلتا ہے، اسلئے غالبؔ اسکو مگس کی قے کہتا ہے، تاکہ زاہد کو اس سے نفرت اور شراب کی

طرف رغبت ہو،

اس سے بھی زیادہ لطیف طریقہ یہ ہے کہ واعظ، زاہد، اور صوفی کسیکا نام نہ لیا جائے لیکن

باوجود اسکے اُن پر چوٹ ہو، اور غالبؔ نے بعض اشعار میں یہی لطیف طریقہ اختیار کیا، مثلاً تجلیات

الٰہی کے فیضان کو صوفی شعراء بادہ و ساغر کی تمثیل و تشبیہ کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں، اس بناپر خود

صوفیوں کے نزدیک شراب ایسی ضروری چیز قرار پاتی ہے کہ تصوف کے نکتے بھی بغیر اسکے

نہیں بیان ہو سکتے، پس جب یہ حالت ہے کہ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

شراب کی مذمت کیا ہے اور اس سے اجتناب کیوں ؟

مرزای دہلی میں داغ نے اگرچہ زاہدوں اور واعظوں سے نہایت بیباکانہ لہجہ میں خطاب کیا تاہم اس نے ان بزرگوں کے ساتھ کہیں اس قسم کی گستاخی نہیں کی جو ایک مہذب رند کو بھی ناگوار ہو، اخیر داس ثقاہت کے فرماتے ہیں،

رگڑ جھگڑ کے ملی دخت رز ہی ساقی سے جدا کرکے جو عورت ملے حرام نہیں

ہ موقعوں پر واعظ کو دھمکی بھی دیتے ہیں،

دل جلوں سے نہ جہنم کا کیا کر مذکور کہیں انکو بھی نہ آجائے حرارت واعظ

جسے دیوانوں کے آگے یہ قیامت کا بیان کہیں آ جائے تجھی پر نہ قیامت واعظ

صبح کے وقت صبوحی کی مذمت واعظ کیا ہوا ہے تجھے کیوں آئی ہے شامت واعظ

ں اوقات شریفانہ لہجے میں واعظ کو برا بھلا بھی کہہ لیتے ہیں،

ایسے پڑھنے سے تو اچھا تھا کہ جاہل رہتا نہ حیا تجھ میں ہے باقی نہ مروت واعظ

ں اوقات غریب کو ڈانٹ بھی دیتے ہیں،

چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ مغز رندوں کا کھا گیا واعظ

دخت رز کو برا مرے آگے پھر نہ کہنا کبھی سنا واعظ

ں داغ نہایت لطیف انداز میں ان سے خطاب کرتا ہے،

حضرتِ زاہد ہر اک نشہ کو عادت شرط ہے مر نجائیں گے شراب چشمۂ کوثر سے آپ

شرابخانہ ہی یہ تو زاہد طلسم خانہ نہیں جو ڈھونڈے کہ توبہ کرنے گئی ہی توبہ ابھی یہاں سے شکست پاکر

اے محتسب کدم سے ترے کتنے خفا ہیں شیشہ کا ہے دم بند صراحی کا گلا بند

عالم وجد مین بیخود نہین ہوتے صوفی | نشہ مین چور ہین زندان خرابات ہی کیا[۱]
فرشتہ بنکے نہ اُڑ جاے عرش پر زاہد | اُسے جو خاک سے پاک اسقدر وضو نے کیا
اگرچہ بادہ کشی تھی گناہ اے زاہد | جو تجھ سے نہین کے پیتا تو کچھ عذاب تہا
اس تو یہ پر ہی ناز تجھے زاہد اسقدر | جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ مین
اے شیخ جسکو حور نہ پایگا بڑھیگا شوق | جنت کو مین پسند جہنم کو تو پسند
تقصیر می فروش کی اے محتسب نہین | یہ بیخود اُڑکے جاتی ہے بیخوار کی طرف
زاہد مزا تو جب ہے عذاب و ثواب کا | دوزخ مین بادہ کش ہون جنت مین تو ہو
کوئی بزم وعظ سے کہتا گیا | ایسے جلسے بے شراب اچھے نہین
ہجر بت اور صحبت واعظ | خلد مین بھی تو ہین عذاب بہت

کہین کہین وہ واعظون کو گالیان بھی دیتا ہے لیکن اس صفائی کے ساتھ کہ بُری نہین معلوم ہوتین۔

اور سنئے ابھی رندون سے جناب واعظ | چاند سیٔے آپ تو دو چار ہی صلواتون مین

البتہ یہ شعر داغ کی زبان سے اچھا نہین معلوم ہوتا۔

اے شیخ جو بتاسے می عشق کو حرام | ایسے کے دو لگاسے بھگو کر شراب مین

اسی زمین مین وہ ایک فحش شعر اور کہہ گیا ہے،

حورون کا انتظار کرے کون حشر تک | مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب مین

(۱) لیکن ابتک واعظون اور رندون کے متعلق جو کچھ کہا گیا تہا اس سے، رندون کی حقیقت تو کُھل جاتی تھی، لیکن واعظون کی حقیقت بالکل راز سربستہ رہتی تھی، مثلاً رندی اور ہوسناکی یقیناً مذہب کے خلاف ہین، اور اسکو شرعاً اور اخلاقاً کوئی رند بھی جائز نہین قرار دے سکتا، لیکن باوجود

[۱] یہ شعر فارسی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔ ع وجد منع بادہ صوفی این چہ کافر نعمتی است + منکر می بودن و ہم رنگ مستان زیستن۔

اسکے ایک رند اپنے آپکو رند تسلیم کرکے زاہد و واعظ پر حملہ کرتا ہے، لیکن یہ حملہ اسیوقت جائز اور کامیاب ہوسکتا ہے، جب واعظین کی طرف بھی شریعت اور اخلاق کے خلاف ایسی باتین منسوب کیجائین جو انین حقیقۃً پائی جاتی ہین، لیکن ہمارے شعرا نے اس نکتہ کو بہت کچھ نظرانداز کردیا ہے، مثلاً واعظون اور زاہدون مین ہزارون برائیاں ہوتی ہین لیکن کوئی واعظ کم کھلا شراب نہین پیتا، حالانکہ ہمارے شعرا اُن پر یہ اتہام لگاتے ہین، مثلاً میر صاحب فرماتے ہین،

شیخ جو ہے مسجد مین ننگا رات کو تھا میخانے[۱] مین	جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی مستی مین انعام کیا

نواب مرزا داغ کہتے ہین،

حضرت زاہد نکل آیا فلک پر آفتاب	پیر و مرشد اٹھو بیٹھے میکدے کے در سے آپ

یہی وجہ ہے کہ خواجہ حافظ نے اگرچہ نہایت آزادی کے ساتھ واعظون کی پردہ دری کی تاہم انکو اس جرم سے بالکل بری رکھا،

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریاے نبود	بہتر از زہد فروشی کہ درو روے و ریاست
ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست	نان حلال شیخ ز آب حرام ما
می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب	بہتر ز طاعتے کہ بروے و ریا کنند
مے خور کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب	چون نیک بنگری ہمہ تزویر می کنند

خود داغ بھی ایک موقع پر فرماتے ہین،

لطف مے تجھسے کیا کہون زاہد	ارے کمبخت تونے پی ہی نہین

اور اگر اسکے متعلق کچھ کہا بھی جاے تو اسکا انداز یہ ہونا چاہیئے۔

رکھا واعظ نے جام بادہ کف پر	بحمداللہ کھلا عقدہ انامل (میر)

[۱] بشرطیکہ تصوف کے رنگ مین میخانہ سے حال و قال کی مجلس مراد نہ لیجائے۔

دیکھنا پیر مغان حضرت واعظ تو نہین — کوئی بیٹھا نظر آتا ہے لیس خم جھکر (داغ)

کہان میخانہ کا دروازہ غالب اور کہان واعظ — پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

اصلی پیر واعظون کے اخلاقی معائب ہین لیکن سودا نے انکے متعلق کچھ نہین کہا میر صاحب صرف اتنا کہکے رہ گئے،

سب خوبیان ہین شیخ مشیخت پناہ مین — پر ایک حیلہ سازی ہے اس بارگاہ مین

ناسخ صرف اسقدر کہکے چپ ہو گئے،

اہل تزویر سے اسدرجہ ہے نفرت مجھکو — کہ مجھے قافیہ زور سے کچھ کام نہین

زاہدون مین ایک سخت عیب یہ ہوتا ہے کہ باوجود دعوی زہد وقناعت نہایت حریص ہوتے ہین لیکن اسکے متعلق ناسخ کا صرف ایک شعر مل سکتا ہے،

حرص سے زاہد یہ کہتا ہے جو گر جائینگے دانت — کیا کشادہ مہر رزق اپنا دہان ہو جائیگا

لیکن اس کہنے سے بہتر یہی تھا کہ کچھ نہ کہا جاتا،

متاخرین شعراے دہلی نے بھی اگرچہ علما و واعظین کے معائب تفصیل کے ساتھ نہین کھولے تاہم انھون نے جو کچھ کہا کسقدر لطیف انداز مین کہا، مثلاً اسی حرص و آز کے مضمون کو شیفتہ نے اس انداز مین لکھا ہے،

کیا سیکڑون مین ہے کہ مدارس مین وہ نہین — البتہ ایک وان دل بے مدعا نہ تھا

زاہدون مین عوام کی عقیدتمندی سے جو عجب وغرور پیدا ہو جاتا ہے اسکا الزام شیفتہ نے اس لطیف پیرایہ مین لگایا۔

کچھ نشۂ مے سے نہین کم نشۂ نخوت — تقوی مین بھی صہبا کا اٹھاتے ہین مزا ہم

واعظون مین جو یہ ضعف ایمان پایا جاتا ہے کہ عوام کو ہر قسم کی سرزنش کرتے ہین، لیکن امرا و سلاطین کے ٹوکنے کی ہمت نہین ہوتی، اسپر مومن خان نے نہایت متین لہجہ مین تنبیہ کی،

محتسب یہ ستم غریبون پر کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی

(۳) سب سے ضروری نکتہ جسکو ہمارے اکثر شعراء نے نظر انداز کر دیا یہ تھا کہ واعظ کی مختلف حیثیتون مین سے صرف ایک حیثیت کو لیلیا، اور دوسری حیثیتون کو بالکل چھوڑ دیا، مثلاً واعظ کا تعلق جہانتک اخلاق و مذہب سے ہے، وہ رندون اور ہوسناکون کا مخالف ہے، لیکن عبادت، طریقہ عبادت اور مقاصد عبادت کے لحاظ سے وہ صوفیون کا حریف ہے، اسی طرح حشر و نشر، عذاب و ثواب جنت و دوزخ، حدوث مادہ، اور حدوث عالم کے معترف ہونے کی حیثیت سے وہ ایک حکیم کا مدمقابل ہے لیکن ہمارے شعراء نے صرف اُسکی پہلی حیثیت کو لیا ہے، اور اخلاقی حیثیت سے اُسکو بُرا بھلا سب کچھ کہا ہے، لیکن تصوف اور حکمت کے اصول کے لحاظ سے اسپر کسی قسم کی نکتہ چینی نہین کی، خواجہ میر درد بے شبہہ اس سے مستثنیٰ ہین کہ انھون نے تصوف کے لب و لہجہ مین بھی زاہد سے خطاب کیا ہے، مثلاً فرماتے ہین،

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل مین ہو درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

ڈھونڈتے ہین آپ سے اسکو پرے شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

زاہد اشرک خفی کی بھی خبر ٹک لینا ساتھ ہر دانہ تسبیح کے زنار بھی ہے

غالب نے بھی ایک شعر مین ایک صوفی کی زبان سے یہ چوٹ کی ہے کہ زاہدون کی عبادت کا محرک جنت کی طمع خام کے سوا کچھ نہین، حالانکہ عبادت سے ذات خدا یا کم از کم خود عبادت ہی مقصود ہونی چاہیئے۔

کیا زہد کو مانون کہ نہ ہو گرچہ ریائی پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

تاہم ایک حکیم کی زبان سے غالب جیسے فلسفی نے بھی زاہد پر کوئی نکتہ چینی نہین کی، پھر دوسرے شعراء سے کیا توقع ہو سکتی ہے؛ لیکن موجودہ زمانہ مین شاعری نے جو نیا قالب بدلا اس نے یہ تمام

کی پوری کردی، واعظون اور زاہدون کی چال ڈھال، وضع قطع اور صورت وشکل پر جو پھبتیا ن
کی جاتی ہین وہ بالکل موقوف ہوگئین، اور اسکے بجاے مروجہ زہد و ورع کی حقیقت کی طرف شعرا نے
توجہ کی، شلاً اکثر لوگون کو جب دنیوی حیثیت سے کامیابی نہین ہوتی، مال و دولت نہین ملتا، اور امرا
وسلاطین کے دربار مین رسائی نہین ہوتی تو مجبوراً زہد پیشہ بنجاتے ہین، حالانکہ یہ زہد نہین بلکہ مجبوری
اور قسمت کی نارسائی ہے، اس نکتہ کو مولوی اسمعیل نے ان اشعار مین ادا کیا،

یا مقدر مین اسکے تھی ہی نہین ۔۔۔ کی ہے زاہد نے آپ دنیا ترک
کچھ تو بیکاری مین کرنا چاہیئے ۔۔۔ پارسا بن گر نہین رندون مین بار

واعظون کی عام حالت یہ ہے کہ وہ وعظ و پند مین وقت، حالات، اور اشخاص کے اختلاف
حیثیات کا لحاظ نہین رکھتے، انکی ایک رٹی ہوئی تقریر ہوتی ہے، چند بجا مذخیالات ہوتے ہین، چند
فرسودہ الفاظ ازبر کرلیتے ہین اور ہر موقع پر انھی کا اعادہ کرتے رہتے ہین، اسلئے انکا وعظ و پند
مقتضاے حال کے خلاف اور غیر موثر ہوتا ہے، مولوی اسمعیل نے اس شعر مین اسکی شکایت کی ہے،

واعظون کی بانگ بے ہنگام سے ۔۔۔ اب تو چرچے جا بجا ہونے لگے

لیکن اب بھی زاہدانہ زندگی کے سیکڑون پہلو رہ گئے تھے جنکو مولانا حالی نے نہایت تفصیل کے
ساتھ نمایان کیا اور صوفیانہ، حکیمانہ اور رندانہ ہر حیثیت سے واعظون پر نہایت لطیف انداز مین
نکتہ چینیان کین، مثلاً،

(۱) واعظون کے معتقد صرف عوام ہوتے ہین، عقلاء نہین ہوتے، اسلئے انکے اثر قابل اعتبار نہین،

ہے مصلحت کہ اکثر پھرتے ہین دم تمہارا ۔۔۔ عاقل ہین شہر مین کم نادان بہت ہین واعظ

(۲) واعظون کی عام عادت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہین اسکو خود نہین کرتے، اس خیال کو مولانا حالی نے
اس لطیف انداز سے ظاہر کیا ہے کہ خود واعظ پر بھی گران نہین گذرتا -

کہے اگر کوئی تمکو واعظ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اسکی پروا نہ کیجیگا

(۳) جب انسان مستمر طور پر زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگتا ہی تو اُسکے تمام جذبات افسردہ ہوجاتے ہین اسلئے خود اسکے اندر کوئی چیز ایسی نہین رہجاتی جو موجب نشاط ہو، اس زمانہ مین جدید و قدیم دونون گروہ قومی تحریکات مین حصہ لے رہے ہین، لیکن دونون کے جوش عمل سے جذبات کے اس مدوجزر کا اندازہ ہوسکتا ہے، اسی خیال کو مولانا حالی نے اس شعر مین ظاہر کیا ہے،

لگا دو تم مین آگ زاہد نہ درد الفت کی آگ زاہد پھر اور کیا کیجیگا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیگا

(۴) واعظون کے دلائل جو منطق و علم کلام سے ماخوذ ہوتے ہین، اگرچہ انسان کو مرعوب کردیتے ہین لیکن ان سے حقیقی تشفی نہین ہوتی،

واعظ کی حجتون سے قائل تو ہوگئے ہم کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا

(۵) بہت سے مہذب لوگ واعظون کی بات کو دل سے تو نہین مانتے لیکن ادب و احترام سے اسکا انکار بھی نہین کرتے،

مان لیجے شیخ جو دعوی کرے اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائین کیا

(۶) بہت سے لوگ زاہدانہ لباس مین عیاریان کرتے ہین، اور لوگ انکی صورت شکل اور وضع قطع سے دہوکا کہا جاتے ہین،

لوگ کیون شیخ کو کہتے ہین کہ عیار ہے وہ اسکی صورت سے تو ایسا نہین پایا جاتا

(۷) واعظ چونکہ ہمیشہ لوگون کو دوزخ سے ڈرایا کرتا ہے، اسلئے لوگ دوزخ سے تو کم، لیکن خود واعظ سے زیادہ ڈرتے ہین،

واعظو آتش دوزخ سے جہان کو تم نے یہ ڈرایا ہے کہ خود بنگئے ڈر کی صورت

(۸) زاہد کے زہد و قناعت کا تمام تر دارومدار اس پر ہے کہ اس نے دولت کی شکل ہی نہین دیکھی۔

کیا خبر زاہد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص　　اس نے دیکھی ہی نہین کیسۂ زر کی صورت

(۹) جب خود واعظون کا کوئی عیب کھل جاتا ہے تو لوگون کو اس شد و مد سے ملامت نہین کرتے،

بات واعظ کی کوئی بگڑی ہی گئی　　ان دنون کم ترہے کچھ ہم پر تقاضا

(۱۰) بہت سے واعظون مین علم و عمل کچھ نہین ہوتا، لیکن ہدایت و ارشاد کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے

گھر مین برکت ہی مگر فیض ہی جاری شب روز　　کچھ ہی شیخ نگر ہے بجز ایک ہی شخص

(۱۱) جب واعظون کے بہت سے مرید ہو جاتے ہین تو وہ ضروریات زندگی سے بے نیاز ہو کر

دنیا کی طرف سے آنکھین بند کر لیتے ہین، حالانکہ قناعت اسکا نام نہین،

کر چکا جب شیخ تسخیر قلوب　　اب اسے دنیا دون سے کیا غرض

(۱۲) انسان جس چیز سے بھاگتا ہے وہ اس سے دوڑ دوڑ کر لپٹتی ہے، زاہدون کی بے نیازی

صرف اسلئے ہے کہ مال و دولت اور بھی زیادہ حاصل ہو، اسلئے

شیخ کی تھی یہ آخری تلقین　　چاہیئے زر تو اس سے کر اعراض

(۱۳) اگر رند شراب پیتا ہے تو زاہد بھی ناجائز طریقون سے لوگون کا مال کھاتا ہے اس لئے ایک

رند کہہ سکتا ہے،

تو بھی کھانے مین نہین محتاط شیخ　　ہم کرین پینے مین پھر کیون احتیاط

(۱۴) زاہدون کا برتاؤ دوست و دشمن سے مختلف ہوتا ہو وہ مخالف کی جس چیز پر سختی سے دار وگیر

کرتے ہین، موافق کے لئے اسکو کسی نہ کسی طرح جائز قرار دیتے ہین، اسلئے

نکل آئیگی سیکشی کی بھی حلت　　کوئی مل گیا گر ہمین یار واعظ

(۱۵) بہت سے واعظون کی خوش بیانی غریبون کو تباہ کر دیتی ہو اور انکو اسکا کچھ درد نہین ہوتا،

نہ چھوڑیگا زیور گھرون مین نہ زر تو　　یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ

(۱۶) ہمارے علما جن لوگون کی تکفیر کر دیتے ہین، اگر کوئی شخص انکو مسلمان کہتا ہے تو وہ بھی کافر یا کم از کم گنہگار قرار دیا جاتا ہے،

مسلمان نہ ہم کو شن حالی کو کہتے ہوئے بات کہکر گنہگار واعظ

(۱۷) واعظ و زہاد عموماً نہایت تندخو، غلیظ القلب اور سخت کلام ہوتے ہین،

ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری آدمی تجھکو سمجھکر پاس آبیٹھے تھے ہم

(۱۸) اسلام نہایت سادہ اور آسان مذہب ہے، لیکن واعظون نے اسکو نہایت پیچیدار بنادیا ہے

دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ ایسے الجھاؤ تیرے کاکل پیچان مین نہین

(۱۹) واعظ کو مجلس وعظ مین اسی وقت جوش آتا ہے جب کچھ ملنے کی توقع ہوتی ہے،

ہے افسردہ مجلس کی خست سے وعظ وہ گرمائیگا یہ بھیجنگے جب کچھ

(۲۰) زاہدون کو جب کچھ نہین ملتا تو پارسا بنجاتے ہین،

رکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم نہین پارسائی ہے یہ نارسائی

(۲۱) واعظین ذرا ذرا سی بات پر لوگون کو دوزخی قرار دیتے ہین،

چھیڑ کر واعظ کو حالی تلد ہے بستر اکیون اپنا ہنکوانے ہین آپ

(۲۲) بہت سے لوگ نیکخو اور پاکباز ہوتے ہین تاہم چونکہ وہ رندون کی سوسائٹی سے اجتناب نہین کرتے، اسلئے واعظ انکو بھی مجرم قرار دیتا ہے، حالانکہ یہ سوءظن ہے جو شریعت مین جائز نہین،

شیخ رندون مین بھی ہین کچھ پاکباز سب کو ملزم تونے ٹہرایا عبث

(۲۳) کبھی کبھی رند بھی عبادت گذاری کی غرض سے مسجد مین آجاتے ہین، اسلئے اگر واعظ ان لوگون کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا برتاؤ کرتا تو ممکن تھا کہ وہ رفتہ رفتہ اس سے بھی زیادہ مذہب کی طرف مائل ہوتے، لیکن وہ بجائے اسکے ان پر لعن طعن کرتا ہے اسلئے وہ گاہ گاہ کا آنا بھی چھوڑ دیتے ہین،

آ نکلتے تھے کبھی مسجد مین ہم   تو نے زاہد ہمکو شرمایا عبث

(۲۴) واعظ و زاہد جس قوم کی اصلاح کرنا چاہتے ہین، اس سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہین حالانکہ اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انکے ساتھ موانست و یگانگی پیدا کیجائے،

خبر بھی ہے تمہین کیا؟ بن رہی ہے بڑے پر   ہین آپ جون سے بڑ بکے ناخدا اے شیخ

وہ دنیون سے الگ رہتے ہین جو ہین تیرا ک   شناوری کا یہی گر ہے مرحبا اے شیخ

گوزن و گور ہین بچپن سے تارک دنیا   نہایت آپکی ہے انکی ابتدا اے شیخ

(۲۵) زاہد کا مذہبی اثر اسکو فکر دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے، اسلئے اسکا یہ زہد و قناعت صرف اسلئے ہے کہ اسکو دنیا کی ضرورت ہی نہین،

جال جبتک ہی یہ پھیلا ہوا دینداری کا   فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

(۲۶) واعظ و زاہد اپنے مذہبی اثر سے جو دنیاوی فائدے اٹھاتے ہین، انکو دیکھکر بہت سے عیار لوگ زاہدون کی وضع و قطع مین دنیا کمانے کے لئے نمایان ہوتے ہین، اسلئے ہوشیار لوگ صرف واعظ کی شکل و صورت ہی دیکھکر بدگمان ہوجاتے ہین،

ہمین اور بھی تجسس کرنے مین بدظن   یہ جبہ، یہ ریش، اور یہ دستار واعظ

(۲۷) واعظ اور زاہد مذہبی حیلون سے اپنے عیوب کو بھی ہنر کی صورت مین نمایان کرتے ہین

عیب یہ ہے کہ کرو عیب، ہنر دکھلاؤ   ورنہ یان عیب تو سب فرد بشر کرتے ہین

(۲۸) زاہد، واعظ، اور انکے معتقد عقل و حکمت سے بالکل ناآشنا ہوتے ہین، اسلئے انکو گفتگو سے نفرت ہوتی ہے،

عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید   جتنی جتنے ہین سب ہم سے حذر کرتے ہین

(۲۹) حکمار کے نزدیک جنت کوئی چیز نہین، صوفیہ اگرچہ جنت کے وجود کو تسلیم کرتے ہین

انکی عبادت کا وہ مقصد نہین، اِسلئے ان لوگون پر جنت کی ترغیبات کا کوئی اثر نہین پڑتا، البتہ عوام چونکہ بچون کی طرح روحانی لذتون کو مادیات کے بغیر نہین سمجھ سکتے، اِسلئے حکمار کے نزدیک شریعت نے آخرت مین جن مادی لذتون کا وعدہ کیا ہے، اسکا مقصد یہ ہے کہ معقولات کو محسوسات کے ذریعہ سے سمجھایا جائے، اس بنا پر واعظ جنت کی توصیف جن طریقون سے کرتا ہے اسکا اثر صرف عوام ہی پر پڑ سکتا ہے،

تمہین بچون کو بہلانا پڑیگا رہے وصفِ جنان کی مشق واعظ

مولانا حالی سے پہلے ہمارے شعرار جو کچھ کہتے تھے وہ صرف قال تہا، حال نہ تہا، خواجہ حافظ خیام اور سعدی نے واعظون کی جو پردہ دری کی تھی وہ بالکل ایک واقعہ تھی، کیونکہ اس زمانہ مین اسلامی سلطنت قائم تھی، اور محکمۂ احتساب اسکا لازمی جزو تہا، اسلامی اثر سے واعظ و زاہد بھی اخلاقی حیثیت سے ہر قسم کی روک ٹوک کر سکتے تھے، لیکن اردو شعرار نے جو کچھ کہا وہ صرف فارسی شعرار کی نقالی تھی، اردو شاعری کے عروج کے وقت ہندوستان مین نہ محکمۂ احتساب قائم تہا، نہ باضابطہ طور پر قوم کی اخلاقی نگرانی کیجا سکتی تھی، اِسلئے ان پر خود اسکا کوئی اثر نہین پڑ سکتا تہا، مولانا حالی بھی اسی زمانہ مین تھے تاہم سرسید کی پارٹی پر ہر طرف سے علما کی جو یورش ہوتی رہتی تھی اس سے [illegible] طور پر متاثر ہوتے تھے، یہی اثر ہے جسکی بنا پر انھون نے وہی فرض ادا کیا جو ان سے بہت پہلے خواجہ حافظ اور خیام ادا کر چکے تھے۔

ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہین

(۵)

گذشتہ اشاعتون مین اسلامی مدارس ہند کی تاریخی تفصیلات گذر چکین یہ نمبر اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے، لیکن ابھی رسالہ ختم نہین ہوا، بلکہ قدیم نصاب عربی، طریقۂ تعلیم تقسیم جماعات، فارسی علوم و فنون اور فارسی نصاب تعلیم وغیرہ کے چند مباحث باقی ہین چونکہ یہ پورا سلسلہ مزید بسط و استدراک کے ساتھ ایک مستقل رسالہ کی صورت مین شائع کیا جائے گا، اسلئے اب معارف مین آئندہ اشاعت کی ضرورت نہین معلوم ہوتی،

اشاعت تعلیم کے دیگر ذرائع

اب تک مین نے جو کچھ لکھا ہے اس کو مخصوص و مشہور مدرسون کی ایک تاریخی فہرست ... چاہئے جس مین مدارس کے نام، بانی، مقامات اور دوسرے جزئی امور کی تشریح و توضیح بر... طور پر آگئی ہے لیکن مسلمان بادشاہون نے ہندوستان مین اشاعت تعلیم کے لئے ... اختیار کئے ان کی نسبت ابھی کچھ لکھنا باقی رہ گیا ہے،

اشاعت تعلیم کی جو صورتین اختیار کی جاسکتی ہین انمین مقدم مدارس کی تاسیس ... یعنی ملک کے ہر چہار جانب مرکزی مقامات مین متعدد مدارس قائم کئے جائین جہان ملک ... ہر گروہ تعلیم حاصل کر سکے اس سلسلہ مین جو کچھ مسلمان بادشاہون نے کارنامے انجام ... کسیقدر تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ہر شخص بیک نظر دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان ...

مرکزی اور مشہور مقامات مین مسلمان سلاطین و امرا نے مدارس و مکاتب قایم کئے جن مین سے اکثر کے باقیماندہ آثار اب تک اپنی گذشتہ عظمت و شوکت کی یاد تازہ کر رہے ہین،

آج اشاعت تعلیم کے جتنے طریقے اختیار کئے جا رہے ہین ان مین بکثرت ابتدائی، ثانوی، متوسط اور اعلے تعلیم کے مدارس و مکاتب کا قیام اور اخراجات تعلیم کی تخفیف و تقلیل موثر طریقے سمجھے جا رہے ہین لیکن عامۃ الناس کا ان طریقون سے مستفید ہونا نیز جو قوت ہے کہ اس زمانہ مین وسائل سفر سہل ہو گئے ہین ہر شخص بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک سمت سے دوسری سمت قلیل مدت مین آجا سکتا ہے بخلاف اسکے قدیم زمانے مین جبکہ وسائل سفر محدود اور قلیل تھے تو اس زمانہ مین ترویج علوم و اشاعت تعلیم عامہ کا کیا ذریعہ اختیار کیا جا سکتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اس بارے مین مسلمان بادشاہون نے جو طریق عمل اختیار کیا وہ بیحد قابل داد ہے اور بے ساختہ انکے حقیقی مساعی جمیلہ و خدمت رفاہ عام کی تحسین و آفرین کرنا پڑتی ہے،

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے مسلمان بادشاہون نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ملک مین جہان جہان علما اور معلمین رہتے تھے انکے لئے خزانہ شاہی سے وظایف مقرر کر دئے، جنکے عوض وہ اپنے مقامات پر فارغ البالی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ و اجرت کے مشغول درس و تدریس رہتے علما و متعلمین کے لئے اوقاف کی مدین عام تھین جنسے انکے مصارف ذاتی و تعلیمی پورے ہوتے تھے علما و معلمین کے ان وظایف کو قدیم تاریخی اصطلاح مین مدد معاش کہتے تھے، اس طریقہ کے سبب تعلیم مفت اور عام نیز اس زمانہ کی حالت کے لحاظ سے بہت سہل الحصول ہوگئی تھی،

اس مدد معاش کی رقم مین ہندو و مسلمان کی کچھ تفریق نہ تھی بلکہ دونون قومون کے مذہبی اشخاص کی رقمین مقرر ہوتی تھین، قدیم زمانے مین مسلمانون کے عالم مذہبی رہنما اور تعلیمی اشخاص تھے اور ہندون مین پنڈت، یا گوسائین، انکے مذہبی رہنما اور معلم یا گرو ہوتے تھے، اس لئے

اس سلسلہ مین جتنے وظایف تھے وہ مذہبی خدام، معلمین اور گروؤن کی اعانت اور عوام الناس کی تعلیمی و مذہبی کفالت کی حیثیت رکھتے تھے، آج تک اس مدد معاش کے فرامین ہندو مسلمانون کے اکثر خاندانون مین موجود ہین، انکا جمع و استقصا اس موقع پر ممکن نہین، البتہ ہندوستان کے تاریخ نویس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس قسم کے تمام منتشر مواد تاریخی کو جمع کرے، تاکہ گذشتہ ہندوستان کی مکمل و جامع تاریخ مرتب ہوسکے،

شخصی تعلیم

اسکے بعد اب مین چند علما کی فہرست بحوالہ تاریخ پیش کرنا چاہتا ہون جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کے لئے جو کوششین کین ان مین حکومت اور اشخاص دونو کا حصہ ہے،

حکومت نے جتنی تعلیم گاہین قائم کین ان مین سے ایک معقول تعداد کی تفصیل جن کا پتہ مین کتب تاریخ سے چلا سکا اوپر گذر چکی تعلیم و مذہبی خدمات کے سلسلہ مین معلمین و خدام مذاہب کے لئے جو رقم اعانت حکومت کی طرف سے ملتی تھی اجمالی طور پر اسکا حال بھی تم کو معلوم ہوچکا،

اب علما کی ایک مختصر سی حسب ذیل فہرست پر نظر ڈالو جو اپنے اپنے مقام پر علوم و فنون کی ترقی افراد قوم کی تعلیم و تہذیب پر اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ صرف کر گئے انمین کچھ تو ایسے علما ہین جنکو حکومت تعلیمی وظایف دیتی تھی لیکن اکثر وہ لوگ ہین جن کو کسی اعانت کی ضرورت نہ تھی ہر طرح فارغ البال تھے اور کار خیر و حب خدمتِ قوم کی بنا پر اپنی زندگی کا معقول حصہ عام لوگون کی تعلیم و فیض رسانی پر صرف کرتے تھے،

جن علما کی فہرست پیش کی جارہی ہے ان مین زیادہ تر معاصر اساتذہ وقت ہین یعنی

ان مین سے قریب قریب اکثر کا زمانہ متحد ہے اسلئے گویا یہ فہرست ایک ہی عہد کے علما کی ہے اب غور کرنا چاہئے کہ ایک عہد جب اتنے علما اس خدمت کو انجام دیتے تھے تو اس قیاس پر ابتدائے عہد اسلامی سے آخر تک کتنی مقدس ہستیاں تھین جنھون نے اپنی زندگی ہندوستان کی علمی ترقیون کی نذر کر دی ہوگی،

ایک کو چھوڑکر یہ تمام تفصیل صرف تاریخ بدایونی سے، خوذ ہے جس مین زیادہ تر عہد اکبری یا اسکے ماضی قریب کے علما کا تذکرہ ہے اب غور کرو جب اکبر جیسے بادشاہ کے عہد مین جو درحقیقت تعلیمی دور نہ تھا مدرسین کی اتنی بڑی جمعیت موجود تھی تو ان بادشاہون کے عہد حکومت کا کیا کہنا جن کا عہد درحقیقت ایک تعلیمی و علمی عہد تھا بدایونی لکھتا ہے،

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل ۔ از ارشد تلامذہ شیخ اسحاق کاکو ست در عین بخارس درس میگفت تصانیف بسیار مفید و عالی نوشتہ از انجملہ شرحے بر جواہر القرآن امام غزالی نوشت،

شیخ عبداللہ بدایونی ۔ نعمت علم از اکثر مقتدایان روزگار خویش یافت خصوصاً از میان شیخ لادن دہلوی و میر سید جلال بدایونی کہ بعد از وفات مرحوم قایم مقام او شدہ سالہا در بدایون درس و افادہ فرمود۔

میان حاتم سنبھلی ۔ شاگرد میان عزیز اللہ طلنبی در بیرو قرن مثل او من حیث الجامعیۃ عالمے جامع المنقول والمعقول نگذشتہ خصوصاً در کلام و اصول و فقہ و عربیت میگفتند کہ قریب بچہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بار بسم اللہ تا تمت درس گفتہ،

میان جمال خان مفتی دہلی ۔ در علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ و کلام و عربیت، و تفسیر بے نظیر بود بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ و عضدی را کہ کتاب منتہیانہ است میگویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ و ہمیشہ درس گفتے و افادہ علوم دینی فرمودے،

شیخ جلال الدین تھانیسری۔ خلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بیا مع علوم ظاہری و باطنی بود بافاضہ علوم دینیہ و نشر معارف یقینیہ اشتغال داشت،

شیخ عزیز اللہ در علوم ظاہری ہم کامل و مکمل بود و تفسیر مدارک و عوارف و فصوص الحکم و شروحش را بتلامذہ درس گفتے،

شیخ بہکن کاکوری سالہا بدرس و افادہ خلایق اشتغال داشت حافظ کلام مجید بہ ہفت قرات بود و شاطبی را درس می گفت،

شیخ الہدیہ خیر آبادی۔ از علماے متبحر بود در ابتداے احوال سالہا مدرس وافادہ گذرانیدہ و آنقدر مشغولی بہ علوم ظاہری نمود کہ بسیار دانشمندان صاحب کمال ازو ورثہ ماندہ

شیخ عبدالغفور اعظم پوری (سنبھلی) در اکثر اوقات خویش درس علوم دین فرمودی،

میان وجیہ الدین احمد آبادی۔ دائم بدرس علوم دینی اشتغال داشت و قدرت بر جمیع علوم عقلی و نقلی بمرتبہ بود کہ کم کتاب درس از صرف ہوائی تا قانون شفا و شرح مفتاح و عضدی باشد کہ او را درس نگفتہ،

شیخ اسحاق کاکو لاہوری۔ او استاد اکثر علماے مشہور لاہور است مثل شیخ سعد اللہ و شیخ منور و غیر الشان در زمان جوانی بیشتر مایل در اغب بشکار بود چنانچہ ہرگاہ از درس فارغ می شد باز و جرہ و امثال آن را گرفتہ بصید میرفت،

مصنف مآثر عالمگیری وقایع ۱۰۹۰ھ کے سلسلہ مین لکھتا ہے

ملا ابوالقاسم بشرط تدریس روضہ والدہ شاہ عالی جاہ یکروپیہ لومیہ داشت،

تاریخ فرشتہ ذکر شاہ حسین ثانی بادشاہ ملتان مین لکھتا ہے کہ ایک اندرونی فتنہ و بغاوت کے موقع پر مولینا سعد اللہ لاہوری اپنے گھر کی حالت بیان کرتے ہین،

بودن حصار مسخر لشکر اغونیه شد جمعی بخانهٔ من در آمدند او لاً پدرم را که مولینا ابراہیم جامع نام داشت بشصت و پنج سال بر مسند افادہ قرار گرفته اقسام علوم درس گفته بود در آخر عمر پارساشده و بود بہ تیغ بردند و از صفائے منازل و نزاہت عمارات گمانی زرداری برده شروع در اہانت کردند، (ج دوم صفحہ ۴۳۱)

شیخ نظام الدین قدس سرہ العزیز کے حالات مین فرشتہ لکھتا ہے،

غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین خواجہ شمس الدین خوارزمی استاد شیخ رحمۃ اللہ علیہ دہلی آئے بادشاہ نے شمس الملک کا خطاب دیا اور آخر مین منصب وزارت سے بھی سرفراز کیا،

اسکے بعد لکھتا ہے،

وقبل از آنکہ وزیر شود بدرس اشتغال داشت پس شیخ او را دیدہ در سلک تلامذہ اش منتظم گشت و او حجرۂ می داشت کہ خاصہ برائے مطالعہ اش بود و شاگردان صاحب استعداد سہ کس بودند کہ در آن حجرہ درس میخواندند و باقی شاگردان را در صفہ درس می گفت، (ج دوم ص ۳۹۱)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانون نے سرکاری وغیر کاری طریقہ پر ہندوستان کی علمی وتعلیمی ترقی کے لئے کیسی زبردست کوششین کی ہین،

ہندوستان مین اطراف وجوانب سے علما کی آمد اور اشاعت تعلیم

اسلامی فتوحات کا سیلاب جب ہندوستان کی طرف بڑھا تو اس لشکر کے پیچھے پیچھے ارباب علم وفن کا جم غفیر بھی اس ملک مین داخل ہوا جسنے یہان کی زمین کو آسمان تک پہنچا دیا، دہلی جب فتح ہوئی تو ایک طرف دربار حکومت سجایا گیا اور دوسری طرف بزم علم وفن منعقد کیگئی

مسلمان بادشاہون کی علم پرستی و قدر دانی کے باعث اطراف و اکناف عالم کے علما سمٹ کر دہلی مین اقامت گزین ہوے،

غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت مین شمس الدین خوارزمی، برہان الدین بلخی، نجم الدین دمشقی، شمس الدین قوشجی، کمال الدین زاہد، اور برہان الدین بزاز جیسے بیسیون ارباب فضل جمع تھے، جنکے وجود سے دہلی رشک شیراز و بغداد ہو رہی تھی،

محمد شاہ تغلق کے عہد مین قاضی عبد المقتدر، شیخ احمد تھانیسری، معین الدین عمرانی اور مولانا خواجگی جیسے اہل فن موجود تھے،

علاء الدین خلجی کے عہد حکومت مین خاص دار السلطنت دہلی کے متعلق ضیا برنی اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی مین لکھتا ہے،

"چہل وشش علماے نحول دب نظیر در دار السلطنت دہلی بودند"

ان علماے کرام مین سے چند ممتاز ترین و سربرآوردہ اصحاب کے اسماے گرامی حسب ذیل ہین،

مولانا فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سربائی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، مولانا ظہیر الدین لنگ، مولانا علاء الدین صدر الشریعہ، مولانا نظام الدین کلاہی، مولانا کریم الدین جوہری وغیرہم،

سلطان سکندر لودی کے عہد حکومت مین دو بڑے عالم جو معقولات کا سرچشمہ تھے، ملتان سے دہلی و سنبل تشریف لائے، جنھون نے منطق و علم کلام کو اس دیار مین بہت زیادہ ترقی دی، بدایونی لکھتا ہے،

"واز جملہ علماے کبار عہد سکندری شیخ عبد اللہ طلنبی در دہلی و مولانا عزیز اللہ در سنبل بودند، واین ہر دو عزیزان در ہنگام خرابی ملتان بہ ہندوستان آمدہ علم معقول را درین دیار رواج دادند، وقبل ازین بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نہ بود"

شیخ عبد اللہ کی درسگاہ مین خود سلطان سکندر شریک ہوتا تھا اور اس خیال سے کہ اس سے

جانے سے درس کا سلسلہ رک نہ جائے، وہ چھپکر مدرسہ سے متصل گوشہ مسجد میں بیٹھ جاتا تھا، جہان سے وہ مولانا کی پوری تقریر سنتا تھا اور فیض اٹھاتا تھا،

اکبر کے زمانہ میں شاہ فتح اللہ شیرازی آئے جنھون نے عضد الملک کا خطاب پایا، عضد الملک عالم جید اور علم پرست شخص تھا، اسی زمانہ میں حکیم شمس الدین اور اُنکے بھانجے حکیم علی گیلانی نے فن طب کو بہت فروغ دیا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی اسی عہد میں فن حدیث کی ترویج واشاعت کے لئے کوشان تھے،

شاہجہان وعالمگیر کے عہد میں میرزا ہد اُٹھے اور اُنکی تلامذہ موشگافیوں نے پایۂ علم دفن کو بلند تر کیا، اسی بزرگ کے سلسلہ میں قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان بھی ہے جسمین شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، مولوی عبد الحی، شاہ محمد اسمعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین، مفتی صدر الدین خان وغیرہ جیسے مشہور مدرسین وعلما تھے۔

گجرات میں شیخ طاہر فتنی صاحب مجمع البحار، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملا نور الدین وغیرہ نے علوم وفنون کو ترقی دی، قاضی ضیاء الدین باشندہ نیوتنی نے گجرات پہنچکر شیخ وجیہ الدین کے فیض برکت سے فائدہ اٹھایا، ان سے شیخ جمال اور ان سے ملا لطف اللہ نے تعلیم حاصل کی، انکے تلامذہ میں ملا جیون صاحب نور الانوار، ملا علی اصغر، ملا محمد زمان، قاضی علیم اللہ بہت مشہور ہوئے، اور ان میں سے ہر شخص صاحب سلسلۂ درس گذرا،

لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے، لیکن کچھ دنون کے لئے دہلی کے مقابلہ میں اسکا چراغ ٹمٹماتا رہا، آخر میں اسکو پھر ایک مرتبہ فروغ حاصل ہوا، جسکا سبب کمال الدین کشمیری، جمال الدین تلمذ مفتی عبد السلام اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی جیسے نامور علماء کی ذات ہے، ان بزرگون کے فیض سے ہزارون تشنگان علم سیراب ہوئے،

جونپور میں سلاطین شرقیہ کی علم پرستی کے باعث شیخ ابو الفتح شہاب الدین دولت آبادی،

محمد افضل استاذالملک، مولانا اللہ داد، ملا محمود صاحب شمس بازغہ، مفتی عبدالباقی، اور دیوان عبدالرشید جیسے صاحب فضل وکمال پیدا ہوئے جنکا سلسلۂ فیض تمام ہندوستان میں پھیلا۔

الہ آباد میں شیخ محب اللہ قاضی آصف، شیخ افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زایر، مولوی برکت اللہ، اور مولوی بہار اللہ جیسے فخر روزگار فضلا نے بزم درس وتدریس گرم رکھی، جس سے وہان تقریباً ایک صدی تک اچھی علمی رونق رہی،

لکھنؤ مین سب سے پہلے شیخ اعظم جونپور سے فیضیاب ہوکر آئے، اُنکے بعد شاہ پیر محمد نے مسند افادہ بچھایا، انکے شاگرد ملا غلام نقشبند نے سلسلۂ تعلیم کو بڑی وسعت دی،

ٹھیک اسی زمانہ مین شیخ قطب الدین کا جو مولانا عبدالسلام دیوی اور محب اللہ آبادی کے سلسلۂ تلامذہ مین ایک باکمال استاد تھے شہرہ ہوا، انکے فخر خاندان فرزند ملا نظام الدین نے علم و فن کے دریا بہا دیئے، انکی بدولت لکھنؤ کو تعلیمی مرکزیت حاصل ہوگئی، جو نصاب درس انھون نے مرتب کیا اُسکو سارے ہندوستان نے قبول کیا، اس سلسلہ مین ملا حسن، بحرالعلوم، ملا مبین، مولوی ولی اللہ، مفتی ظہور اللہ، مولوی نعیم اللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم مرحوم جیسے باکمال اساتذۂ عصر پیدا ہوئے،

اس خاندان کے تلامذہ مین قطب الدین گوپاموی، امان اللہ بنارسی، قطب الدین شمس آبادی، محب اللہ بہاری، مولوی حمداللہ، مولوی فضل امام اور مولوی فضل حق وغیرہ نے ہندوستان کے مختلف گوشون مین علوم وفنون کی ترقی کے لئے بڑی کوششین کین، اور آج تک اُنکے گذشتہ مساعی کے جو کچھ نتائج باقی ہین اُنسے ہر شخص اُنکی عظمت کا تصور کرسکتا ہے،

ابوالحسنات ندوی

ہندوستان

کا

علمی فضل وکمال مسلمانون کی تاریخ مین

(از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین)

ہندوستان فلسفہ کا نہایت قدیم وطن ہے اور اسمین علوم وفنون نے بہت فروغ پایا ہے لیکن چونکہ وہ عرب سے بہت دور تھا، اسلئے مسلمانون کو اسکی نسبت بہت کم واقفیت حاصل ہوئی چنانچہ علماے اسلام اس امر کا نہایت صفائی سے اعتراف کرتے ہین[1]۔

قال ابن عدی ان الهند لهم علوم جليلة من علوم الفلسفة وانه وقع اليه ان العلم من ثم وصل الى اليونانيين،

ابن عدی نے کہا ہے کہ ہندوؤن کے پاس علوم فلسفہ کا بڑا ذخیرہ ہے، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ یونان مین وہین سے علم گیا تھا،

ابو معشر نے کتاب الالوف مین لکھا ہے،

فقد اعترفت لها بالحكمة واقر بالتبريز فى فنون المعرفة كل الملل السالفة،

ہندوستان کی حکمت اور سبقت الی العلم کا دنیا کی تمام قدیم قومون نے اعتراف کیا ہے،

اخبار الحکما مین ہے،

فكان الهند عند جميع الامم على مر الدهور معدن الحكمة وينبوع العدل والسياسة. ولبعد الهند من بلادنا قلت تآليفهم عندنا فلم يصل الينا الا الطرف

تمام قومون مین ہندوستان، حکمت کا معدن اور عدل وسیاست کا سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا اور ہمارے ملک سے دور ہونے کی بنا پر ہندوستان کی تالیفات

[1] ابن ابی اصیبعہ صفحہ ۹ جلد ۱،

من علومهم ولا سمعنا الا بالقليل من علمائهم (صفحہ ۵، ۱)..... ہم تک بہت کم پہنچین سلئے یہ جو کچھ ہے انکے علم کا ایک حصہ ہے

لیکن جن لوگون نے ہندوستان کی علم ودانش کی تحقیق کی، اور زیادہ کاوش سے کام لیا انھون نے اس راے مین کسیقدر ترمیم کی ہے، چنانچہ علامہ ابوالفضل آئین اکبری مین تحریر فرماتے ہین،[1]

بر پایہ اعلی وعملی دانا صا فراوان لیکن بر نمطے کہ حکمتِ یونان پیشتر از زمان علم اول بوده، — یعنی ان فرقون کے علوم اعمال، اور نام بہت سے ہین، لیکن بعینہ اسطرح جسطرح حکمتِ یونان ارسطو سے پہلے تھی،

لیکن اس بے ترتیبی اور پراگندگی کے باوجود وہ ہندی حکما، کی موشگافیون کا بھی اقرار کرتے ہین اور ایک جگہ لکھتے ہین،

"در بحث قیاس وگذارش ہیئت بسا سخنان باریک گفتہ اند" (آئین اکبری صفحہ ۸۹)

بہرحال اہل ہند کے فلسفہ مین جو مذاہب ہین وہ حسب ذیل ہین،

الٰہیات الٰہیات مین یہان ۹ اسکول ہین جنکو علامی ابوالفضل نے نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ہم اسی کا اقتباس کرتے ہین،

گوتم کے متبعین خدا کو شرک، جسم، اور دوسرے نقائص سے پاک سمجھتے ہین، لیکن اسکے مظہر کے قائل ہین، خدا کو ازلی، ابدی، اور قادرِ مطلق مانتے ہین، اور اسکی آٹھ (عارضی) صفات قرار دیتے ہین، گیان[1] (دانش) اچھا[2] (خواہش) پرتن[3] (تدبیر و ترتیب) سنکھیا[4] (مراتب اعداد) پرمان[5] (مقدار) پرتھکتو[6] (تشخیص وتمیز) سنجوگ (پیوستن) ببھاگ (جدا شدن) ان مین سے آخری چھ صفات کو قدیم مانتے ہین، اجزاء عالم مین بعض کو قدیم اور بعض کو حادث سمجھتے ہین، عالم کی ابتدا نہین لیکن انتہا مانتے ہین، دوزخ اور جنت کے قائل ہین، لیکن ان مین انسان کا خلود نہین مانتے، بلکہ تناسخ کے رو سے سزا پانے کے بعد آدمی جہنم سے نکل آتا ہے،

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۸۴ جلد ۳ -

جین کے معتقدین خدا کو خالق نہین سمجھتے، بلکہ اعمال کو سمجھتے ہین، یعنی آدمی کے جیسے اعمال ہونگے ویسا ہی اسکو جسم عطا ہوگا، پرمان (مقدار) کو خدا کی صفت نہین قرار دیتے، برہما، وشنو اور مہادیو کو خدا کا مظہر نہین مانتے، بلکہ یہ کہتے ہین کہ انسان نیک اعمال سے ان درجون کو حاصل کر سکتا ہے، آدمی کو مختار مانتے ہین، عالم کو قدیم کہتے ہین، یعنی نہ اسکا آغاز ہے نہ انجام، اجسام اجزا صغار سے بنے ہین، جوہر فرد ست نہین ہے، •

بیاس کے پیرو عالم مین صرف خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہین، دنیا و مافیہا، جنت و دوزخ اور ثواب و عقاب کو صرف ہست نما نیست مانتے ہین، انکے نزدیک عالم کوئی چیز نہین، جس طرح انسان خواب میں شادی و غم کے ہزارون مناظر دیکھتا ہے، اسی طرح اس عالم کی بیداری بھی ہے، وہ وجود، علم اور راحت کو خدا کی عین ذات قرار دیتے ہین، برہما کو خالق، وشنو کو پروردگار اور مہادیو کو فنا کرنے والا سمجھتے ہین، اور عالم کو فانی مانتے ہین،

کپل کے مقلدین خدا اور دانش کو ایک مانتے ہین، عالم اور نفس ناطقہ کو قدیم سمجھتے ہین، اور موت کو لازمۂ ہستی نہین سمجھتے،

پتنجل کے مریدین وجود اور دانش کو خدا کی عین ذات سمجھتے ہین،

جن کے معتقدین خدا کو خالق نہین کہتے بلکہ حسب ذیل پانچ چیزون کو کہتے ہین: نیت (ابروے علت) کال (زمان خاص) سبھاؤ (خاصیت علت) آتما (نفس ناطقہ) پورب کرت (نتیجہ خوب کرداری و تباہ کاری پیشین پیدائش) اجسام کو اجزاء لایتجزیٰ سے مرکب مانتے ہین، عالم کو باعتبار اجزاء کے قدیم اور بلحاظ صورت کے حادث کہتے ہین، اوتار کا عقیدہ رکھتے ہین، لیکن اسطرح کہ آدمی نیک اعمال کرکے ویسا ہو سکتا ہے،

بدھ کی امت خدا کو مجسم اور خالق نہین مانتی، دنیا کو قدیم مانتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ سارا عالم

ایک وقت مین ہست اور دوسرے وقت مین نیست ہوتا رہتا ہے، نیک و بد کی جزا و سزا کے لئے جنت و دوزخ کی قائل ہے، دانش کو نفس ناطقہ کا عرض مانتی ہے، دوسری جماعت وجود و عدم پر یقین نہین رکھتی، تیسری جماعت صرف دانش کا وجود تسلیم کرتی ہے، اور تمام عالم کو اسکی نیرنگی بتاتی ہے،

ناستک عناصر اربعہ کے باہر وجود نہین مانتے، خدا اور مجردات کا انکار کرتے ہین، آزادی کا نام بہشت اور محکومیت کا نام دوزخ رکھتے ہین،

حکیم کناد کے مقلدین گوتم سے بعض باتون مین اختلاف رکھتے ہین،

ہندوؤن کی بڑی جماعت خدا کو خالق مانتی ہے، بعض کال (زمان خاص) کو خالق کہتے ہین، اور بعض سبھاؤ (خاصیت علت) اور پورب کرت (نتیجہ خوب کرداری و تباہ کاری پیشین پیدائش) کو ہنوت کے سرے سے منکر ہین، اسکے بجاے اوتار مانتے ہین، لیکن انکی تعداد مین اختلاف کرتے ہین، اکثر فرقے ۱۰، اور بعض ۲۴ اوتار مانتے ہین، تناسخ کے تقریباً سب قائل ہین[1]۔

صابئہ ہنود عالم کو ازلی اور ایک علۃ العلل کا معلول سمجھتے ہین، کواکب کو عالم سفلی مین موثر مانتے ہین اور ان پر قربانی چڑہاتے ہین[2]،

قدماء ہنود بہت سے دیوتا مانتے تھے جو حسب ذیل ہین، اگنی (یعنی آگ کا دیوتا) اندرا، (آسمان کا دیوتا) یاما (جنت کا بادشاہ اور مُردون کا جج) یرونا (فلک اعظم) سوریا (آفتاب درخشان) وایو (ہوا) رودرا (سیاہ گرجنے والا بادل) اُشاز (گلابی صبح)

طبیعیات بدھ کے نزدیک عناصر اربعہ کے اجزاء لایتجزیٰ ہین، اور وہ حس ابصر سے معلوم ہوتے ہین، دانش اور اشیاء کا وجود ہے، اور اشیاء حواس سے محسوس ہوتی ہین، دوسرے گروہ کے نزدیک اشیاء قیاس سے دریافت ہوتی ہین، ناستک کا مذہب ہے کہ علم حواس خمسہ کے باہر نہین، گوتم کے نزدیک

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۸۴ تا ۹۳ جلد ۳ [2] طبقات الامم صفحہ ۱۸،

عناصر چار ہین یکن ہوا سب کے اوپر ہے، (یہ اخیر نکتہ یونانیون کے خلاف ہے) کپل کے ہان عنصری مخلوقات کی چھ قسمین ہین، جینیون کے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ زمین کے نیچے سات طبقے ہین[۱] آریہ بہٹ کہتا ہے کہ زمین کی ایک محوری حرکت روزمرّہ ہوتی ہے[۲]،

فلکیات | ویدک زمانہ کے آرین ہندو اگرچہ تاریخ کے بہت ابتدائی زمانہ مین گذرے ہین تاہم علم الفلک کے متعلق اسکے بعض عقاید کتابون مین منقول ہین، وہ بادل کی گرج کو اندرا (آسمان کے دیوتا) کی آواز، اور بجلی کی چمک کو اندرا کا برچھا سمجھتے تھے، اُن کا خیال تھا کہ پانی اسوقت برستا ہے جب اندرا اپنا برچھا سیاہ بادلون مین پیوست کر دیتا ہے، لیکن بعد مین جب تہذیب و تمدن کا دور آیا تو یہ مہمل خیالات خود بخود معدوم ہو گئے،

علم الفلک اور نجوم کی تحقیقات کے لئے یہان بہت سے رصدخانے قائم تھے، جنکے خیالات قدیم دنیا مین وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، چنانچہ ان لوگون کے اس باب مین جو مذاہب تھے ان مین سے تین مذہب ہمکو معلوم ہین،

۱ - برہمپت سدہانت: حکیم برہمگپت کا مذہب ہے، اور کلپ پر مبنی ہے، انکا خیال ہے کہ تمام سیارے اپنے اوجات اور جوزہرات کے ساتھ ایک ہی جگہ پر برج حمل کے پہلے حصہ مین پیدا ہوئے تھے لیکن جب ان مین حرکت پیدا ہوئی تو جدا ہو گئے، لیکن لاکھون اور کرورون برس کی گردش کے بعد وہ سب پھر اپنے مرکز پر جمع ہو جائیں گے، اور اسوقت اس عالم کا نظام درہم برہم ہو جائیگا اس نظام کے آغاز و انجام کے درمیانی حصہ کا نام کلپ ہے، جسکا زمانہ ۴ ارب ۳۲ کرور سال ہے چونکہ اس مذہب کے نام کا ایک جز سدہانت ہے اسلئے عرب اسکو سند ہند کہتے ہین۔

۲ - آریہ بہٹ: اس مذہب نے حساب مذکور کو آسانی کے لئے چند ٹکڑون مین تقسیم کر لیا ہے

---

[۱] آئین اکبری صفحہ ۱۵ تا ۹۸ جلد ۳، [۲] تمدن ہند صفحہ ۳۹۶،

چنانچہ اسمین ۴ ارب ۳۲ کروڑ کے ہزار وین حصہ کو اصل حساب قرار دیا گیا ہے، اس حصہ کا نام مہایگ یا یگ ہے، عرب اس مذہب کو ارجبہر یا ازجبر کہتے ہین،

۳ - کہنڈکہدیک: ایک چھوٹی زیج ہے جسکو حکیم برہمگپت نے سدہانت کے بعد تیار کیا ہے علامہ ابوریحان بیرونی اسکے متعلق لکھتے ہین[۱]،

وصنعه برهمگوپت بعد تالیف السندهند علی اصول مختلفة عن اصول هذا الکتاب	یعنی اس مین سدہانت سے علٰحدہ اصول قائم کئے گئے ہین،

اسکو عرب ارکند کہتے ہین،

منازل قمر کے متعین کرنے کے ہندوستان مین دو طریقے تھے جسکو یہ لوگ نکشتر کہتے ہین (نکشتر کے اصلی معنی ستارہ کے ہین) پرانا طریقہ جو حضرت مسیح سے ہزار سال قبل رائج تھا یہ ہے کہ فلک بروج کے جنوبی اور شمالی جانب جو ۲۷ - ۲۸ ستارون کا جھنڈ ہے، انکے اختلاف بعد سے یہ لوگ منازل قمر متعین کرتے تھے، دوسرا طریقہ حضرت مسیح سے کچھ پہلے کا ہے، جب یونانی علوم وفنون ہندوستان پہنچے تو ان لوگون نے فلک بروج کو مساوی طور پر ۲۷ منازل مین تقسیم کیا، اور ان سے وہی کام لیا جو ۱۲ برجون سے لیتے تھے، اب یہ لوگ آفتاب، ماہتاب اور سیارون کے منازل اسی طریقہ سے متعین کرتے تھے،

ان لوگون نے حساب کا ایک خاص طریقہ ایجاد کیا تھا، جسکے ذریعہ سے ابتدا ءکلپ سے لیکر زمانۂ ماضی یا کسی خاص وقت تک کی تاریخ کا پتہ لگا لیتے تھے، اور قمری مہینون کو شمسی بنا دیتے تھے، یہ اہرگن کا مذہب کہلاتا ہے،

برہمگپت نے ایک سال کا حساب لگایا تو اسمین ۳۶۵ دن، ۶ گھنٹے ۱۲ منٹ اور ۹ سکنڈ[۲]

---

[۱] کتاب تحقیق ماللہند صفحہ ۲۰۶، [۲] ایضاً صفحہ ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۸۵ و ۲۲۲، والآثار الباقیة للبیرونی صفحہ ۵۱،

آج ہنسن (Hansen) وغیرہ کی راے کے مطابق، سال مین ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے، ۹ منٹ، ۹ سکنڈ، اور ۳۴/۱۰۰ اسکنڈ ہوتے ہین جو فارسیون کے ۳۶۵ دن شمسی کے مطابق ہے،

عربون نے ان حسابات سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا، اور حساب کے متعدد طریقے ایسے معلوم کئے جنکا یونانیون کو مطلق علم نہ تھا، چنانچہ پروفیسر السینو کرلو نلّینو نے جو اٹلی کی بلرم یونیورسٹی مین علم افلاک کے عالم خصوصی سمجھے جاتے ہین، اپنے ایک خطبہ مین لکھا ہے کہ[1]

ان العرب اخذوا ایضاً عن الهند طرقا مهمة كثيرة النفع مجهولة لليونانيين في حل جملة من المسائل الفلكية المتعلقة بعلم حسابات المثلثات الكرية

عربون نے ہندوستان سے چند ایسے ضروری اور کار آمد طریقے معلوم کئے جو یونانیون سے پوشیدہ تھے انکی بدولت عربون کو علم الفلک کے ان مسائل کے حل مین جو مثلثات کرویہ کے حساب سے متعلق تھے بہت آسانی ہوئی

ستارون کی بلندی کی نسبت یہان کے حکما رکا ایک خاص مذہب ہے، جو آفتاب کو ستارون سے اور چاند کو آفتاب سے اُوپر مانتا ہے[2]،

ان مذاہب کے علاوہ ممکن ہے کہ کچھ اور بھی مذہب ہون، لیکن اولاً تو ہمکو انکا علم نہین ہے، دوسرے یہ کہ موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان نے علم ہیئت مین چندان ترقی نہین کی تھی، چنانچہ ڈاکٹر لیبان نے تمدن ہند مین لکھا ہے[3]،

"کسی زمانہ مین خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوون کا علم ہیئت بہت کچھ کامل اور قدیم ہے، لیکن اب یہ خیالات قائم نہین رہے"

دوسری جگہ لکھتا ہے،

ہندوستان کے علوم کی یہ حالت نہین ہے، برخلاف اسکے اِنکے علوم کے متعلق جو قدیم

---

[1] علم الفلک صفحہ ۱۰۰، [2] آئین اکبری صفحہ ۸، جلد ۳ [3] تمدن ہند صفحہ ۳۹۶،

رائے میں اسمین بہت کچھ ترمیم ہوگئی ہے اور ہمین معلوم ہوگیا ہے کہ اُنکے علمی خیالات ان اقوام سے لئے گئے ہین جنکے ساتھ انکو تعلق پیدا ہوا"

علوم وفنون اگرچہ ہندوستان مین بہت سے علوم موجود تھے اور اُن پر مستقل تصنیفات لکھی گئی ہیں مثلاً کرم بپاک، آگم، شگن، سامدرک، اندرجال، رس بدیا، رتن پریچھا، کام ساستر، ساہتی وغیرہ[1] تاہم اسکو حساب، ناٹک، موسیقی اور نجوم مین جو شہرت حاصل ہے وہ اور چیزون مین نہین،

علم الحساب مین عدد یا غبار کا حساب (ایک سے ۹ تک کی گنتی) جسکو محمد بن موسیٰ خوارزمی نے نہایت پھیلا کے لکھا ہے، یہین کی ایجاد ہے، یہ حساب نہایت آسان ہے، اور اس سے ہندوؤن کی دقت آفرینی کا پتہ چلتا ہے[2]، ایک اور حساب جسکا نام کیل کیولس ہے، اسکے چند اصول بھاسکر چاریہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہین[3]،

ہندو ناٹک یونانی ناٹک سے بالکل علحدہ اور یورپ کے ناٹک سے افضل ہے، کیونکہ اس سے جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ یورپ کے ناٹکون سے نہین حاصل ہوتا، اس فن مین اگرچہ بہت سی تصنیفات لکھی گئی ہین، تاہم کالیداس کی شکنتلا سب سے افضل مانی جاتی ہے،

موسیقی مین ہندوستان کو خاص شہرت حاصل ہے، واضعین فن نے اسمین سات مقامات رکھے مین، جن سے سات سُر نکلتے ہین، یہ سُر مختلف جانورون کی آواز سے ماخوذ ہین، مثلاً سرج طاؤس سے، رکھب پپیہے سے، گاندہار بکرے سے، مدہم کلنگ سے، پنچم کویل سے، دھیوت مینڈک سے، نکھاد ہاتھی سے، موسیقی مین کل ۶ راگ ہین اور ہر راگ سے چھ چھ راگنیان نکلتی ہین، اس بنا پر کل ۳۶ راگنیان ہوئین، ان مین سے دوسرا راگ جو بھیکا ادھیائے کے نام سے مشہور ہے، مہادیوجی اور پاربتی کا ایجاد کردہ ہے،

نجوم کا بیان اوپر گذر چکا، اسمین سب سے بڑا عالم گنگہ مانا جاتا ہے[4]،

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ جلد ۳ [2] اخبار الحکما صفحہ ۱۷۵، [3] تمدن ہند صفحہ ۳۹۶، [4] طبقات الامم صفحہ ۲۲،

مسئلہ زر

(۲)

از جناب مقبول احمد صاحب ایس سندیلہ

(۵) **شناخت پذیری**- جو چیز بطور زر استعمال ہوتی ہو وہ اپنی خصوصیات کیوجہ سے آسانی کے ساتھ پہچانی جا سکے ورنہ اسکا اندیشہ رہیگا کہ لوگ چالاکی سے دوسری چیز بدلکر دین، سونا چاندی اپنے رنگ، آواز اور وزن کیوجہ سے بہت جلد پہچانی جا سکتی ہے۔

(۶) **جسامت قلیل قیمت کثیر ہو**، یہ صفت موجودہ طرز مبادلہ کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ جیسی جسامت قلیل اور قدر کثیر ہوگی زر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے مین آسانی ہوگی یہی وجہ ہے کہ قیمت زر ایک ہی وقت دنیا مین یکسان رہتی ہے، اس خاص وصف مین سونے کو چاندی پر فوقیت ہے، جو شے زر کے واسطے جس ملک مین منتخب ہوتی ہے وہ ضرورت وقت و ترقی اقتصادی کے مطابق ہوتی ہے، چین جہاں کا کاروبار چھوٹے پیمانہ پر ہے آلۂ مبادلہ تانبا ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ جسکا کاروبار بڑا ہے، آمدنیان زیادہ، معیار معاشرت بلند ہے آلۂ مبادلہ سونا ہے، اگر تانبا ہوتا تو جسامت بہت ہوجاتی اور مبادلہ مین دقت پیش آتی،

(۷) **مسکوک ہونیکی موزونیت ہو**، سب دہاتون مین چاندی اور سونا آسانی سے مسکوک ہو سکتا ہے یعنی پگہل سکتا ہے اور ٹھپہ لگ سکتا ہے، اور بہت کم صرف مین سکونکی تفریق ہو سکتی ہے،

یہ ظاہر ہوگیا کہ چاندی اور سونے مین قیمت[۱] ذاتی، ثبات[۲] قدر، یک جنسی[۳] و سہام پذیری لازوالی[۴]، شناخت[۵] پذیری، جسامت قلیل[۶] قیمت کثیر، مسکوک ہونیکی[۷] موزونیت کے اوصاف بمقابلہ اور دہاتون کے زیادہ ہین، اسلئے چاندی اور سونا اپنی نوعیت کے لحاظ سے بلا امداد رواج و قانون دنیا کا زر قرار پگیا ہے

افعال زر خواص زر کے بعد ہم افعال زر بیان کرتے ہین، ماہرین فن نے ان افعال کو مختلف طور پر لکھا ہے ہمکو امریکہ کے مشہور مصنف پروفیسر کنلے کی ترتیب زیادہ واضح اور جامع معلوم ہوئی اسلئے ہم اسی ترتیب سے لکھتے ہین، پروفیسر موصوف نے افعال زر کے تین اقسام کئے ہین، افعال اساسی، افعال تبعی، افعال عرضی

(۱) افعال اساسی وہ ہین جو ہر دور اقتصادی مین لازمی ہوتے ہین،

(۲) افعال تبعی وہ ہین جو افعال اساسی سے مستخرج ہوتے ہین یا افعال اساسی پر انکا انحصار ہوتا ہے

(۳) افعال عرضی وہ ہین جو کسی خاص دور اقتصادی مین ہوتے ہین،

افعال اساسی (۱) **مبادلہ مین آسانی پیدا کرنا**، روپیہ یا زر کا پہلا کام مبادلہ مین آسانی پیدا کرنا ہے اور یہ خدمت اسنے ہر زمانہ مین انجام دی ہے، دنیا مین خرید وفروخت اسی کی وساطت سے ہوتی ہے، اور تمام کاروبار مین یہ اسوجہ سے قبول کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو یقین ہے کہ جسوقت چاہیگا اسکا ذریعہ سے ہر چیز خرید لے گا اگر مبادلہ زر نے مبادلہ جنس بالجنس کی جگہ بتدریج نہ لے لی ہوتی تو یہ ترقی زمانہ کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور بغیر زر یا روپیہ یعنی آلہ مبادلہ صنعت وحرفت اپنی ابتدائی حالت مین فنا ہوجاتی، صنعت وحرفت کی ترقی زر کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے استعمال زر نے صنعت پر کیا اثر کیا یہ اقتصادیات کا پیچیدہ ومشکل ترین مسئلہ ہے اس مضمون مین اسکی گنجائش نہین ہے نظریۂ زر (معہ اعتبار اور بنک) پر مفصل بحث کرتے اور اثرات دکھلاتے،

(۲) **معیار قیمت**، یہ کام بھی زر نے ہر دور اقتصادی مین کیا ہے [illegible] اسکا معیار قیمت ہونا لازمی ہے، معیار قیمت سے ہمارا مفہوم یہ ہے کہ [illegible] ہم تعداد زر مین کرتے ہین، مبادلہ جنس بالجنس کے نقائص مین [illegible] درزی جو کوٹ فروخت کرکے گھوڑا خریدنا چاہتا ہے [illegible] نہین [illegible] خریداری کے واسطے دے، استعمال زر سے یہ دقت رفع ہوجاتی [illegible]

کہ اسکے ایک کوٹ کی قیمت پانچ روپیہ ہے اور گھوڑا فروخت کرنیوالے کو معلوم ہوجائے گا کہ اسکے
گھوڑے کی قیمت پچاس روپیہ ہے اب درزی باسانی دس کوٹ فروخت کرکے گھوڑا خرید سکتا ہے
نیز زر کے قدر عام کا مفہوم کسی طرح دماغ مین نہین آسکتا ہے اور نہ کاروبار مین نمایان ترقی ہوسکتی ہے

[illegible] معیار ادائے قرضہ، [illegible] کے اتبادی لین دین مین اکثر وقت زیادہ صرف ہوتا ہے
اور یہ [illegible] کے لئے وقت کا صرف ہونا ضروری بھی ہے اس اعتبار [illegible] کے لئے یہ ضروری
ہے کہ قرضخواہ اور قرضدار دونون کو ٹھیک طور پر معلوم ہوجائے کہ قرضدار کو کیا دینا چاہئے اور قرضخواہ
کو کیا ملنا چاہئے، معیار ادائے قرضہ کا کام زر دیتا ہے، پہلے یہ تھا کہ اگر کوئی شخص دس من گیہون
[illegible] کے بعد دس من گیہون ادا کرے، اسمین یہ عیب تھا کہ دس من گیہون کی قیمت
[illegible] مین کم یا زیادہ ہوجائے قرضدار اور قرضخواہ دونون کو ابہام باقی رہتا تھا لیکن دس من
[illegible] اگر دس روپیہ ہے تو بعد چھ مہینے کے دس روپے واجب الادا ہونگے اسی طرح سے دونو کو
[illegible] دینے اور لینے کی معلوم ہوجائے گی اور ابہام رفع ہوجائے گا،

انتقال قیمت، زر کے ذریعہ سے قیمت ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک وقت سے
دوسرے وقت مین منتقل ہوسکتی ہے یعنی زر کی قوت خرید انتقال زمان و مکان مین باقی رہتی ہے

خزینۃ القدر، اگر ہم جمع کرنا چاہتے ہین تو ہمکو زر کے جمع کرنے مین بمقابلہ اور اشیاء
[illegible] مین بمقابلہ اور اشیاء کے کمی نہین ہوتی ہے اگر ہم صرف
[illegible] جمع کرین جیسے غلہ [illegible] تو اسمین ضرور نقصان ہوگا، غلہ مین گھن لگ جائے گا،
[illegible] اگر ہم [illegible] کی صورت مین جمع کرین یعنی کارخانجات وغیرہ مین
[illegible] زر کی مانگ جاتی رہے گی اسوقت یہ سرمایۂ قائم بیکار
[illegible] مین کسی قسم کا نقصان نہین ہے اسکی قدر مبادلہ

مین کوئی فرق نہ آئے گا،

افعال عرضی — موجودہ اقتصادی دور مین زر کے حسب ذیل افعال ہین،

(۱) **تقسیم آمدنی معاشرتی**، موجودہ زمانہ تقسیم محنت ومبادلہ مین بہت کم لوگ وہ اشیار پیدا کرتے ہین، جو خود صرف کرتے ہین، بلکہ انکی پیداوار کی قیمت انکو روپیہ مین دیجاتی ہے اور وہ اس روپیہ سے جس چیز کی انکو ضرورت ہوتی ہے خریدتے ہین اسیطرح روپیہ دولت کوان لوگون مین تقسیم کردیتا ہے جو پیدائش کے کام مین مصروف ہوتے ہین،

(۲) **اخراجات کے افادۂ مختتم مین خاص مساوات پیدا کرنا**، روپیہ کے ذریعہ سے ہر شخص کو موقع ملتا ہے کہ اپنی آمدنی کو اس طرح صرف کرے کہ صرف شدہ روپیہ کے معاوضہ مین اسکو افادۂ مختتم کی اشیار مل سکین، یعنی اگر دس روپے کسی شخص کے پاس ہین اور اسکو جوتہ، ٹوپی، موزہ کی ضرورت ہے تو اسکو اختیار ہے کہ وہ اس طریقہ سے روپیہ کو صرف کرے کہ اسکو زیادہ ممکن افادہ حاصل ہو سکے، اگر دس روپے کے دس موزے خریدلے تو ایک کا افادہ مختتم ہوگا اور بقیہ نو کا افادہ بتدریج کم ہوگا اسلئے ہر شخص بقدر ضرورت موزہ، جوتہ، ٹوپی خریدے گا،

(۳) **اعتبار یا ساکھ کی بنیاد قائم کرنا**، موجودہ اعتبار کی بنیاد زر ہے، آج کل نوٹ، چک وغیرہ جو عام طور پر رائج ہین اور جسکو ہر شخص بخوشی قبول کرتا ہے محض اسوجہ سے رائج ہین کہ انکی قیمت ہر وقت بصورت زر بنک اور سرکاری خزانون مین رہتی ہے اور لوگونکو یقین ہے کہ جسوقت چاہین گے نوٹ یا چک کو روپیہ مین تبدیل کرلین گے اس طرح سے "فرسودگی" زر کے نقصانات سے حفاظت ہوجاتی ہے،

(۴) **سرمایہ کو صورت عام دینا**، زمانہ ماقبل مین جب زر کا استعمال نہ تھا تو پیدائش کے لئے ضرورت ہوتی تھی کہ ہر قسم کی ضروری اشیار مبادلہ جنس بالجنس سے حاصل کرلیجائین، لیکن روپیہ

ان تمام اشیاء کا نمایندہ ہے جو کسی قسم کے کارخانہ یا تجارت یا اور کسی صورت پیدائش دولت مین ضروری ہون جس شخص کے پاس روپیہ ہے وہ ہر قسم کا سامان (اشیاء) روپیہ سے بآسانی خرید کر کے کارخانہ وغیرہ جاری کر سکتا ہے لیکن جسکے پاس غلہ یا کوئی اور جنس ہو وہ جب تک روپیہ مین نہ بدلے کوئی چیز نہین خرید سکتا ہے اسلئے زر سرمایہ کو صورت عام دیتا ہے،

سکہ سازی | ہم خواص و افعال زر بیان کر چکے چونکہ زر کا تعلق سکہ سازی سے ہے اسلئے ہم چند ضروری اصول اسکے بھی بیان کرتے ہین، سونے، چاندی یا اور کسی دہات پر ٹھپہ یا اور ادر کوئی نشان لگا کر آلہ مبادلہ بنانا سکہ سازی کہلاتا ہے سکہ سازی کا کام بالکل فرائض سلطنت مین داخل ہے اور اسمین امور ذیل کا لحاظ رکھا جاتا ہے،

(۱) اول یہ کہ ایک قسم کے سکون مین یکسانی ہو یعنی صورت، شباہت، جسامت، قدر اور وزن مین فرق نہ ہو خوبصورت ہو، اسلئے اسکا مشین سے بننا ضروری ہے،

(۲) اسکی ساخت ایسی ہو کہ اسکی نقل بآسانی نہ بن سکے تاکہ جعلی سکے نہ چلین، اسکے واسطے بہت قیمتی مشین درکار ہوتی ہے تاکہ اسکے نقش و نگار نہایت خوبصورت اور پیچیدہ ہون اور ہاتھ سے اسکی نقل بنانا دقت طلب ہو جائے،

(۳) سکہ کی شکل ایسی ہو کہ اگر اسمین سے ذرا سا جز بھی کسی ذریعہ سے علحدہ ہو جائے تو تو فوراً پتہ لگ جائے اسلئے اسکو گول ہونا چاہئے، اور اسکے کنارہ پر باریک خطوط ہونا ضروری ہین،

اقسام سکہ سازی | سکہ سازی دو قسم کی ہوتی ہے، اول آزاد، دوم محدود،

(۱) آزاد سکہ سازی وہ ہے جسمین ہر شخص کو اختیار ہو کہ وہ اپنا ذاتی سونا یا چاندی ٹکسال مین لیجا کر سکہ بنوا لے جیسے انگلستان مین ہر شخص کو اختیار ہے کہ اگر ایک اونس مستند سونا ٹکسال

مین داخل کرے تو اسکو ۳ پونڈ، ۱۷ شلنگ ۱۰½ اپنس ملینگے اور یہی نرخ سونیکی قیمت ٹکسالی کہلاتی ہی،

(۲) "محدود سکہ سازی" وہ ہے جسمین صرف سلطنت کو اختیار ہو کہ وہ بقدر ضرورت سکہ بنواتی ہے جیسے ہندوستان کی سکہ سازی روپیہ کی ہے،

مصارف سکہ سازی | آزاد سکہ سازی کا یہ منشا نہین ہے کہ سکہ سازی کے مصارف سلطنت نہ لے،

(۱) اگر سلطنت کوئی فیس سکہ سازی کی نہ لے تو یہ طریقہ سکہ سازی بلا معاوضہ کہلاتا ہے جیسے انگلستان کی ساورن سکہ سازی ہے،

(۲) اگر سلطنت کوئی فیس ٹھیک بقدر مصارف سکہ سازی لے تو یہ طریقہ سکہ سازی بہ معاوضہ کہلاتا ہے،

(۳) اگر سلطنت فیس مصارف سکہ سازی سے کچھ زائد لے تو وہ "حقوق شاہی" کہلاتا ہے،

اقسام آلہ مبادلہ | ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ دنیا کے کاروبار مین آلہ مبادلہ کا ہونا ضروری ہے، ہر ملک مین عام طور پر دو صورتین آلہ مبادلہ کی ہوتی ہین،

(۱) آلہ مبادلہ عام، جسمین زر فلزاتی، زر کاغذی بدل پذیر، زر کاغذی غیر بدل پذیر رسیداامانت شامل ہوتے ہین،

(۲) آلہ مبادلہ خاص، جسمین وہ اعتباری کاغذ شامل ہوتے ہین جنکا عام طور پر بصورت آلہ مبادلہ چلن مین نہین ہوتا، مثلاً چک، ہنڈوی، چٹھی وغیرہ،

اقسام زر

چونکہ زر عام طور پر آلہ مبادلہ تسلیم کر لیا گیا ہے، اسلئے اب ہم اقسام زر لکھتے ہین،

زر کی دو قسمین ہین، زر فلزاتی، و زر کاغذی،

انکے علاوہ ایک قسم اور ہے جسکو "زر فرضی" کہتے ہین جو صرف حساب رکھنے مین استعمال

کیا جاتا ہے مگر اسکا وجود خارجی کہین نہین ہے جیسے انگلستان مین گنی،

زرِ فلزانی | زرِ فلزانی کی دو قسمین ہین، (۱) زرِ مستند، (۲) زرِ وضعی،

"زرِ مستند" وہ ہے جسکی قیمتِ مبادلہ اسکی دھات کی قیمت کے برابر ہو اور اسکی سکہ سازی آزاد ہو

جیسے ساورن، پونڈ کی قیمت اسکے سونے کے برابر ہے اور سکہ سازی آزاد ہے،

"زرِ وضعی" وہ ہے جسکی قیمتِ مبادلہ اُسکی دھات کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے اور اسکی

سکہ سازی مخصوص ہوتی ہے، جیسے ہندوستان کا روپیہ اور انگلستان کا شلنگ وغیرہ،

زرِ کاغذی | "زرِ کاغذی" وہ ہے جو سلطنت یا کسی بنک کے اعتبار پر کسی ملک مین رائج ہون اور عام طور

پر لوگ اسپر اعتماد رکھتے ہون اور مبادلہ مین قبول کرتے ہون، انکے اقسام آگے چلکر لکھے جائینگے

اور تفصیل بھی کی جائے گی،

یہان یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہر ملک مین دو قسم کا روپیہ ہوتا ہے، جو "زرِ قانونی" و "زرِ

غیر قانونی" کہلاتا ہے،

زرِ قانونی وہ ہے جسکو قرضخواہ اپنی ادائے قرضہ مین قانوناً ہر تعداد مین قبول کرنے پر مجبور

ہو جیسے انگلستان مین ساورن غیر محدود زرِ قانونی ہے، زرِ مستند ہمیشہ زرِ قانونی ہوتا ہے لیکن زرِ وضعی

بھی بعض اوقات زرِ قانونی ہوجاتا ہے جیسے ہندوستان مین روپیہ،

"زرِ غیر قانونی" وہ ہے جو صرف ایک محدود تعداد تک ادائے قرضہ مین قبول کیا جاتا ہے

جیسے انگلستان کا شلنگ صرف ۲ پونڈ یعنی چالیس شلنگ تک قبول کیجائینگے، اسکی تعداد کے

بعد قرضخواہ قانوناً مجبور نہین ہے کہ شلنگ لے،

قانون گریشم

روپیہ کے چلن کا تعلق، قانون گریشم سے بہت زیادہ ہے لہذا اسکی تشریح نہایت ضروری ہے

یہ قانون سرٹامس گرشیم کے نام سے جو ملکہ الزبتھ کے مشیر خزانہ تھے موسوم ہے، اس قانون کا اصول یہ ہے کہ زر ناقص چلن مین زر کامل کی جگہ لے لیتا ہے، یعنی اگر کسی ملک مین ایک وقت مین زر ناقص اور زر کامل دونون چلن مین ہونگے تو صرف زر ناقص اگر لوگ اسکے لینے سے انکار کرتے ہین چلن مین رہجائے گا، اور زر کامل گردش سے نکل جائے گا، تین طریقون سے زر کامل چلن سے غائب ہوجاتا ہے،

(۱) جب کسی ملک مین لوگ روپیہ جمع کرنا چاہینگے تو وہ قدرتی طور پر زر کامل جمع کرینگے ایک حصہ زر کامل کا اس ذریعہ سے چلن سے نکل جائے گا،

(۲) اکثر ممالک خارجہ کو تجارت و دیگر ضروریات کیوجہ سے ہر ملک کو روپیہ دینا پڑتا ہے ممالک خارجہ کے لوگ زر عمدہ و زر کامل دونون قبول کرتے ہین مگر اسکی دہات کی قیمت کے حساب سے زر کامل کم تعداد مین دینا پڑتا ہے اور زر ناقص زیادہ تعداد مین، اسلئے زر کامل کے ذریعہ سے ممالک خارجہ کے قرضخواہونکی ادائی کیجاتی ہے اور زر ناقص سے ملکی کاروبار چلتا ہے، (زر ناقص کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ زر قانونی ہو اور لوگ اسکو سکہ کے مقررہ قیمت پر قبول کرتے ہون) ایک حصہ اس ذریعہ سے نکل جائے گا،

(۳) اگر کسی ملک مین اس دھات کی قیمت جسمین اس ملک کا سکہ ہو اسقدر زیادہ ہوجائے کہ سکہ کی مقررہ قیمت اسی دہات کے وزن کی قیمت سے کم ہو تو لوگ سکہ گلا کر اس دہات کو بمنافع فروخت کر ڈالین گے، ایک حصہ اس ذریعہ سے نکل جائے گا، قانون گرشیم مفصلہ ذیل صورتون مین عمل پذیر ہوتا ہے،

(۱) اگر کسی ملک مین زر فرسودہ و زر نوبوزن کامل ایک ہی وقت مین گردش کرتے ہون تو زر فرسودہ زر ناقص ہوگا اور زر نوبوزن کامل زر کامل ہوگا، اس صورت مین زر عمدہ ان کا مونین

استعمال کرینگے جسمین قیمت اصلی کی ضرورت ہے اور زرِ فرسودہ عام طور پر استعمال ہوگا،

(۲) جب زرِ فلزاتی اور زرِ کاغذی جسکی قیمت بازار مین گر گئی ہے ایک ساتھ چلن مین ہون تو زرِ فلزاتی زرِ کامل ہوگا اور زرِ کاغذی ناقص،

(۳) جب دو دھات کے سکے مثلاً سونے اور چاندی چلن مین ہون اور انمین سے ایک کی قیمت بحیثیت زر ہونے کے کم ہو اور قیمت اصلی زیادہ ہوجاے تو دوسرا اسکے زرِ ناقص ہوجائیگا یعنی اگر ایک تولہ سونا بصورت سکہ سولہ تولہ چاندی کے بصورت سکہ برابر ہو لیکن بحیثیت دھات کے ایک تولہ سونا صرف پندرہ تولہ خرید سکتا ہے تو چاندی کا سکہ زرِ کامل ہوجائے گا اور سونے کا سکہ زرِ ناقص ہوجائے گا، دو صورتون مین اس قانون کا عمل نہ ہوگا،

(۱) زرِ عمدہ اور زرِ ناقص دونون ایک ہی وقت ایک ملک مین چلن مین رہینگے جب اس ملک کے ضروریات سکہ اسقدر زیادہ ہون کہ دونون قسم کے سکے ملکر اس ملک کی ضروریات پوری کر سکین ایسی صورت مین زرِ ناقص زرِ کامل کو چلن سے نہین نکالے گا

(۲) زرِ ناقص زرِ کامل کے مقابلہ مین خود چلن سے نکل جائے گا اگر کسی ملک کے باشندے اپنی عادت کیوجہ سے زرِ ناقص قبول کرنے سے انکار کر دین، جیسا کہ ہندوستان کے مہاجن اور ساہوکار کرتے ہین، ایسی صورت مین یہ سلطنت کا فرض ہے کہ وہ زرِ ناقص واپس لیکر (اگر فرسودگی کی وجہ سے زرِ ناقص ہو گئے ہین) از سرِ نو ڈھال دے جیسا لارڈ گوسیس نے برٹش ساورن کی بابت ۱۸۹۱ء مین کیا تھا، اسمین چھ لاکھ پاونڈ صرف ہوئے تھے جو خزانہ شاہی سے دئے گئے تھے،

باقی

———

نظام الملک آصفجاہ کی وصیتین

رقعات عالمگیری کی تصحیح و ترتیب کے سلسلہ مین اسکے چند قلمی نسخے مختلف مقامات سے میرے پاس آئے، حسن اتفاق سے ایک مین نظام الملک آصفجاہ اول کی ان وصیتون کا مجموعہ بھی ہاتھ آیا جو انھون نے اپنے جانشین فرزند نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید کو مرتے وقت کی ہین، یہ وصیتین اخلاقی و سیاسی دونون حیثیتون کا مجموعہ ہین، آج مغربی تمدن مین سیاست روح رواں ہے، اور مذہب و اخلاق، علم و فن سب کو اسی کا قالب بنایا جا رہا ہے، لیکن ایشیا ہمیشہ سے مذہب کا گہوارہ ہے، یہان ہر چیز مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہان کی سیاست بھی مذہبی رنگ و بو سے کبھی خالی نہین رہی، یہ وصیتین بھی اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی ہین،

ہر شخص کی سیرت و جذبات کا سب سے بڑھکر عادل نقول شاہد اسکے اقوال ہین جنکے اظہار کے وقت وہ اس تخیل سے بالکل خالی الذہن ہوتا ہے کہ وہ کبھی اسکے گذشتہ طرز عمل کے گواہ ہونگے اور انکو پیش نظر رکھکر کبھی اسکے اچھے برے ہونیکا فیصلہ کیا جائیگا،

نواب مرحوم نے یہ وصیتین اپنے دم واپسین کی ہین، اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب انسان ہر قسم کے خیالات تکلف و تصنع سے خالی ہوکر اپنے پچھلے اعمال پر نظر ڈالتا ہے اور اپنے اخلاف کی صرف انہی مجرب اعمال کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اسکے عمل مین آکر مفید ثابت ہوئے ہون،

اس بنا پر یہ وصیتین نواب مرحوم کے طرز عمل کا آئینہ اور سلطنت دکن کے ہر تخت نشین حکومت کے لئے عمدہ دستور العمل ہین، مین یہان ان پر اپنی طرف سے کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین سمجھتا

سہولت کے لئے ایک طرف اصل عبارت اور دوسری طرف اسکا ترجمہ لکھدیتا ہون،

کلمہ اول آنکہ بر رئیس دکن لازم است کہ ہرگاہ سلامتی نفس خود امن از جنگ و جدل و افزائش و آبادی ملک خود خواستہ باشد باید کہ با مرہٹہ ہا کہ زمینداران این ملک اند آشتی دارد تا مقدور از خود سر رشتہ موافقت برہم نزند و در صورت لاچاری لا علاج است -

رئیس دکن کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ اپنی جان کی سلامتی جنگ و جدل سے امن اور ملک کی آبادی و ترقی چاہتا ہو تو مرہٹون کے ساتھ جو اس ملک کے زمیندار ہین صلح و آشتی سے پیش آے حتی المقدور اپنی طرف سے صلح و موافقت کا سر رشتہ نہ توڑے، البتہ بحالت مجبوری وہ معاف و معذور ہے -

کلمہ دوم آنکہ در انہدام بنی آدم کہ بنیاد ساختہ رب العالمین ست البتہ تامل بکار برد چرا کہ مثال خوشہ گندم و جوار نیست کہ در سال از کشتکار برروید مگر مجرم را بقاضی کہ عمل امر خطیر است تفویض نماید کہ او موافق شرع شریف ہرچہ کند بجا آرد و خود در قتل حکم نکند،

بنی آدم کی تباہی مین جو خدا کے دست قدرت کے پیدا کردہ ہین، بہت غور و فکر سے کام لے کیونکہ وہ جوار اور گیہون نہین ہین جو ہر سال کاشتکاری کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہون مگر ہان مجرم کو ایسے قاضی کے حوالہ کرے جو منصب قضا کے اہم فرائض نہایت عدالت سے ادا کرتا ہو تاکہ وہ موافق شرع فیصلہ کرے اور جو کچھ وہ حکم شرعی صرف اسکو بجا لاے، اپنی طرف سے کبھی قتل کا حکم نہ دے

کلمہ سوم آنکہ زندگانی خود و انتظام امور ممالک را منحصر در سفر دارند و لذت منزل نو و آب نو و سایہ و چشمہ را در ہیچ حال از دست ندہند کہ حق سبحانہ تعالی در کلام مجید می فرماید "سیروا فی الارض" این اشارت ست از برای سفر و انتظام امور ریاست موقوف بسفر مگر وقت تقدر ایام برسات ضرور کہ جمیع جانداران را درین ہنگام تکلیف میشود و تا بحال سپاہ بتقاریب اوطان آنہا منظور باشد کہ

انتظام امور حکومت اور بسر اوقات زندگی سفر پر موقوف رکھین اور نئی جگہ، نئی آب و ہوا، اور سایہ و چشمہ کے لطف کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہ دین، خداوند تعالے نے قرآن پاک مین فرمایا ہے "سیروا فی الارض" یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ ہر وقت سفر کرو اور ساتھ ہی انتظام امور ریاست بھی، مگر ہان برسات کے زمانہ مین چند دنون کی اقامت ضروری ہے کیونکہ سفر مین تمام جانداروں کو تکلیف ہوتی ہے اور سپاہیون کی تعیناتی اپنے گھرون کے قریب عمل مین آنا چاہیے تاکہ

قطع نسل نشود "

کلمۂ چہارم آنکہ کارہای جمیع خلائق محض از فضال الٰہی متعلق بخود دانستہ باید کہ بعد ادای فرض و واجب اوقات عزیز خود را بہ نظم امور متعلقہ تقسیم نماید و خود را بیکار نداشتہ شبانہ روز خبر خلق اللہ از امور دین و دنیا میگرفتہ باشد کہ عاقبت بخیر باشد،

کلمۂ پنجم آنکہ اشنا سدکہ بنا دولت ما بیامن انفاس بزرگانست چنانچہ در ابتدا تعلقہ صدارت پادشاہی باین خاندان تعلق داشت، و من تا این وقت کہ الحال وقت رحلت است توقیر و تعظیم فرقہ دعاگو یان کہ بدون آن لشکر وغا بکار نمی آید بر سائر امور ریاست مقدم داشتہ و استمداد ہمت از غربا و فقرا کہ باب اللہ اند میکردم و سبقت در سلام کہ آن سنت محمدی است بجا می آوردم باید کہ خود ہم ہمین شیوہ را مرعی داشتہ باشند۔

کلمۂ ششم آنکہ زمین و آسمان از قدیم ست و خلق خدا ہم قدیم اند، درین صورت روے زمین را فقط حصہ خود ندانستہ اتلاف حق کسی نکنند و پاس مودت ہر یک منظور و ملحوظ دارند۔

کلمۂ ہفتم آنکہ الکہ دکن کہ عبارت از سلطنت شش

دور رہنے کے باعث وہ معاشرتی فرائض کے ادا کرنے سے مجبور نہو جائیں

۴ تمام مخلوقات کے کام اپنی ذات سے متعلق ہونا محض خدا کا فضل جان کر فرض و واجب ادا کرنیکے بعد اپنے تمام اوقات عزیز کو نظم امور متعلقہ مین تقسیم کردین اور کسی وقت بیکار نہ بیٹھین دن رات خلق اللہ کی خبر گیری خواہ وہ امور دنیا سے متعلق ہون یا دین سے کرتے رہین تا کہ عاقبت بخیر ہو؛

۵ ہماری دولت کی بنا بزرگون کے وجود با برکت پر ہے، چنانچہ جب سے کہ صدارت بادشاہی کا تعلق اس خاندان سے ہے اور اس وقت تک کہ وقت رحلت ہے مین ہمیشہ ارباب دعا کی جنکے بغیر جنگ آور لشکر بھی کام نہین دیسکتا، تعظیم و توقیر ریاست کے تمام کامون پر مقدم رکہتا رہا اور ہمیشہ غربا و فقرا سے جو باب اللہ ہین طلب ہمت و مدد کی، ہر شخص کو سلام کرنے مین اپنی طرف سے سبقت کرنا کہ یہی طریقۂ محمدی ہے چاہیئے کہ اسی طریقۂ نیک پر عمل پیرا رہین،

۶ زمین آسمان اور تمام مخلوقات قدیم ہین، ایسی صورت مین روے زمین کو صرف اپنا حصہ سمجھکر کسیکا حق تلف نہ کرین، اور ہر ایک کے ساتھ پاس محبت منظور و ملحوظ رکھین،

۷ دکن عبارت ہے چھ صوبون سے، یہ بات تاریخ سے

صوبہ است این معنی از مطالعۂ تواریخ وغیرہ واضح میشود
ازین در ہر صوبہ پادشاہے بود ذوی الاحتشام و مستقل
چنانچہ درین ملک تلنگانہ از فرقہ سپاہ روزی میخوردند
الحال کہ این ہمہ زمین از عہد حضرت خلد مکان بیک
کس تعلق گرفتہ، رفتہ رفتہ حضرت حق سبحانہ تعالی محض
بکرم خود از چندے من عاصی را عطا فرمودہ و مارا بر
خلائق پیش ساختہ تا این وقت آنچہ پاسبانی و کم و
بیش قدر دانی مخلوقش بود پرداختم بعد من سزاوار این ست
کہ خبر گیری ہر خاندان و مامور نمودن بکارہای سرکار خود
نوبت بہ نوبت چہ از فرقہ مسلمان و چہ از قوم ہنود تبدیل
آن سال بسال در نہایت سال دویم از جملہ واجبات
دانستہ می نمودہ باشند کہ دیگران محروم نمانند و سررشتۂ این
کار چہ از خود و چہ از پیروان خود تا کہ درین مدت العمر
آن ہمہ مردم کہ ہر یک با تفاوت جواہر پارہ البست
بے بہا بلطف و عنایات جمع کردہ ایم در ہیچ حال قدر
اینہا از دست ندادہ و سست و سخت اینہا برداشت
نمودہ بیکار ندارد و بکار لائقہ مامور لباز د۔

کلمہ ہشتم آنکہ برادران صغیر خود را بجاے فرزندان خود
دانستہ پرورش نمایند و در تربیت آنہا سعی بلیغ

واضح ہوتی ہے کہ ان مین سے ہر صوبہ کے پہلے جداگانہ مستقل
و باختیار بادشاہ تھے، چنانچہ اس ملک مین لشکر
تلنگون کی تعداد زیادہ رہا کرتا تھا، حضرت خلد مکان
(عالمگیر) کے عہد سے ان صوبوں کا تعلق ایک شخص سے
ہوگیا ہے رفتہ رفتہ خدا نے تعالی اپنے فضل و کرم سے تمام
لوگون پر مقدم رکھکر یہ ملک مجھ عاصی کو عطا فرمایا اس
وقت تک جو کچھ مخلوق خدا کی پاسبانی و قدردانی
مجھسے بن پڑی کی، میرے بعد لائق ہے کہ ہر خاندان کی
خبرگیری اور انکے افراد کا خواہ وہ ہندو ہون یا
مسلمان باری باری سے سرکاری خدمات پر تقرر اور
ہر دو سال کے خاتمہ پر ان کا تغیر و تبدل تاکہ کسی
ایک کے دائمی تقرر سے دوسرے محروم نرہین اپنے
لئے واجب و لازم سمجھین اور اس طریقہ کا سررشتہ کیا تم
اور کیا تمہارے جانشین کبھی ہاتھ سے ندین، ان لوگون کے
سخت و سست کو برداشت کرکے جنکو مین نے ایک عمر مین
جمع کیا ہے اور جنمین کا ہر شخص ایک بیش قیمت و گرانبہا
جواہر پارہ ہے اپنے خدمات لائقہ پر مامور و مقرر کرین ۔

ہشتم
چھوٹے بھائیون کو اپنا فرزند سمجھکر پالین انکی تربیت مین
سعی بلیغ اور افزونی قدر و مراتب مین کوشش ہو فورسے

فرمایند و در افزونی قدر و مراتب کوشش و خوبحال آرد
و شفقت و تلطف در بارہ اینہا بدرجہ میذول دارد کہ
آنہا غمخوار او باشند و از دل دانند کہ اینہا قوت بازو و تقویت
ناموس اند ہرگاہ مرفہ الحال خواہند بود ہرگز زوال نخواہند
و ہر وقت کہ گرسنہ و مفلس باشند سلطنت آصفیہ را بفساد و فتنہ
ہمہ قطع زمین خواہند فروخت و ہدایت محی الدین خان[1] را

کام ہین ان پر اسطرح مہربان رہین کہ وہ غمخوار بنجائین اسکا
تہ دل سے یقین کرین کہ وہ انکے قوت بازو و تقویت
ناموس ہین، جب خوشحال و آسودہ ہونگے کبھی خواہان
زوال نہونگے، اور جب کبھی بھوکے اور مفلس ہوجائینگے
تو سلطنت آصفیہ کو فتنہ و فساد مین ڈالکر ٹکڑے ٹکڑے
زمین بیچ کہائینگے، اور ہدایت محی الدین خان کو اپنے

[1] یہ نواب آصفجاہ کے نواسے تھے، رائچور اور رادونی کی حکومت ان سے متعلق تھی، یہ اپنے ماموں نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کے مقابل فرانسیسیون کی سازشس مین آکر ہمیشہ برسر فساد رہے، چنانچہ جب بادشاہ دہلی کی طلبی پر نواب نظام الدولہ ناصر جنگ مع خدم و حشم دکن سے عازم دہلی ہوے تو عین اسی موقع پر انھون نے فرانسیسی افواج کی شرکت مین ارکاٹ پر حملہ کردیا، ۱۱۶۲ھ مین یہ واقعہ پیش آیا، اوراسمین ناظم ارکاٹ انوالدین خان کی شہادت ہوئی، اس سانحہ عظیم کی تلافی اور باغیون کی سرکوبی کے لئے نواب نظام الدولہ نے اجتماع افواج شاہی کا حکم دیا اور ۱۱۶۳ھ مین بندر پھلچری (جو فرانسیسی سازشگاہ تہا) تک اپنے حملون کو وسعت دی، اس جنگ مین نواب کو پوری کامیابی ہوئی اور ہدایت محی الدین خان زندہ گرفتار ہوا، نواب نظام الدولہ نے جو سلوک اسکے ساتھ گرفتاری کے بعد کیا ہے اسکو مصنف سرو آزاد جو اسوقت موجود تھے ان الفاظ مین لکہتے ہین،

"ہدایت محی الدین خان زندہ بگیر آمد، نواب بحکم لاتثریب علیکم الیوم ہدایت محی الدین خان را زندہ نگاہداشت و مصاحبان و لشکریان او را قاطبۃ از جان و مال امان بخشید، دولت خواہان ہرچند در پیشگاہ نواب بدلائل قاطعہ ثابت کردند کہ بقاے ہدایت محی الدین خان موجب ہیجان مادہ فتنہ است او را از میان باید برداشت، نواب ترحم را کار فرمودہ ہرگز بقتل وے راضی نشد و محفوظ نگاہداشتہ مروم برای تقدیم لوازم خدمتش تعین ساخت"

(خزانۂ عامرہ [illegible] صفحہ ۴۸)

یہ بے نظیر حسن مراعات و سلوک بعض نواب آصفجاہ کی اسی وصیت کا اثر و نتیجہ تہا،

از جملہ فرزندان خود تصور فرمودہ شفقت وعنایات ازان
خود گردانند ودر صدد شکست بنا شد وگوش بر سخن غمازان
ننہند وعوام اراذل را در مجلس خود بلکہ در خلوت بار
ندہند، ہیبت سلطنت را زیان دارد واز غرور ماریابی
حضور خلق خدا را ایذا تمام خواہند داد۔

کلمہ ہشتم آنکہ ادنی را بکار عمدہ وعمدہ را بکار ادنی مامور
نسازند کہ حوصلۂ نارسائی او کار سرکار ضایع وبے اعتبار
می سازد، تقرر دیوانی بہ پورچند آدم خوب وتحصیل
زر بقایاے سرکار ایا بین بہین کہ معرض وصول می آرد
اگر دو سہ سال دیگر ہم بکار مامورہ مامور دارندی شاید
باز مختار رانند۔

کلمہ نہم آنکہ در ہمہ حال یقین دارند کہ ریاست دکن
موقوف بر لازمۂ بندگی ونوکری است باید کہ آداب
حضرت ظل سبحانی را در ہیچ حال از خود فوت نکنند
والا از امر آداب شکنی عند اللہ ماخوذ وعند الناس
مطعون خواہند بود، چنانچہ وقتیکہ قہرمان بادشاہ
ایران نادر شاہ در دہلی رسید روزے بفرط عنایات
مارا بہ عطاے سلطنت ہندوستان خطاب کرد
فی الفور ہمین عرض کردیم کہ ما مردم از قدیم ابا وجداً

ہی فرزندون مین تصور کرین، اپنی شفقت وعنایات سے
اسکو اپنا بنالین، اسکی تباہی کے درپے نہون لوگون کے
کہنے سننے مین نہ آئین، پست حال اور نیچے طبقے کے لوگونکو
اپنی خلوت وجلوت مین بار نہ دین کہ اس سے وقار سلطنت کو نقصان
پہنچتا ہے وہ باریابی درگاہ سلطانی کے گھمنڈ مین خلق خدا کو ستائینگے
چھوٹے کو بڑے منصب اور بڑے کو چھوٹے منصب پر مامور
نہ کرین کہ اس سے سرکاری کامون کو نقصان پہنچتا ہے
دیوانی کا تعلق پورچند اور تحصیل زر بقایاے سرکار
کا بین بہین سے اچھا ہے، اگر ان خدمات کا تعلق انکے
دو تین سال تک اور ان لوگون سے باقی رہے تو بہتر
ومناسب ہے آیندہ اختیار رہے،

ہر حال مین اسکا یقین رکھین کہ ریاست دکن کا مدار
بندگی ونوکری پر ہے، ظل سبحانی (بادشاہ دہلی) کا ادب
ہمیشہ ملحوظ رکھین، ورنہ ادب شکنی کے باعث اللہ کے نزدیک
ماخوذ اور لوگون کے آگے مطعون ہونگے، جب نادر شاہ
ایران دہلی پہنچا تو اس نے فرط عنایات سے ایک دن
مجھے حکومت ہند دیدینے کے لئے خطاب کیا، مین نے
فوراً کہا کہ مین زمانہ قدیم سے بادشاہ کا نوکر ہون، اسکی
وجہ سے نمک حرام کہلاؤنگا، اور حضرت (بادشاہ)

ذکر بادشاہیم ازین معنی مشہور بہ نکوامی خواہم شد و حضرت سرا بہ بدعہدی و بہ قولی شہرت خواہند داد از انجا کہ طبع بلندش سخن سنج و معنی آفرین بود ازین معنی بسیار محظوظ شدہ آفرین کرد۔

مجھکو بدعہد و بد قول مشہور کرینگے، چونکہ وہ سخن سنج و معنی آفرین تھا، اس نے یہ سن کر آفرین کی اور میرے اس جواب سے بہت محظوظ ہوا۔ . .

. . . .

کلمہ یازدہم آنکہ تا مقدور از خود در جنگ اقدام نکند ہرچند کہ جمعیت طرف ثانی قلیل و کمتر باشد درین باب عزت الٰہی دلیری رانمی پسندد کہ او سبحانہ تعالیٰ میفرماید کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ و تا ممکن است باید کہ در رفع مناقشہ کوشد و چون داند کہ طرف ثانی مبادرت می نماید ناگزیر حق بطرف خود دانستہ استادہ گردد و بعجز و الحاح استمداد از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ برمقام خود ثابت و راسخ باشد و تا مقدور رقبلہ رو جنگ نکند چرا کہ فتح بید قدرت و اختیار اوست۔

حتی المقدور جنگ مین پیشقدمی نہ کرین، اگرچہ طرف ثانی کی جمعیت کتنی ہی کم ہو، اس بارہ مین خداوندکریم دلیری پسند نہین کرتا، (کتنی ہی قلیل جمعیتین کثیر جمعیتون پر غالب ہوئین) اسکا فرمان ہے، جہانتک ممکن ہو رفع فساد کی کوشش کرین، ہان جب دیکھین کہ طرف ثانی خود پیشقدمی کر رہا ہے تو حق کو اپنی طرف جان کر آمادہ دفع ہون، اور بعجز و الحاح خدا سے طالب امداد ہوکر اپنے مقام پر ثابت و راسخ رہین، تا مقدور رقبلہ رو جنگ نکرین، فتح خدا ہی کے ہاتھ مین ہے،

کلمہ دوازدہم آنکہ آنچہ درین مدت بہ تجربہ رسید اینکہ از جملہ مردم دکن مردم برہان پور و بیجاپور بغرض آشنا ہستند و بہیچ وجہ بقول و فعل شایان اعتماد نیستند، باید کہ مثل مردم گجرات و کشمیر دانستہ احتیاط و احتراز این قوم واجب دانند۔

اتنی مدت مین جو کچھ تجربہ سے معلوم ہوا وہ یہ کہ دکن والون مین سے برہان پور و بیجاپور کے لوگ غرض آشنا ہین انکا قول و فعل کسی طرح لائق اعتماد نہین ہے چاہیئے کہ گجراتیون و کشمیریون کی طرح سمجھکر اس قوم سے بھی احتیاط و احتراز رکھین،

کلمہ سیزدہم آنکہ اسبابے کہ از فضل حق بالفعل آنچہ

فضل خدا سے جو کچھ سامان و اسباب اسوقت موجود ہین

موجود دارم اگر قدم بر قدم گذاشته صرف نماید یقین که
طبقه بطبقه وفا خواهد کرد، والا زیاده از دو سه
سال کفاف نخواهد کرد،

اگر احتیاط سے آہستہ آہستہ خرچ کرین تو یقین ہے کہ
نسلاً بعد نسل کئی پشتون تک کافی ہوگا ورنہ دو تین
سال سے زیادہ کام نہین دیسکتا،

کلمهٔ چهاردهم آنکه این همه خزانه که در کتاب موجود
داشتم از برای دلجمعی سپاه و سایر لشکر خصوص از بودن
خزانهای شاهی کار سرکار آبادی باشد و از آبادی
آنها مخالف و لشکر مخالف خود بخود پریشان میشود
الحمد الله که از ابتدای انتظام این دولت تا این
هنگام رحلت حق سپاه خود زیاده از دو سه ماه بر خود
باقی ندارم اما با وجود این از سپاه خود آنقدر می‌ترسم
که از سپاه مخالف نمی‌ترسم باید که انها را در همه حال
از خود بیدل نباید داشت که در جمیع اوقات رفیق
و باعث انتظام امور دولت اند،

جو کچھ خزانہ موجود ہے وہ لشکر و سپاہ کی دلجمعی کیلئے
ہے، شاہی خزانے کی موجودگی سے تمام سرکاری کام
اچھی طرح چلتے ہین، اس سے مخالف و لشکر مخالف خود
بخود خائف و پریشان رہتا ہے، الحمد اللہ ابتداے
حکومت سے اسوقت رحلت تک دو تین مہینون سے
زیادہ حق سپاہ اپنے اوپر باقی نہین رکھا لیکن باوجود اسکے
اپنی سپاہ سے اسقدر ڈرتا ہون کہ مخالف کے لشکر سے بھی
نہین ڈرتا، چاہیئے کہ انکو کسی حال مین اپنی طرف سے
بددل نکرین کہ یہ ہمیشہ اچھے رفیق اور انتظام امور
حکومت کا باعث ہوتے ہین،

کلمهٔ پانزدهم آنکه بمقتضای بشریت امری
نابایست در پیری از من سرزد و الحال چنانچه
محل نو درا یافت از انجا که مقدمه ناموس است
پاس آن همه وقت ملحوظ باشد چنان نشود که انگشت
اعتراض مردم درمیان آید،

بمقتضاے بشریت اس پیری مین جب ایک مجبورانہ
فعل سرزد ہوا اور اب ایک محل نو قرار پاچکا ہے تو چونکہ
عزت و ناموس کا معاملہ ہے اسلئے اسکا لحاظ رکھنا
ہمیشہ ضروری ہے کہ مبادا لوگون کی انگلیاں
اعتراضاً نہ اٹھین،

کلمهٔ شانزدهم آنکه زنار داران دکهنی همه قابل کشتنی

دکھنی برہمن گردن مارنے کے قابل مین خصوصاً اس

دگردن زنارئی[1] خصوص سرگروہ این قوم دو کافرکہ یکے مورو و دیگر رامداس کہ برہم زن کارخ دولت صد سالہ اند در قلعہ محمد نگر قید کردہ ام، در قید داشتن وینہا درستی کارہائے دولت دانند، ہرگز از قید خلاص نسازند، چنانچہ لفظ پنڈٹ خانہ کہ درعالم مشہور است عبارت از قید خانہ این قوم است،

کلمہ ہفدم آنکہ الحال بردیدہ ومردم کارخانہ خود را برکارخانہ جات مامور کنند کہ مہلت زیادہ از دو سہ ساعت یافتہ نمی شود شمارا بخدائے کریم سپردیم کہ ہدایت نصیب کند و در ہمہ حال نصیر و معین شما باشد وسایۂ عنایت از سر شما باز نگیرد،

قوم کے دو فرد (مورو اور رامداس) جو قدیم دولت وسلطنت کے برباد کردینے والے ہیں، ہیں نے ان دونوں کو قلعہ محمد نگر میں قید کیا ہے، چنانچہ پنڈٹ خانہ جو مشہور عام ہے انہیں کے قید کی جگہ ہے ان دونوں کو قید رکھنا سلطنت کے نظام و خوشحالی کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے ہرگز ہرگز کبھی انکو آزاد نہ کریں،

اب جاؤ اور اپنے لوگوں کو ضروری کاموں پر مقرر کرو وقت کچھ زیادہ باقی نہیں، ہیں نے تمکو خدا کے حوالہ کیا کہ وہ ہدایت نصیب کرے اور ہر حال میں تمہارا پشت پناہ و مددگار رہے اور اپنی عنایت کا سایہ تمہارے سر سے نہ اٹھائیے،

ابوالحسنات ندوی

---

[1] زنار دار سے مراد خاص برہمن قوم ہے، عام ہندو نہیں، عام ہندوؤن کے متعلق نواب مرحوم کی جو رائے ہے وہ اوپر گذر چکی، برہمنون کے متعلق جو کچھ نواب مرحوم نے کہا بالکل سچ کہا، دکن کی تاریخ پڑھ جاؤ، جب کبھی کوئی فتنہ اٹھا تو اسکا سرچشمہ یہی برہمن تھے،

تلخیص وتبصرہ

عرب کانفرنس

گذشتہ جنگ اقوام نے آزادی واستقلال سیاسی کی جو روح تمام دنیا کی قومون مین پھونکدی ہے اس سے کوئی قوم بھی مستثنیٰ نہین، عرب، شام، اور عراق گویا تمام عربی بولنے والی قومین جو قبل از جنگ ترکی حکومت کے ماتحت تھین، انھون نے اثناے جنگ مین آزادی کا علم بلند کیا، اور حکومت سابقہ سے الگ ہوگئین، اس انقلاب نے گویا مشرقی جنگ کے فیصلہ کو یکسو کردیا،

جس امید مین ان ملکون نے اپنی سابقہ حکومت سے علحدگی اختیار کی، اسمین وہ کہانتک کامیاب ہوئین، اسکا فیصلہ ابھی قبل از وقت ہے، آنیوالے واقعات خود بتادینگے، لیکن اسوقت جو کشمکش جاری ہے وہ یہ ہے کہ عرب علانیہ اسکا اعلان کررہے ہین کہ ہم نے اپنی آزادی اور سیاسی استقلال کے لئے ترکی حکومت کا جوا اتار پھینکا تھا، اور اب ہم کسی قوم کی ماتحتی وحکمبرداری کا طوق اپنی گردن مین ڈالنا نہین چاہتے،

اخبارات مین اسکی اطلاع شایع ہوچکی ہے کہ گذشتہ کسی مہینہ مین عربون کی ایک سیاسی انجمن شام مین منعقد ہوئی، اب عربی اخبارات کے ذریعہ سے اسکی تجاویز کی تفصیلات بھی آگئی ہین،

کل تجاویز کی تعداد تیس ہے جو گویا زیر تجویز عربی جمہوری حکومت کے بنیادی واساسی قوانین ہین، یہ ملکی طریق نظام حکومت، حقوق رعایا، نائبین ملک، چھوٹی جماعتون کے استحفاظ حقوق، تعلیم، تجارت، صنعت وحرفت اور خارجی تعلقات وغیرہ کے عام قوانین کی سیاسی تشریح وتفصیل ہے، ان تجاویز کو پڑھکر حیرت ہوتی ہے کہ نا قابل حکومت ترکون کے ماتحت رہ کر عربون نے یہ درس سیاسیات کہان حاصل کیا، مغربی ارباب سیاست کی زبانی ہم آج تک یہی سنتے آئے تھے کہ ترکی حکومت کی

اہمیت نہین رکھتے کیونکہ وہ رعایا کی تعلیم وغیرہ کا کافی انتظام نہ تو کرتے ہین اور نہ کر سکتے ہین، اگر ان تجاویز کو پڑھکر ہر شخص اس بیان کی تکذیب کریگا، کیونکہ اس سے تو اس بہترین دماغی ترقی کا ثبوت ملتا ہے جسکے آثار و نظائر ان ممالک مین بھی نہین ملتے جو صدیون سے یورپ کی بڑی سے بڑی متمدن تعلیم یافتہ اور حریت پرور حکومت کے ماتحت رہتے آئے ہین،

ہم یہان تمام تجاویز کی تفصیل تو نہین دیسکتے، لیکن چند مخصوص تعلیمی و علمی تجاویز کا اقتباس کرسکتے ہین،

تمام ملک مین لڑکون اور لڑکیون کے لئے چھ سے چودہ برس کے سن تک جدید لائحہ تعلیم کے مطابق تعلیم لازمی و جبری ہوگی، تمام بلاد عربیہ مین صرف ایک دستور العمل تعلیم جو ہر طرح کے مذہبی آب و رنگ سے خالی ہو جاری کیا جائیگا، تمام ابنائے وطن کو باوجود اختلاف مذاہب ایک ہی طریق و نہج پر علوم عصریہ، مبادی وطنیت اور قومی اتحاد و اخوت کی تعلیم دیجائیگی، البتہ مخصوص دینی و مذہبی مدارس کو خالص دینی تعلیم کا عام اختیار ہوگا مگر یہ شرط ضروری ہے کہ کسی دینی مدرسہ مین عام وطنی دستور العمل تعلیم کے خلاف کسی چیز کی تعلیم نہو۔

کیا اس طرز تعلیم مین دست غیر کا اشارہ ہے؟

مشرقی عورتون کے حقوق و مساوات کے متعلق،

ہم مشرقی عورتون کی ترقی اور انکو ان ناروا پابندیون سے آزاد کرنیکے لئے کوشش کرنا چاہتے ہین جنھون نے اس صنف محترم کو معطل و عضو مفلوج بنا رکھا ہے، ہم ان مشکلات کو کم کرنے مین پورے جد و جہد سے کام لین گے، جنھون نے مرد اور عورت کے درمیان ایک غیر مساویانہ تمدنی و معاشرتی امتیاز و فرق پیدا کر رکھا ہے۔

اس خیال کی بلندی ہیبت ناک ہے!

"ملک کے تمام ابتدائی داخلی مدارس اور حکومت کی فوجی و سیاسی زبان عربی ہوگی اور جو لوگ کسی غیر ملکی تعلیم گاہ مین تعلیم حاصل کرینگے، انکے لئے ملکی مجلس امتحانات مین عربی ہی زبان مین امتحان دینا لازمی ہوگا، جسطرح کہ غیر ملکیون کے لئے جو اپنے فنون و تجارت و صنعت کو ہمارے ملک مین رواج دینا چاہین گے، یہ ضروری ہوگا کہ وہ اسکا ذریعہ عربی ہی زبان کو قرار دین"

ہر نئی آزادی و استقلال حاصل کرنیوالی قوم کو ابتدائً اپنے معاملات مین بیرونی اعانت و امداد کی ضرورت ہوتی ہے، اس عربی حکومت جمہوریہ مین ان غیر ملکی مددگارون کی کیا حیثیت ہوگی، اسکے متعلق عربون کی یہ تجویز ہے،

غیر ملکون سے ہم سردست مختلف ماہرین سیاست و علم و فن کو اپنی ملکی ضروریات کے لئے بلائین گے، انکی حیثیت ہمارے وطنی عہدہ دارون کی سی ہوگی جو ہمارے ملکی واندرونی انتظامات مین ہماری مدد کرینگے اور جب انکی ضرورت پوری ہوجائیگی تو انکا انکو معاوضہ وحق الخدمت دیکر رخصت کردینگے، کیونکہ ہم اداے حقوق و معاوضہ خدمت کو پسند کرتے ہین نہ کہ دوسرون کی خیرات و صدقات کو آج ہمارا ملک اپنے مواقع وحالات اور جوش فرزندان وطن سے دولتمند ہے،

اگرچہ ابھی ان خیالات و عزائم کو "خواب پریشان" کہا جاسکتا ہے لیکن اگر اس خواب کی تعبیر عملاً حسب منشا نکلی تو پھر شاید یہ آج کی تلخی کی کل کچھ تلافی کرسکے۔

خلافت اور عرب

یورپ کی گذشتہ عظیم الشان جنگ جب ختم ہوئی تو مسلمانون کے لئے سب سے زیادہ اہم مشکلات پیدا ہوئین، سلطنت عثمانیہ کی تقسیم، مقامات مقدسہ کا استحفاظ، اور اسلامی خلافت ان مسائل کے فیصلہ پر مسلمانون کی قومی و مذہبی فنا و بقا کا دار و مدار ہے، مسیحی دنیا کی یہ قدیم خواہش ہے کہ وہ ترکون سے اسلامی خلافت کا تعلق منقطع کردے، یہ سوال یورپ کی سیاسی مجلسون مین آج سے پہلے بھی بارہا اٹھ چکا ہے، اس جنگ مین عرب کی ترکی حکومت سے علٰحدگی و آزادی نے یورپ کو اپنے اس مقصد کے پورا کرنیکے لئے بہترین موقع دیدیا، چنانچہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اس قسم کی آوازین اٹھنے لگین،

عرب پیغمبر اسلام کا مولد و منشا ہے اور وہان کی قوم رسول اللہ صلعم کی قوم ہے، اس بنا پر نسل پرست قومون مین یہ جذبہ پیدا ہونا ناگزیر ہے کہ رسول کی نیابت و خلافت بھی اسی کی نسل و قوم کا حق ہے، اگرچہ اس جذبہ مین انکی سیاسی اغراض کو بھی دخل ہے، لیکن ہم سیاست کے پہلو کو چھوڑ دیتے ہین اور صرف مذہبی نقطۂ نظر سے یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہین کہ اسلام مین نسل و قوم کا سوال کوئی چیز نہین، خلافت کا تعلق تمام مسلمانان عالم سے ہے، اسلئے تمام مسلمان عالم ہی کو اسکے فیصلہ کا حق حاصل ہے، مسلمان ہی یہ بتا سکتے ہین کہ انکا خلیفہ کون ہے؟

یورپ کے بعض اخبارات مین اس قسم کے مضامین نکلے ہین جنکا منشا یہ ہے کہ اسلامی دنیا کی خلافت کے مستحق عرب ہین اور آئندہ شریف حسین ملک العرب خلیفۃ الاسلام ہونگے، لیکن اس بارہ مین خود عربون کا رویہ کیا ہے، اسکا علم عربی اخبارات کے حسب ذیل بیان سے ہوگا۔

اخبار الکوکب عدد ۱۵۹ اس ردافتراء کے زیر عنوان لکھتا ہے،

بعض بدغرض اصحاب یورپ کے اخبارات مین یہ لکھ رہے ہین کہ برطانوی حکومت

جلالۃ الملک "حسین" کو اس امر پر برانگیختہ کر رہی ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کا دعوی کرین حالانکہ ایسا کرنے مین مسئلہ شام کے متعلق سخت پیچیدگیان پیدا ہوجائنگی،

ہم بار بار اس افترا کی تردید کی ضرورت نہین سمجھتے، القبلہ (مکہ معظمہ) مین حکومت ہاشمیہ کی طرف سے بارہا شاہی اعلانات شایع ہوچکے ہین کہ جلالۃ الملک "حسین" کا یہ بالکل ارادہ نہین کہ وہ تمام مسلمانان عالم کے اتحاد و اتفاق کے بغیر "امیرالمومنین" کا لقب از خود اختیار کرلین،

امیر فیصل نے بھی برطانوی مدبرین سے گفتگو کرتے ہوے لندن مین صاف صاف اسکو ظاہر کردیا ہے کہ مسئلہ خلافت ان اسلامی مسائل مین سے ہے جسکا فیصلہ عالم اسلامی کے ہاتھوں مین ہے تمام مسلمانان عالم ہی کی متفقہ آواز کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جسکو چاہے "خلیفۃ الاسلام" مقرر کرے۔

"القبلہ" عنوان خلافت کے ماتحت ایک طویل مضمون مین لکھتا ہے کہ

الحمد للہ ہم (اہل عرب) ان مین سے نہین ہین جو کسی کے واجبی حقوق سے انکار کرین اور احسانات کو بھول جائین، ہم آج بھی آواز بلند یہ کہہ رہے ہین کہ اللہ تعالی آل عثمان پر رحمت نازل کرے اور انکو ہم سے بہتر جزا عطا فرماے، ہمکو انکی شاندار تاریخ کا اعتراف ہے، ہمکو انکے محاسن و مآثر سے انکار نہین گو ان مین کچھ ایسے اشخاص بھی گذرے ہیں، جنکی روش و سیاست سے ہمین اختلاف تھا لیکن اچھے اور برے قوم مین ہوتے ہی ہین، تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا مین بھی ہم (اہل عرب) وہ لوگ تھے جنھون نے [illegible] عثمانیت کے ساتھ سب سے پہلے انکی حکومت کو اسلامی حکومت تسلیم کیا تھا، اور آخر مین بھی ہم ہی وہ لوگ ہونگے جو انکی اس خصوصیت کو قائم رکھنے اور اسکی حفاظت کی کوشش کرینگے، اور اس مسئلہ خاص (خلافت) [illegible] گذشتہ شاہی اعلانات کافی ہیں،

[illegible] نے آخر مین ایک شاہی اعلان بھی نقل کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ

[illegible] ملک العرب حسین کو امیرالمومنین کے لقب سے یاد کرتے ہین وہ ایسا نکرین کیونکہ یہ لقب خلافت ہے جسکا انکو دعوی نہین

اخبارِ علمیہ

چند سال گذرے کہ حکومت ہند نے ڈاکٹر سٹین کی سرگردگی مین ایک وفد وسط ایشیا کو بھیجا تھا اس نے حدود چین پر ایک عمیق و قدیم غار مین چار ہزار سے زیادہ چینی کتابین پائی تھین، مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ آغاز ق۔م سے دسوین صدی میلاد تک کے درمیان کی لکھی ہوئی کتابین ہین، اور یہ قدیم کتبخانہ سات مختلف لغات کی کتابون پر مشتمل ہے، کتابون کے غار مین پائے جانے سے یہ قیاس کیا گیا کہ شاید انکے مالکون نے وحشی قومون کے حملون سے ڈر کر بغرض حفاظت انکو یہان چھپا دیا تھا، غار کا منھ بہت مستحکم طور پر بند کیا گیا تھا، اسی وجہ سے باوجود امتداد زمانہ تبک کسیکی نگاہ ان کتابون پر نہین پڑی، اور وہ ہنوز صحیح و سالم باقی رہین،

آج سے چند سال پیشتر ایک مغربی عالم جان گریہم نے رسالہ ہیبرٹ (فلسفی و علمی رسالہ) مین یہ دعوی شایع کیا تھا کہ میرس (ایک عالم نفسیات) کی روح نے بعد از وفات مجھ سے گفتگو کی، اس نے کہا کہ وہ یہان اپنی سابق دنیاوی زندگی سے اچھی زندگی مین ہے، اب وہ پھر دنیا میں آنا پسند نہین کرتی، لیکن وہ ابھی تک دنیاوی تعلقات کو فراموش نہ کر سکی، اور وہ ہنوز قرب الٰہی سے بہت دور ہے، اس روح نے یہ بھی بیان کیا کہ جسم سے نکلنے کے بعد روح پر چہ برس ایسے گذرتے ہین کہ وہ حالت خمول مین رہتی ہے اور اسمین کسی قسم کا وجدان نہین ہوتا پھر وہ زمین اور اسکے علائق سے دور ہوجاتی ہے اور اسکے بعد دوبارہ دنیا سے اسکا کسی طرح کا تعلق قائم نہین رہتا۔

بعض آلات کے ذریعہ سے آفتاب کے گرد کچھ سیاہ اور زیادہ تر سرخ لکیرین نظر آتی ہیں جنکا سبب یہ تھا کہ آفتاب اپنی بعض شعاعوں کے لئے کرۂ ہوائی سے آکسیجن جذب کرتا تھا، لیکن چونکہ انکا رنگ بہت ہلکا ہوتا تھا اسلئے دوسرے سیارون کے گرد اس قسم کی لکیرین نظر نہین آتی تہین، لیکن پروفیسر موصوف نے فوٹوگرافی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس سے ہلکی سی ہلکی روشنی بھی نمایان ہوسکتی تھی، پروفیسر موصوف نے اس آلہ کے ذریعہ سے دوسرے چھوٹے سیارون کی تصویرین لین تو ان مین بھی اسی قسم کی لکیرین نظر آئین اور ان سے ثابت ہوگیا کہ ان سیارون کی فضا بھی آکسیجن سے خالی نہین، متعدد دلائل سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ان سیارون کی فضا مین ہیڈ روجن اور بخارات مائیہ بھی موجود ہین اور چونکہ انکی سطح زمین سے زیادہ گرم ہے اسلئے انکی مقدار زمین سے بھی زیادہ ہے،

جہازون کے فاصلے اور انکے مواقع کے دریافت کرنے کے لئے ایک برقی طریقہ ایجاد کیا گیا ہے کہ ہر جہاز مین ایک گھڑی رکھدیجاتی ہے جسکی سوئی ایک ایسی برقی رو سے حرکت کرتی ہے جو بغیر تار کے پہنچتی ہے، اس جہاز مین ایک توپ بھی رکھدیجاتی ہے جسکا چلنا برقی آلہ کو حرکت دیتا ہے، جب وہ جہاز کسی مصیبت مین مبتلا ہوتا ہے، اور توپ چلائی جاتی ہے تو برقی آلہ کو گردش ہوتی ہے اور اسکا اثر فوراً ان برقی آلون پر پڑتا ہے جو دوسرے جہازون مین لگے ہوئے ہوتے ہین، اسکے بعد جو لوگ ان جہازون مین ہوتے ہین توپ کی آواز سنتے ہین لیکن جسقدر جہاز کا فاصلہ ہوتا ہے، اسیقدر آواز کے پہنچنے کا وقت مختلف ہوتا ہے، کیونکہ آواز ہر منٹ مین ایک معین مسافت طے کرتی ہے، اسلئے جو گھڑی برقی طاقت سے حرکت کرتی ہے، اسکی ابتدائی حرکت اور توپ کی آواز سننے مین فرق معلوم ہوتا ہے، مثلاً اگر توپ کی آواز ۲۰ سکنڈ مین پہنچتی ہے تو یہ معلوم ہوجائیگا کہ جہاز کا فاصلہ ۲۲ ہزار فیٹ ہے۔

فن پرواز کی ترقی نے اب آلات پرواز کو سفر و تجارت کیلئے بھی مفید ثابت کیا ہے، پیرس اور لندن کے درمیان ہوائی جہاز تجارتی مال اور ڈاک بھی لانے لگے ہین، یہ طریقہ تجارتی حیثیت سے نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے، کیونکہ اسطرح اسباب تجارت بسرعت وحفاظت پہنچتے ہین نیز محصول بھی کم پڑتا ہے۔ انگلستان مین لندن اور بروکسل کے درمیان بھی اس سلسلہ کو جاری کرنیکی تجویز ہو رہی ہے۔

اس پر بھی غور وخوض کیا جا رہا ہے کہ کرۂ ہوا کے سفر کا یہ سلسلہ یورپ اور امریکا کے درمیان بھی قائم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے بڑے بڑے مضبوط ومستحکم اور تا دیر طاقت پرواز رکھنے والے طیارے بنائے جا رہے ہین، ایک طیارہ کو اڑا کر یہ تجربہ کیا گیا جو سات ہفتہ تک کامیابی کے ساتھ برابر اڑتا رہا۔

نیویارک (امریکہ) اور لیورپول (انگلستان) کے درمیان بھی اس سلسلہ کے قیام کا تجربہ کیا جا رہا ہے، ان طیارون کے ساتھ تمام ضروری آلات ہوتے ہین، یہانتک کہ اُنکے لئے رینڈہن اور ہیڈر وجن پیدا کرنے کے بھی۔

اس عالمگیر جنگ یورپ سے پہلے روسی علاقہ قفقاز مین مسلمان طلبا کی جو تعداد تھی وہ حسب ذیل ہے

(۱) قفقاز کے شاہی مکتب مین ۵۹۰،

(۲) مختلف ثانوی مدارس مین ۵۵۸،

(۳) مختلف مکاتب نسوان مین ۷۰۵ لڑکیان،

(۴) دارالصناعہ مین مسلمان لڑکے ۱۹۱،

ادبیات

یہان اکتوبر کے ابتدائی ہفتہ مین حسن اتفاق سے ایک ایسی صحبت رہی جسکے اکثر ارکان شاعر تھے، مولوی فضل الرحمن صاحب بی اے ال ال بی، مولوی سجاد انصاری بی۔ اے ال ال بی بارہ بنکی سے اور مولوی عبدالحی خان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر گیا سے تشریف لائے تھے، بقیہ شرکاے بزم مقامی تھے، ایک شب شعر و سخن کا دلچسپ تذکرہ تھا، اس مجلس مین شعراء سے خواہش کیگئی کہ ہر صاحب اپنے کلام مین سے اپنی پسند کے دو منتخب شعر فرمائین چنانچہ سب صاحبون نے اشعار پڑھے، ہم ان اشعار کو ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے بہ ترتیب درج کرتے ہین،

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی

اچھی نہین ہے گرم روی اس دیار مین — مین چھپ گیا خود اپنے اٹھائے غبار مین
رخ جانان پہ دیکھی کشمکش شرم و تبسم کی — قیامت ہے نگاہ آرزو کا گدگدا دینا

مولوی فضل الرحمن صاحب بی اے ال ال بی

رو رو کے گذار دی شب غم شمع نے لیکن — نیند آ ہی گئی جنبش دامان سحر سے
ظرف کسکا ہے کہ تا ب بادہ نوشی لاسکے — دور مین چشم خمار آگین کے جام آتے تو ہین

مولوی عبدالحی خان صاحب بی۔ اے

تری مے پاک ہے ساقی تری چھینٹین مبارک ہین — اسی دن کے لئے مین نے بچا رکھا تھا دامن کو
قفس مین چین دیتے تنکے بھرا پھولون سے دامن کو — مگر صیاد نادان کچھ نہ سمجھا میرے شیون کو

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

مری نگاہ مین اسرار عشق ہین پنہان | کہ تم سے کی ہے اشارون مین گفتگو برسون
صیاد و باغبان کی بھی پڑتی ہین نگاہ | بگڑی ہوئی یہ شکل مرے آشیان کی ہے

مولوی سجاد صاحب انصاری بی۔اے ال،ال بی۔

دل ٹوٹتے ہی رنج شکستگی نے لے لیا | اللہ ری بے ثباتی پیمان آرزو
تغافل کو برا کہہ [illegible] | حیا کا طرز کتنا نہ آگاہ تمنا ہے

مولوی مرزا احسان احمد صاحب بی۔اے ال ال بی

مین کیا بتاؤن تجھسے کہ ہنگام عرض شوق | کیا کیا ادائین تہین نگہ شرمسار مین
احسان کہین یہ تری خاک دل نہو | ذرے چمک رہے ہین کچھ اٹھتے غبار مین

مولوی ابوالحسنات ندوی

اللہ رے انبساط نشان جبہہ بھی | گم ہوگئے ہین نقش کف پای یار مین
نہ پنہان اسکی ہستی مین اگر راز فنا ہوتا | تو پھر یہ مشت خاک انسان کیون ہوتا نمودار

کلام دانا

از مولوی حکیم رکن الدین صاحب دانا

موصوف دار العلوم ندوۃ العلماء کی سب سے پہلی فارغ التحصیل جماعت کے ایک رکن ہین کسی مزید تعارف کی ضرورت نہین البتہ یہ کہ آپ اپنی طبی مشغولیتون کے باوجود اخبارات و رسائل مین کچھ نہ کچھ برابر لکھتے رہے ہین، اس ذریعہ سے آپ اخباری عالم مین بحیثیت ایک عمدہ مضمون نگار کے خاص شہرت رکھتے ہین، شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق ہے، دوسری باتون کے علاوہ ذیل کی غزل مین تسلسل کا وصف مخصوص قابل لحاظ ہے، غزل کی صنف حسن و عشق کی مختلف کیفیات و واردات کیلئے

مخصوص بھی جاتی ہے ہمیں اس سے اختلاف نہیں لیکن کیا اس جدید طرزِ تغزل پر بھی ہمارے شعراء کی توجہ ہوگی ؟

نہ سودا تھا کبھی مجھکو کسی کی زلفِ پیچاں کا
نہ لذت آشنا دل تھا کسی کے دردِ ہجراں کا

نہ شکوہ لب پہ تھا بدقسمتی کا چرخِ گرداں کا
نہ رنجِ صبح کا، گھڑیال کا، خوابِ پریشاں کا

نہ غم کا درد کا رنج و الم کا روز کا شب کا
نہ تپ کا ہجر کا سوزِ دروں کا آہِ سوزاں کا

نہ خارِ دشت کا صحرا کا یا کہ دشت گردی کا
نہ وحشت کا جنوں کا، دست کا چاکِ گریباں کا

نہ آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں کچھ نہ تھی کوئی ہوس دل میں
نہ پروا تھی رقیباں کی نہ منت کش تھا درباں کا

غرض ہر طرح تھا امن و اماں صبر و سکوں مجھکو
نہ تھی کوئی خلش دل میں نہ ڈر تھا جان و ایماں کا

مگر اب ہو گئی ہے دل کہ بیتابی ہے اور میں ہوں
گیا صبر و سکوں اک ہوا دل، دشمنِ جاں کا

غزل فارسی

بزمِ عیش است و دلا بادہ بجام است اینجا
زہد مفروش کنون توبہ حرام است اینجا

ساقی و مطرب و چنگ و ہمہ اسبابِ نشاط
فرصت باد کنون ہر لب کام است اینجا

فرصت از دست مده آنچہ توانی دریاب
غم فردا ہمہ اندیشۂ خام است اینجا

خبرم نیست چہ بر سر رود از ہمتِ ہوس
رہِ عشق است و ہمہ دانہ و دام است اینجا

عالمے ہست دگر گشتہ ہمہ یاران عمرا
[illegible] صبح غازۂ شام است اینجا

ہمچو نخچیر بروں جستہ ز دامِ صیاد
نقشِ ہر گامِ خودم حلقۂ دام است اینجا

زاہدا ز جنبشِ دل لی نتوان گفت سخن
جلوۂ [illegible] طاؤس خرام است اینجا

بادہ بیش آر کہ سرمست ازین رہ گذرم
کوئی عشق است و ہمہ لغزشِ گام است اینجا

مجلسِ وعظ کجا و سخنِ یار کجا
ہمہ دانند کہ واعظ ز عوام است اینجا

کوکبِ شعر ترا اوجِ قبولِ عام است
نیّر از گفتۂ تو زمزمہ عام است اینجا

[illegible]

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ شبلی

خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر (اٹاوہ) کے نام

متعلق استعفا از نظامت سر رشتۂ علوم و فنون حیدرآباد دکن و قیام علیگڈھ کالج و ندوہ

(۱)

مکرمی - اصل یہ ہے کہ مین اخبار ہندوستانی مین اکثر ہندوؤن کے ایثار نفس کے واقعات پڑھا کرتا تھا اور ہر دفعہ مجھکو ایک نیا جوش پیدا ہوتا تھا، یہانتک کہ ایک دفعہ ہندوستانی کا پرچہ دیکھکر اسقدر اثر ہوا کہ اسی وقت مین نے ظفر علیخان کو لکھا کہ عماد جنگ سے کہو کہ میرا منصب (جو رک گیا تھا) جاری کرا دین تو مین فوراً استعفا دیکر چلا جاؤن، لیکن عماد جنگ کچھ نہ کر سکے، بالآخر مین نے دلیری کرکے استعفا دیدیا اور چلا آیا، منصب پھر جاری ہو گیا، ارادہ بھی یہی تھا اور ہے کہ علی گڈھ اور لکھنؤ دونون جگہ نصف نصف مسادی قیام کرون، لیکن لکھنؤ آکر دیکھا تو موجودہ ناظم کی کجروی نے ندوہ کو پامال کر دیا ہے، دیکھا نہ گیا کوشش کرکے انکو نظامت سے ہٹایا اور دار العلوم کو اپنے ہاتھ مین لیا، چونکہ تمام امور درہم برہم ہین دو تین مہینے مستقل قیام کرنا پڑیگا تاکہ انتظام کے پرزے کام دینے لگین امید ہے کہ جب ایک ڈھچر قائم ہو جائے تو علی گڈھ جانے اور رہنے کا موقع ملے، یہان کے طلبا مین جو روشن خیالی جدت اور قابلیت علمی ہے بخدا مدارس عربیہ مین اسکا پرتو تک نہین،

کسی قومی کام پر اپنے آپکو وقف کرنا بڑا کام ہے، میرا منہ نہین کہ مین یہ دعوی کرون اسلئے مین نے اپنے منہ سے یہ حرف نہین نکالا، البتہ طریق عمل سے لوگون نے قیاس کیا اور شہرت دی، ہان انجمن کا کام جاری رہے، بابا صاحب کو لیتے کتابین بھیجدین، ندوہ کی ہمدردی پر بعض حامیان کالج مجھکو رقیبانہ نگاہ سے دیکھنے لگے ہین لیکن مین اسکو کیا کرون میرے نزدیک ندوہ کے مقاصد کالج کی قوت دینے والے ہین،

شبلی

سلہ فی اردو

۳ جون سنہ ۱۹۰۹ء

(۲)

متعلق اختلاف مابین

[illegible]کری - آپ کے ہان کے لڑکے آئے تھے، اور آپکا خط لائے تھے، مین نے اُن سے کہدیا تھا کہ آج دفتر بند ہے کل اسی وقت آئیگا، مین کتابین دیدونگا، معلوم نہین پھر وہ کیون نہین آئے۔

مین ایک مدت سے دیکھ رہا ہون کہ آپکا برتاؤ میرے ساتھ نہ دوستانہ ہے نہ صاف دشمنانہ لیکن یہ حالت کچھ اچھی حالت نہین، یکسو ہوتا تو بہتر ہوتا، مین نے بہت غور کیا کہ آپکے اس تغیر مزاج کی کیا وجہ ہے، کچھ سمجھ مین نہ آیا، ابتدا انکی انجمن اردو کے قیام کے زمانہ سے ہوئی، جسکی مطلق کوئی وجہ نہ تھی، خیر یہ تو مین اس کا سکریٹری بھی نہین [illegible] میرے تعلق سے آپ ندوہ سے بھی بیزار ہین، یہانتک کہ ندوہ کی رپورٹ بھیجی گئی تو رسید تک نہین، مین خود [illegible] دیکھتا ہون، وہ آپ چھاپتے تک نہین، مثلاً حال کا مضمون "راجپوتون پر"، ممکن ہے کہ آپ کے خلاف تھا [illegible] دریافت کر دیتے۔

بہرحال میرے نزدیک صاف دلی سے ملنا بہت اچھا ہے، گو مخالفت ہی ہو، ایسی رنجداری مریدتعلق سے بیا زائدہ۔

شبلی

ندوہ، لکھنؤ۔

۳ جون سنہ ۱۹۰۹ء

باب التقریظ والانتقاد

دیوان میر رضی

از قاضی احمد میان اختر (جونا گڑھ)

۱۳۲۲ھ میں جبکہ راقم کے برادر مکرم مرحوم سومنات پٹن تشریف لیگئے تھے، اسوقت پٹن میں راقم کے خویش واقارب کے ہاں انکے بزرگون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ تھا، جو بسبب مرور ایام و عدم انتظام قریب معدوم ہوجانے کے تھا، بھائی صاحب مرحوم کو اسکے دیکھنے کا اشتیاق تھا، چنانچہ انھون نے اسکو ٹٹولا تو تمام ذخیرۂ کتب کو دیمک کی نذر پایا، صرف ایک قلمی نسخہ صحیح وسالم "دیوان میر رضی" کا ہاتھ لگا، یہ دیوان اسوقت راقم کے پاس موجود ہے، مگر افسوس ہے کہ سوائے تذکرۂ آتشکدہ کے کسی تذکرہ میں میر رضی کے حالات کا پتہ نہین چلتا، مین نے بیسیون تذکرے اس مطلب کے لئے دیکھ ڈالے، تاہم اس دیوان کے مطالعہ سے بعض حالات کا انکشاف ہوا ہے جنکو مجملاً ہدیۂ ناظرین کرتا ہون،

مصنف کا نام جو دیوان کے آخر مین لکھا ہوا ہے "میر رضی ارتیمانی" ہے، صاحب آتشکدہ نے صرف سطور ذیل پر اکتفا کیا ہے،

"میر رضی از سادات ارتیمان (ہمدان) من محال تو سرکان سیدے کریم الطبع حسن الخلق بودہ تخلص باسم می کند تخمیناً یک ہزار گفتہ از دست بدنگفتہ!"

اور نمونۂ کلام مین چند اشعار انکے دیوان سے نقل کردیے ہین، اسکے سوا کچھ نہین لکھا، البتہ مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ عباس صفوی کے عہد مین تھے، جسکی سلطنت کا زمانہ ۹۹۶ھ سے ۱۰۳۸ھ تک ہے، چنانچہ شاہ عباس کی مدح مین چند قصائد پائے جاتے ہین، ایک قصیدہ کے

دو شعر پیش کرتا ہون جنمین شاہ عباس کا نام آتا ہے:-

بجز شہ کہ در دورِ عباس شاہ | بہ کا ہے بہ بخشند کوہے گناہ
سکندر توان و سلیمان شدن | ولے شاہ عباس نتوان شدن

میر رضی مذہبًا شیعہ تھے، اور شیعہ بھی غالی جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے معلوم ہوگا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان مین لکھے ہین،

دیگر بخدا ے برنداری دست | شاہی اگر علی عسر آن را

ای خجل از مدح تو مدح و ثنا | عاجز اندر سر تو عقل لبشر
منکہ او شعرم چہ او مدحم کدام | اے خدا و مصطفایت مدح گر
کس نبود ے مثل تو مانند او | مثل خود میدانستی ایزد مگر
او مت باللہ او ست مجریٔ قضا | اوست باللہ دست منشی قدر
گر شفیق مانہ کیف المدار | در شفیع مانہ این المفر

مصنف کے حسن اخلاق اور کریم الطبعی کی نسبت صاحب آتشکدہ کا بیان کافی ہے، دنیوی حالت کے لحاظ سے شاید وہ تنگ دست تھے، اسلئے کہ جو قصائد انھون نے بادشاہ کی مدح مین لکھے ہین انمین جا بجا اسکی طرف اشارہ پایا جاتا ہے،

جام جہان نماست ضمیر منیر تو | یک یک درو نمایان احوال این و آن
شرح غم فقیران از رنگ چہرہ یاب | درد دلِ اسیران از لوح جبہ دان
باللہ ہر کہ ہر چہ تمنا کند دہی | وادہ ترا چہ حاجت امداد این و آن
بخشندہ ہر چہ باید و شاید ترا خدا | تو نیز بخش ہر چہ بہر کس کہ میتوان

خواہی کہ دمبدم زخدایت مدد رسد | امداد ناتوان بنفسِ رمانے ناتوان
کار شکستگان جہان را درست کن | کارت درست ساختہ یزدان انس جان
گاہے سوال عاجز و مسکین و بینوا | حرف "نہ" ہرگزت نگذشت ست بر زبان

تعجب نہین اگر میر رضی ہندوستان مین بھی آچکے ہون، ذیل کے دو شعر اسکی تائید کرتے ہین،

بگیرید زنجیرم اے دوستان | کہ یلم کند یاد ہندوستان

ندیدم جز جفا از خط و خالش | نمی دارد وفا ہندوستانی

کلام ہر صنف نظم مین میر رضی کا کلام موجود ہے، اور اس سے شعر و سخن پر انکی پوری قدرت ظاہر ہوتی ہے، میرے خیال مین متاخرین شعراء ایران قاآنی و نشاط وغیرہ کے کلام کے ساتھ انکے کلام کا مقابلہ کرنے سے انکی وقعت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، انکے کلام پر صاحب آتشکدہ نہایت مختصر، مگر ناک بھون چڑھا کر "بد نگفتہ" کہکر رہ گیا ہے، اور اسطرح انکو بالکل ایک معمولی درجہ کا شاعر خیال کرکے انکے ساتھ زیادہ اعتنا نہین کیا، ورنہ ماہرین ادب فارسی کے نزدیک ان کا کلام متاخرین مین سے بعض سے کمتر اور اکثروں سے بہتر درجہ حاصل کرنے کا مستحق ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خود انکے زمانہ مین اُن کا کلام مقبول خاص و عام تھا جیسا کہ انکے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے،

انجمنہا پُر ز دیوانِ رضی ست | عالم از آدم تہی بودہ مگر

میر رضی کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے، چنانچہ اُن کے اشعار کی کل تعداد جو اُنکے موجودہ دیوان مین تقریباً ۱۴۷۶ ہے، ان مین بعض کلام ایسی بحروں مین ہے جنمین سوائے قادر الکلام کے کوئی مشکل سے شعر کہہ سکتا ہے، وہ ہمیشہ چھوٹی بحروں مین لکھتے ہین حتی کہ بعض قصائد مین بھی انھون نے یہ روش اختیار کی ہے، قدماء کے طرز پر ساقی نامے بھی لکھے ہین، اور

ن مین برابر بیلے پھوے ہین، تنوع تخیلات، ندرت تشبیہات، سلاست زبان اور اکثر جگہ فارسی محاورات کا استعمال انکی غزلیات کا امتیازی وصف ہے،

ہمارے ہان "طمانچہ مار کر منہ لال کرنا" محاورۃً بولا جاتا ہے، اسکی اصلیت فارسی ہے، چنانچہ میر رضی نے اسکو اسطرح کہا یاہے،

رضی سان سرخ دارم از طپانچہ روی خود ہرسم　　که رنگ لاغری از گشتنم سازد پشیمانش

دیوان، انکے دیوان کا قلمی نسخہ راقم کے پاس ہے، چھوٹی تقطیع پر ایرانی خط مین خوشنما لکھا ہوا ہے، جسمین غزلیات قصائد، ساقی نامہ، رباعیات وغیرہ کل اشعار کی تعداد ۲۰۰۴ ہے، اس دیوان کا کاتب محمد صالح ابو المعالی الحسنی الحوارزمی النقشبندی ہے، جس نے اس دیوان کو شہر لاہجان مین ۱۰۵۵ھ مین لکھا ہے

اس دیوان سے یہان چند اشعار نمونۃً نقل کرتا ہون،

ہجرت ز وصل خیر خبری دہد مرا　　مرگم نوید مرگ دگری دہد مرا

در خاطران شوخ مگر نالہ اثر داشت　　کامشب الم از نالۂ خود ذوق دگر داشت

گر سایۂ برگ گل فتد بر تو　　بر عارض نازکت نشان ماند

افتادہ ام بہ بستر مرگ از تغافلت　　سنگین دلا بیک نگہم می توان خرید

تا بسر شور سر آن زلف پریشان دارم　　نہ سر کفر و نہ اندیشۂ ایمان دارم

پردہ بردار کہ تا بر ہمہ روشن گردد　　کز چہ رو مذہب خورشید پرستان دارم

با خیال خط آسودہ ام از محنت ہجر　　ہمرہ نوح چہ اندیشۂ طوفان دارم

ای رضی رو زی کافر نشود آمین گو　　زین خجالت کہ من از گبر و مسلمان دارم

مطبوعاتِ جدیدہ

گنجینہ، مصنفہ جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی، تقطیع کتابی، کاغذ سفید، لکھائی چھپائی متوسط، صفحے ۱۰۹، قیمت ۸؍ علاوہ محصول ڈاک، ملنے کا پتہ: منشی عزیز اللہ خان، گھیر ملکیان، رامپور اسٹیٹ،

یہ کتاب چند نظموں کا مجموعہ ہے، پہلی مثنوی "حسن" ہے جو اس سے پہلے دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے اس تیسری اشاعت میں مصنف نے کچھ اشعار بڑھائے ہیں، نیز اصل مثنوی میں بھی حک و صلاح اور تصحیح و ترمیم سے ایک نئی شان پیدا کر دی ہے،

دوسری نظم "بہار" تیسری "ہندوستان کی برسات" اور چوتھی "طبیعیات اور مذہب" پر ہے، منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کسی جدید تعارف کے محتاج نہیں، ادب و شاعری کی دنیا آپ کے محاسن کلام و خصوصیات شاعری کو بارہا دیکھ چکی ہے، اس کتاب کو پبلک میں پیش کرتے ہوئے اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ ادبی مجموعہ جناب شوق کی طبع رسا کا نتیجہ ہے،

مثنوی "حسن" میں ان فلسفیانہ خیالات کو جمع کرنے اور انکی تشریح کرنیکی کوشش کیگئی ہے، جو حسن کے متعلق مختلف پہلوؤں سے ظاہر کئے گئے ہیں، شاعرانہ تمثیل کے لئے مختلف اشیاء عالم کے نام بھی آئے ہیں، ہر چیز میں دلکشی کا جو سبب ہے حتی الامکان اسکے بیان کی بھی کوشش کیگئی ہے، جہانتک طرز بیان، حسن ادا اور لطافت ادبی کا تعلق ہے، مصنف کی محنت قابلِ داد ہے، صفائی، برجستگی پختگی یہ سب اوصاف جمع ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ جتنی طوالت دیگئی ہے اگر اس سے پرہیز کیا جاتا تو بہتر تھا، بے شبہ اطناب خود ایک حسن ہے، لیکن ہر چیز حد اعتدال سے گذر کر داخل عیب ہو جاتی ہے

"بہار" والی نظم کا کیا کہنا، صفائی و سلاست سب کچھ ہے، البتہ سبزۂ و گل، برگ و بار کی زیادتی